فتاویٰ فلاحیہ

جلد سوم

از: حضرت مفتی احمد ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث وصدر مفتی: دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر، گجرات،
صدر جمعیۃ علماء ہند، گجرات شاخ، وبانی دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی

ناشر:
حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب
خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا۔ فون: 1905 966 4141

فتاویٰ فلاحیہ

کتاب الجنائز
کتاب الزکاۃ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ.
(۹-التوبہ: ۱۲۲)

تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله وسنة نبيه. (موطأ إمام مالك)

فتاویٰ فلاحیہ جلد سوم

دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل اور دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی کے مسند افتاء سے دیے گئے فتاویٰ کا بیش قیمت مجموعہ

از: حضرت مفتی احمد ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث وصدر مفتی: دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، گجرات،
صدر جمعیۃ علماء ہند، گجرات شاخ، و بانی دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی

مرتب: مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی

استاذ حدیث وفقہ: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

ناشر: حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب

خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا۔ فون: 905 578 2547

رکن منتظمہ: دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، بھروچ، گجرات، پن نمبر: 394115

تفصیلات

نام: **فتاویٰ فلاحیہ** جلد سوم

صاحب فتاویٰ: حضرت مفتی احمد بن ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی

بہ اہتمام: دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر

ناشر: حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات
(خادم: مسجد عمر ہیملٹن، کینیڈا)

سن طباعت: محرم الحرام، ۱۴۳۸ھ، اکتوبر، موافق: ۲۰۱۶ء

ملنے کے پتے:

(۱) دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی، انکلیشور، بھروچ، گجرات	02646 274243
(۲) حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب، خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا	905 578 2547
(۳) مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی، دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات	940 951 8452
(۴) مدنی ویلفیئر ٹرسٹ، کوسمبا، سورت، گجرات	9408 746664
(۵) ادارۂ صدیق، ڈابھیل، ضلع: نوساری، گجرات	09904 886188
(۶) مکتبہ نعیمیہ، دیوبند، یوپی	01336 22329
(۷) جے ایم سی انڈیا پبلشر پرائیویٹ لمیٹیڈ، جھاباؤس، ویسٹ نظام الدین	011 24352220
(۸) مدرسہ اسلامیہ عربیہ، آزادویل، ساؤتھ افریقہ	114 132786
(۹) مدرسہ تعلیم الدین، اسپنگو بیچ، ڈربن، ساؤتھ افریقہ	273 19029916
(۱۰) مولانا اسامہ ساچا، 19، انگھم روڈ تھورن ہل لیس، ویسٹ یارک شائر، یو-کے	+447712124569
(۱۱) مفتی اسعد بن عبد الرزاق پالن پوری، دار العلوم مرکز اسلامی، انکلیشور	9427 640 250

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست فتاویٰ فلاحیہ جلد سوم

[فہرست:..........۳-۲۷]

کتاب الجنائز (۳۹-۲۷۶)

متفرقات الجنائز (۴۰-۵۶)

[جنائز کے متفرق مسائل]

مایتعلق بالمحتضر (۵۷-۶۶)

[جاں کنی کے عالم کا بیان]

باب ما یتعلق بغسل المیت (۶۷-۸۲)

[غسلِ میت کا بیان]

باب ما یتعلق بکفن المیت (۸۳-۹۲)

[کفن کا بیان]

باب ما یتعلق بحمل الجنازة (۹۳-۹۹)

[جنازہ کو اٹھانے کا بیان]

باب صلاة الجنائز (۱۰۱-۱۳۳)

[نماز جنازہ کا بیان]

باب ما یتعلق بدفن المیت (۱۳۵-۱۶۹)

[تدفین کا بیان]

باب إهداء الثواب للميت (۱۷۱-۲۲۵)

[ایصال ثواب کا بیان]

(اس سلسلے کے اکثر مسائل پہلی جلد (ص: ۵۰۷، ۳۴۳ تا ۳۹۸) میں سنت وبدعت کے مرکزی عنوان کے تحت آ چکے ہیں، یہ باب درحقیقت اس کا تتمہ ہے)

باب التعزیة (۲۲۷-۲۳۲)

[تعزیت کا بیان]

باب ما یتعلق بالزیارة والقبر والمقابر (۲۳۳-۲۶۹)

[زیارت، قبر اور مقابر کا بیان]

باب الشهيد (۲۷۱-۲۷۵)

[شہداء کا بیان]

کتاب الزکاۃ (۲۷۷-۵۹۹)

باب وجوب الزکاۃ (۲۷۸-۳۶۴)

[وجوبِ زکاۃ کا بیان]

باب الزكاة في الذهب والفضة والفلوس (۳۶۵-۳۷۳)

[سونا، چاندی، اور نوٹ پر زکاۃ]

باب في العشر والخراج (۳۷۵-۳۹۰)

[عشر وخراج کا بیان]

باب اداء الزکاۃ (۳۹۱-۴۷۰)

[زکاۃ کی ادائیگی کا بیان]

باب مصارف الزکاۃ (۴۷۱-۵۶۲)

[زکاۃ کے مصارف کا بیان]

باب صدقة الفطر (۵۶۳-۵۷۲)

[صدقۃ الفطر کا بیان]

باب الصدقات النافلة (۵۷۳-۵۸۶)

[صدقات نافلہ کا بیان]

متفرقات الزکاۃ (۵۸۷-۵۹۹)

[زکاۃ کے متفرق مسائل]

تقریظ وتائید

حضرت مولانا ومفتی سید مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی: جامعہ اسلامیہ تعلیم الاسلام، ڈیوزبری مرکز، یو۔کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی.

دین اسلام ان تمام خصوصیات وخوبیوں کا حامل ہے، جو سابقہ ادیان میں موجود تھیں، اسی طرح ان تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں سے پاک وصاف ہے، جو دوسرے مذاہب اور خود ساختہ ادیان میں تھیں اور ہیں، اس لیے ہر مذہب وملت اور دین نے بجاطور پر دین اسلام کو اپنا مقابل وحریف سمجھ کر اس کی راہ روکنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اہل اسلام اور بالخصوص علماء دین نے منشاء خداوندی کی تکمیل میں، دین کی حفاظت، دفاع اور نشر واشاعت کے لیے ہر محاذ پر، ہر طرح کی قربانیاں دے کر اسلام کی حفاظت اور تبلیغ کا اہم فریضہ انجام دیا۔

اس وقت سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ موجودہ دور کی نوجوان نسل کو اسلام سے آشنا کیا جائے، اور جس طرح بھی ممکن ہو، انہیں اصلی وسچا اور پکا مسلمان بنایا جاوے، نسل جدید کو اسلام کی اساس سے روشناس کرائے، علمی فتنوں سے نجات دلائے، فقہ اسلامی کو فرسودہ اور ناقابل عمل کہہ کر مسترد کر دینے کی روش تبدیل کرائے اور فقہ اسلامی کی تطبیق جدید کے ذریعہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور علم کلام سے اس کا رشتہ جوڑے۔

اہم فقہی مسائل بالخصوص جدید فقہی مسائل کا حل: امت مسلمہ کی ہر وقت اور ہر لحہ بنیادی ضرورت رہی ہے؛ کیوں کہ فقہ عملی زندگی کے آداب واحکام کا نام ہے، اور ہر لحہ مسلمانوں کے ساتھ یہ ضرورت لاحق ہے، لہٰذا اکابرو مشائخ واساطین علم وفضل نے ہر دور میں اس دینی فریضے پر پوری توجہ دی ہے، اور امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے، اور اس کو شرعی احکام سے آگاہ کرنے کے لیے درپیش مسائل ومعاملات میں حضرات مفتیان کرام فتویٰ دیتے رہے ہیں، اللہ جل شانہ کے فضل وکرم سے یہ مبارک سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

اسی مبارک سلسلے کی ایک کڑی، حضرت مولانا مفتی احمد بیمات صاحب رحمہ اللہ کے قلم سے صادر شدہ فتاویٰ ہیں، مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی زید مجدہ استاذ حدیث وفقہ: مدنی دار التربیت کرمالی، وایا پانولی، ضلع بھروچ، گجرات [موجودہ استاذ حدیث وفقہ: دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ] کی تحقیق وتخریج وتعلیقات کے ساتھ ”فتاویٰ فلاحیہ“ کے نام سے

ان فتاویٰ کا مطبوعہ شکل میں منظر عام پر آنا حضرت مفتی احمد بیمات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حافظ امجد بیمات حفظہ اللہ تعالیٰ کی انتھک جدوجہد، پرخلوص مساعی جمیلہ کا رہین منت ہے، دس جلدوں میں ان فتاویٰ کی تکمیل متوقع ہے۔

حضرت مفتی احمد بیمات صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک کامیاب مدرس، کہنہ مشق مفتی تھے، ازہر ہند دار العلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی، حضرت العلامہ محمد ابراہیم بلیاوی وغیرہ رحمہم اللہ سے علوم دینیہ کی تحصیل وتکمیل کی، اس کے بعد فقہ وحدیث کا عمیق علم رکھنے والے ماہر فن حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ سے دار الافتاء میں داخل ہوکر فتاویٰ نویسی کی مشق وتمرین کی، بناء بریں آپ کو فقہ وفتاویٰ میں ایک نمایاں مقام نصیب ہوا، اور گجرات کے معتمد ومستند مفتیان کرام میں شامل ہوئے۔

فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے تدریسی خدمات کا آغاز کیا اور سترہ سال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں زیر تدریس رہیں، اس کے بعد دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر منتقل ہوکر بیس سال تک بخاری شریف ودیگر علوم وفنون کی تدریس کی خدمت کے ساتھ، بڑی عرق ریزی وجاں فشانی کے ساتھ افتاء کا کام بھی انجام دیا، اور اس طویل مدت میں بڑی تعداد میں فتاویٰ تحریر کیے۔ میرے والد صاحب حضرت مفتی سید شمس الدین بڑودوی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں پڑھا ہے، کئی مرتبہ خود انہوں نے اس کا تذکرہ فرمایا، درس وتدریس کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند، گجرات، دینی تعلیمی بورڈ اور محکمۂ شرعیہ ہند کے اہم عہدوں پر فائز رہ کر عظیم دینی، ملی واصلاحی خدمات بھی انجام دی ہیں۔

۱۹۶۲ - ۱۹۶۳ء میں مفکر ملت حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی زیدت معالیہ، حضرت مفتی احمد بیمات صاحب وغیرہ کے ساتھ احقر بھی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات کے دوران وہاں قیام پذیر تھا، گاہے گاہے وہاں بعد نماز عصر کی مجلس میں ہم جمع ہوجاتے اور مختلف دینی وعلمی موضوعات کے علاوہ حالات حاضرہ پر گفتگو رہتی، بہر حال حضرت مفتی احمد بیمات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت گوناگوں دینی، علمی وعملی کمالات وخوبیوں کی حامل تھی۔

اللہ تعالیٰ فتاویٰ کے اس مجموعے کو قبولیت سے نواز کر مرحوم کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، اور امت مسلمہ کو اس سے فیض یاب فرمائے، اور ان فتاویٰ کی تخریج، تعلیق، تبویب وترتیب میں علمی وتحقیقی تعاون کرنے والے اساتذہ کرام کو، نیز طباعت کے مراحل سے گذر کر منظر عام پر آنے تک میں جن حضرات نے کسی قسم کا بھی تعاون کیا ہو، ان تمام معاونین کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ ''این دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد''

فقط والسلام

سید مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی

خادم حدیث: جامعہ تعلیم الاسلام، ڈیوزبری مرکز، یوکے

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۸ھ

۲۲ اکتوبر ۲۰۱۶ء، سنیچر

تقریظ وتأثر:

گرامی قدر حضرت مولانا اقبال محمد ٹنکاروی دامت برکاتہم

(مہتمم وشیخ الحدیث: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ)

الحمد للہ و کفی، و الصلاۃ و السلام علی رسولہ الحبیب المصطفی، وعلی الہ وصحبہ و من أتبعہ الاتباع الأوفی، أما بعد!

فتویٰ کا سلسلہ عہد رسالت سے ہی شروع ہوتا ہے؛ اس لیے فتویٰ کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے، جتنی خود دین اسلام کی، البتہ فتویٰ دریافت کرنے اور فتویٰ دینے کے طریقے، ہر عہد کے تقاضے کے مطابق بدلتے رہے اور فتاویٰ جمع کرنے کے طریقے بھی مختلف ہوتے رہے۔

عہد رسالت اور دور صحابہ میں فتاویٰ کا سلسلہ اکثر و بیشتر زبانی طور پر ہی چلتا رہا، جس طرح دیگر علوم و معارف عموماً زبانی روایت پر موقوف تھے، طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا، تو صحابہ کرام آں حضرت ﷺ کی جانب رجوع فرماتے؛ کیوں کہ آپ ﷺ ہی مہبط وحی، شارع اسلام اور دینی رہنمائی [فتاویٰ] کے سلسلے میں مرجع خلائق تھے، صحابہ کرام نے جو دینی مسائل آپ ﷺ سے دریافت کیے، ان کا جواب کبھی تو آیات قرآنی کی صورت میں ملتا تھا اور کبھی آپ ﷺ اپنے اجتہاد سے فتاویٰ صادر فرماتے، چناں چہ عبدالوہاب خلافؒ رقم طراز ہیں:

. . . بل کانوا إذا عرضت الحادثة أو شجر الخلاف أو خطر السؤال أو الاستفتاء رجعوا إلی الرسول هو یفتیهم ویفصل في خصوماتهم، ویجیب عن أسئلتهم تارة بآیة أو آیات قرانیة یوحي إلیه بها ربه، وتارة باجتهاده الذي یعتمد فیه علی إلهام الله له، أو علی ما یهدیه إلیه عقلة وبحثه وتقدیره. (خلاصۃ تاریخ التشریع الإسلامي، باب عهد الرسول، ص: ۱۱)

''فتاوی الرسول'' کے نام سے متعدد حضرات نے اس ذخیرہ کو جمع فرمادیا ہے۔

دور نبوت کے بعد دور صحابہ میں بھی استفتاء اور افتاء کا سلسلہ جاری رہا، اس دور میں بھی زیادہ تر زبانی طور

پر فتاویٰ پوچھے جاتے اور زبانی ہی جواب دے دیا جاتا، البتہ بعض فتاویٰ قید تحریر میں بھی آئے، جن میں بعض تو وہ تھے، جو خلفاء راشدین کے سرکاری احکام کی شکل میں قلم بند ہوکر مختلف دیار و امصار میں ارسال ہوتے رہے اور بعض فتاویٰ انفرادی کوششوں سے بھی قلم بند ہوتے رہے، کیوں کہ پہلی صدی کے خاتمہ سے قبل ہی تدوین فقہ کا دور شروع ہوگیا تھا، اور بعض جلیل القدر صحابہ اس وقت زندہ تھے، یوں گویا عہد صحابہ میں فتاویٰ کا سلسلہ زبانی اور تحریری؛ دونوں طریقوں سے جاری رہا۔

بعد کے ادوار میں بھی افتاء واستفتاء کا کام جاری رہا، البتہ ہر دور میں طریقے مختلف رہے۔ ہندوستان اور صوبہ گجرات میں بھی مفتیان کرام اس عظیم خدمت سے وابستگی کو سعادت سمجھتے رہے، ان مفتیان کرام کا تذکرہ ''نزہۃ الخواطر'' میں متعدد حضرات کے تذکروں کے ضمن میں موجود ہے، ان فقہاء ومفتیان کرام کی خدمات کو مفتی عبد القیوم راجکوٹی صاحب نے ''فقہاء گجرات اور ان کی فقہی خدمات'' میں یک جا کردیا ہے، جس سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ ہر عہد اور ہر صدی میں گجرات میں یہ خدمت جاری رہی۔ آٹھویں صدی سے موجودہ صدی تک کے جن علماء کرام نے میں گجرات میں یہ خدمات انجام دی ہیں، مفتی عبد القیوم صاحب نے نزہۃ الخواطر کے حوالے سے ان کے نام ذکر کیے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی استاذ محترم حضرت مفتی احمد ابراہیم بیمات صاحب ہیں، جن کے فتاویٰ کے بارے میں فتاویٰ فلاحیہ کی جلد نمبر ۲ میں تفصیلی تحریر لکھ چکا ہوں۔

ماضی قریب تک، فتاویٰ میں فقہی عبارتیں درج کرنے کا رواج بہت کم تھا، حضرت مفتی صاحبؒ بھی اکثر وبیشتر فتاویٰ میں عبارتیں ذکر کرنے کے بجائے قدیم طرز کے مطابق کتاب، صفحہ اور جلد نمبر کا تذکرہ فرمادیا کرتے تھے، اب اس دور میں اکابر کی کتابوں اور فتاویٰ پر تحقیق کا سلسلہ چل پڑا ہے، جو انتہائی مفید ہے۔

فتاویٰ کو فقہی عبارات ومستدلات سے مزین کرنا ایک اہم اور نازک کام ہے، الحمد للہ جناب مولانا مجتبیٰ حسن قاسمی صاحب نے اس کام کو بڑی سلیقہ مندی سے انجام دیا ہے، کم سے کم الفاظ وکلمات پر مشتمل عناوین سازی، ضرورت کے مطابق حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کی تائید میں قدیم فتاویٰ اور اکابر مفتیان کرام کی کتابوں کے اقتباسات، کہیں کہیں فتویٰ میں اختلاف کی بناء پر غور وفکر کا خلاصہ وماحصل، تفصیلی حوالہ جات، جدید املا کے قواعد کی مکمل رعایت؛ اس مجموعہ کی اہم خوبیاں ہیں۔

حوالہ جات میں دلائل کی ترتیب بھی بہت خوب ہے، گجراتی زبان سے اردو میں منتقلی کے دوران عبارت

کے تمام اجزاء میں ربط کو ملحوظ رکھا گیا تھا، اگر کہیں بے ربطی معلوم ہوئی، تو اس کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

فتاویٰ دراصل مسلم معاشرہ کے اقتصادی، معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل کے عکاس ہوتے ہیں، ان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایک مخصوص معاشرہ کے افراد، ایک مخصوص وقت اور حالات میں کن مسائل کا شکار تھے، معاشرتی تغیرات اور علمی وفکری اختلافات کی نوعیت کیا تھی؟ اور بعد میں تغیرات کے سبب فتویٰ میں کیا تبدیلیاں ہوئیں، اور اب فقہ اکیڈمیوں کے اجتماعی فیصلے کیا ہیں؟ اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر کوئی فتویٰ حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا، اور حالات ووقت کے تغیرات کی بناء پر اب صورت حال تبدیل ہو چکی ہے، ایسے فتاویٰ میں فاضل مرتب نے فقہ اکیڈمی کے فیصلے بھی درج کر دیے ہیں، جس کی وجہ سے اصل اجتماعی حکم، دوران مطالعہ ہی حاصل ہو جائے گا اور اکیڈمیوں کے فیصلے کی جانب مراجعت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

مرتب فتاویٰ، اپنا طریقۂ تحقیق وتخریج اور خطِ عمل پہلی جلد میں پیش کر چکے ہیں، قارئین سے گذارش ہے کہ دوران مطالعہ اس خطِ عمل کو ملحوظ رکھیں۔

دعاء گو ہوں کہ اللہ پاک اس مجموعہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے، عوام وخواص کے لیے مفید ہو اور حضرت الاستاذ اور ان کے صاحب زادے جناب حافظ امجد صاحب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنے، آمین۔

اقبال بن محمد ٹنکاروری

مہتمم: دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا
عید گاہ روڈ، بھروچ، گجرات، الہند

۲۴ر محرم الحرام ۱۴۳۸ھ
موافق: ۲۶ر اکتوبر ۲۰۱۶ء

رائے گرامی وتاثر:

حضرت مولانا ومفتی محمد نعمان قاسمی دامت برکاتہم

استاذ حدیث وفقہ: دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، بھروچ، گجرات

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى اٰله وصحبه أجمعين، وعلى جميع من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

اللہ رب العزت نے حضرت انسان کو ہزاروں مخلوقات میں جو عزت وشرافت سے نوازا ہے، اس کی بنیادی اور اصلی وجہ تعلیم ہے، انسان خود بھی سیکھتا ہے اور دوسروں کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ کرتا ہے۔

تاریخ انسانیت کے سنہری اوراق میں آج بھی وہ لوگ زندۂ جاوید ہیں، جنہوں نے تعلیم کے ذریعے افراد سازی کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، یہ روشن ضمیر نفوس انسانوں کے قلوب کو علم نبوی کی ضیا پاش کرنوں سے منور کر کے اپنے لیے صدقۂ جاریہ بنا گئے۔

امم سابقہ کے مقابلہ میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ دربار رسالت سے انہوں نے جو فیضان حاصل کیا اسے پوری امانت ودیانت کے ساتھ اپنے بعد والوں کی طرف منتقل کر دیا۔

کس قدر خوش نصیب تھے حضرات صحابہ، کہ جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا رؤف ورحیم معلم نصیب ہوا، جن کے فیض صحبت سے انہوں نے وہ گوہر مراد حاصل کیا، جسے آج کی ترقی یافتہ کہی جانے والی دنیا حاصل کرنے کے لیے سرگرداں ہے۔

آج کی دنیا جن فنون کو علم کا درجہ دے رہی ہے، اس کا محور صرف دنیا اور دنیا کی زندگی ہے، زندگی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کے گل ہو جانے اور سانسوں کے بندھن کے ٹوٹ جانے کے بعد قبر وحشر اور جنت ودوزخ؛ ایسی چیزیں ہیں، جن تک انسانی عقل کی رسائی ناممکن ہے، بڑے سے بڑے ڈاکٹر اور حاذق حکیم کی معلومات اسی وقت تک ساتھ دیتی ہیں، جب تک جسم وروح کا رشتہ باقی ہے، روح کے جسد عنصری سے پرواز کرتے ہی میڈیکل سائنس تمام تر جدید سہولیات اور نت نئی معلومات سے مسلح ہونے کے باوجود اپنی شکست کے اعلان پر مجبور ہو جاتا ہے، مرنے

کے بعد کی زندگی کا تو پوچھنا ہی کیا:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلۂ نفع وضرر کر نہ سکا

زندگی کیا ہے؟ زندگی کے مقاصد کیا ہیں؟ زندگی کیسے گذارنی چاہیے؟ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اعمال صالحہ کا برزخی زندگی میں کیا اثر مرتب ہوتا ہے اور اعمال سیئہ دنیا وآخرت میں کس طرح پریشان کرتے ہیں؟ جنت کیا ہے؟ اس کی نعمتیں کیا ہیں؟ اس کے حصول کا کیا طریقہ کار ہونا چاہیے؟ جہنم کیا ہے؟ اس میں موجود طرح طرح کے عذاب کیسے ہیں؟ اس سے چھٹکارے کا لائحۂ عمل کیا ہونا چاہیے؟ اس طرح کے ان گنت سوالات ہیں، جن کے تشفی بخش جواب سے دنیا بھر کے عقلاء، مفکر و دانش ور اپنی عقل سے صبح قیامت تک نہیں دے سکتے۔

ان بنیادی مسائل کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کا مبارک و مسعود سلسلہ جاری فرمایا، جنھوں نے اپنے اپنے دور میں گم گشتہ راہ انسانیت کو وحدانیت کا درس دیا اور انھیں حقیقی انسان بنا دیا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ علوم دینیہ ہی علم کہے جانے کے لائق ہیں؛ اس لیے کہ ان کا دائرہ کار صرف دنیوی زندگی تک محدود نہیں؛ بل کہ مرنے کے بعد بھی یہ علوم پوری راہ نمائی کر رہے ہیں۔

حق جل مجدہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں دین اسلام سے نواز کر جینے کا شعور اور سلیقہ عطا فرمایا، مذہب اسلام نے ہر ہر قدم پر احکام وآداب بتائے، زندگی کے ہر موڑ پر خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، گھریلو ہو یا دفتری، ہر شخص کے لیے اس کے مناسب حال راہ نمائی کی ہے، صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ شرعی احکام وآداب کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے اور غور کیا جائے کہ شریعت نے ہماری کس طرح دست گیری کی ہے؟ اسلام کے پورے مطالعے کے بعد آپ ضرور اس نتیجے پر پہونچیں گے کہ مذہب اسلام شروع سے آخر تک شفقت ہی شفقت ہے۔

زیر نظر مجموعہ ''فتاوی فلاحیہ'' زندگی کے ہر شعبے میں راہ نمائی کرنے والا مستند مجموعہ ہے، جو سرزمین گجرات کی بافیض شخصیت، ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز سپوت، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوری نور اللہ مرقدہما جیسے جبال علم کے لائق شاگرد حضرت مفتی احمد بیمات صاحب مرحوم کے گہر بار قلم سے نکلے ہوئے فتاوی ہیں، جن کے مطالعہ سے ہر شخص بہ آسانی دینی راہ نمائی حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت مفتی احمد بیمات مرحوم اپنے دور کے جید ترین ارباب افتا میں رہے ہیں، گجرات سے نکل کر ہندوستان ہی نہیں؛ بل کہ بیرون ہند بھی ان کے فتاوی کو شہرت حاصل ہوئی ہے، آپ بیک وقت فقیہ ہونے کے ساتھ

محدث کبیر بھی تھے، گجرات کے مختلف اور ممتاز اداروں میں طویل عرصے تک بخاری شریف پڑھا کر آپ نے "مسند مشیخت حدیث" کو زینت بخشی، قدرت نے آپ کو حسنِ تدبیر کی دولت سے بھی مالا کیا تھا، مرحوم متعدد علمی، سماجی اور فلاحی تنظیموں کے سرگرم رکن اور کہیں سربراہ اعلی بھی رہے۔

فقہ اور حدیث پر آپ کی نظر گہری تھی، فقہی جزئیات پر مبصرانہ نگاہ رکھتے تھے، اسی اوجِ فقاہت کا اثر تھا کہ اہم اہم مسائل پر بھی آپ کا اشہب قلم سرپٹ دوڑتا، فتویٰ نویسی میں آپ کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اب تک تین ضخیم جلدیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں اور امید ہے کہ چھ سات جلدیں مزید آئیں۔

اس مبارک مجموعہ کی دو جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں عقائد، طہارت، صلوۃ وغیرہ کے مسائل بہت عمدہ انداز سے ترتیب دیے گئے ہیں، فاضل مرتب مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی صاحب لائق تحسین ومبارک باد ہیں کہ انھوں نے فتاویٰ کو خوب سے خوب تر بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے، اللہ تعالی نے موصوف کو کام کرنے کے ساتھ، کام لینے کا سلیقہ بھی عطا فرمایا ہے، تفصیلی تخریج نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ دارالعلوم مدنی دارالتربیت اور اس کے علاوہ مختلف اہل علم نے اسے مستند بنانے کی جی توڑ کوشش کی ہے، فجزاہم اللہ۔

اہل علم کی اس کامیاب جدوجہد پر صاحب زادہ محترم حافظ محمد اسجد مفتی احمد بیمات صاحب (جو فتاوی فلاحیہ کے اس مرحلے تک پہنچانے کے سب سے بڑے محرک ہیں، انہوں نے جو تن دہی اور مستعدی دکھائی ہے، وہ ان ہی کا حصہ ہے؛ کیوں کہ جب تک وہ کسی کام کو انجام تک نہیں پہنچا لیتے، اس وقت تک ان کی سیمابی طبیعت بے قرار رہتی ہے۔ اللہ تعالی ان کو جزاء خیر دے کہ انھوں نے والد مرحوم کے کام کو کارآمد بنا کر قوم وملت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی) کی جانب سے انعامات سے حوصلہ افزائی بھی کی گئی؛ تاہم کسی مصلحت کے پیش نظر ان کے اسماء گرامی کو صیغۂ راز میں رکھا گیا، تاکہ ان کا آبگینۂ اخلاص ریاکاری کے مسموم جراثیم سے گدلا اور بے رونق نہ ہوجائے۔

مرتب کتاب نے بھی اپنے اخلاص کو ریاکاری سے بچاتے ہوئے صرف مرتب کے عنوان پر اکتفا کیا ہے، البتہ اپنے طلبہ کی حوصلہ افزائی کرنے سے دریغ نہیں کیا ہے۔

امید ہی نہیں، یقین کامل ہے کہ فتاویٰ کی یہ جلد بھی دوسری جلدوں کی طرح اربابِ علم وفضل سے خراجِ تحسین حاصل کرے گی اور خلقِ خدا مفتی صاحب مرحوم کے ان بیش قیمت قیمت جواہر پاروں سے مستفید ہوتی رہے گی۔

(مولانا و مفتی) محمد نعمان قاسمی حنفی (صاحب)

خادم حدیث وفقہ: دارالعلوم مدنی دارالتربیت،
کرمالی، رویدرا، وایا: پانولی، ضلع: بھروچ، گجرات

۲۲ محرم الحرام ۱۴۳۸ھ،
موافق: ۲۴ر اکتوبر ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، أما بعد.

ہر زمانے میں علماء امت نے اسلام کی مختلف اعتبار سے خدمت کی، بہ طور خاص اکابر دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے اس اعتبار سے خاص ذہن و دماغ عطا فرمایا، جنہوں کے دنیا کے ہر خطے اور اسلام کے ہر گوشے کو اپنی خدمت کا میدان بنایا، اور ہر طرح کی جدو جہد اور محنت سے اسلام اور اسلامی تعلیمات کو عام کیا۔

انہیں اکابر میں والد گرامی حضرت مولانا و مفتی احمد ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی، جنہوں نے ایک لمبے عرصے تک فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دی۔

قدیم زمانے سے یہ بات چلی آرہی ہے کہ اکابر کے انتقال کے بعد ان کی چھوڑی ہوئی علمی میراث کو ان کے اصاغر، امت تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ امت ان کے انتقال کے بعد بھی ان کے علم سے فیض حاصل کرتی رہے۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اسی جذبے کے تحت اس ناچیز کو والد گرامی کے فتاویٰ بہ نام "فتاویٰ فلاحیہ" کی تیسری جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

یہ جلد چھ سو سے زائد صفحات اور ۴۰۰ر سے زائد مسائل پر مشتمل ہے، جنائز اور نماز کے مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

پہلی جلد کی طباعت کے بعد بہت سے اکابر علماء اور شائقین نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا، حوصلہ افزا کلمات کہے، اور تمام جلدوں میں اسی معیار کو برقرار رکھنے کی تاکید کی، دوسری جلد میں بھی اس معیار کو برقرار رکھا گیا، اور اس تیسری جلد میں بھی اس کے معیار سے سمجھوتا نہیں کیا گیا ہے؛ اس لیے توقع ہے کہ ان شاء اللہ اس سے امت کو بڑا فائدہ ہوگا۔

اس موقع پر میں شکر گذار ہوں مشہور عالم دین، والد گرامی کے ہم درس، حضرت مولانا سید مصلح الدین بڑودوی دامت برکاتہم کا، کہ انھوں نے اپنی قیمتی تحریر عنایت فرمائی۔

نیز احسان مند ہوں حضرت مولانا اقبال محمد فلاحی ٹنکاروی دامت برکاتہم (شیخ الحدیث و مہتمم: دار العلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ) کا، کہ انہوں نے فتاوىٰ فلاحیہ کی اس جلد کے تعلق سے گراں قدر تاثر کا اظہار کیا۔

میں شکریہ ادا کرتا ہوں، دار العلوم مدنی دار التربیت کرمالی کے استاذ حدیث حضرت مولانا و مفتی محمد نعمان صاحب کا، کہ انہوں نے میری خواہش پر بہت جلد فتاوىٰ فلاحیہ کے تعلق سے ایک جامع تاثر لکھ دیا، اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

نیز میں ممنون ہوں مرتب فتاوىٰ حضرت مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی صاحب کا، کہ انھوں نے انتہائی جاں فشانی کے ساتھ فتاوىٰ کی ترتیب و نظر ثانی کا کام انجام دیا، اور معیار کو بلند سے بلند تر کرنے کے لیے ہر طرح کی سعی و کوشش کو بروئے کار لائے، اللہ تعالیٰ انھیں اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔

قارئین کے علم میں یہ بات ہوگی کہ والد گرامی کے بیشتر فتاوىٰ گجراتی زبان میں تھے، مختلف علماء کے ذریعے ترجمے کرائے گئے، میں ان تمام علماء کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں ان اہل خیر حضرات کا شکریہ ادا نہ ہوں، جنہوں نے اپنی جائز آمدنی اور حلال مال سے ہمارا تعاون فرمایا، اللہ ہر ایک کی جائز تمنا پوری فرمادے اور فتاوىٰ فلاحیہ کو مفتی صاحب کی دیگر تصانیف کی طرح شرف قبولیت سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

میرے بڑے بھائی جناب مولانا امجد بن مفتی احمد بیمات فلاحی دامت برکاتہم ان دنوں سخت بیمار ہیں، اس لیے میں تمام مخلصین و معاونین سے ان کی صحت یابی کی دعاء کی درخواست کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو جلد شفا عطا فرمائے، آمین۔

۲۳/محرم الحرام ۱۴۳۸ھ
موافق: ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۶ء

(حافظ) اسجد بن مفتی احمد بیمات
رکن منتظمہ: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی، بھروچ، گجرات
خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا
e-mail:hafizasjed@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد!

فتاویٰ فلاحیہ کی تیسری جلد پیش خدمت ہے، شکر گذاری کے اس موقع پر احقر بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہے کہ اس نے اس کم سواد کو فتاویٰ فلاحیہ کے اس اہم علمی سلسلہ کو جاری رکھنے کی توفیق بخشی، ورنہ تو یہ کسی بھی لائق نہیں ہے، دعاء ہے کہ جس نے توفیق بخشی ہے، وہی اسے قبولیت بھی عطا فرمادے، اور بقیہ جلدوں کی تکمیل کی ہمت بھی، **وما ذلك عليه بعزيز.**

جنائز وزکاۃ سے متعلق ۱۹؍ سے ابواب اور ۴۰۰؍ سے زائد سوال وجواب پر مشتمل اس تیسری جلد کو احقر نے اپنی وسعت کے مطابق خوب سے خوب تر بنانے کی سعی کی ہے، کوشش کی ہے کہ کوئی مسئلہ حوالے کے بغیر نہ رہے، نصوص کے ذکر کرنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، اور ان تمام امور کا لحاظ کیا گیا ہے، جن سے پہلی اور دوسری جلد مزین ہے۔

عام طور پر اکابر علماء کی تحریر وفتاویٰ میں حوالے کا اہتمام نہیں ہوتا تھا یا برائے نام حوالے درج کیے جاتے تھے، کہیں صرف کتاب کے نام پر اکتفا کیا جاتا، تو کہیں عبارت کا مفید مطلب ٹکڑا لکھ دیا جاتا، اور یہ طریقہ ان کے عہد میں رائج تھا اور باعث اطمینان بھی، عوام کے لیے عبارت اور حوالے کی ضرورت نہیں تھی، اور اہل علم کا اشتغال علم، اس درجے کا تھا کہ اشارے سے اصل مسئلے تک پہنچ جاتے تھے، ادھر علمی انحطاط آیا اور اشتغال علم کی وہ کیفیت باقی نہیں رہی، جو اکابر کا حصہ تھی؛ اس لیے حوالے کے طور پر طویل عبارت لکھنے کا رواج چل پڑا ہے، اور آج کی ذرائع مواصلات کی ترقی یافتہ دنیا میں عوام بھی بغیر حوالے کے کسی بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

ناچیز نے اسی کے پیش نظر تفصیلی عبارت، اور اس پر کی گئی علمی بحث کو ذکر کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا ہے، سیاق وسباق کے ساتھ عبارت اس انداز میں نقل کی گئی ہے کہ اصل کتاب کی جانب رجوع کی ضرورت باقی نہ

رہے۔ بعض ذہین اور نازک طبیعتوں کے لیے یہ طرز گرچہ باعث کلفت ہے، لیکن احقر کی ذکر کردہ وجہ سے وہ مطمئن ہوجائیں گے، ان سب کے باوجود اگر علم وتحقیق کے راہ رو کو یہ انداز ہضم نہ ہو، تو وہ یہ سوچ کر اس حقیر کو معذور سمجھیں کہ:

و للناس فیما یعشقون مذاہب.

تخریج وتعلیق کا ایک اہم مقصد تسہیل ہے، اس لیے کسی مسئلہ کی متعلقہ عبارت اگر ماقبل میں آگئی ہے، تو صرف حوالہ دینے پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بل کہ اسے دوبارہ درج کردیا گیا ہے، اس کی وجہ سے تکرار ضرور پیدا ہوتا ہے، لیکن فی نفسہ اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا سکتا۔

تیسری جلد پریس کے حوالے کی جارہی ہے، اس موقع پر میں ممنون ہوں مفکر ملت، حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی دامت برکاتہم کا، کہ جب مولانا اجود بیمات صاحب (مہتمم دار العلوم، کرمالی) کی معیت میں، ان کی خدمت میں دوسری جلد پیش کی گئی، تو حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے بڑے وقیع کلمات استعمال فرمائے اور ساتھ ہی فرمایا، کہ اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ ان شاء اللہ ''فتاویٰ فلاحیہ'' کا کام ضرور پایۂ تکمیل کو پہنچے گا، اس [تیسری] جلد کی ترتیب وتخریج اور دیگر امور کے دوران جہاں کام کی رفتار دھیمی ہوتی، حضرت والا کا یہ جملہ یاد آنے لگتا، اور خیال ستانے لگتا کہ جب حضرت والا دریافت فرمائیں گے کہ کام کہاں تک ہوا، تو کیا جواب دوں گا؟ ـــــــ اس کی برکت سے کام اپنے فطری رفتار پر جاری ہوجاتا۔ دعاء ہے کہ رب کریم حضرت والا کا سایہ، صحت وعافیت کے ساتھ، ہم پر تادیر قائم رکھے، آمین۔

میں شکر گذار ہوں دار العلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا کے عالی وقار مہتمم وشیخ الحدیث، حضرت مولانا اقبال محمد ٹنکاروی فلاحی دامت برکاتہم کا، حضرت والا فتاویٰ کے بارے میں معلوم کرتے رہتے ہیں کہ کام کس مرحلے میں ہے، لکھنے پڑھنے والوں پر یہ مخفی نہیں کہ آج کل کے ماحول میں- جب کہ علمی ذوق ختم ہوتا جارہا ہے- کسی علمی کاز کے بارے میں یہ دریافت کرنا کہ کس مرحلے میں ہے، کام کرنے والے کے لیے کسی اکسیر سے کم نہیں، اس سے ہمت جوان ہوتی ہے اور کام کرنے والوں میں نیا جوش وجذبہ پیدا ہوتا ہے۔

میں اپنے کرم فرما جناب حافظ اسجد مفتی احمد بیمات صاحب کا دل کی اتھاہ گہرائی سے شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ انہوں نے وقفے وقفے سے کام کا تقاضہ کیا، اس ناچیز کو امید نہیں تھی کی تیسری جلد ششماہی امتحان [ماہ ربیع الاول] سے پہلے پریس میں جانے کے قابل ہوسکے گی، مگر ان کے خلوص اور پیہم تقاضے نے اسپرٹ پیدا کی اور الحمد للہ ایک

خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ انھیں بہترین بدلہ عطا فرمائے، ان کے اہل خانہ کو دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے، آمین۔

دار الاحسان بارڈولی کے استاذ حدیث وفقہ، وسیع النظر مفتی، مشفق ومحترم حضرت مولانا محمد فاروق صاحب دربھنگوی دامت برکاتہم کا تہ دل سے شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر کتاب الزکاۃ کے بیشتر ابواب پر نظر ثانی فرمائی اور متعدد اہم امور کی جانب توجہ دلائی، اللہ تعالیٰ ان اس کا اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔

رفیق محترم حضرت مولانا ومفتی محمد نعمان صاحب قاسمی مدظلہ (استاذ حدیث وفقہ، دارلعلوم کرمالی، انکلیشور، بھروچ) کو میں کیوں کر فراموش کرسکتا ہوں کہ انہوں نے بڑے اچھوتے انداز میں فتاویٰ فلاحیہ پر اپنے تاثر کا اظہار فرمایا، اور ہر طرح سے حوصلہ بڑھایا، اللہ تعالیٰ انہیں زندگی کے ہر موڑ پر بامراد کرے، آمین۔

تیسری جلد کی تحقیق وتخریج اور تصحیح کے دوران دار العلوم ماٹلی والا کے شعبۂ تخصص فی الفقہ کے طلبہ (مولوی محمد بن اشرف پالن پوری، مولوی احمد رحمت اللہ مجادری، مولوی محمد بن معمور قاسمی برودائی، مولوی حفیظ الرحمٰن بن حفظ الرحمٰن پالن پوری، مولوی رفیق بن سلیم ویرم گام، مولوی محسن بن عبد الغفار دھولکا، مولوی عمیر بن اسماعیل گڈھا، مولوی عبد المتین بن منور اسلام پوری، جعفر بن محمد غوث جمکھنڈی، راحل بن ذاکر دیودر، اور مولوی حذیفہ بن عبد المجید کوکنی) شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے حوالہ جات کی تخریج اور پروف ریڈنگ میں تعاون کیا، اللہ تعالیٰ ان میں علمی ذوق پیدا فرمائے، اور مستقبل میں علمی مشغلہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اہل ذوق سے درخواست ہے کہ اس میں اگر کوئی غلطی در آئی ہو، تو اسے اس حقیر کی جانب سے سمجھیں اور بلا تکلف مطلع فرمائیں، حقیر ممنون ہوگا۔

مجتبیٰ حسن قاسمی
خادم حدیث: دار العلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ
برائے رابطہ: 09409518452
Email: qasmimujtaba@gmail.com

مورخہ: ۲۳ر محرم الحرام ۱۴۳۸ھ
۲۵ر اکتوبر ۲۰۱۶ء، بروز: منگل

کتاب الجنائز

عن أم سلمة، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: کسر عظم المیت ککسر عظم الحی فی الإثم.

(سنن ابن ماجہ، ۱۱۷، دیوبند)

متفرقات الجنائز

(متفرقات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

متفرقات الجنائز

[متفرقات]

[۱] غیر مسلم یا شیعہ کے انتقال پر ”إنا للہ وإنا إلیہ راجعون“ پڑھنا

۱۰۶۶-سوال: کسی غیر مسلم یا شیعہ کے انتقال کی خبر سن کر ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم کے انتقال پر، نیز شیعہ کے انتقال پر- جب کہ اس کے عقائد کفریہ ہوں- ”انا للہ الخ“ پڑھنا درست نہیں ہے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] غیر مسلم کے جنازے کو دیکھ کر کھڑا ہونا اور استرجاع پڑھنا

۱۰۶۷-سوال: سوال: کسی غیر مسلم کے جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز ”إنا للہ وإنا إلیہ راجعون“ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) کافر و شیعہ کی موت کی خبر سننے پر الحمد للہ پڑھنا چاہیے؛ کہ اس کے شرک و کفر کی اور عقائد باطلہ سے اللہ تعالیٰ نے زمین کو پاک کر دیا:

قال اللہ تعالی: ﴿فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (۲۳-المؤمنون: ۲۸)

قال الألوسي: فإن الحمد على الإنجاء منهم متضمن للحمد على إهلاكهم، وإنما قيل ما ذكر ولم يقل فقل الحمد لله الذي أهلك القوم الظالمين لأن نعمة الإنجاء أتم، وقال الخفاجي: إن في ذلك إشارة إلى أنه لا ينبغي المسرة بمصيبة أحد ولو عدوا من حيث كونها مصيبة له بل لما تضمنته من السلامة من ضرره أو تطهير الأرض من وسخ شركه وإضلاله.ــــــــ وأنت تعلم أن الحمد هنا رديف الشكر فإذا خص بالنعمة الواصلة إلى الشاكر لا يصح أن يتعلق بالمصيبة من حيث إنها مصيبة وهو ظاهر، وفي أمره عليه السلام بالحمد على نجاة أتباعه إلى أنه نعمة عليه أيضا. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني - شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۹/ ۲۳۰، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

الجواب حامدا ومصليا:

کافر اور یہودی کے جنازے کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (پہلے) کھڑے ہوجاتے تھے۔[1] لیکن بعد میں آپ نے اس معمول کو ترک فرمادیا تھا۔ (مرقات شرح مشکوۃ)[2] اس لیے کھڑا ہونا اورمذکورہ دعاء

---

(۱) عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما، قال: مر بنا جنازة، فقام لها النبي صلى الله عليه وسلم وقمنا به، فقلنا: يا رسول الله إنها جنازة يهودي، قال: إذا رأيتم الجنازة، فقوموا. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۷۵، رقم الحديث: ۱۳۱۱، كتاب الجنائز، باب من قام لجنازة يهودي، ط: ديوبند)

... عبد الرحمن بن أبي ليلى، قال: كان سهل بن حنيف، وقيس بن سعد قاعدين بالقادسية، فمروا عليهما بجنازة، فقاما، فقيل لهما إنها من أهل الأرض أي من أهل الذمة، فقالا: إن النبي صلى الله عليه وسلم مرت به جنازة فقام، فقيل له: إنها جنازة يهودي، فقال: أليست نفسا. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۱۳۱۲)

عن جابر بن عبد الله، قال: مرت جنازة، فقام لها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقمنا معه فقلنا: يا رسول الله، إنها يهودية، فقال: إن الموت فزع، فإذا رأيتم الجنازة فقوموا. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۱۰، رقم الحديث: ۷۸- ۹۶۰، كتاب الجنائز، باب القيام للجنازة، ط: ديوبند)

[۲] عن جعفر بن محمد، عن أبيه، أن الحسن بن علي كان جالسا فمر عليه بجنازة، فقام الناس حتى جاوزت الجنازة، فقال الحسن: إنما مر بجنازة يهودي وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم على طريقها جالسا، فكره أن تعلو رأسه جنازة يهودي، فقام». (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۴/ ۴۷، رقم الحديث: ۱۹۲۷، كتاب الجنائز، الرخصة في ترك القيام، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

قال الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): (فقام الناس) أي: بعضهم الذين لم يبلغهم النسخ، أو كانوا قائلين بالاستحباب أو الجواز. (حتى جاوزت) أي: تعدت. (الجنازة) من مقابلتهم. (فقال الحسن: إنما مر بجنازة يهودي وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم على طريقها جالسا وكره أن تعلو رأسه جنازة اليهودي) إيماء إلى أن الإسلام يعلو ولا يعلى عليه. (فقام) أي: عن الطريق لهذا، وهذا إنكار منه رضي الله عنه على قيام الناس للجنازة، عكس ما سبق منه من الإنكار على ابن عباس على عدم القيام، ولعل هذا متأخر فيكون بعد تفحصه المسألة وتقررها عنده أن قيامه صلى الله عليه وسلم إنما كان لهذه العلة؛ لأنه اختلفت علل القيام فجعلت تارة للفزع، وأخرى كرامة للملائكة، وأخرى كراهية رفعة جنازة اليهودي على رأسه صلى الله عليه وسلم، والأخرى لم تعتبر شيئا من ذلك لاختلاف المقامات، ويمكن جمع العلل بمعلول واحد، إذ العمل بالنيات، أو كان إنكاره على ابن عباس لأنه كان على الطريق، وإنكاره على الناس لأنهم لم يكونوا على الطريق، والله أعلم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۳/ ۱۲۱۴، رقم الحديث: ۱۶۸۴، كتاب الجنائز، المشي بالجنازة والصلاة عليها، ط: دار الفكر)

پڑھنا درست نہیں۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] میت کی ہڈی توڑنا

۱۰۶۸-سوال: بہت پہلے ایک عبارت مطالعہ میں آئی تھی کہ مردے کے جسم کی ہڈی توڑنے میں زندہ کی ہڈی توڑنے کے برابر گناہ ہے، تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

میت کی ہڈی توڑنا ناجائز اور گناہ کا کام ہے۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) کافر کی موت کی خبر سننے پر یا جنازہ دیکھ کر ''الحمد للہ'' پڑھنا چاہیے، تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''غیر مسلم یا شیعہ کے انتقال پر ''إنا للہ وإنا إلیہ راجعون'' پڑھنا''۔

(۲) عن أم سلمة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسر عظم الحي في الإثم. (سنن ابن ماجه، ص: ۱۱۷، رقم الحديث: ۱۶۱۷، كتاب لجنائز، باب في النهي عن كسر عظام الميت، ط: ديوبند)

عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حيا. (سنن أبي داود: ۴۵۸، رقم الحديث: ۳۲۰۷، كتاب الجنائز، باب في الحفار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان؟، ط: دديوبند☆مسند إسحاق بن راهويه- أبو يعقوب إسحاق بن إبراهيم بن مخلد بن إبراهيم الحنظلي المروزي المعروف بـ ابن راهويه (م: ۲۳۸ھ): ۲/ ۴۳۸، رقم الحديث: ۱۰۰۶، ما يروى عن عائشة بنت أبي بكر الصديق رضي الله عنهما زوجة النبي صلى الله عليه وسلم، ت: د. عبد الغفور بن عبد الحق البلوشي، ط: مكتبة الإيمان - المدينة المنورة☆الجامع لابن وهب- أبو محمد عبد الله بن وهب بن مسلم المصري القرشي (م: ۱۹۷ھ)، ص: ۲۸۳، رقم الحديث: ۴۹۱، كتاب القسامة والعقول والديات، ت: د. رفعت فوزي عبد المطلب - د. علي عبد الباسط مزيد، ط: دار الوفاء☆مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ): ۴۰/ ۳۵۴، رقم الحديث: ۲۴۳۰۸، مسند النساء، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة☆شرح مشكل الآثار-أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بـ 'الطحاوي' (م: ۳۲۱ھ): ۳/ ۳۰۹، رقم الحديث: ۱۲۷۶، باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في كسر عظم الميت، ت: شعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة)

لأن الميت يتأذى بما يتأذى به الحي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۲، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

نوٹ: مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مردے کے جسم کی ہڈی کو توڑنے میں ویسا ہی گناہ ہے، جیسا کہ زندہ شخص کے جسم کی ہڈی کو توڑنے میں ہے، البتہ زندہ شخص کی ہڈی توڑنے میں جو قصاص، ارش یا دیت لازم ہوتی ہے، اس حکم سے مردے کی ہڈی کا توڑنا مستثنیٰ ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: شرح مشکل الآثار: ۳/ ۳۰۹، حدیث نمبر: ۱۲۷۸)

[۴] جس کمرے میں میت کی روح قبض ہوئی ہو، اس کو تین دن تک دھونی دینا

۱۰۶۹-سوال: جس کمرے میں میت کی روح قبض ہوئی ہو، اس کمرے میں مسلسل تین دن تک لوبان کی دھونی دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور جس کی کوئی اصل نہ ہو، دین سمجھ کر اس کو انجام دینا بدعت ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے دین میں کوئی ایسی نئی چیز ایجاد کی، جس کا تعلق اس [دین] سے نہیں ہے، تو وہ قابل رد ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] زائد جنازہ دوسری بستی بھیج دینا

۱۰۷۰-سوال: ہمارے گاؤں میں دو جنازے[۲] ہیں، جس میں سے ایک جنازہ کسی کام کا نہیں، تو وہ جنازہ کسی دوسری بستی میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر جنازے کی بالکل ضرورت نہ ہو، نہ ابھی اور نہ آئندہ، تو قریب کی بستی میں جہاں ضرورت ہو، بھیج سکتے ہیں۔ (درمختار مع شامی: ۴/۳۵۹)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ماليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ط: ديوبند)

(۲) میت کو گھر سے قبرستان تک لے جانے والی چارپائی، جسے بعض علاقوں میں "تابوت" بھی کہا جاتا ہے۔

[۳] وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي (ومثله) في الخلاف المذكور (حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما و) كذا (الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر) أو حوض (إليه). (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: وعن الثاني إلخ) جزم به في الإسعاف حيث قال: ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/۳۵۹، كتاب الوقف، فرع بناء بيتا للإمام فوق المسجد، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، ط: دار الفكر - بيروت)

بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے، جب کہ متعدد محققینؒ نے اپنے تجربے کی بنیاد پر اسی قول کو قابل عمل اور راجح قرار دیا ہے، اس سلسلے میں علامہ شامیؒ نے تفصیلی بحث کی ہے، دیکھیے: شامی: ۴/۳۵۹تا۳۶۰۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۶] غیر محرم عورت مرد (میت) کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی

۱۰۷۱-سوال: غیر محرم عورت غیر محرم میت (مرد) کا چہرہ دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر محرم عورت غیر محرم میت (مرد) کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی، جائز نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] غیر محرم مرد (میت) عورت کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا

۱۰۷۲-سوال: غیر محرم مرد غیر محرم عورت (میت) کا چہرہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر محرم مرد بھی غیر محرم عورت کی میت کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ (شامی)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن أبي هريرة - رضي الله تعالى عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا، مدرك ذلك لا محالة، فالعينان زناهما النظر، والأذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه الكلام، واليد زناها البطش، والرجل زناها الخطا، والقلب يهوى ويتمنى، ويصدق ذلك الفرج ويكذبه. (الصحيح لمسلم: ۳۳۶/۲، رقم الحديث: ۲۱-۲۶۵۷، كتاب القدر، باب قدر على ابن آدم حظه من الزنا وغيره، ط: ديوبند)

عن أم سلمة، قالت: كنت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وعنده ميمونة، فأقبل ابن أم مكتوم، وذلك بعد أن أمرنا بالحجاب، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: احتجبا منه، فقلنا: يا رسول الله، أليس أعمى لا يبصرنا، ولا يعرفنا؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أفعمياوان أنتما، ألستما تبصرانه. (سنن أبي داود: ۵۸۷/۲، رقم الحديث: ۴۱۱۲، كتاب اللباس، باب في قوله عز وجل: {وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن}، ط: ديوبند☆ سنن الترمذي: ۱۰۶/۲، رقم الحديث: ۲۷۷۸، أبواب الأدب، باب ما جاء في احتجاب النساء من الرجال، ط: ديوبند)

لأن ما كان عورة لا يسقط بالموت، ولذا لا يجوز مسه، حتى لو ماتت بين رجال أجانب يممها رجل بخرقة ولا يمسها إلخ، وفي الشرنبلالية: وهذا شامل للمرأة والرجل؛ لأن عورة المرأة للمرأة كالرجل للرجل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۹۵/۲، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] لأن ما كان عورة لا يسقط بالموت، ولذا لا يجوز مسه، حتى لو ماتت بين رجال أجانب يممها رجل بخرقة ولا يمسها إلخ، وفي الشرنبلالية: وهذا شامل للمرأة والرجل؛ لأن عورة المرأة للمرأة كالرجل للرجل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۹۵/۲، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان "غیر محرم عورت مرد (میت) کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی" کا حاشیہ۔

[۸] غیر محرم عورت کے لیے میت مرد کا چہرہ دیکھنا یا غیر محرم مرد کے لیے میت عورت کا چہرہ دیکھنا

۱۰۷۳-سوال: میت مرد کا چہرہ غیر محرم عورتیں دیکھ سکتی ہیں یا نہیں؟ عورت کا انتقال ہو جائے تو غیر محرم مرد اُس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مرد، اجنبی میت عورت کا اور عورت اجنبی میت مرد کا چہرہ دیکھ سکتی ہیں، البتہ ایک دوسرے کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) اس فتویٰ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے مرد کے لیے غیر محرم خاتون میت کا چہرہ دیکھنے کو، اور عورتوں کے لیے غیر محرم میت مرد کا چہرہ دیکھنے کو جائز لکھا ہے، حالاں کہ ماقبل کے فتویٰ میں اس کے عدم جواز کی تصریح منقول ہے، اس لیے کہا جا سکتا ہے، کہ کہیں یہ ناقل فتاویٰ کی ''کارستانی'' تو نہیں، اصل حکم وہی ہے، جو ماقبل کے فتویٰ میں مذکور ہے، فقہ و فتاویٰ کی عام کتابوں میں بھی اسے ناجائز کہا گیا ہے، اکابر علماء کے چند فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: مستورات کے لیے اجنبی مرد کی میت پر مہر (آخری دیدار) کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مستورات کو اجنبی میت کو دیکھنا ناجائز ہے، اپنے محرم کو دیکھ سکتی ہیں؛ کیوں کہ حدیث شریف میں اجنبی شخص کو دیکھنے سے منع فرمایا ہے:

عن أم سلمة، قالت: كنت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وعنده ميمونة، فأقبل ابن أم مكتوم، وذلك بعد أن أمرنا بالحجاب، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: احتجبا منه، فقلنا: يا رسول الله، أليس أعمى لا يبصرنا، ولا يعرفنا؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أفعمياوان أنتما، ألستما تبصرانه. (سنن أبي داود: ۲/ ۵۸۷، رقم الحديث: ۴۱۱۲، كتاب اللباس، باب في قوله عز وجل: {وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن}، ط: ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۲/ ۱۰۶، رقم الحديث: ۲۷۷۸، أبواب الأدب، باب ما جاء في احتجاب النساء من الرجال، ط: ديوبند)

[کفایت المفتی: ۴/ ۶۲، کتاب الجنائز، ط: زکریا بک ڈپو، دیوبند]

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

عورت چھپانے کی چیز ہے، نہ کہ دکھانے کی چیز، آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''المرأة عورة'' یعنی عورت چھپانے کی چیز ہے، نیز آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''لعن الله الناظر والمنظور إليه'' یعنی خدا کی لعنت اس پر، جو نامحرم عورت کو دیکھے اور اس بے پردہ عورت پر، جس کو دیکھا جائے۔ (مشكاة المصابيح: ۲/ ۹۳۶، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، وبيان العورات، ط: المكتب الإسلامي-بيروت)

لہٰذا جس کو بہ حالت حیات دیکھنا منع ہے، مرنے کے بعد بھی اس کو دیکھنا منع ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۷/ ۱۲۱، کتاب الجنائز، ط: دار الاشاعت، کراچی)

[۹] میت کا چہرہ دیکھنے کے لیے جانا، جب کہ میت کے اردگرد بے پردہ عورتیں بیٹھی ہوں

۱۰۷۴-سوال: ہمارے گاؤں میں یہ رواج ہے کہ میت مرد کی ہو یا عورت کی، اس کے اردگرد عورتیں بیٹھ جاتی ہیں اور مرد حضرات دوسرے کاموں میں مشغول رہتے ہیں، اگر کسی مرد کو میت کا چہرہ دیکھنا ہو، تو عورتوں میں گھس کر بے پردگی کی حالت میں دیکھنا پڑتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ طریقہ شریعت کی رو سے درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس طریقے کو ختم کرنے کے لیے پابندی لگانے کی کوشش کرے، تو کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

بے پردگی جائز نہیں ہے۔[1] لہٰذا میت کا چہرہ دیکھنے کے لیے غیر محرم مرد، عورتوں کی موجودگی میں مجلس میں نہ جائے، ہاں عورتیں باپردہ ہوں اور چہرہ کھلا ہوا نہ ہو، تو میت کو اندر جا کر دیکھ سکتا ہے۔

میت کے چہرہ پر کپڑے ڈال دیے گئے ہوں، تو عورتیں وہاں بیٹھ سکتی ہیں؛ لیکن حیض ونفاس والی عورتوں کے لیے میت کے پاس بیٹھنا جائز نہیں ہے، ایسی عورتوں کو وہاں سے ہٹا دینا چاہیے۔[2]

میت کے اردگرد بیٹھنا جائز ہے، لیکن غیر محرم عورتوں کو مرد کی نعش کے پاس سے- بے پردگی ہونے کی وجہ سے- ہٹا دینا چاہیے، اسی طرح غیر محرم مرد کو بھی عورت کی میت کے پاس سے ہٹا دینا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۲۴-النور: ۳۰، ۳۱)

لقوله - عليه الصلاة والسلام - لعلي لا تنظر إلى فخذ حي ولا ميت. لأن ما كان عورة لا يسقط بالموت؛ ولذا لا يجوز مسه، حتى لو ماتت بين رجال أجانب يممها رجل بخرقة ولا يمسها إلخ. وفي الشرنبلالية: وهذا شامل للمرأة والرجل؛ لأن عورة المرأة للمرأة كالرجل للرجل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۵، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) ويحضر عنده الطيب ويخرج من عنده الحائض والنفساء والجنب. (الدر المختار على رد المحتار: ۲/ ۱۹۳، باب صلاة الجنائز، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱۰] کسی بزرگ کی قبر پر نسبت پیدا کرنے کے لیے جانا

۱۰۷۵-سوال: کسی بزرگ، ولی اور شہید کی قبر پر روزانہ جانے کا معمول بنا لینے اور ان کے ساتھ نسبت قائم کرنے سے دین و دنیا کا کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نسبت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا، اور یہ بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، اسی طرح وفات کے بعد ان کو ثواب پہونچانے سے نسبت حاصل ہوتی ہے، ان کی قبر پر جا کر ایصال ثواب کرنے سے اللہ پاک خوش ہوتے ہیں اور بزرگ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے، تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کا خاص جذبہ اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ کسی بزرگ کی قبر سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

لیکن اس طرح فائدہ اٹھانا اور نسبت قائم کرنا کسی زندہ ولی و مرشد کی ہدایت اور رہنمائی میں ہونا چاہیے۔ جس میں شریعت کے خلاف کوئی کام نہ کرنا پڑے اور عقیدے میں بھی کوئی خرابی پیدا نہ ہونی چاہیے، اگر فساد عقیدہ یا خلاف شرع امر کے ارتکاب کا اندیشہ ہو، تو نہ کرنا چاہیے؛ لہٰذا ہر کسی کے لیے یہ طریقہ مناسب نہیں ہے، دنیا کے اعتبار سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] رمضان میں وفات پانے والے کی فضیلت

۱۰۷۶-سوال: کیا رمضان المبارک میں انتقال ہونے والے سعادت مند ہوتے ہیں؟ جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن میں انتقال ہونے والے کے لیے جو فضائل ہیں، کیا وہ رمضان المبارک میں انتقال ہونے والے کے لیے بھی ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جمعہ کے دن مرنے والا عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے، اس بات کی تو صراحت ہے؛ لیکن رمضان المبارک میں مرنے والا قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے، اس کی صراحت حدیث پاک میں نہیں ہے، البتہ

بعض روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح جمعہ کی شب میں قبر کا عذاب موقوف رکھا جاتا ہے، اسی طرح رمضان المبارک میں کافروں سے بھی عذاب موقوف رکھا جاتا ہے۔ (شامی جلد ا صفحہ ۱۶۵)[1]

اور رمضان المبارک کی فضیلت کے بارے میں جو روایت ہے کہ اس ماہ میں جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں۔[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ غلط کاموں سے بندوں کی حفاظت ہوتی ہے

چوں کہ یہ [رمضان المبارک] رحمت کا مہینہ ہے، اس میں اللہ کی مغفرت اور بخشش عام ہوتی ہے، اس لیے ایسے اوقات میں کوئی ایسا بندہ، جو صوم وصلاۃ کا پابند ہو، گرچہ دوسرے گناہ میں بھی ملوث ہو، اس کی مغفرت کی بہت امید کی جاسکتی ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ا صفحہ ۲۷۰)

لیکن جو آدمی رمضان المبارک میں بھی روزہ نہ رکھتا ہو اور گناہوں میں مبتلا رہتا ہو، تو اس کی مغفرت

---

[۱] ویأمن المیت من عذاب القبر ومن مات فیه أو في لیلته أمن من عذاب القبر. (الدر المختار، قبیل باب العیدین)
(قوله ویأمن المیت من عذاب القبر إلخ) قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق وسؤال منکر ونکیر وضغطة القبر حق لکن إن کان کافرا فعذابه یدوم إلی یوم القیامة ویرفع عنه یوم الجمعة وشهر رمضان فیعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فیتألم الروح مع الجسد، وإن کان خارجا عنه، والمؤمن المطیع لا یعذب بل له ضغطة یجد هول ذلك وخوفه والعاصي یعذب ویضغط لکن ینقطع عنه العذاب یوم الجمعة ولیلتها ثم لا یعود وإن مات یومها أو لیلتها یکون العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر ثم یقطع، کذا في المعتقدات للشیخ أبي المعین النسفي الحنفي من حاشیة الحنفي ملخصا. (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۱۶۵، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفکر - بیروت)

(۲) أبا هریرة رضي الله عنه، یقول: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا دخل شهر رمضان فتحت أبواب السماء، وغلقت أبواب جهنم، وسلسلت الشیاطین. (صحیح البخاري: ۱/ ۲۵۵، رقم الحدیث: ۱۸۹۹، کتاب الصوم، باب: هل یقال رمضان أو شهر رمضان، ومن رأی کله واسعا، ط: دیوبند ☆ الصحیح لمسلم: ۱/ ۳۴۶، رقم الحدیث: ۱۰۷۹، کتاب الصیام، باب فضل شهر رمضان، ط: دیوبند)

قوله: (وغلقت أبواب جهنم) لأن الصوم جنة فتغلق أبوابها بما قطع عنهم من المعاصي وترك الأعمال السیئة المستوجبة للنار، ولقلة ما یؤاخذ الله العباد بأعمالهم السیئة لیستنقذ منها ببرکة الشهر، ویهب المسيء للمحسن، ویجاوز عن السیئات، وهذا معنی الإغلاق. (عمدة القاري شرح صحیح البخاري - بدر الدین العیني (م: ۸۵۵هـ): ۱۰/ ۲۷۰، کتاب الصوم، باب: هل یقال رمضان أو شهر رمضان، ومن رأی کله واسعا، ط: دار إحیاء التراث العربي - بیروت)

کی امید کم ہے؛ کیوں کہ زیادہ ثواب کے اوقات اور مقام میں کوئی گناہ کرتا ہے، تو زیادہ سزا وعذاب کا مستحق ہوتا ہے۔

ہاں اتنی امید کی جاسکتی ہے کہ رمضان کے مہینہ تک وہ عذاب قبر سے محفوظ رہ سکے گا۔ اس کے بعد اللہ کا فضل ہو، تو نجات بھی ہوسکتی ہے، ورنہ عام قاعدے کے مطابق عذاب دیا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] رمضان میں مرنے والے کا بغیر حساب جنت میں داخل ہونا ثابت نہیں

۱۰۷۷-سوال: اگر کوئی مسلمان رمضان المبارک میں انتقال کرجائے، تو کیا اس پر عذاب قبر ہوگا؟ کیا وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا؟

الجواب حامداومصلیا

قبر میں سوالات نہ ہونے سے دوسرے سوالات، اور حساب کا معاف ہونا ثابت نہیں۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) البتہ رمضان المبارک کی فضیلت میں وارد ہونے والی متعدد احادیث مبارکہ کی وجہ سے اللہ پاک کی ذات سے امید ہے کہ اس ماہ میں وفات پانے والوں کو عذاب قبر نہ دے:

. . . أن عذاب القبر حق، سواء كان مؤمنا، أو كافرا، أو مطيعا، أو فاسقا، . . . يرفع عنه العذاب يوم الجمعة، و كل رمضان بحرمته. (شرح كتاب الفقه الأكبر، ص: ۱۷۲-۱۷۳، بحث في أن عذاب القبر حق، و بيان أن الروح تعاد للميت، ط: دار الإيمان-سهارنفور)

ويأمن الميت من عذاب القبر، ومن مات فيه [أي في يوم الجمعة] أو في ليلته، أمن من عذاب القبر، ولا تسجر فيه جهنم، وفيه يزور أهل الجنة ربهم تعالى. (الدر المختار) ———— وقال ابن عابدين: (قوله ويأمن الميت من عذاب القبر إلخ) قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، وسؤال منكر ونكير، وضغطة القبر حق، لكن إن كان كافرا فعذابه يدوم إلى يوم القيامة، ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان فيعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فيتألم الروح مع الجسد، وإن كان خارجا عنه، والمؤمن المطيع لا يعذب بل له ضغطة يجد هول ذلك وخوفه والعاصي يعذب ويضغط، لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها، ثم لا يعود وإن مات يومها أو ليلتها يكون العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر ثم يقطع، كذا في المعتقدات للشيخ أبي المعين النسفي الحنفي من حاشية الحنفي ملخصا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۶۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة، قبيل باب العيدين، ط: دار الفكر-بيروت)

[۱۳] جنازہ، اور غسل دینے کے تختے وغیرہ خریدنے میں غیر مسلم کی امداد قبول کرنا

۱۰۷۸-سوال: ایک نئی "سنی مسلم جماعت" کی تنظیم عمل میں آئی ہے، ہمارے پاس کوئی چیز موجود نہیں ہے، مثلاً: جنازہ،(۱) کھانے کا تختہ، پکانے کے لیے برتن اور جماعتی احباب کو جمع کرنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے غیر مسلم بھائی مدد کرنا چاہتے ہیں، تو ان کے پاس سے امداد لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر لیں تو مذکورہ کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ رقم کام میں نہ آئے، تو کس کام میں خرچ کر سکتے ہیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ غیر مسلم کا پیسہ ہے، دینی کام میں اس کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ آپ سے درخواست ہے کہ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم حضرات، جنازے یا تپائیاں یا برتن وغیرہ خریدنے کے لیے رقم دیں، یا زمین کی خریداری اور مکان بنانے کے لیے مالی مدد کریں۔ تو اس شرط کے ساتھ ان کی مالی مدد کو قبول کرنا جائز ہے کہ اس کی وجہ سے حال یا مستقبل میں کسی قسم کے نقصان کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔[1]

لیکن نوساری والوں کے لیے سوچنے کا مقام ہے کہ سات (۷۰۰) آٹھ سو روپے کا جنازہ (تابوت) اور دو (۲۰۰) یا تین (۳۰۰) سو روپے کی تپائیاں وہ خود نہیں خرید سکتے؟ کیا غیرت ایمانی ختم ہوگئی کہ جنازہ اور میت کے غسل کی تپائی میں غیر مسلم سے مدد قبول کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

---

(۱) میت کو گھر سے قبرستان تک لے جانے والی چارپائی، جسے بعض علاقوں میں "تابوت" بھی کہا جاتا ہے۔

[۱] (وكفن من لا مال له على من تجب نفقته) فإن تعددوا فعلى قدر ميراثهم. (وإن لم يكن ثمة من تجب عليه نفقته ففي بيت المال فإن لم يكن) بيت المال معمورا أو منتظما (فعلى المسلمين تكفينه) فإن لم يقدروا سألوا الناس له ثوبا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۰۵-۲۰۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت)

فإن لم يكن له من تجب النفقة عليه فكفنه في بيت المال، فإن لم يكن فعلى المسلمين تكفينه، فإن لم يقدروا سألوا الناس ليكفنوه. (البحر الرائق: ۲/ ۱۹۲، كتاب الجنائز، حكم صلاة الجنازة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۱، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱۴] کیا مقروض جنت میں نہیں جائے گا؟

۱۰۷۹-سوال: ''سکرات سے فاتحہ تک کی سنن اور بدعات'' نامی آپ کی کتاب کے صفحہ نمبر ۸۵ پر لکھا ہے کہ: ''اگر کسی مسلمان کا اس حال میں انتقال ہوا کہ اس کے ذمے قرض ہے، تو جب تک اس کی ادائیگی نہ ہو جائے، اس وقت تک وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ نیز آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی روح قید کر لی جائے گی''۔ (۱)

لیکن ہم نے سنا ہے کہ اگر فوت شدہ مسلمان کے پاس قرض کی ادائیگی کے لیے ایک پیسہ بھی نہ ہو، لیکن اس کی نیت ادا کرنے کی ہو، تو ایسے لوگوں کا قرض اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی طرف سے ادا کر دیں گے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کون سی بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مقروض کی نیت، قرض ادا کرنے کی تھی؛ لیکن اس سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائیں گے۔ (او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام) (بخاری شریف ۱/ ۳۲۳☆نسائی شریف ۲/ ۲۲۳) [۱]

---

(۱) عن محمد بن جحش قال: كنا جلوسا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فرفع رأسه إلى السماء، ثم وضع راحته على جبهته، ثم قال: سبحان الله، ماذا نزل من التشديد، فسكتنا وفزعنا، فلما كان من الغد، سألته: يا رسول الله، ما هذا التشديد الذي نزل؟ فقال: والذي نفسي بيده، لو أن رجلا قتل في سبيل الله ثم أحيي، ثم قتل ثم أحيي، ثم قتل وعليه دين، ما دخل الجنة حتى يقضى عنه دينه.

عن سمرة قال: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في جنازة فقال: أها هنا من بني فلان أحد؟ ثلاثا، فقام رجل، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: ما منعك في المرتين الأوليين أن لا تكون أجبتني؟ أما إني لم أنوه بك إلا بخير، إن فلانا لرجل منهم مات مأسورا بدينه. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۷/ ۱۵- ۳۱۴، رقم الحديث: ۴۶۸۴- ۴۶۸۵، كتاب البيوع، الاستقراض، التغليظ في الدين، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

[۱] عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أخذ أموال الناس يريد أداءها أدى الله عنه، ومن أخذ يريد إتلافها أتلفه الله. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۲۱، رقم الحديث: ۲۳۸۷، كتاب في الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب من أخذ أموال الناس يريد أداءها أو إتلافها، ط: ديوبند)

عن عمران بن حذيفة قال: كانت ميمونة تدان، وتكثر، فقال لها أهلها في ذلك ولاموها، ووجدوا عليها، فقالت: لا أترك الدين وقد سمعت خليلي وصفيي صلى الله عليه وسلم يقول: ما من أحد يدان دينا فعلم الله أنه يريد=

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ادائے قرض کے اسباب پیدا فرمائیں گے، اور نیت کے صحیح ہونے کی وجہ سے قیامت کے دن اپنے فضل وکرم سے معاف کردیں گے۔ (۲)

اسلامی تعلیمات میں اعتدال ہے، لہٰذا میری کتاب ''سکرات سے فاتحہ تک کی سنن اور بدعات'' میں ذکر کردہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ انسان بلا ضرورت قرض نہ لے۔ مجبوراً اگر لینا پڑے، تو جلد از جلد اس کو ادا کردے یا ادا کرنے کا پختہ ارادہ رکھے؛ اسی لیے امام نسائی نے نسائی شریف میں عنوان لگایا ہے ''قرض کے سلسلہ میں سختی'' کہ مسلمان ضرورت کے بغیر قرض لینے سے پرہیز کرے۔

آپ نے جو سنا ہے، وہ اللہ کا فضل اور رحمت ہے، جو بخاری شریف کی روایت میں ہے۔ (۳) اور اس بارے میں قاعدہ اور اصول وہ ہے، جو نسائی شریف کی روایت سے ثابت ہوتا ہے (۴)؛ لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] قرض خواہ نہ تو قرض لے اور نہ ہی معاف کرے، تو خلاصی کی کیا صورت ہے؟

گذشتہ سے پیوستہ

۱۰۸۰-سوال: گزارش خدمت ہے آپ کی جانب سے میرے دونوں سوالوں کے جواب ملے،

= قضاءه إلا أداه الله عنه في الدنيا.

عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة، أن ميمونة، زوج النبي صلى الله عليه وسلم استدانت فقيل لها: يا أم المؤمنين، تستدينين وليس عندك وفاء، قالت: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أخذ دينا وهو يريد أن يؤديه، أعانه الله عز وجل. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي-أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۷/۳۱۵، رقم الحديث: ۴۶۸۶- ۴۶۸۷، كتاب البيوع، الاستقراض، التسهيل فيه، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية-حلب)

(۲) من أخذ أموال الناس يريد أداءها أدى الله عنه، يعني: يسر له ما يؤديه من فضله لحسن نيته، ومن أخذ أموال الناس يريد إتلافها على صاحبها أتلفه الله، يعني: يذهبه من يده فلا ينتفع به لسوء نيته، ويبقى عليه الدين، ويعاقب به يوم القيامة. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۱۲/۲۲۶، كتاب في الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب من أخذ أموال الناس يريد أداءها أو إتلافها، ط: دار إحياء التراث العربي -بيروت)

(۳) حاشیہ نمبر (۱) دیکھیں۔

(۴) سوال کا حاشیہ نمبر (۱) دیکھیں۔

بہت بہت ممنون ہوں، ضروری عرض یہ ہے کہ سوال ۲ کے جواب میں سائل کو کچھ تشنگی معلوم ہوتی ہے، میں سوال اور جواب دونوں نمبر وار لکھتا ہوں اور ساتھ ساتھ سائل کی تشنگی کو بھی سوال کی شکل میں پیش خدمت کرنے کی جرأت کر رہا ہوں، امید ہے کہ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں گے، تکلیف یا بے ادبی معاف فرمائیں۔

سوال: (سوال کا اہم حصہ نقل کرتا ہوں) زید [قرض خواہ] نہ اپنے قرض کی رقم لیتا ہے، اور نہ ہی معاف کرتا ہے، اس صورت میں مقروض کیا کرے؟

جواب: (جو حضرت والا کی جانب سے آیا ہے) مذکورہ قرض [کی رقم] علاحدہ نکال کر وصیت لکھ دیجیے کہ میری وفات کے بعد زید کو یہ رقم دے دی جائے، اس کا قرض ہے، یا زید مرجائے، تو اس کے ورثاء کو بہ قدر میراث تقسیم کردیں، آپ کی ذمہ داری ادا [ختم] ہوجائے گی۔

اگر ان کے ورثاء بھی نہ لیں، تو زید کی طرف سے فی سبیل اللہ کسی کارِ خیر میں صرف کردینے سے بھی آپ کی ذمہ داری ادا ہوجائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تنقیح: جواب پڑھ کر سائل کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تمام صورتیں تو مقروض کے مرجانے کے بعد کی ہیں، جب کہ وہ چاہتا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں اس قرض کی ادائیگی سے کسی طرح سبک دوش ہوجائے، اس صورت میں مقروض کیا کرے؟ مقروض قرض کی رقم قرض خواہ کے نہ لینے پر اور معاف نہ کرنے پر جیتے جی کسی کارِ خیر میں، فی سبیل اللہ، قرض خواہ کی طرف سے صرف کردے؟ کیا اس صورت میں بھی مقروض کی ذمہ داری ادا ہوجائے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقروض حالتِ حیات ہی میں قرض کی ذمہ داری سے سبک دوش ہونا چاہتا ہے، تو درمختار مع الشامی کا ایک جزئیہ ملا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص نے کسی کے روپیہ وغیرہ ظلماً وصول کیے، اب معلوم نہیں کہ مالک کون ہے؟ کس جگہ کا رہنے والا ہے، جیسا کہ چور و ڈاکو چوری اور ڈکیتی کرتے ہیں، تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ مالک کو لوٹایا جائے، مگر مالک معلوم نہیں، تو جیب کاٹنے والے (جن کو اللہ تعالیٰ نے جیب کترنے سے بچنے کی ہدایت دی) نے مال کو اصل مالک کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے صدقہ وخیرات کردیا، تو وہ ذمہ داری

سے سبک دوش ہوجائیں گے (شامی جلد ۴ صفحہ ۲۸۳) [۱]

صورت مسئولہ میں گرچہ مالک معلوم ہے، مگر کوئی بات دائن ومدیون میں نزاع کی ہے، جس کی وجہ سے [مقروض کی ہر ممکن کوشش کے باوجود] وہ قرض لینے سے یا معاف کرنے سے انکار کرتا ہے، تو وہ مال بمنزلہ لقطہ ہے اور اس جزئیہ کے تقاضے کے مطابق اگر وہ اپنی زندگی ہی میں کار خیر میں صرف کر کے ذمہ داری سے سبک دوش ہونا چاہتا ہے، تو ہوسکتا ہے، اس کی گنجائش ہوگی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (عليه ديون ومظالم جهل أربابها وأيس) من عليه ذلك (من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها من ماله وإن استغرقت جميع ماله) هذا مذهب أصحابنا لا تعلم بينهم خلافا كمن في يده عروض لا يعلم مستحقيها اعتبارا للديون بالأعيان (و) متى فعل ذلك (سقط عنه المطالبة) من أصحاب الديون (في العقبى) مجتبى. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: جهل أربابها) يشمل ورثتهم، فلو علمهم لزمه الدفع إليهم؛ لأن الدين صار حقهم. وفي الفصول العلامية: من له على آخر دين فطلبه ولم يعطه فمات رب الدين لم تبق له خصومة في الآخرة عند أكثر المشايخ؛ لأنها بسبب الدين وقد انتقل إلى الورثة. والمختار أن الخصومة في الظلم بالمنع للميت، وفي الدين للوارث. قال محمد بن الفضل: من تناول مال غيره بغير إذنه ثم رد البدل على وارثه بعد موته برئ عن الدين وبقي حق الميت لظلمه إياه، ولا يبرأ عنه إلا بالتوبة والاستغفار والدعاء له. اهـ. (قوله: فعليه التصدق بقدرها من ماله) أي الخاص به أو المتحصل من المظالم. اهـ. ط وهذا إن كان له مال. وفي الفصول العلامية: لو لم يقدر على الأداء لفقره أو لنسيانه أو لعدم قدرته قال شداد والناطفي رحمهما الله تعالى: لا يؤاخذ به في الآخرة إذا كان الدين ثمن متاع أو قرضا، وإن كان غصبا يؤاخذ به في الآخرة، وإن نسي غصبه، وإن علم الوارث دين مورثه والدين غصب أو غيره فعليه أن يقضيه من التركة، وإن لم يقض فهو مؤاخذ به في الآخرة، وإن لم يجد المديون ولا وارثه صاحب الدين ولا وارثه فتصدق المديون أو وارثه عن صاحب الدين برئ في الآخرة.

(قوله: كمن في يده عروض لا يعلم مستحقيها) يشمل ما إذا كانت لقطة علم حكمها، وإن كانت غيرها فالظاهر وجوب التصدق بأعيانها أيضا (قوله: سقط عنه المطالبة إلخ) كأنه والله تعالى أعلم؛ لأنه بمنزلة المال الضائع والفقراء مصرفه عند جهل أربابه، وبالتوبة يسقط إثم الإقدام على الظلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۲۸۳، كتاب اللقطة، مطلب فيمن عليه ديون ومظالم جهل أربابها، ط: دار الفكر - بيروت)

عن ابن عمر -رضی اللہ عنہما- عن عائشة -رضی اللہ عنہا- قالت: ما أغبط أحدا بهون موت بعد الذی رأیت من شدة موت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

(سنن الترمذی: ۱/ ۱۹۲، رقم: ۹۷۹، دیوبند)

باب ما یتعلق بالمحتضر

[جاں کنی کے عالم کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ما یتعلق بالمحتضر

[جاں کنی کے عالم کا بیان]

[۱] میت کو کلمہ کی تلقین کرنا

۱۰۸۱-سوال: جناب مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام عرض ہے کہ میت کے پیچھے، یا دفن کے بعد قبر پر کلمہ طیبہ: "لا إله إلا الله محمد رسول الله" پڑھنا جائز ہے یا حرام؟ شریعت کے موافق جواب لکھ کر فوراً بھیج کر مہربانی فرمائیں، ۳۰/تاریخ کو جمعہ کے دن ہماری میٹنگ ہونے والی ہے، یہ جواب ۲۹-۳-۱۹۷۹ء کو ملنا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

برادر عزیز! خط ملتا ہے ۲۸/کو اور جواب مانگتے ہو ۲۹/کو، اتنے دنوں تک آپ نے قوم کی جانب سے سپرد کی گئی ذمہ داری کیسے نبھائی؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مفتی حضرات بے کار بیٹھے ہیں، پھر آپ کا سوال بھی ناقص ہے، سوال جیسا ہوتا ہے، جواب اسی کے مطابق ہوتا ہے، گول مول سوال کی بجائے، صاف سوال لکھنا چاہیے، آئندہ اسے ملحوظ رکھیں۔

تلقین کرنا مستحب ہے، یعنی کسی پر موت کے آثار ظاہر ہوں، تو اس کے رشتہ دار، جو قریب میں ہوتے ہیں، وہ بلند آواز سے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں اور مریض اس کو سن کر پڑھتا ہے، یہ مستحب ہے،

ایک بار جب وہ پڑھ لے، تو تلقین اس وقت تک بند کر لی جائے، جب تک کہ وہ دنیاوی بات نہ کرے۔[1]

دفن کے بعد قبر پر تلقین کرنا، یعنی قبر پر کھڑے ہو کر زور سے کلمہ پڑھنا، تاکہ میت کو منکر نکیر کے سوالوں کے جوابات میں آسانی ہو، اس کی گنجائش ہے، البتہ بہتر نہیں۔ (طحطاوی:۳۰۶، شامی:۱/۸۶۷)[2]

"پیچھے"[3] کا اگر یہ مطلب ہے کہ انتقال کے بعد یہ کلمہ گھر میں ایصال ثواب کے لیے پڑھا جائے، تو اگر اس میں کوئی دن مقرر نہ ہو اور نہ کھانے پینے وغیرہ کا انتظام کیا جائے، تو گنجائش ہے، البتہ دن مقرر کر کے زیارت، ضیافت کے نام سے لوگوں کو جمع کرنا اور قرآن کریم یا دعا وغیرہ رسم کے مطابق پڑھنا جائز نہیں۔[4] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولقن الشهادتين، وصورة التلقين أن يقال عنده في حالة النزع قبل الغرغرة جهرا، وهو يسمع، أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله، ولا يقال له: قل. ولا يلح عليه في قولها مخافة أن يضجر، فإذا قالها مرة، لا يعيدها عليه الملقن إلا أن يتكلم بكلام غيرها، كذا في الجوهرة النيرة.

وهذا التلقين مستحب بالإجماع، وأما التلقين بعد الموت فلا يلقن عندنا في ظاهر الرواية، كذا في العيني شرح الهداية ومعراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الأول في المحتضر، ط: دار الفكر- بيروت ☆ الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۰۱- ۱۰۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ط: المطبعة الخيرية)

[۲] قوله: "وتلقينه بعدما وضع في القبر مشروع" قال في المفتاح التلقين على ثلاثة أوجه ففي المحتضر لا خلاف في حسنه وما بعد انقضاء الدفن لا خلاف في عدم حسنه والثالث اختلفوا فيه وهو ما إذا لم يتم دفنه اهـ حموي. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ) ص: ۵۶۰، باب أحكام الجنائز، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۳] شاید سائل کی مراد لفظ "پیچھے" سے: جنازہ قبرستان لے جاتے وقت اس کے پیچھے کلمہ پڑھنا ہے، جیسا کہ بہت سی جگہ اس کا رواج ہے کہ میت کے پیچھے بلند آواز سے کلمہ پڑھتے ہوئے جاتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ یہ صورت بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ بدعات میں سے ہے، درج ذیل فقہی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

(كره) كما كره فيها رفع صوت بذكر أو قراءة فتح. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: كما كره إلخ) قيل تحريما، وقيل تنزيها كما في البحر عن الغاية. وفيه عنها: وينبغي لمن تبع الجنازة أن يطيل الصمت. وفيه عن الظهيرية: فإن أراد أن يذكر الله - تعالى - يذكره في نفسه {إنه لا يحب المعتدين} [الأعراف:۵۵] أي الجاهرين بالدعاء. وعن إبراهيم أنه كان يكره أن يقول الرجل وهو يمشي معها استغفروا له غفر الله لكم. اهـ. قلت: وإذا كان هذا في الدعاء والذكر فما ظنك بالغناء الحادث في هذا الزمان. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۳، كتاب الصلاة، باب في صلاة الجنازة، قبيل: مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر)

(۴) تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں: "باب إهداء الثواب إلى الميت" کے تحت: ایصال ثواب کے لیے میت کے گھر جمع ہونا۔

[٢] جاں کنی کے وقت قبلہ کی طرف منہ کیا جائے یا پیر؟

١٠٨٢-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آدمی جب سکرات کی حالت میں ہو، اور اس وقت اس کا سر جنوب کی طرف اور پاؤں شمال کی جانب ہو اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا ہو اور پاؤں قبلہ کی طرف نہ کر سکا ہو، تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ اور آیا وہ کسی فضیلت سے محروم رہتا ہے؟

مختلف کتابوں: مثلاً ہدایہ اور بہشتی ثمر وغیرہ میں ہے کہ پاؤں کو قبلہ کی طرف کرنا چاہیے اور سر اونچا ہونا چاہیے، تو اس میں فرضیت مراد ہے کہ کرنا ہی ضروری ہے یا استحباب مراد ہے؟ اگر پاؤں قبلہ کی طرف نہ کیے گئے ہوں، تو اس میں کوئی گناہ تو نہیں ہے؟ نیز حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک صحابی نے وصیت کی کہ میرے انتقال کے وقت منہ قبلہ کی طرف کیا جائے، تو اب سوال یہ ہے کہ منہ قبلہ کی طرف کرنا اصل ہے یا پاؤں؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سکرات کے وقت مریض کو داہنی کروٹ پر لٹا کر منہ قبلہ رخ کیا جائے، جیسا کہ قبر میں لٹایا جاتا ہے اور جس طرح بستر پر ہوتا ہے، یعنی سوتے وقت جس طرح سونے کی رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمائی ہے، اس طریقے سے لٹانا مسنون ہے، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی ہے (ہدایہ: ١/ ١٠٨)[١]

اسی کو درمختار وغیرہ میں مسنون لکھا ہے (درمختار: ١/ ٧٩٠، عالمگیری: ١/ ٥٦)[٢]

مجمع الانہر میں ہے: یوجه المحتضر... إلى القبلة مضطجعا على شقه الأيمن؛ لأنه السنة

[١] "إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن "اعتبارا بحال الوضع في القبر لأنه أشرف عليه والمختار في بلادنا الاستلقاء لأنه أيسر لخروج الروح والأول هو السنة". (الهداية في شرح بداية المبتدي: ١/ ٨٨، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

[٢] (يوجه المحتضر) وعلامته استرخاء قدميه، واعوجاج منخره وانخساف صدغيه (القبلة) على يمينه هو السنة (وجاز الاستلقاء) على ظهره (وقدماه إليها) وهو المعتاد في زماننا (و) لكن (يرفع رأسه قليلا) ليتوجه للقبلة (وقيل يوضع كما تيسر على الأصح) صححه في المبتغى (وإن شق عليه ترك على حاله). (الدر المختار مع رد المحتار: ٢/ ١٨٩، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ١/ ١٥٧، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الأول في المحتضر، ط: دار الفكر - بيروت)

المنقول هذا إذا لم يشق عليه وإلا ترك على حاله وجعل رجلاه إلى القبلة.[١]

لیکن چت لٹا کر قدموں کو قبلہ کی طرف کر دیا جائے، تو بھی جائز ہے، اس میں روح نکلنے میں سہولت ہوتی ہے، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے: "والمختار في بلادنا الاستلقاء لأنه أيسر لخروج الروح".[٢]

خیال رہے کہ ہدایہ ودیگر کتب کا مذکورہ بالا حکم (کروٹ پر لٹانا) اس وقت ہے کہ رخ بدلنے میں میت کو تکلیف نہ ہو، یعنی کمرہ اس طرح ہو کہ آسانی سے چارپائی پھیری جاسکتی ہو۔[٣] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٣] میت کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرنا

١٠٨٣-سوال: سکرات کی حالت میں کیا پڑھنا چاہیے؟ میت کو سامنے رکھ کر تبارک الذی (سورۂ ملک) پڑھنا شرعی اصول سے کیسا ہے؟ کیا غسل سے پہلے قرآن کریم کی تلاوت کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

میت جب سکرات کی حالت ہو، تو سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد پڑھنے کو علماء نے مستحب لکھا ہے۔ (درمختار وشامی: ١/٧٩٧)[٤]

(١) ١/١٧٨، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ط: دار إحياء التراث العربي.

[٢] دیکھیے حاشیہ نمبر: ١۔　　　(٣) دیکھیے حاشیہ نمبر: ٢۔

[٤] عن معقل بن يسار، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "اقرءوا على موتاكم {يس}. (السنن الكبرى-أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ٣٠٣هـ): ٩/ ٣٩٤، رقم الحديث: ١٠٨٤٦، كتاب عمل اليوم والليلة عونك يا رب على ما بقي، ما يقرأ على الميت، وذكر الاختلاف على سليمان التيمي في حديث معقل بن يسار فيه، ت: حسن عبد المنعم شلبي، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت☆صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان-محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البستي (م: ٣٥٤هـ): ٧/ ٢٦٩، رقم الحديث: ٣٠٠٢، كتاب الجنائز وما يتعلق بها مقدما أو مؤخرا، فصل في المحتضر، ت: شعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت)

ويندب قراءة يس والرعد. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويندب قراءة يس) لقوله - صلى الله عليه وسلم - "اقرءوا على موتاكم يس"، صححه ابن حبان، وقال المراد به من حضره الموت. وروى أبو داود عن مجالد عن الشعبي قال: كانت الأنصار إذا حضروا اقرءوا عند الميت سورة البقرة إلا أن مجالدا مضعف، حلية (قوله: والرعد) هو استحسان بعض المتأخرين لقول جابر إنها تهون عليه خروج روحه إمداد. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/١٩١، باب صلاة الجنائز، مطلب في قبول توبة اليأس، ط: دار الفكر-بيروت)

روح نکل جانے کے بعد جب تک غسل نہ دیا جائے، قریب بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا مکروہ ہے۔[۱] البتہ غسل دینے کے بعد یا غسل سے پہلے میت سے دور رہ کر تلاوت قرآن جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۷۹۹)[۲]

سورۂ تبارک غسل کے بعد پڑھے، تو کوئی حرج نہیں، مگر اس کی کوئی خاص فضیلت وارد نہیں ہوئی ہے، غسل کے بعد کسی مخصوص سورت کی تلاوت کا حکم ثابت نہیں ہے، لہٰذا لاعلی التعیین کوئی بھی سورت پڑھنی چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] میت کے پیر قبلہ کی طرف کیوں کیے جاتے ہیں، جب کہ زندگی میں اس کی ممانعت ہے

۱۰۸۴- سوال: شریعت کا حکم ہے کہ قبلہ کی طرف پیر کر کے نہیں بیٹھنا چاہیے، جب کہ زید کا کہنا ہے کہ میت کے پیر قبلہ کی طرف کر دینا چاہئے، تا کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو جائے، تو زندگی میں جس چیز کی ممانعت تھی، کیا موت کے بعد وہ چیز جائز ہو جاتی ہے؟ زید کی مذکورہ بات صحیح ہے یا غلط؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا کہنا صحیح ہے، موت کی حالت میں پیروں کا قبلہ کی طرف ہونا نہیں دیکھا جائے گا؛ بل کہ اس کا خیال کیا جائے گا کہ منہ قبلہ کی طرف ہو جائے، جو کہ سنت ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (وكره قراءة القرآن عنده إلى تمام غسله) عبارة الزيلعي حتى يغسل وعبارة النهر قبل غسله. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۹۴، باب صلاة الجنازة)

[۲] وذكر أن محل الكراهة إذا كان قريبا منه، أما إذا بعد عنه بالقراءة فلا كراهة. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۴، باب الجنائز، مطلب في القراءة عند الميت)

تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: "ایصال ثواب کے لیے میت کے گھر جمع ہونا" کا حاشیہ نمبر ۱۔

(۳) (واختير الاستلقاء) قال في التبيين والمختار في زماننا أن يلقى على قفاه وقدماه إلى القبلة قالوا: هو أيسر لخروج الروح ويرفع رأسه قليلا ليصير وجهه إلى القبلة دون السماء لكن لم يذكر وجه ذلك ولا يمكن معرفته إلا نقلا مع أن الأول هو السنة تفكر. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - شيخي زاده المعروف بـ داماد آفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۱۷۹، باب صلاة الجنازة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/ ۸۸، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الأول في المحتضر، ط: دار الفكر - بيروت)

[۵] مردے کا منہ قبلہ کی جانب کرنا

۱۰۸۵-سوال: مردے کا منہ قبلہ سمت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردے کا منہ قبلہ سمت کرنا سنت ہے (عالمگیری: ۱/ ۱۲۶)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] میت کو کفن میں لپیٹنے کے بعد اس کے پاؤں قبلہ سمت کرنا

۱۰۸۶-سوال: میت کو غسل دینے اور کفن میں لپیٹنے کے بعد اس کے پاؤں قبلہ سمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مصطفی بھائی پان والا، ساندوی

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو غسل دینے کے بعد اس کو داہنی کروٹ پر لٹا کر اس کا چہرہ قبلہ سمت کر لینا بہتر ہے؛ البتہ سکرات کے وقت اس کو چت لٹا کر اس کا سر تھوڑا اونچا کر دیا جائے، چہرے اور پاؤں دونوں قبلہ کی جانب کر دیے جائیں، یہ صورت میت کی روح کے نکلنے کے لیے زیادہ آسان ہے۔ (طحطاوی: ۳۰۵)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن وهو السنة، كذا في الهداية، وهذا إذا لم يشق ترك على حاله، كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۷، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الأول في المحتضر، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ''میت کے پیر قبلہ کی طرف کیوں کیے جاتے ہیں، جب کہ زندگی میں اس کی ممانعت ہے''۔

[۱] "ويوضع" الميت "كيف اتفق على الأصح" قاله شمس الأئمة السرخسي وقيل عرضا وقيل إلى القبلة. (مراقي الفلاح) ــــــــــ قال الطحطاوي: قوله: "وقيل عرضا" أي كما يوضع في القبر قوله: "وقيل إلى القبلة" فتكون رجلاه إليها كالمريض إذا أراد الصلاة بإيماء وفي القهستاني عن المحيط وغيره أنه السنة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ) ص: ۵۶۷، باب أحكام الجنائز، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان)

ويوضع على التخت... ثم لم يذكر في ظاهر الرواية كيفية وضع التخت أنه يوضع إلى القبلة طولا أو عرضا؟ فمن أصحابنا من اختار الوضع طولا كما يفعل في مرضه إذا أراد الصلاة بالإيماء، ومنهم من اختار الوضع عرضا كما يوضع في قبره، والأصح أنه يوضع كما تيسر؛ لأن ذلك يختلف باختلاف المواضع. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۳۰۰، فصل بيان كيفية =

[۷] موت کی سختی کی وجہ سے آس پاس کے لوگوں پر تلوار چلانا

۱۰۸۷-سوال: ایک کتاب میں لکھا ہے کہ انسان پر موت کی سختی اتنی ہوتی ہے کہ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے، تو وہاں بیٹھنے والوں پر تلوار چلانے لگ جائے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ وہاں بیٹھنے والوں پر تلوار چلانے کے پیچھے اس کا مقصد کیا ہے؟ کیا مقصد یہ ہے کہ جس اہل وعیال کے لیے اس نے دین سے ہٹ کر زندگی گذاری ہے اور ان کی پرورش میں اپنا دین خراب کیا ہے، ان ہی کی وجہ سے اسے یہ تکلیف برداشت کرنی پڑ رہی ہے، اس لیے وہ اب انتقام میں تلوار سے وار کرنا چاہتا ہے؟ یا کوئی اور مقصد ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

مصنف کتاب کا مقصد، انسان کے بدن سے روح نکلنے کی سختی کو بیان کرنا ہوگا، یعنی روح کے نکلتے وقت تکلیف ایسی ہوتی ہے کہ اگر آدمی ہوش وحواس میں ہو اور ایسی تکلیف ہونے لگے، تو باؤلا بن کر اس طرح حرکتیں کرنے لگے، جیسا کہ پریشان حال آدمی، کہ غصہ میں آکر مار پیٹ کرنے لگتا ہے۔[1]

=الغسل للميت، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆البحر الرائق:۲/۱۸۵، كتاب الجنائز، تلقين الشهادة للمحتضر ،ط: دار الكتاب الإسلامي☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۹۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر)

"إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن" اعتبارا بحال الوضع في القبر لأنه أشرف عليه والمختار في بلادنا الاستلقاء لأنه أيسر لخروج الروح والأول هو السنة. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ):۱/۸۸، باب الجنائز، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)ــــــــــــ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سوال سابق کی تخریج۔

(۱) عن ابن عمر، عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: ما أغبط أحدا بهون موت بعد الذي رأيت من شدة موت رسول الله صلى الله عليه وسلم. (سنن الترمذي:۱/۱۹۲، رقم الحديث:۹۷۹، أبواب الجنائز، باب ما جاء في التشديد عند الموت، ط:ديوبند)

عن عائشة -رضي الله عنها- أنها قالت: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بالموت، وعنده قدح فيه ماء، وهو يدخل يده في القدح، ثم يمسح وجهه بالماء، ثم يقول: اللهم أعني على غمرات الموت أو سكرات الموت. (سنن الترمذي:۱/۱۹۲، رقم الحديث:۹۷۸، أبواب الجنائز، باب ما جاء في التشديد عند الموت، ط:ديوبند☆سنن ابن ماجه،ص:۱۱۷، رقم الحديث: ۱۶۲۳، كتاب الجنائز، باب ما جاء في ذكر مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم، ط: المكتبة الأشرفية-ديوبند)

قال الملا علي القاري(م:۱۰۱۴ھ): (أو سكرات الموت) أي: شدائده، جمع سكرة بسكون الكاف، وهي=

گویا حقیقتاً تلوار سے وار کرنے کو ثابت کرنا مقصود نہیں ہے، بل کہ صرف روح کے نکلنے کے وقت کی شدت کو بیان کرنا ہے۔

ویسے آپ نے کتاب کا نام اور اس میں ذکر کردہ عبارت کو نہیں لکھا ہے، کہ ہم بتا سکیں کہ مصنف کا مقصد کیا ہے؟ اور اس نے یہ بات کہاں سے لکھی ہے؟ اس پوری تفصیل کو جانے بغیر مصنف کا مقصد سمجھانا مشکل ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=شدة الموت، وقيل: السكر حالة تعرض بين المرء، وعقله، وأكثر ما يستعمل ذلك في الشراب، وقد يعتري من الغضب والعشق، ولو من حب الدنيا، وقد يحصل من الخوف. قال تعالى: {وترى الناس سكارى وما هم بسكارى} [الحج: ۲] ، ...... [ويراد] ومن سكرات الموت شدائده التي لا يطيقها المحتضر فيموت فزعا جزعا. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۳/ ۴۲-۱۱۳۱، رقم الحديث: ۱۵۶۳، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض، ط: دار الفكر-بيروت)

(إن للموت سكرات): بفتحات جمع سكرة أي: شدائد ومشقات عظيمات من حرارات ومرورات طبيعيات، حتى للأنبياء، وأرباب الكمالات، فاستعدوا لتلك الحالات، واطلبوا من الله تهوينه للأموات. (حوالہ سابق: ۹/ ۳۸۳۶، تحت رقم الحديث: ۵۹۵۹، كتاب الفضائل، باب هجرة الرسول صلى الله عليه وسلم إلى المدينة ووفاته)

عن أم عطية الأنصارية رضى الله عنها، قالت: دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم حين توفيت ابنته، فقال: اغسلنها ثلاثا، أو خمسا، أو أكثر من ذلك إن رأيتن ذلك، بماء وسدر، واجعلن فى الآخرة كافورا - أو شيئا من كافور - فإذا فرغتن فآذننى، فلما فرغنا آذناه فأعطانا حقوه، فقال: أشعرنها إياه، تعنى إزاره. (بخاری شریف: ۱/ ۱۶۷، حدیث نمبر: ۱۲۵۴، ط: دیوبند)

باب ما يتعلق بغسل الميت

[غسلِ میت کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ما یتعلق بغسل المیت

[غسلِ میت کا بیان]

[۱] غسل میت کے بعد نجاست نکلے، تو کیا حکم ہے؟

۱۰۸۸-سوال: ایک عورت کا انتقال ہوا، اس کو غسل دیا گیا اور کفن بھی پہنا دیا گیا، اس کے بعد اس کے بدن سے ناپاکی نکلی اور کفن کا کپڑا ناپاک ہوگیا، تو کفن کا جو کپڑا ناپاک ہوا تھا اس کو تو بدل دیا؛ لیکن دوبارہ اس میت کو غسل نہیں دیا گیا اور ایسے ہی اس پر نماز جنازہ پڑھ لی گئی، تو وہ نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل کے بعد کفن پہنانے سے پہلے جو ناپاکی نکلے، اس کو دھووے؛ لیکن کفن پہنانے کے بعد جو ناپاکی نکلے، اس کا دھونا ضروری نہیں ہے، نہ بدن کا دھونا ضروری ہے اور نہ ہی کفن کا دھونا اور تبدیل کرنا ضروری ہے،[1] اسی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے:

---

(۱) تاہم موضع نجاست کو دھووے، ذیل کی عبارت دیکھیے:

(ولا يعاد غسله ولا وضوءه بالخارج منه) لأن غسله ما وجب لرفع الحدث لبقائه بالموت بل لتنجسه بالموت كسائر الحيوانات الدموية إلا أن المسلم يطهر بالغسل كرامة له وقد حصل بحر وشرح مجمع. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: وقد حصل) أي الغسل وبطرو النجاسة بعده لا يعاد بل يغسل موضعها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۷، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

(قوله وما خرج منه يغسله) أي تنظيفا له بحر. قال الرملي: أي لا شرطا حتى لو صلي عليه من غير غسله جاز، وهذا مما لا يتوقف فيه اهـ وفي الأحكام عن المحيط يمسح ما سال ويكفن. وفي كتاب الصلاة للحسن إذا سال قبل أن يكفن غسل وبعده لا. اهـ. (شامی: ۱/۵۷۵)[۱] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] مردے کو غسل دینے والے کے لیے غسل کا حکم

۱۰۸۹-سوال: مردے کو غسل دینے کے بعد غسل دینے والوں کے لئے غسل کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

غسل دینے والوں کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔ (شامی)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] میت کو غسل دینا کار ثواب ہے

۱۰۹۰-سوال: ایک شخص کا یہ کہنا ہے کہ میت کو غسل دینے والے شخص کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوتی، ایسا شخص نماز پڑھانے کا بالکل حق دار نہیں، تو کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے، تو میت کو باقاعدہ غسل دینے کا پیشہ اختیار کرنے والے ہی کے حق میں یہ بات ہوگی یا کسی طرح کی اجرت یا ہدیہ لیے بغیر فقط ثواب کی نیت سے غسل دینے والے پیش امام پر بھی یہ حکم عائد ہوگا؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ شخص کی یہ بات صحیح نہیں ہے؛ بل کہ قرآن پاک اور واحادیث نبویہ کی تعلیمات کے خلاف

---

[۱] رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۹۷، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت.

"ثم يجلسه ويسنده إليه ويمسح بطنه مسحا رفيقا" تحرزا عن تلويث الكفن "فإن خرج منه شيء غسله ولا يعيد غسله ولا وضوءه" "لأن الغسل عرفناه بالنص وقد حصل مرة". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل، المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۸۹، باب الجنائز، فصل في الغسل، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت☆مجمع الأنهر: ۱/۱۸۰، باب صلاة الجنائز، ط: دار إحياء التراث الإسلامي ☆بدائع الصنائع: ۱/۳۰۱، فصل بيان كيفية الغسل للميت، ط: دار الكتب العلمية☆ المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۲/۵۹، باب غسل الميت، ط: دار المعرفة- بيروت)

[۲] يندب الغسل من غسل الميت. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۰۲، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر)

ہے، میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے۔[1] اور فرض کفایہ کی ادائیگی سے دل مردہ نہیں ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ایک شخص کے دوسرے شخص پر چھ حقوق ہیں؛ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی مسلمان کے اس کے انتقال کے بعد غسل دیا جائے۔ (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۹۹)[2]

بل کہ میت کو غسل دینے سے اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہوگا، اور موت کا تصور مستحضر ہوگا کہ گزشتہ کل یہ شخص گھومتا پھرتا تھا، آج روح کے نکل جانے کی وجہ سے بے بس ہوگیا ہے، کل میرا بھی ایسا وقت آنے والا ہے، اس طرح موت کو یاد کرے گا، تو اس کے دل میں نرمی پیدا ہوگی، اس کے دل کی دنیا آباد ہوگی، اس کا چراغ روشن ہوگا؛ اس لیے ان لوگوں کا یہ کہنا کہ: ''مردے کو غسل دینے سے دل مردہ ہوجاتا ہے'' سراسر غلط ہے۔

مذکورہ امام صاحب کی امامت میں کوئی خرابی نہیں آئے گی؛ مزدوری لے کر غسل دے یا ثواب کی نیت سے غسل دے، دونوں صورت جائز ہے، جب کوئی کام فرض کفایہ ہو، تو اس پر مزدوری لینا جائز ہے؛ لیکن جب کوئی مرد غسل دینے والا نہ ہو یا ہو، مگر ایک دو کی تعداد میں ہوں، تو اب ان پر غسل دینا فرض عین ہوجائے

---

(۱) (والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) بالإجماع ... (كدفنه) وغسله وتجهيزه فإنها فرض كفاية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۰۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۸، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر☆بدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۰، فصل بيان كيفية وجوب غسل الميت، ط: دار الكتب العلمية)

وكذا غسل الميت والصلاة عليه والدفن كل ذلك فرض كفاية، إذا قام به البعض، سقط عن الباقين، وإن امتنعوا من ذلك حتى ضاع ميت بين قوم، مع علمهم بحاله كانوا مشتركين في المأثم. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۳۰/ ۲۶۳، كتاب الكسب، ط: دار المعرفة - بيروت☆بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۱، كتاب الصلاة، فصل بيان فريضة صلاة الجنازة و كيفية فرضها، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) أما النص فما روي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: للمسلم على المسلم ست حقوق "وذكر من جملتها أن يغسله بعد موته" وعلى: كلمة إيجاب. ـــــــ وروي أنه لما توفي آدم - صلوات الله عليه - غسلته الملائكة ثم قالت لولده هذه سنة موتاكم، والسنة المطلقة في معنى الواجب، وكذا الناس توارثوا ذلك من لدن آدم - صلى الله عليه وسلم - إلى يومنا هذا فكان تاركه مسيئا لتركه السنة المتوارثة، والإجماع منعقد على وجوبه. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۹۹، كتاب الصلاة، فصل: الغسل، ط: دار الكتب العلمية☆ فتح القدير: ۲/ ۱۰۶، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل، ط: دار الفكر - بيروت)

گا اور مزدوری لینا جائز نہیں ہوگا۔ (طحطاوی: ۳۱۲)[۱]

اس لیے آپ کے امام صاحب اگر میت کو غسل دیں گے، تو یہ بہت بڑے ثواب کا کام ہوگا، ان کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] فتاویٰ حسینیہ کے ایک فتویٰ کی مزید تحقیق

۱۰۹۱- سوال: فتاویٰ حسینیہ (ص: ۳۷) پر سوال نمبر ۱۸ ر کے جواب میں لکھا ہے کہ "جس شخص کو لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، میت کو غسل دینے کے پیشہ کو لوگ حقیر سمجھتے ہیں اور غسل دینے کا پیشہ اختیار کرنے والے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؛ اس لیے ایسے شخص کے پیچھے نماز بہتر نہیں"۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض ثواب کی نیت سے کسی طرح کی اجرت اور ہدیہ لیے بغیر میت کو غسل دینے کا معمول بنالے، تو یہ پیشہ کہلائے گا یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ نیز میت کو غسل دینے کا کیا ثواب ہے؟ بینوا توجروا۔ احمد اسماعیل کھتری

الجواب حامدا و مصليا:

فتاویٰ حسینیہ کے اس فتویٰ کا مصداق وہ لوگ ہیں، جو اجرت لے کر غسل دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ثواب سمجھ کر میت کو غسل دیتا ہو، تو اس کے لیے مذکورہ حکم نہیں ہے؛ اس لیے اجرت نہ لینا بہتر ہے۔[۲]

---

[۱] والأفضل أن يغسله مجانا وإن ابتغى الغاسل أجرا جاز إن كان ثمة غيره وإلا لا لتعينه عليه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ هـ) ص: ۵۷۰، باب أحكام الجنائز، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت- لبنان)

والأفضل أن يغسل الميت مجانا وإن ابتغى الغاسل الأجر فإن كان هناك غيره يجوز أخذ الأجر وإلا لم يجز، هكذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۶۰- ۱۵۹، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۹۹، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) حضرت مفتی صاحب کی اس تطبیق سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، جو اجرت لے کر میت کو غسل دینے کا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہو، حالاں کہ سابقہ فتویٰ میں صراحت ہے کہ اجرت لے کر اگر کوئی غسل میت کا کام کرتا ہو، تو کوئی حرج نہیں، اور ایسے شخص کے پیچھے بلا کراہت نماز جائز ہے۔ [جب کہ دیگر شرائط امامت ان میں موجود ہوں]

واضح رہے کہ حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ یہی ہے [جیسا کہ اسی میں آگے آرہا ہے] اور اصل حکم بھی یہی ہے۔ ہاں کہیں اس امر کو=

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ ”اے علی! میت کو غسل دیتے رہو؛ کیوں کہ جو شخص میت کو غسل دیتا ہے، اس کو ستر مغفرت ملتی ہیں، ان میں سے اگر ایک مغفرت کو تقسیم کر دیا جائے، تو تمام زمین والوں کے لیے کافی ہو جائے“۔[1]

ایک دوسری روایت میں وارد ہے کہ ”جس نے کسی میت کو غسل دیا اور اس نے میت کے اندر کسی عیب کو دیکھا اور اسے چھپا دیا، تو اس کے بڑے بڑے چالیس گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، جو شخص میت کو کفن پہنائے گا، تو اس کو جنت کا ریشمی کپڑا پہنایا جائے گا، اور جس نے میت کے لیے قبر کھودی، اور اس میں دفن کیا، تو اس کو قیامت کے دن تک میت کے لیے مکان میں پناہ دینے کا ثواب دیا جائے گا“۔

مستدرک حاکم نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور امام مسلمؒ کی شرط کے موافق ہے۔ (طحطاوی: ۳۱۲)[2]

= حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو، تو اس (سوچ و فکر) کی اصلاح ضروری ہے، اور فطری بات ہے کہ جب تک لوگوں کا ذہن اس سلسلے میں صاف نہ ہو جائے، ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے سے وہ طبعاً کراہت محسوس کریں گے؛ اس لیے بہتر ہے کہ اصلاح حال کی کوشش کے ساتھ ایسے شخص کو وقتی طور پر امامت کے منصب سے دور رکھا جائے، امکان ہے کہ فتاویٰ حسینیہ کے فتویٰ کی یہی مراد ہو۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۱) عن علي بن أبي طالب، قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا علي غسل الموتى، فإنه من غسل ميتا غفر له سبعون مغفرة، لو قسمت مغفرة منها على جميع الخلائق لوسعتهم"، قلت: يا رسول الله، ما يقول من يغسل ميتا؟ قال: يقول: "غفرانك يا رحمن، حتى يفرغ من الغسل". (نصب الراية لأحاديث الهداية - جمال الدين أبو محمد عبد الله بن يوسف بن محمد الزيلعي (م: ۷۶۲ھ): ۲/ ۲۵۶، باب الجنائز، فصل في الغسل، ت: محمد عوامة، ط: مؤسسة الريان للطباعة والنشر - بيروت / دار القبلة للثقافة الإسلامية - جدة)

مزید دیکھیے: حاشية الطحطاوي، ص: ۵۷۰، باب أحكام الجنائز، ط: دار الكتب العلمية - بيروت.

[۲] عن أبي رافع، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتا فكتم عليه غفر له أربعين مرة، ومن كفن ميتا كساه الله من السندس، وإستبرق الجنة، ومن حفر لميت قبرا فأجنه فيه أجري له من الأجر كأجر مسكن أسكنه إلى يوم القيامة. "هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه". (المستدرك على الصحيحين - أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نعيم بن الحكم، النيسابوري المعروف بابن البيع (م: ۴۰۵ھ): ۱/ ۵۱۶، رقم الحديث: ۱۳۴۰، كتاب الجنائز، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الآداب للبيهقي - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ) ص: ۱۱۴، رقم الحديث: ۲۷۶، باب اتباع الجنائز، ت: أبو عبد الله السعيد المندوه، ط: مؤسسة الكتب الثقافية - بيروت ☆ شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي: ۱۱/ ۴۵۶، رقم الحديث: ۸۸۲۷، الصلاة على من مات من أهل القبلة، ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: مكتبة الرشد للنشر =

اس لیے مزدوری لیے بغیر محض ثواب کی نیت سے میت کو غسل دینے والے کے لیے یہ حکم نافذ نہیں ہوگا، ایسے شخص کی عزت کرنی چاہیے، حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے والے صریح غلطی پر ہیں۔ [1] لہٰذا فتاویٰ حسینیہ کے فتویٰ کا مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ شریعت نے جن لوگوں کو حقیر سمجھا ہے اور جن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے کا حکم بھی دیا ہے، تو ایسا شخص حقارت کا مستحق ہے اور اس کو امامت کا منصب نہیں دینا چاہیے؛ مثلاً: جو کام شریعت اسلامی میں گناہ کے ہیں، ان کا وہ ارتکاب کرتا ہو؛ نیز ایسا کام اور پیشہ اختیار کیے ہوا ہو، جس کو لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؛ مثلاً: کتوں یا بلیوں کا کاروبار کرتا ہو، تو ایسے آدمی کے لیے حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کی امامت مکروہ ہے۔

اس زمانے میں لوگ جانوروں کی طرح مال کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، قدریں بدل گئی ہیں، اور اب تو امامت ہی کو حقیر پیشہ سمجھتے ہیں؛ اسی وجہ سے مال دار حضرات اپنی اولاد کو دین کی تعلیم نہیں دیتے، تو کیا ان کی وجہ سے علمائے کرام کو پڑھانا چھوڑ دینا چاہیے؟؟؟

اسی طرح علماء کرام کو غسل میت کا پیشہ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں، بل کہ وہ اس کے آداب و سنن سے زیادہ واقف ہوتے ہیں، اس لیے یا تو وہ خود سے غسل دیں، یا کم از کم ان کی نگرانی میں غسل دینے کا اہتمام کیا جائے، جو لوگ اس کو حقیر سمجھیں، ان کو اس کی فضیلت بتائی جائے۔

=والتوزيع بالرياض، بالتعاون مع الدار السلفية بومباي بالهند)

و روى البيهقي في المعرفة و الحاكم في المستدرك و قال على شرط مسلم. (حاشية الطحطاوي، ص: ۵۷۰، باب أحكام الجنائز، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ... بحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام، دمه، وماله، وعرضه. (الصحيح لمسلم: ۲/۳۱۷، رقم الحديث: ۳۲- ۲۵۶۴، باب تحريم ظلم المسلم، وخذله، واحتقاره ودمه، وعرضه، وماله، ط: ديوبند)

قوله: "بحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم" فيه تحذير عظيم من ذلك لأن الله تعالى لم يحقره إذ خلقه ورزقه ثم أحسن تقويم خلقه وسخر ما في السموات وما في الأرض جميعاً لأجله وإن كان له ولغيره فله من ذلك حصة ثم إن الله سبحانه سماه مسلماً و مؤمناً و عبداً و بلغ من أمره إلى أن جعل الرسول منه إليه محمداً صلى الله عليه وسلم فمن حقر مسلماً من المسلمين فقد حقر ما عظم الله عز وجل و كافيه ذلك... الخ. (شرح الأربعين النووية في الأحاديث الصحيحة النبوية- تقي الدين أبو الفتح محمد بن علي، القشيري، المعروف بابن دقيق العيد (م: ۷۰۲هـ)، ص: ۱۱۸، باب أخوة الإسلام، ط: مؤسسة الريان)

الغرض غسل میت دینے والوں کے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہے، جو ان کو حقیر سمجھتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں، اپنی اصلاح کی فکر کریں۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] میت کو غسل دینا منصب امامت کے منافی نہیں

۱۰۹۲- سوال: جو آدمی ہمیشہ میت کو غسل دیتا ہو، اس کی اقتدا میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ منصب امامت کے خلاف ہے۔

الجواب حامداو مصليا:

کفن، دفن، غسل، وغیرہ میت کے حقوق ہیں۔[۲] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو غسل دینے والے کے بارے میں بہت سے فضائل بیان فرمائے ہیں، جو آدمی میت کو غسل دے اور اس کے عیوب کی چشم پوشی کرے، تو اللہ تعالی اس کو گناہوں سے پاک فرما دیتے ہیں۔[۳]

دوسری روایت میں ہے کہ اس کے چالیس گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔[۴]

---

(۱) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سابقہ فتویٰ بہ عنوان: ''میت کو غسل دینا کارِ ثواب ہے''۔

(۲) تقدم تخريجه عن: الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۰۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۸، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۰، فصل بيان كيفية وجوب غسل الميت، ط: دار الكتب العلمية.

(۳) تقدم تخريجه عن: نصب الراية لأحاديث الهداية - جمال الدين أبو محمد عبد الله بن يوسف بن محمد الزيلعي (م: ۷۶۲ھ): ۲/ ۲۵۶، باب الجنائز، فصل في الغسل، ت: محمد عوامة، ط: مؤسسة الريان للطباعة والنشر- بيروت/ دار القبلة للثقافة الإسلامية- جدة.

(۴) قد تقدم تخريجه عن: المستدرك على الصحيحين - أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نعيم بن الحكم، النيسابوري المعروف بابن البيع (م: ۴۰۵ھ): ۱/ ۵۱۶، رقم الحديث: ۱۳۴۰، كتاب الجنائز، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الآداب للبيهقي - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ)، ص: ۱۱۴، رقم الحديث: ۴۷۶، باب اتباع الجنائز، ت: أبو عبد الله السعيد المندوه، ط: مؤسسة الكتب الثقافية- بيروت ☆ شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي: ۱۱/ ۴۵۶، رقم الحديث: ۸۸۴۷، الصلاة على من مات من أهل القبلة، ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، بالتعاون مع الدار السلفية بومباي بالهند.

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ نو مولود بچے کی طرح وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ [۱]

آج اس نیک عمل سے بعد ہو گیا ہے، عالم یا امام صاحب مذکورہ کام کرتے ہیں، تو سنت کا خاص اہتمام کرتے ہیں؛ لیکن عام آدمی جب غسل دیتا ہے، تو سنت کا اہتمام نہیں کرتا، اس سلسلے میں لوگوں کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

میت کو غسل دینے والا اگر علم سے عاری ہو تو اس کی جہالت کی بنا پر امامت مکروہ ہوگی، میت کو غسل دینے کی وجہ سے نہیں، اگر غسل دینے والا عالم باعمل ہے، تو اس کی امامت میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] مردے کو غسل میں کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض نہیں

۱۰۹۳- سوال: جس طرح زندہ آدمی کے حق میں غسل کے تین فرائض (کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور پورے بدن پر پانی بہانا ضروری ہے، کہ ان میں سے کوئی ایک فرض چھوٹ جائے، تو غسل نہیں ہوتا، تو کیا مردے کے لیے بھی یہی حکم ہے؟ حالاں کہ مردے کو کلی کرانا ممکن نہیں ہوتا۔

الجواب حامداومصليا:

میت کے غسل میں کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض نہیں ہے، صرف اس قدر فرض ہے کہ پورے بدن کو ایک مرتبہ دھو دیا جائے، بہتر یہ ہے کہ کوئی باریک کپڑا یا روئی پانی میں بھگو کر دانت، ہونٹ، تالو اور منھ میں پھیر کر صاف

---

(۱) عن علي -رضي الله عنه- أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من غسل ميتا، وكفنه، وحنطه، وحمله، وصلى عليه، ولم يفش عليه ما رأى منه؛ خرج من خطيئته كيوم ولدته أمه. (الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك-أبو حفص عمر بن أحمد بن عثمان بن أحمد بن محمد بن أيوب بن آزداذ البغدادي المعروف بـ ابن شاهين (م: ۳۸۵ھ)، ص: ۱۲۳، رقم الحديث: ۴۱۴، باب فضل من غسل ميتا، ت: محمد حسن محمد حسن إسماعيل، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتا فأدى فيه الأمانة خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه. (الترغيب والترهيب-إسماعيل بن محمد بن الفضل بن علي القرشي الطليحي التيمي الأصبهاني، أبو القاسم، الملقب بـ "قوام السنة" (م: ۵۳۵ھ): ۳/۱۵۶، باب في الترغيب في غسل الجنابة وغسل الحيض وغسل الميت، ت: أيمن بن صالح بن شعبان، ط: دار الحديث-القاهرة)

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سابقہ فتاویٰ بہ عنوان: "میت کو غسل دینا کار ثواب ہے" اور "فتاویٰ حسینیہ کے ایک فتویٰ کی مزید تحقیق"۔

کردے، اسی طرح ناک کے اندرونی حصہ میں بھی پھیر دے۔ (عالمگیری صفحہ ۱۵۸)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] شرابی کا میت کو غسل دینا

۱۰۹۴- سوال: جو شخص نشہ میں دھت ہو، کیا وہ میت کو غسل دے سکتا ہے؟

الجواب حامداومصليا:

نشہ آور اشیاء کا اپنے اختیار سے استعمال کرنے والا اور نشہ میں مست رہنے والا آدمی (شرابی) فاسق ہے؛ اس لیے ایسی خدمت پر اس کو مامور کرنے والے گنہ گار ہوں گے، کیوں کہ فاسق قابل اعتبار اور محترم منصب کے لائق نہیں، البتہ اس نے غسل دیا ہے، تو کفایت کرجائے گا۔[2]

اگر وہ نشہ میں چور ہے، منہ سے بدبو آرہی ہے، پوری طرح ہوش میں نہیں ہے تو اب غسل کا اعادہ بہتر

[۱] ولا يمضمض ولا يستنشق، كذا في فتاوى قاضي خان، ومن العلماء من قال: يجعل الغاسل على أصبعه خرقة رقيقة، ويدخل الأصبع في فمه، ويمسح بها أسنانه، وشفتيه، ولهاته، ولثته، وينقيها ويدخل في منخريه أيضا، كذا في الظهيرية، قال شمس الأئمة الحلواني: وعليه عمل الناس اليوم، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۸، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل، ط: دار الفكر-بيروت)

(ويوضأ) من يؤمر بالصلاة (بلا مضمضة واستنشاق) للحرج، وقيل يفعلان بخرقة، وعليه العمل اليوم، ولو كان جنبا، أو حائضا، أو نفساء فعلا اتفاقا تتميما للطهارة، كما في إمداد الفتاح مستمدا من شرح المقدسي. (الدر المختار: ۲/ ۱۹۵-۱۹۶) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله للحرج) إذ لا يمكن إخراج الماء، أو يعسر فيتركان، زيلعي. (قوله: بخرقة) أي يجعلها الغاسل في أصبعه يمسح بها أسنانه ولهاته ولثته ويدخلها منخره أيضا، بحر. (قوله وعليه العمل اليوم) قائله شمس الأئمة الحلواني كما في الإمداد عن التتارخانية. (قوله: ولو كان جنبا إلخ) نقل أبو السعود عن شرح الكنز للشلبي أن ما ذكره الخلخالي أي في شرح القدوري من أن الجنب يمضمض ويستنشق غريب مخالف لعامة الكتب. اهـ ــــــــــ قلت: وقال الرملي أيضا في حاشية البحر: إطلاق المتون والشروح والفتاوى يشمل من مات جنبا ولم أر من صرح به لكن الإطلاق يدخله، والعلة تقتضيه اهـ وما نقله أبو السعود عن الزيلعي من قوله: بلا مضمضة واستنشاق ولو جنبا صريح في ذلك، لكني لم أره في الزيلعي. (قوله اتفاقا) لم أجده في الإمداد ولا في شرح المقدسي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۶، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) ولو كان الغاسل جنبا أو حائضا أو كافرا جاز ويكره، كذا في معراج الدراية. ــــــ ولو كان محدثا لا يكره اتفاقا هكذا في القنية. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۵۹، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر)

ہے؛ کیوں کہ مکمل غسل دیا ہے یا نہیں، یہ محتمل ہے، اگر ظاہراً اس نے پورا غسل دیا ہے، تو درست ہوگا؛ لیکن ایسے شخص کو غسل دینے سے روکا جائے، کسی دیانت دار کو یہ خدمت سپرد کی جائے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] چھوٹے بچے اور بچی کو کون غسل دے گا؟

۱۰۹۵- سوال: معصوم لڑکا یا لڑکی کا انتقال ہوجائے، تو باپ یا دادا غسل دے سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز ان کو بڑے آدمیوں کی طرح وضو کرانا، تختہ کو دھونی دینا اور مسنون طریقہ کے مطابق کفن دینا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معصوم لڑکا یا لڑکی (**غیر مراهقه**) کا انتقال ہوجائے، تو باپ یا دادا میں سے کوئی بھی غسل دے سکتے ہیں، باپ، دادا کے علاوہ غیر محرم عورت و مرد بھی غسل دے سکتے ہیں؛ لیکن بہتر یہ کہ چھوٹی لڑکی کو عورتیں اور چھوٹے لڑکے کو مرد حضرات غسل دیں:

ويغسل الرجال الرجال والنساء النساء ولا يغسل أحدهما الآخر فإن كان الميت صغيرا لا يشتهي جاز أن يغسله النساء وكذا إذا كانت صغيرة لا تشتهي جاز للرجال غسلها. (عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۲۸)[2]

اور جس طرح عاقل و بالغ مرد و عورت کو غسل دینے اور کفنانے کا مسنون طریقہ ہے، وہی طریقہ معصوم بچے اور بچی کا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری)[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ويستحب للغاسل أن يكون أقرب الناس إلى الميت فإن لم يعلم الغسل فأهل الأمانة والورع، كذا في الزاهدي.
يستحب أن يكون الغاسل ثقة يستوفي الغسل. (المصدر السابق ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۰۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت ★ البحر الرائق: ۲/ ۱۸۸، كتاب الصلاة، كتاب الجنائز، غسل الميت، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۰، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۰۳، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ط: المطبعة الخيرية ☆ البناية شرح الهداية: ۳/ ۱۹۰، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في غسل الميت، تسريح شعر الميت ولحيته، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۳] والصبي المراهق في التكفين كالبالغ والمراهقة كالبالغة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۰، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، ط: دار الفكر - بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۱/ ۲۳۸، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاة الجنازة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق - القاهرة)

[۹] میت کو غسل دیتے وقت اُس کے پیر قبلہ رُخ رہ جائیں، تو کیا حکم ہے؟

۱۰۹۶- سوال: میت کو غسل دیتے وقت اُس کے پیر قبلہ رُخ کر کے غسل دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر غلطی سے پیر قبلہ رُخ کر کے غسل دیا ہو، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ جس صورت میں میت اور غاسل کے لیے سہولت اور آسانی ہو، وہی صورت اختیار کی جائے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ پیر قبلہ رُخ ہونے چاہئیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جنوباً یا شمالاً لٹا کر قبلہ رُخ کیا جائے۔ (شامی: ۱/ ۸۰۰، عالمگیری: ۱/ ۱۲۶)[1]

ہدایہ کے حاشیہ نمبر ۶/ میں بہ حوالہ فتح القدیر لکھا ہے کہ قبلہ کی سمت میں پیر کرنا یا رُخ کرنا جائز ہے۔[2] سرخسی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو صورت آسان ہو، اس کو اختیار کرے، لہٰذا سمت قبلہ پیر کرنا جائز ہے، گناہ نہیں ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] وكيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولا كما في حالة المرض إذا أراد الصلاة بإيماء، ومنهم من اختار الوضع كما يوضع في القبر، والأصح أنه يوضع كما تيسر، كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۸، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

(ويوضع) كما مات (كما تيسر) في الأصح (على سرير مجمر وترا) إلى سبع فقط فتح. (الدر المختار: ۲/ ۱۹۳) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله كما مات)... أي أنه يوضع على السرير عقب تيقن موته، وقيده القدوري بما إذا أرادوا غسله، والأول أشبه كما في الزيلعي، (قوله في الأصح) وقيل: يوضع إلى القبلة طولا، وقيل: عرضا كما في القبر أفاده في البحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۰، كتاب الصلاة، فصل بيان كيفية الغسل للميت، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) (وإذا ما أرادوا غسله وضعوه على سرير) لينصب الماء عنه. (الهداية) ـــــ قال ابن الهمام: (قوله: وضعوه على سرير) قيل طولا إلى القبلة، وقيل عرضا. قال السرخسي: الأصح كيفما تيسر. (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ'ابن الهمام' (م: ۸۶۱هـ): ۲/ ۱۰۶، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل، ط: دار الفكر)

(۳) (قال): ويوضع على تخت، ولم يبين كيفية وضع التخت إلى القبلة طولا أو عرضا، ومن أصحابنا من اختار الوضع طولا، كما كان يفعله في مرضه إذا أراد الصلاة بالإيماء، ومنهم من اختار الوضع عرضا، كما يوضع في قبره، والأصح أنه يوضع كما تيسر فذلك يختلف باختلاف المواضع. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۲/ ۵۹-۶۰، كتاب الصلاة، باب غسل الميت، ط: دار المعرفة - بيروت)

[۱۰] جس میت کی کھال نکل جانے کا اندیشہ ہو، اس کو غسل دینا ضروری نہیں

۱۰۹۷- سوال: ایک آدمی کنویں میں گر کر مر گیا، اور اس کی نعش ۲/دن اور ۳/راتیں اس میں رہی، اس کے بعد پوسٹ مارٹم میں ایک دن ہو گیا، اور ان سب وجوہات سے اس کا بدن بہت پھول گیا، اب صورت حال یہ ہے کہ صرف ہاتھ لگانے سے بھی چمڑی نکل جاتی ہے، جس کی وجہ سے غسل دینا مشکل ہے، اور اس کا بدل تیمم بھی مشکل ہے، اس لیے کہ ہاتھ لگانا ہی مشکل ہے، ایسی حالت میں غسل اور تیمم کو چھوڑ دیا جائے تو کوئی حرج ہے؟ یا اس کے منہ اور ہاتھ پر [تیمم کے طور پر] دھول یا راکھ ڈال دی جائے، دینی اعتبار سے اس کا جو بھی حل ہو، لکھ کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداومصليا:

صورت مسئولہ میں غسل دینا ضروری ہے، کہ صرف پانی بہادیا جائے، ہاتھ نہ لگایا جائے، کہ جس کی وجہ چمڑی سے نکل آئے۔

ولو كان الميت متفسخا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه، كذا في التتار خانية ناقلا عن العتابية. (عالمگیری۔ ۱/ ۱۲۷)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۱۱] غسل کے پانی کو بیری کے پتّوں سے ابالنا

۱۰۹۸- سوال: میّت کے غسل کے پانی کو بیری کے پتّوں سے اُبالا جاتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر بیری کے پتے نہ ہوں، تو کیا کیا جائے؟

---

[۱] الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۸، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر - بيروت.

اگر کوئی کنواں میں ڈوب کر مر جائے، اور اس کی لاش دو دن تک اسی میں پڑی رہے، تو نکالتے وقت ہی اس کو بہ نیت غسل حرکت دے دینا چاہیے، تاکہ بعد میں غسل کی ضرورت نہ پڑے:

الميت إذا وجد في الماء، لا بد من غسله؛ لأن الخطاب بالغسل توجه على بني آدم، ولم يوجد من بني آدم فعل إلا أن يحركه في الماء بنية الغسل عند الإخراج، كذا في التجنيس، وهكذا في البدائع، و محيط السرخسي. (حوالہ سابق)

الجواب حامداو مصلیا:

اس کی وجہ سے جلد نرم ہو جاتی ہے اور میل نکل جاتا ہے، بیری کے پتے نہ ہوں، تو خالص پانی سے صابون لگا کر غسل دے دے، بیری کے پتے سے اُبالنا مستحب ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] میّت کو غسل دینے والے آدمی کا باوضو ہونا ضروری ہے؟

۱۰۹۹-سوال: میّت کو غسل دینے والے کا باوضو ہونا ضروری ہے؟ اگر ایسا شخص غسل دے

(۱) عن أم عطية الأنصارية رضي الله عنها، قالت: دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم حين توفيت ابنته، فقال: اغسلنها ثلاثا، أو خمسا، أو أكثر من ذلك إن رأيتن ذلك، بماء وسدر، واجعلن في الآخرة كافورا - أو شيئا من كافور - فإذا فرغتن فآذنني، فلما فرغنا آذناه فأعطانا حقوه، فقال: أشعرنها إياه، تعني إزاره. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶۷، رقم الحديث: ۱۲۵۳، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و وضوئه بالماء و السدر، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۰۵، رقم الحديث: ۶-۳۶-۹۳۹، كتاب الجنائز، باب في غسل الميت، ط: ديوبند)

(ويصب عليه ماء مغلى بسدر) ورق النبق (أو حرض) بضم فسكون الأشنان (إن تيسر، وإلا فماء خالص مغلى. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله ورق النبق) بفتح النون و كسرها وبسكون الباء الموحدة و ككتف كما يعلم من القاموس. وفي التذكرة السدر شجر معروف وثمره هو النبق وسحيق ورقه يلحم الجراح ويقلع الأوساخ وينقي البشرة وينعمها ويشد الشعر. ومن خواصه أنه يطرد الهوام ويشد العصب ويمنع الميت من البلاء. اهـ. وفي القاموس أيضا النبق: حمل السدر، وبه علم أن السدر هو الشجر و النبق الثمر فإضافة الورق إلى النبق لأدنى ملابسة وتفسير السدر بالورق بيان للمراد منه فالأحسن في التعبير قول المعراج: السدر شجرة النبق، والمراد ورقه. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر - بيروت☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۲۳۶، باب الجنائز، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱/ ۱۶۱، باب الجنائز، ما يفعل بالمحتضر، ط: دار إحياء الكتب العربية☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۱۸۵، كتاب الجنائز، ما يصنع بالمحتضر، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ المحيط البرهاني في الفقه النعماني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، الفصل الثاني و الثلاثون في الجنائز، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

دے، جو وضوء سے نہ ہو، تو غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور بے وضو آدمی اس طرح غسل دینے کی وجہ سے گنہ گار تو نہ ہوگا؟

الجواب حامداو مصلیا:

بہتر ہے کہ غسل دینے والے شخص باوضو ہو، تاہم ایسا آدمی بھی غسل دے سکتا ہے، جس کا وضوء نہ ہو، غسل بہ ہر صورت ہو جائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وينبغي أن يكون غاسل الميت على الطهارة، كذا في فتاوى قاضي خان، ولو كان الغاسل جنبا، أو حائضا، أو كافرا، جاز ويكره، كذا في معراج الدراية۔ ـــــــــــ ولو كان محدثا لا يكره اتفاقا، هكذا في القنية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۹، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۲، كتاب الصلاة، فصل الكلام فيمن يغسل، ط: دار الكتب العلمية)

ويوضع الكافور على مساجده، وأرادوا بالمساجد: الجبهة، واليدين، والركبتين، تشريفا للميت؛ لأن المغتسل في حالة الحياة قد يتطيب، ولا بأس بسائر الطيب في الحنوط، غير الزعفران، والورس في حق الرجل، ولا بأس به في حق المرأة.

(تحفۃ الفقہاء: ۱/ ۲۴۳، جنائز، ط: بیروت)

باب ما يتعلق بكفن الميت

[کفن میت کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ما یتعلق بکفن المیت

[کفن کا بیان]

[۱] چھوٹے بچوں کی تجہیز و تکفین کا طریقہ

۱۱۰۰-سوال: بالغ مرد و عورت کی قبر پر مشت خاک ڈالتے ہوئے سورۂ طٰہٰ کی آیت مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى۝ پڑھی جاتی ہے، نیز ان کی قبر پر تین مرتبہ پانی بھی ڈالا جاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ، کیا اسی طرح معصوم بچوں کی قبر پر مٹی ڈالتے وقت مذکورہ آیت قرآنی پڑھی جائے گی؟ اور کیا نابالغ کی قبر پر پانی ڈالنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصليا:

بالغ مرد و عورت کو قبر میں اتارنے کے بعد مٹی ڈالتے وقت جس طرح مذکورہ قرآنی آیت کا پڑھنا مستحب ہے، اسی طرح نابالغ کی قبر پر مٹی ڈالتے وقت بھی پڑھنا مستحب ہے، اور اس کی قبر پر پانی ڈالنا بھی مستحب ہے؛ لیکن واضح رہے کہ مذکورہ چیزیں مستحب ہیں، لازم و ضروری نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثو في قبره ثلاث حثيات من التراب بيديه جميعا ويكون من قبل رأس الميت ويقول في الحثية الأولى: منها خلقناكم وفي الثانية: وفيها نعيدكم وفي الثالثة: ومنها نخرجكم تارة أخرى، كذا في الجوهرة النيرة... ولا بأس برش الماء عليه. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱۶۶/۱، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر، ط: دار =

[۲] چھوٹی بچی کا کفن

۱۱۰۱- سوال: ایک مہینے کی چھوٹی بچی کے کفن میں کتنے کپڑے ضروری ہیں؟ اُس کے لیے بڑی عورت جتنے ہی کپڑے ضروری ہیں، یا دو کپڑے کا کفن کافی ہو جائے گا؟ اور عطر و کافور وغیرہ لگانا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

چھوٹی بچی کے لیے پانچ کپڑوں کی ضرورت نہیں ہے، دو کپڑوں میں کفن کافی ہے، اگر زیادہ کپڑے استعمال کیے گئے ہوں، تب بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/ ۱۶۰)[۱]

= الفكر ☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۷، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر - ديوبند ☆الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۰۹، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ط: المطبعة الخيرية ☆حاشية الطحطاوي، ص: ۶۱۱، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية)

(ومن ولد فمات يغسل ويصلى عليه) ويرث ويورث ويسمى (إن استهل) . . . أي وجد منه ما يدل على حياته بعد خروج أكثره. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله يغسل ويصلى عليه) أي ويكفن، ولم يصرح به لعلمه مما ذكره لأن ستر العورة شرط لصحة الصلاة تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۲۷، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم: إذا قال: إن شتمت فلانا في المسجد، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية الطحطاوي، ص: ۵۹۶، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۱] والصبي المراهق في التكفين كالبالغ والمراهقة كالبالغة وأدنى ما يكفن به الصبي الصغير ثوب واحد والصبية ثوبان كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۶۰، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، ط: دار الفكر)

ويكره أن تكفن المرأة في ثوبين، وأما الصغيرة فلا بأس بأن تكفن في ثوبين. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۳۰۷، كتاب الصلاة، صلاة الجنازة، فصل كيفية وجوب التكفين، ط: دار الكتب العلمية)

قال الزيلعي وأدنى ما يكفن به الصبي الصغير ثوب واحد والصبية ثوبان. اهـ. وقال في البدائع: وإن كان صبيا لم يراهق فإن كفن في خرقتين إزار ورداء فحسن، وإن كفن في إزار واحد جاز، وأما الصغيرة فلا بأس أن تكفن في ثوبين. اهـ. ـــــ أقول: في قوله "فحسن" إشارة إلى أنه لو كفن بكفن البالغ يكون أحسن لما في الحلية عن الخانية والخلاصة: الطفل الذي لم يبلغ حد الشهوة الأحسن أن يكفن فيما يكفن فيه البالغ، وإن كفن في ثوب واحد جاز اهـ. وفيه إشارة إلى أن المراد بمن لم يراهق من لم يبلغ حد الشهوة. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۲/ ۲۰۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الكفن، ط: دار الفكر - بيروت)

کافور وغیرہ چوں کہ میت کے بدن کو کیڑوں سے محفوظ رکھنے کے لیے لگایا جاتا ہے اس لیے چھوٹی بچی کے کفن میں بھی لگایا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] میت کے سینے پر آیت کریمہ یا کلمہ طیبہ لکھنا

۱۱۰۲- سوال: یہاں سورت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، تو اس کی تدفین کے وقت سینے پر ایک لکھا ہوا خط رکھا گیا اور دفن کیا گیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح میت کے سینے پر قرآن پاک کی آیت کریمہ، کلمہ طیبہ یا کوئی اور تحریر لکھ کر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداو مصليا:

میت کے سینہ پر آیت کریمہ، یا کلمہ طیبہ، یا کلمہ شہادت لکھا ہوا پرچہ رکھنا، اور اس کو کار ثواب سمجھنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں یہ طریقہ رائج نہیں تھا، نیز اس میں آیت کریمہ، یا کلمہ طیبہ کی بے ادبی ہے کہ نعش جب پھٹے گی، تو اس کی بے حرمتی ہوگی؛ اس لیے یہ ناجائز ہے۔

البتہ اگر انگلی سے بغیر روشنائی کے، یعنی محض خالی انگلی پھیری جائے اور کلمہ طیبہ لکھا جائے، تو اس کی گنجائش ہے۔ (شامی: ۳/ ۱۵۸، مکتبہ زکریا)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] كتب على جبهة الميت أو عمامته أو كفنه عهد نامه يرجى أن يغفر الله للميت. أوصى بعضهم أن يكتب في جبهته وصدره - بسم الله الرحمن الرحيم - ففعل ثم رئي في المنام فسئل فقال: لما وضعت في القبر جاءتني ملائكة العذاب، فلما رأوا مكتوبا على جبهتي بسم الله الرحمن الرحيم، قالوا: أمنت من عذاب الله. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله عهد نامه) بفتح الميم وسكون الهاء، ومعناه بالفارسية الرسالة، والمعنى رسالة العهد. والمعنى أن يكتب شيء مما يدل أنه على العهد الأزلي الذي بينه وبين ربه يوم أخذ الميثاق من الإيمان، والتوحيد، والتبرك بأسمائه - تعالى، ونحو ذلك ح (قوله: يرجى إلخ) مفاده الإباحة أو الندب. وفي البزازية قبيل كتاب الجنايات: وذكر الإمام الصفار لو كتب على جبهة الميت أو على عمامته أو كفنه عهد نامه يرجى أن يغفر الله - تعالى - للميت ويجعله آمنا من عذاب القبر. قال نصير: هذه رواية في تجويز ذلك، وقد روي أنه كان مكتوبا على أفخاذ أفراس في إصطبل الفاروق: حبيس في سبيل الله - تعالى اهـ. ـــــــــــ وفي فتاوى المحقق ابن حجر المكي الشافعي: سئل عن كتابة العهد على الكفن وهو لا إله إلا الله والله أكبر لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، لا إله إلا الله ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم" وقيل: إنه "اللهم فاطر السماوات والأرض عالم الغيب والشهادة الرحمن الرحيم، إني أعهد إليك في هذه الحياة الدنيا أني أشهد أنك أنت الله لا إله إلا أنت وحدك لا شريك لك وأن محمدا عبدك ورسولك - صلى الله عليه وسلم - فلا تكلني إلى نفسي، تقربني من الشر وتبعدني من الخير، =

[۴] میت کی پیشانی پر کلمہ طیبہ لکھنا

۱۱۰۳- سوال: میت کو کفن پہناتے وقت اس کی پیشانی پر کلمہ طیبہ لکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روشنائی سے لکھنا جائز نہیں، البتہ غسل کے بعد کفن پہناتے وقت، پیشانی پر انگلی کے اشارے سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اور سینہ پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا جائے، تو گنجائش ہے (شامی: ۱/ ۸۴۰)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= وأنا لا أثق إلا برحمتك، فاجعل لي عهدا عندك توفينيه يوم القيامة إنك لا تخلف الميعاد" هل يجوز؟ ولذلك أصل؟ . فأجاب بقوله: نقل بعضهم عن نوادر الأصول للترمذي ما يقتضي أن هذا الدعاء له أصل، وأن الفقيه ابن عجيل كان يأمر به ثم أفتى بجواز كتابته قياسا على كتابة لله في إبل الزكاة، وأقره بعضهم، وفيه نظر. وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يس والكهف ونحوهما خوفا من صديد الميت، والقياس المذكور ممنوع؛ لأن القصد ثم التمييز، وهنا التبرك، فالأسماء المعظمة باقية على حالها، فلا يجوز تعريضها للنجاسة، والقول بأنه يطلب فعله مردود؛ لأن مثل ذلك لا يحتج به إلا إذا صح عن النبي - صلى الله عليه وسلم - طلب ذلك وليس كذلك اهـ وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله - تعالى - على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش، وما ذاك إلا لاحترامه، وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت فتأمل، نعم نقل بعض المحشين عن فوائد الشرجي أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة - بسم الله الرحمن الرحيم - وعلى الصدر لا إله إلا الله محمد رسول الله، وذلك بعد الغسل قبل التكفين اهـ والله أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۷-۲۴۶، باب صلاة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: میت کے کفن پر کچھ لکھنا قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع امت، قیاس مجتہد سے ثابت نہیں، غیر مجتہد کا عمل قابل حجت نہیں۔ درمختار میں جو کچھ اس سلسلہ میں لکھا ہے، علامہ شامیؒ نے اس کی تردید کی ہے..... ابن الصلاح سے بھی عدم جواز کا فتویٰ نقل کیا ہے؛ کیوں کہ اس کے لکھنے میں قرآن کریم اور اسمائے الٰہیہ کی بے ادبی ہے، اگر لکھنا ہو تو محض انگلی سے بغیر روشنائی کے میت کی پیشانی پر کچھ لکھ دیا جائے، یہ لکھنا بھی دلیل سے ثابت نہیں، تاہم اس طرح بے ادبی نہیں ہوگی۔ غور کا مقام ہے، اگر لکھنا دلیل سے ثابت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ضرور منقول ہوتا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸/ ۳۹-۵۳۸، سوال نمبر: ۴۰۲۲، ط: ادارۂ صدیق - ڈابھیل)

[۱] نقل بعض المحشين عن فوائد الشرجي أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة - بسم الله الرحمن الرحيم - وعلى الصدر لا إله إلا الله محمد رسول الله، وذلك بعد الغسل قبل التكفين اهـ والله أعلم. (رد =

[۵] زم زم کے پانی سے تر کیے ہوئے کپڑے میں کفن دینا جائز ہے؟

۱۱۰۴- سوال: بعد سلام مسنون! عرض یہ کہ ابھی بر بودھن میں ایک بوڑھی اماں کا انتقال ہو گیا، تو ان کو مکہ مکرمہ کا کفن -جس کو زم زم کے پانی میں بھگویا گیا تھا- دیا گیا، اس پر کسی نے کہا کہ زم زم کے پانی سے بھگویا ہوا کفن نہیں دے سکتے؛ کیوں کہ میت قبر میں سڑ گل جاتی ہے، تو اس سے زم زم سے تر کیے ہوئے کپڑے کی بڑی بے ادبی ہوتی ہے اور گناہ ہوتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زم زم سے بھگوئے ہوئے کپڑے میں میت کو کفن دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل جواب مطلوب ہے۔

الجواب حامداو مصلیا:

مذکورہ آدمی کی بات درست نہیں ہے، پاک آدمی کا زم زم کے پانی سے غسل کرنا اور وضوء کرنا جائز ہے، کپڑا خشک ہونے سے پانی ختم ہو جاتا ہے، اس لیے زم زم کی بے ادبی کا کوئی معنیٰ نہیں؛ لہٰذا تبرکاً زم زم کے پانی میں بھگو کر خشک کیے گئے کپڑے میں کفن دینا جائز ہے۔[۱]

امداد الفتاوی، جلد ا صفحہ ۷۱۵[۲] میں لکھا ہے کہ عرب وعجم کے حاجیوں کا کئی سالوں سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ زم زم کے پانی میں بھگویا ہوا کفن دیتے ہیں اور علماء نے اس پر انکار نہیں کیا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۲۴۷، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فیما یکتب علی کفن المیت، ط: دار الفکر)
تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: میت کے سینے پر آیت کریمہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔

(۱) یجوز الوضوء والغسل بماء زمزم عندنا من غیر کراھۃ، بل ثوابہ أکبر، وفصل صاحب "لباب المناسک" آخر الکتاب، فقال: یجوز الاغتسال والتوضؤ بماء زمزم إن کان علی طھارۃ للتبرک، فلا ینبغی أن یغتسل بہ جنب، ولا محدث، ولا فی مکان نجس، ولا یستنجی بہ، ولا یزال بہ نجاسۃ حقیقیۃ، وعن بعض العلماء تحریم ذلک، وقیل: إن بعض الناس استنجی بہ فحصل لہ باسور اھ. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعیل الطحطاوی الحنفی (م: ۱۲۳۱ ھ)، ص: ۲۱ - ۲۲، کتاب الطھارۃ، مدخل، ت: محمد عبد العزیز الخالدی، ط: دار الکتب العلمیۃ - بیروت)

[۲] از قدیم در تمام حجاج عرب وعجم ایں عمل جاری ست بلا نکیر کافہ انام ایں کار می کنند حتی الامکان فعل اوشاں بر محل صحیح آوردن بہتر ست بخیالے حقیر از دلائل قیاسیہ مجیب الرحمٰن قدس سرہ ایں جزئی تفسیر روح البیان اولیٰ است: قالوا لو وضع شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أو عصاہ أو سوطہ علی قبر عاص لنجا ذلک العاصی ببرکات تلک الذخیرۃ من العذاب وان کانت فی دار انسان او بلدۃ لا یصیب سکانھا بلاء ببرکاتھا وان لم یشعروا بھا ومن ھذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ وبطانۃ أستار الکعبۃ والتکفن بھا. [روح البیان فی تفسیر القرآن - إسماعیل حقی بن مصطفی الإستانبولی الحنفی (م: ۱۱۲۷ھ): ۲۵۹/۳، ۷- سورۃ الأعراف: ۱۵۹، ط: دار الفکر - بیروت] (امداد الفتاویٰ: ۱/ ۷۱۵-۷۱۹، ط: ادارۂ تالیفات اولیاء - دیوبند)

[۶] کفن پر زم زم کا پانی چھڑکنا

۱۱۰۵- سوال: کفن پر زم زم کا پانی چھڑکنا، یا زم زم کے پانی سے تر کر کے خشک کیے ہوئے کپڑے میں کفن دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] کیا میت کے کفن، داڑھی اور بالوں پر عطر لگانا جہالت پر مبنی ہے؟

۱۱۰۶- سوال: بہت سے علماء کرام میت کے کفن پر عطر لگانے کو جہالت کہتے ہیں، تو کیا میت کے لیے عطر استعمال کرنا جائز ہے؟ اسی طرح داڑھی اور سر کے بالوں پر عطر لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

میت کے بدن کے وہ حصے جو سجدے سے متعلق ہیں، (یعنی جن اعضاء پر سجدہ کیا جاتا ہے) جیسے کہ پیشانی، گھٹنے وغیرہ، ان پر کافور یا خوشبو لگانا سنت ہے، البتہ کفن پر خوشبو نہ لگائے، خیال رکھے کہ خوشبو رنگین نہ ہو: ویوضع الحنوط في رأسه ولحيته وسائر جسده، كذا في المحيط، ولا بأس بسائر الطيب غير الزعفران والورس في حق الرجل، كذا في الإيضاح. ويوضع الكافور على جبهته وأنفه ويديه وركبتيه وقدميه. (عالمگیری ۱/۱۲۹)[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) مسئلے کی تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیں سابقہ فتویٰ بہ عنوان: ''زمزم کے پانی سے تر کیے ہوئے کپڑے میں کفن دینا جائز ہے؟''۔

[۲] الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/۱۶۱، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، ط: دار الفكر.

(قوله وجعل الحنوط على رأسه ولحيته)؛ لأن التطيب سنة، وذكر الرازي أن هذا الجعل مستحب، والحنوط عطر مركب من أشياء طيبة، ولا بأس بسائر الطيب غير الزعفران، والورس، اعتبارا بالحياة، وقد ورد النهي عن المزعفر للرجال، وبهذا يعلم جهل من يجعل الزعفران في الكفن عند رأس الميت في زماننا. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بـ'ابن نجيم المصري' (م: ۹۷۰ھ): ۲/۱۸۶، كتاب الجنائز، غسل الميت، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۹۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت☆ الهداية: ۱/۸۹، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل، ط: دار إحياء التراث العربي) =

[۸] کفن پہنانے کے بعد لوبان یا اگربتی کی دُھونی دینا

۱۱۰۷- سوال: میت کو کفن پہنانے کے بعد اس کے سامنے لوبان یا اگربتی کی دُھونی دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی دُھونی دیتا ہے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کفن کو لوبان اور اگربتی کی دھونی دے کر پہنانا مستحب ہے، کفن پہنانے کے بعد دھونی نہ دی جائے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= ويوضع الكافور على مساجده، وأرادوا بالمساجد: الجبهة، واليدين، والركبتين، تشريفا للميت؛ لأن المغتسل في حالة الحياة قد يتطيب، ولا بأس بسائر الطيب في الحنوط، غير الزعفران، والورس في حق الرجل، ولا بأس به في حق المرأة. (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۱/ ۲۴۳، كتاب الجنائز، باب الصلاة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۳۰۸، كتاب الصلاة، بيان وجوب التكفين، فصل كيفية التكفين، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) وجميع ما يجمر فيه الميت ثلاث: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الكريهة وعند غسله وعند تكفينه، ولا يجمر خلفه ولا في القبر؛ لما روي: لا تتبعوا الجنازة بصوت ولا نار. (فتح القدير- كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ"ابن الهمام" (م: ۸۶۱هـ): ۲/ ۱۰۸، باب الجنائز، فصل في الغسل، ط: دار الفكر ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ)، ص: ۵۷۹، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

م: (وتجمر الأكفان قبل أن يدرج فيها الميت وترا) ش: أي قبل أن يدرج الميت في الأكفان، ... يعني مرة أو ثلاثا أو خمسا، ولا يزاد على ذلك، ... والتجمير هو إحراق عود في المجمرة لتبخر به الأكفان، وفي "المجتبى" قيل: يحتمل بالتجمير جمع الأكفان وترا هاهنا قبل الغسل، يقال أجمر كذا إذا جمعه، والأول هو الأظهر.

وفي "الذخيرة" للمالكية: وللتجمير أربع أحوال عند خروج روحه كرهه مالك، واستحسنه ابن حبيب، وعند غسله يستحب بقطع الروائح كتجمير ثيابه، وهو متفق عليه، وخلف الجنازة متفق على كراهته، وقال -عَلَيْهِ السَّلَامُ-: لا تتبع الجنازة بصوت ولا نار، رواه أبو داود، ولما فيه من التشاؤم بالنار. وفي "المبسوط" يكره الإجمار في القبر واتباع الميت بها. قال النخعي: أكره أن يكون آخر زاده من الدنيا نارا. (البناية شرح الهداية- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۳/ ۲۰۴، باب الجنائز، فصل في التكفين، ما يجزئ في الكفن بالنسبة للمرأة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

وتجمر الأكفان قبل أن يدرج الميت فيها وترا واحدة أو ثلاثا أو خمسا، ولا يزاد على ذلك، كذا في العيني=

[۹] جن ٹکڑوں سے کفن میں گرہ لگائی گئی ہو، ان کا بعد میں کیا کیا جائے؟

۱۱۰۸- سوال: میت کو قبر میں لٹا کر اس کے کفن کے بند کو کھول دیا جاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ بند کے اس ٹکڑے کو کفن کے ساتھ رکھنا چاہیے یا نکال دیا جائے؟ اس بند کے ٹکڑوں کو قبر کے علاوہ کسی جگہ ڈال دینے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

دونوں طریقے درست ہیں، اگر بند کے ٹکڑے بڑے اور کشادہ ہوں، [جنھیں بعد میں کام میں لایا جاسکتا ہو] تو ان کو نکال دینا ضروری ہے، ورنہ اسراف اور فضول خرچی کی وجہ سے گناہ ہوگا، ہاں اگر چھوٹے ہوں، تو نکالنا لازم نہیں۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= شرح الكنز، وجميع ما يجمر فيه الميت ثلاثة مواضع عند خروج روحه لإزالة الرائحة الكريهة وعند غسله وعند تكفينه ولا يجمر خلفه، كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ١٦١/١، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، ط: دار الفكر - بيروت)

(١) وقال: ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ، وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۝﴾ [١٧-الإسراء: ٢٧] وقال في صفة الذين سماهم عباد الرحمن ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۝﴾ [٢٥-الفرقان: ٦٧] فاشتملت هذه الآيات كلها على الأمر بالاقتصاد، والنهي عن الإسراف وذلك موافق للنهي عن الإسراف في الأكل والشرب، لأن الله عز وجل يقول: ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۝﴾ [٧-الأعراف: ٣١] فإذا كان الإسراف في الأكل والشرب ممنوعا، وجب أن يكون الإسراف في الإنفاق ممنوعا. (شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ٤٥٨هـ): ٣٨٨/٨، الثاني والأربعون من شعب الإيمان وهو باب الاقتصاد في النفقة وتحريم أكل المال الباطل، ت: د. عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند)

عن قيس بن عباد قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم "يكرهون رفع الصوت عند ثلاث: عند القتال، وعند الجنائز وعند الذكر". (مصنف ابن ابی شیبہ:۶/ ۵۱۳،حدیث نمبر:۳۳۴۲۰، ط:ریاض)

باب مايتعلق بحمل الجنازة

[جنازہ کو اٹھانے کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ما يتعلق بحمل الجنازة

[جنازہ کو اٹھانے کا بیان]

[۱] جنازہ اٹھاتے وقت بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھنا

۱۱۰۹- سوال: میت کو کندھا دیتے وقت آواز کے ساتھ کلام پاک اور کلمۂ شہادت ”أشهد أن لا إله إلا الله“ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصليا:

جنازہ کے پیچھے خاموشی کے ساتھ چلنا سنت ہے، کچھ پڑھنا ہو، تو دل میں پڑھے، بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے۔[1] جنازہ کے پیچھے چلتے ہوئے، پڑھنے کے لیے کوئی خاص ذکر متعین نہیں ہے، ایسا اندیشہ ہو

(۱) عن قيس بن عباد قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم "يكرهون رفع الصوت عند ثلاث: عند القتال، وعند الجنائز وعند الذكر". (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار-أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵ھ): ۶/ ۵۱۳، رقم الحديث: ۳۳۴۲۰، كتاب الجهاد، رفع الصوت في الحرب، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد-الرياض ☆ السنن الكبرى-أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۴/ ۱۲۴، رقم الحديث: ۷۱۸۴، كتاب الجنائز، باب كراهية رفع الصوت في الجنائز والقدر الذي لا يكره منه، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية)

ويطيل الصمت إذا اتبع الجنازة ويكره رفع الصوت بالذكر لما روي عن قيس بن عبادة أنه قال: كان أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يكرهون رفع الصوت عند ثلاثة: عند القتال، وعند الجنازة، والذكر؛ ولأنه تشبه بأهل الكتاب فكان مكروها. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد =

کہ لوگ خاموشی کے ساتھ چلنے کے بجائے دنیوی باتوں میں مشغول ہو جائیں گے، تو ہلکی آواز سے کوئی بھی ذکر، درود شریف، یا قرآن شریف کی تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عالم گیری)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] جنازے کو کندھا دیتے وقت بہ آواز بلند کلمۂ شہادت پڑھنا

۱۱۱۰- سوال: جنازہ کو کندھا پر لیتے وقت کلمۂ شہادت بہ آواز بلند پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ جنازہ کو لے کر چلتے وقت خاموش رہنا چاہیے، بلند آواز سے ذکر کرنا اور بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا مکروہ ہے۔ (البحر الرائق، عالمگیری صفحہ ۱۳۰- مجمع الانہر جلد ۱ صفحہ ۱۸۲، شامی جلد ۱ صفحہ ۸۳۵)[۲] لہٰذا کلمۂ شہادت یا دوسرا کوئی ذکر آہستہ کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

=الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/ ۳۱۰، كتاب الصلاة، صلاة الجنازة، فصل بيان عدد من يحمل الجنازة و كيفية حملها، ط: دار الكتب العلمية☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۰۷، كتاب الجنائز، فصل الأحق بالصلاة على الميت، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر)

[۱] وعلى متبعي الجنازة الصمت ويكره لهم رفع الصوت بالذكر وقراءة القرآن، كذا في شرح الطحاوي، فإن أراد أن يذكر الله يذكره في نفسه، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۲، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر)

[۲] قد تقدم تخريجه عن: الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۲، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر.

راجع للتفصيل: مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۲/ ۵۵۱، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، ط: دار إحياء التراث العربي ☆البحر الرائق: ۲/ ۲۰۷، كتاب الجنائز، الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار الكتاب الإسلامي.

''جنازہ اٹھاتے وقت بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھنا'' کے حواشی دیکھیں۔

[۳] شیعہ کو جنازہ میں کندھا دینے سے منع کرنا

۱۱۱۱- سوال: ہمارے یہاں رضاخانی مولویوں نے شیعہ اور ووہرا جماعت کے تعلق سے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی مسلمان کے جنازہ میں کندھا دینے کے لیے آئے، تو اسے برسر عام منع کر دیا جائے، تو اس طرح کندھا دینے سے شیعہ یا ووہرا کو، سب کے سامنے روکنا اور جھڑکنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصليا:

شیعہ ہو یا کوئی دوسرا، جب وہ جنازہ میں شریک ہو کر کندھا دیتا ہو، تو اس کو روکنا اخلاق کے خلاف ہے، اگر شیعہ مرتد و کافر بھی ہو، تو اس کی نجاست وناپاکی حکمی ہے، ظاہراً اس پر کوئی نجاست نہیں ہے۔[۱] پھر عام لوگوں کے سامنے روکنے میں اس کی ذلت بھی ہے؛ لہٰذا ایسا نہیں کرنا چاہیے۔[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا. (۹-التوبة:۲۸)

قال الألوسي: "يا أيها الذين آمنوا إنما المشركون نجس" أخبر عنهم بالمصدر للمبالغة كأنهم عين النجاسة، أو المراد ذوو نجس لخبث بواطنهم وفساد عقائدهم أو لأن معهم الشرك الذي هو بمنزلة النجس أو لأنهم لا يتطهرون ولا يغتسلون ولا يجتنبون النجاسات فهي ملابسة لهم، ... وتخريج الآية على أحد الأوجه المذكورة هو الذي يقتضيه كلام أكثر الفقهاء حيث ذهبوا إلى أن أعيان المشركين طاهرة ولا فرق بين عبدة الأصنام وغيرهم، من أصناف الكفار في ذلك. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني- شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م:۱۲۷۰ھ):۲۶۹/۵، التوبة، الآية:۱۸ تا ۳۳، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المسلم من سلم الناس من لسانه ويده، والمؤمن من أمنه الناس على دمائهم وأموالهم. (سنن النسائي:۲۶۶/۲، رقم الحديث: ۴۹۹۵، كتاب الإيمان وشرائعه، باب صفة المؤمن، ط: ديوبند)

نوٹ: اگر غیر مسلم کندھا دے، تو سر عام نہیں روکنا چاہیے، تاہم ایسی تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ وہ جنازہ کے قریب آ کر کندھا نہ دے سکے؛ کیوں کہ گرچہ وہ نجس نہیں ہے، لیکن بعض مومن کے جنازے میں ملائکہ شرکت کرتے ہیں، اس لیے اس ایسے وقت میں غیر مسلموں کی موجودگی نامناسب ہے۔ چناں چہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ- جو جسیم تھے- کے جنازے میں ملائکہ کی حاضری اور ان کا آپؐ کے جنازے کو اٹھانا ثابت ہے، تفصیل ملاحظہ کریں:

وهب بن جرير قال: أخبرنا أبي قال: سمعت الحسن قال: لما مات سعد بن معاذ. وكان رجلا جسيما جزلا. جعل=

[۴] کندھا دینے کے لیے جنازہ کے آگے چلنا اور صف بنانا

۱۱۱۴- سوال: میت کو کندھا دینے کیلئے لمبی لمبی قطاریں بن گئی ہوں، تو ایسی حالت میں کندھا دینے کے لیے جنازہ کے آگے چل سکتے ہیں؟ اور کیا جنازہ کے آگے کندھا دینے کے لیے صف بندی کی جا سکتی ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

احناف کے نزدیک جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے؛ لیکن آپ کی تحریر کے مطابق لوگ کندھا دینے کے طالب ہیں اور سب کے پیچھے چلنے سے تکلیف ہوسکتی ہے، تو اس صورت میں آگے صف بندی کی جا سکتی ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بجات غفرلہ

= المنافقون وهم يمشون خلف سريره يقولون: لم نر كاليوم رجلا أخف. وقالوا: أتدرون لم ذلك؟ ذاك لحكمه في بني قريظة. فذكر ذلك للنبي - صلى الله عليه وسلم - فقال: [والذي نفسي بيده لقد كانت الملائكة تحمل سريره].

. . . عن نافع قال: بلغني أنه شهد سعد بن معاذ سبعون ألف ملك لم ينزلوا إلى الأرض. [وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد ضم صاحبكم ضمة ثم فرج عنه] . . . . عن نافع عن ابن عمر قال: [قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لهذا العبد الصالح الذي تحرك له العرش وفتحت له أبواب السماوات وشهده سبعون ألفا من الملائكة لم ينزلوا الأرض قبل ذلك ولقد ضم ضمة ثم أفرج عنه]. يعني سعد بن معاذ. (الطبقات الكبرى - أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بـ'ابن سعد' (م:۲۳۰هـ): ۳/۳۲۸، طبقات البدريين من الأنصار، الطبقة الأولى من الأنصار، ۸۷- سعد بن معاذ، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) (والمشي خلفها) أي الجنازة (أفضل) من المشي قدامها، إلا أنه لا بأس أن يتقدمها نفيا للزحام. . . . وقال أبو يوسف: رأيت أبا حنيفة - رحمه الله - يتقدم الجنازة - وهو راكب - ثم يقف حتى يؤتى بها، وهذا دليل على أنه لا بأس بالركوب، لكن كره عند أبي يوسف أن يتقدمها منقطعا عن القوم، وقال ابن مسعود - رضي الله تعالى عنه -: فضل المشي خلف الجنازة على أمامها كفضل المكتوبة على النافلة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸هـ): ۱/۱۸۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، سنن حمل الجنازة، ط: دار إحياء التراث العربي☆ حاشية الطحطاوي، ص:۲۰۵، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆ بدائع الصنائع: ۱/۳۱۰، كتاب الصلاة، فصل بيان عدد من يحمل الجنازة وكيفية حملها، ط: دار الكتاب العلمية)

[۵] میّت کو کندھا دینے والے لوگوں کو کس طرح چلنا چاہیے؟

۱۱۱۳- سوال: میّت کو کندھا دینے والے لوگوں کو کس طرح چلنا چاہیے؟ اور کم سے کم کتنے قدم تک چلے؟

الجواب حامداو مصلیا:

جنازہ اٹھانے والا اولاً میّت کی دائیں جانب آگے کا حصہ اٹھا کر ۱۰/قدم چلے، پھر دائیں جانب پیچھے کے حصے میں، پھر بائیں جانب آگے کے حصے میں، پھر بائیں جانب پیچھے کے حصے میں کندھا دیتے ہوئے ۱۰/ قدم چلے، بھیڑ زیادہ ہو، توجس قدر بھی میسّر ہو، ۵-۶ قدم چلنا، جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] میّت کو گاڑی سے قبرستان لے جانا

۱۱۱۴- سوال: قبرستان دور ہو، تو میّت کو بس، ٹیکسی، یا ٹرک میں لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ اور لے جائیں تو کس طریقے سے لے جانا چاہیے؟

الجواب حامداو مصلیا:

قبرستان دور ہو، اور اٹھانے والے آدمی موجود نہ ہوں، یا ہوں؛ لیکن اٹھانے میں تکلیف ہوتی ہو، تو

---

(۱) (وسن في حمل الجنازة أربعة) من الرجال... (وأن يبدأ) الحامل (فيضع مقدمها) أي مقدم الجنازة (على يمينه ثم) يضع (مؤخرها) على يمينه (ثم) يضع (مقدمها على يساره ثم مؤخرها) على يساره فيتم الحمل من الجوانب الأربع وينبغي أن يحملها من كل جانب عشر خطوات لقوله - عليه الصلاة والسلام - من حمل جنازة أربعين خطوة كفرت عنه أربعين كبيرة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر -عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد آفندي' (م:۱۰۷۸هـ):۱/۱۸۵-۱۸۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، سنن حمل الجنازة، ط: دار إحياء التراث العربي☆بدائع الصنائع:۱/۳۰۹، كتاب الصلاة، فصل بيان عدد من يحمل الجنازة، وكيفية حملها، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆تبيين الحقائق:۱/۲۴۵، كتاب الصلاة، باب الجنائز، كيفية صلاة الجنازة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق-القاهرة)

(۲) ويكره حمله على ظهر دابة بلاعذر. (مراقي) ـــــــ قال الطحطاوي (م: ۱۲۳۱هـ): قوله: "بلاعذر" أما إذا كان عذر بأن كان المحل بعيدا يشق حمل الرجال له أو لم يكن الحامل إلا واحدا فحمله على ظهره فلا كراهة إذن. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،ص:۶۰۳، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية -بيروت)

گاڑی وغیرہ میں میت کو لے جانا جائز ہے۔[۲۱]

البتہ گاڑی کو زیادہ تیز چلا کر نہ لے جائیں۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (ویسرعوا به) أي بالميت (بلا خبب) بفتحتين وهو أول عدو الفرس وحد التعجيل المسنون أن لا يضطرب الميت على الجنازة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر -عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸ھ):۱/۱۸۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز ،سنن حمل الجنازة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆رد المحتار على الدر المختار:۲/ ۲۳۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حمل الميت، ط: دار الفكر -بيروت)

عن علی ، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: للمسلم علی المسلم ست بالمعروف. یسلم علیه إذا لقیه، ویجیبه إذا دعاه، ویشمته إذا عطس، ویعوده إذا مرض، ویتبع جنازته إذا مات، ویحب له ما یحب لنفسه.

(ترمذی شریف: ۲/۱۰۲، حدیث نمبر: ۲۷۳۶، ط: دیوبند)

باب صلاة الجنائز

[نماز جنازہ کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب صلاة الجنازة

[نماز جنازہ کا بیان]

[۱] فرض نماز کے وقت جنازہ تیار ہو، تو پہلے کون سی نماز پڑھی جائے؟

۱۱۱۵- سوال: اذان کے آدھے گھنٹے کے بعد جماعت کھڑی ہوتی ہے، اس عرصہ میں اگر کوئی جنازہ آجائے اور لوگ بھی حاضر ہوں، تو پہلے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے، یا جماعت جلدی کھڑی کر دینی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سب سے پہلے فرض نماز ادا کی جائے گی، اس کے بعد جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔ [1] اور اگر عید کی

(۱) ولو حضرت الجنازة بعد غروب الشمس، يبدؤون بالمغرب، ثم بالجنازة؛ لما روي عن أبي برزة الأسلمي أنه أتي بجنازة بعدما غربت الشمس ووضعت على مقبرة بالبصرة، فأمر المؤذن فأذن، وصلى المغرب ثم صلى على الجنازة، ولأن صلاة المغرب فرض عين، وصلاة الجنازة فرض كفاية، فتكون المغرب آكد، والبداية بآكد الفرضين أولى؛ ولأن تأخير المغرب مكروه، وتأخير صلاة الجنازة لا بأس به.

وروى الحسن بن زياد رحمه الله في "المجرد": أنه يبدأ بأيهما شاء؛ لأن مبنى صلاة الجنازة على المسارعة، قال عليه السلام: "ثلاث لا يؤخرن" وذكر من جملتها الصلاة على الجنازة، ومبنى المغرب أيضاً على المسارعة فاستويا فيبدأ بأيهما شاء. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:٦١٦هـ): ۲/ ۲۰۲، كتاب الصلاة، الفصل الثاني و الثلاثون في الجنائز، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

نماز کا وقت ہو، تو پہلے عید کی واجب نماز، پھر جنازے کی نماز ادا کی جائے گی۔ (شامی: ۱/ ۸۳۳)[1]

البتہ اگر سب نمازی حاضری ہوں، یا پہلے سے اطلاع کردی جائے، تو جماعت کچھ پہلے بھی کھڑی کی جاسکتی ہے، مقررہ وقت پر پڑھنا ضروری نہیں، وقت کی تعیین تو مقتدی حضرات کی سہولت کے لیے ہوتی ہے؛ اور اس صورت میں سہولت اسی میں ہے کہ جب سارے لوگ جمع ہوجائیں، تو نماز شروع کردی جائے؛ لیکن اس کی اطلاع نمازیوں کو پہلے کردینی چاہیے، تاکہ دوسرے دنوں میں جو وقت مقرر تھا، اس سے پہلے جماعت کھڑی کرنے میں ان کی جماعت ترک نہ ہو۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] صبحِ صادق، طلوعِ آفتاب اور نمازِ عصر کے بعد جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۱۱۱۶- سوال: صبحِ صادق کے وقت نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح بعد نمازِ فجر، طلوعِ آفتاب کے وقت اور نمازِ عصر کے بعد جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلّیاً:

تین وقتوں میں کوئی بھی نماز ہو- فرض، نفل یا جنازہ کی- پڑھنا جائز نہیں ہے: (۱) طلوعِ آفتاب کے وقت۔ (۲) زوال کے وقت، جب کہ آفتاب سر پر ہو۔ (۳) غروبِ آفتاب کے وقت۔[2]

---

[۱] (وتقدم) صلاتها (على صلاة الجنازة إذا اجتمعا) لأنه واجب عينا والجنازة كفاية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۶۷، كتاب الصلاة، باب العيدين، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۰۶، كتاب الجنائز، الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) عقبة بن عامر الجهني، يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۷۶، رقم الحديث: ۲۹۳-(۸۳۱)، كتاب فضائل القران وما يتعلق به، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، قبيل كتاب الجمعة، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

"لا تجوز الصلاة عند طلوع الشمس، ولا عند قيامها في الظهيرة، ولا عند غروبها" لحديث عقبة بن عامر رضي الله عنه قال: ثلاثة أوقات نهانا رسول الله عليه الصلاة والسلام أن نصلي فيها وأن نقبر فيها موتانا عند طلوع الشمس حتى ترتفع وعند زوالها حتى تزول وحين تضيف للغروب حتى تغرب، والمراد بقوله وأن نقبر صلاة الجنازة؛ لأن الدفن غير مكروه، . . . قال رضي الله عنه: والمراد بالنفي المذكور في صلاة الجنازة وسجدة التلاوة الكراهة؛ حتى لو صلاها فيه، أو تلا فيه آية السجدة، فسجدها جاز؛ لأنها أديت ناقصة كما وجبت، إذ الوجوب بحضور الجنازة والتلاوة.————— "ويكره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس، وبعد العصر =

صبح صادق کے بعد سے، طلوعِ آفتاب سے پہلے تک، اور عصر کے بعد جب تک سورج کی روشنی میں تغیر اور فرق نہ ہوا ہو، ان (اوقات) میں قضا نماز، نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت ادا کرنا جائز ہے، اسی طرح کبھی آفتاب کی روشنی میں فرق آ گیا ہو اور اُسی وقت میت اور کفن و دفن کی تیاری ہو، تو ایسی حالت میں بھی نمازِ جنازہ ادا کرنا صحیح ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] نماز جنازہ کے بعد، جنازہ اٹھانے سے قبل، دعا مانگنا

۱۱۱۷-سوال: نماز جنازہ کے بعد میت کے حق میں، اسی جگہ جنازہ اٹھانے سے قبل دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ احادیث مبارکہ سے ثابت نہیں ہے، اور نماز جنازہ خود دعاء ہے، اب دعا کی کیا حاجت ہے؟ ہاں تدفین کے بعد دعاء کی گنجائش ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= حتى تغرب " لما روي أنه عليه الصلاة والسلام نهى عن ذلك، " ولا بأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت ويسجد للتلاوة ويصلي على الجنازة ". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳ھ): ۱/ ۴۲، كتاب الصلاة، فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلاة، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت☆مراقي الفلاح: ۷۵-۷۶، كتاب الصلاة، فصل في الأوقات المكروهة، ط: المكتبة العصرية)

(۱) ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة، ولا صلاة الجنازة، ولا سجدة التلاوة، إذا طلعت الشمس حتى ترتفع، وعند الانتصاف إلى أن تزول، وعند احمرارها إلى أن يغيب، إلا عصر يومه ذلك؛ فإنه يجوز أداؤه عند الغروب. هكذا في فتاوى قاضي خان، قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل ما دام الإنسان يقدر على النظر إلى قرص الشمس فهي في الطلوع. كذا في الخلاصة. هذا إذا وجبت صلاة الجنازة وسجدة التلاوة في وقت مباح وأخرتا إلى هذا الوقت؛ فإنه لا يجوز قطعا أما لو وجبتا في هذا الوقت وأديتا فيه جاز؛ لأنها أديت ناقصة كما وجبت. كذا في السراج الوهاج وهكذا في الكافي والتبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۲، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث: في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ط: دار الفكر☆بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۶، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يكره فيها وصلاة الجنازة، ط: دار الكتب العلمية☆تبيين الحقائق: ۱/ ۸۵، كتاب الصلاة، مواقيت الصلاة، الأوقات التي يكره فيها الصلاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق)

(۲) ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة=

[۴] خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا

۱۱۱۸- سوال: خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا صحابہ کرامؓ نے ایسی کوئی جنازہ کی نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ اسی طرح رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھی تھی یا نہیں یا صرف دعا کروائی تھی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔[1] رئیس المنافقین کی نماز جنازہ رسول اللہ

= المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۳/ ۱۲۱۳، كتاب الجنائز، المشي بالجنازة والصلاة عليها، ط: دار الفكر - بيروت)

ولا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلاة الجنازة؛ لأنه قد دعا مرة، لأن أكثر صلاة الجنازة الدعاء. (المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۲/ ۲۰۵، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: وجلوس إلخ) لما في سنن أبي داود "كان النبي - صلى الله عليه وسلم - إذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره، وقال: استغفروا لأخيكم، واسألوا الله له التثبيت، فإنه الآن يسأل" وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها. وروي أن عمرو بن العاص قال وهو في سياق الموت: إذا أنا مت فلا تصحبني نائحة ولا نار، فإذا دفنتموني فشنوا علي التراب شنا، ثم أقيموا حول قبري قدر ما ينحر جزور، ويقسم لحمها حتى أستأنس بكم وأنظر ماذا أراجع رسل ربي، جوهرة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۷، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر)

(۱) (من قتل نفسه) ولو (عمدا يغسل ويصلى عليه) به يفتى، وإن كان أعظم وزرا من قاتل غيره. ورجح الكمال قول الثاني بما في مسلم: أنه - عليه الصلاة والسلام - أتي برجل قتل نفسه فلم يصل عليه. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله به يفتى) لأنه فاسق غير ساع في الأرض بالفساد، وإن كان باغيا على نفسه كسائر فساق المسلمين، زيلعي (قوله: ورجح الكمال قول الثاني إلخ) أي قول أبي يوسف: إنه يغسل، ولا يصلى عليه، إسماعيل عن خزانة الفتاوى. وفي القهستاني والكفاية وغيرهما عن الإمام السعدي: الأصح عندي أنه لا يصلى عليه؛ لأنه لا توبة له. قال في البحر: فقد اختلف التصحيح، لكن تأيد الثاني بالحديث. اهـ.

أقول: قد يقال: لا دلالة في الحديث على ذلك لأنه ليس فيه سوى "أنه - عليه الصلاة والسلام - لم يصل عليه" فالظاهر أنه امتنع زجرا لغيره عن مثل هذا الفعل، كما امتنع عن الصلاة على المديون، ولا يلزم من ذلك عدم صلاة أحد عليه من الصحابة؛ إذ لا مساواة بين صلاته وصلاة غيره. قال تعالى {إن صلاتك سكن لهم} [التوبة: ۱۰۳] =

صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع فرمادیا۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

[۵] راستہ سے جنازہ گزرنے پر کندھا دیا، تو قبرستان تک جانا اور نماز جنازہ پڑھنا ضروری ہے؟

۱۱۱۹- سوال: (۱) جنازہ اگر ہماری دوکان کے پاس سے گزرے، تو جنازہ کو کندھا دینے کے لیے جانا کیسا ہے؟ بہت سے دوکان داروں کو دیکھا کہ دوکان کھلی رکھ کر کاندھا دینے کے لیے جاتے ہیں، تو کیا یہ فعل صحیح ہے؟

(۲) لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب جنازہ کو کندھا دیا، تو قبرستان تک جانا اور جنازہ کی نماز پڑھنا، ضروری ہے، اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

(۱-۲) ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چند حقوق ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے جنازہ میں شامل ہو؛[۲] لیکن یہ فرض کفایہ ہے، اگر مسلمانوں میں سے کسی نے اس کو ادا کرلیا، تو سب کی طرف

=ثم رأيت في شرح المنية بحثا كذلك. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۱۲-۲۱۱، باب صلاة الجنازة، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي؟ط: دار الفكر)

(۱) عن ابن عباس، عن عمر بن الخطاب رضي الله عنهم، أنه قال: لما مات عبد الله بن أبي ابن سلول، دعي له رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول الله صلى الله عليه وسلم وثبت إليه، فقلت: يا رسول الله، أتصلي على ابن أبي وقد قال يوم كذا وكذا: كذا وكذا؟ أعدد عليه قوله، فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال: أخر عني يا عمر، فلما أكثرت عليه، قال: إني خيرت فاخترت، لو أعلم أني إن زدت على السبعين يغفر له لزدت عليها، قال: فصلى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيرا، حتى نزلت الآيتان من براءة: {ولا تصل على أحد منهم مات أبدا} [التوبة: ۸۴] إلى قوله {وهم فاسقون} [التوبة: ۸۴] قال: فعجبت بعد من جرأتي على رسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ، والله ورسوله أعلم. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۸۲، رقم الحديث: ۱۳۶۶، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين، ط: ديوبند)

(۲) عن علي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: للمسلم على المسلم ست بالمعروف، يسلم عليه إذا لقيه، ويجيبه إذا دعاه، ويشمته إذا عطس، ويعوده إذا مرض، ويتبع جنازته إذا مات، ويحب له ما يحب لنفسه. (سنن الترمذي: ۲/ ۱۰۲، رقم الحديث: ۲۷۳۶، أبواب الأدب، باب ما جاء في تشميت العاطس، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

سے کافی ہوجائے گا، اگر کسی نے بھی اس حق کو ادا نہیں کیا، تو سب گنہ گار ہوں گے؛[۱] اس لیے دوکان کے پاس سے جب جنازہ گزرے، تو دوکان میں رہنے والوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ جائے اور نماز پڑھے، اگر ممکن ہو، تو تدفین میں بھی شریک ہوجائے؛[۲] لیکن اگر کوئی شخص صرف کاندھا دے کر واپس ہوجائے، تو اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] بے نمازی کی نماز جنازہ

۱۱۲۰- سوال: ہماری برادری میں ایک رشتہ دار ہیں، جن کو میں بہت قریب سے جانتا ہوں، تقریباً ۱۵-۲۰ سال سے سلام ودعا ہے، اس دوران میں نے ان کو کبھی بھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، جب بھی ان کو نماز کی دعوت دیتا ہوں، تو کہتے ہیں: مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو، میری فکر نہ کرو، وغیرہ۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر ایسے آدمی کا انتقال ہوجائے، تو اس کی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

ایسا آدمی سخت گنہ گار ہوگا۔[۳]

---

(۱) وكذا غسل الميت والصلاة عليه والدفن كل ذلك فرض كفاية إذا قام به البعض سقط عن الباقين، وإن امتنعوا من ذلك حتى ضاع ميت بين قوم مع علمهم بحاله كانوا مشتركين في المأثم. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۳/ ۲۶۳، كتاب الكسب، ط: دار المعرفة-بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۱، كتاب الصلاة، فصل بيان فريضة صلاة الجنازة وكيفية فرضها، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) الاتباع أفضل من النوافل لو لقرابة أو جوار أو فيه صلاح معروف. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: الاتباع أفضل) أي اتباع الجنازة لأنه بر الحي والميت، فالثواب المترتب عليه أكثر ط (قوله أو جوار) سيأتي في باب الوصية للأقارب وغيرهم أن الجار من لصق به. وقالا: من يسكن في محلته ويجمعهم مسجد المحلة، وهو استحسان. وقال الشافعي: الجار إلى أربعين دارا من كل جانب. اهـ.

قلت: والصحيح قول الإمام كما سيأتي هناك إن شاء الله -تعالى-، وهو يقيد هنا بالملاصق أيضا؟ الظاهر نعم ما لم يوجد دليل الإطلاق. وقد يقال: كلام الموصي يحمل على العرف. والجار عرفا الملاصق أو من يسكن في المحلة فتصرف إليه الوصية بخلافه هنا فيكون حده إلى الأربعين كما في الحديث، والله أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۹، باب صلاة الجنازة، فروع في الجنائز، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) عن أبي سفيان، قال: سمعت جابرا، يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۶۱، رقم الحديث: ۱۳۴-(۸۲)، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ط: البدر- ديوبند)

لیکن اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔(درمختار مع شامی، جلد:۲ صفحہ:۲۱۱)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] جوتے چپل پر کھڑے رہ کر جنازے کی نماز پڑھنا

۱۱۲۱-سوال: جوتے چپل وغیرہ کو اتار کر، اسی پر کھڑے رہ کر، جنازے کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوتے وغیرہ پاک ہوں، تو ان پر کھڑے رہ کر نماز پڑھنے کی اجازت وگنجائش ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] غسل ونماز جنازہ کے بغیر دفن کیے گئے بچے کے سلسلے میں شریعت کا حکم

۱۱۲۲-سوال: ایک بچے کی ولادت ہوئی، ۲۴ رگھنٹے زندہ رہا، پھر وفات ہوئی، بغیر غسل دیے اور بغیر جنازہ کی نماز کے اسے دفن کر دیا گیا، اس معاملہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ (احمد میاں فقیر)

---

[۱] عن واثلة بن الأسقع ،قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تكفروا أهل قبلتكم وإن عملوا الكبائر، وصلوا مع كل إمام، وجاهدوا مع كل أمير، وصلوا على كل ميت. (سنن الدارقطني-أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (م:۳۸۵هـ): ۲/ ۴۰۳ - ۴۰۴ ،رقم الحديث: ۱۷۶۶ - ۱۷۶۹، كتاب العيدين، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه،ت: شعيب الارنؤوط، حسن عبد المنعم شلبي، عبد اللطيف حرز الله، أحمد برهوم،ط: مؤسسة الرسالة-بيروت☆السنن الكبرى- أبو بكر البيهقي (م:۴۵۸هـ): ۴/ ۲۹ ،رقم الحديث: ۶۸۳۲ ، جماع أبواب الشهيد ومن يصلى عليه ويغسل، باب الصلاة على من قتل نفسه غير مستحل لقتلها ،ت: محمد عبد القادر عطا،ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۰۷،باب صلاة الجنازة،مطلب في صلاة الجنازة،ط: دار الفكر-بيروت)

[۲] وفي القنية الطهارة من النجاسة في الثوب والبدن والمكان وستر العورة شرط في حق الإمام والميت جميعا، وقد قدمنا في باب شروط الصلاة أنه لو قام على النجاسة، وفي رجليه نعلان لم يجز، ولو افترش نعليه وقام عليهما جازت، وبهذا يعلم ما يفعل في زماننا من القيام على النعلين في صلاة الجنازة لكن لا بد من طهارة النعلين كما لا يخفى. (البحر الرائق: ۲/ ۱۹۳،كتاب الجنائز، شروط صلاة الجنازة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆حاشية الطحطاوي ،ص: ۵۸۲، كتاب الصلاة،باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه،ط: دار الكتب العلمية-بيروت☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۶۲ ، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة،الفصل الثاني في طهارة ما يستر به العورة وغيره،ط: دار الفكر-بيروت)

الجواب حامداو مصلیا:

مسلمان کے گھر زندہ پیدا ہونے والے ہر بچے کی وفات پر غسل دینا، کفن پہنانا اور جنازہ کی نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔ ہر مسلمان کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۴ ☆ شامی ج ۱ ص ۸۱۱)[۱]

فرض کفایہ کا مطلب ہے کہ بستی کے کچھ لوگ جنازہ کی نماز پڑھ لیں گے، تو سب کی جانب سے فرضیت ساقط ہوجائے گی، اگر کوئی نہ پڑھے، تو سب گنہ گار ہوں گے۔[۲]

صورت مسئولہ میں اگر اندازہ یہ ہو کہ نعش پھول پھٹ کر گلی، سڑی نہیں ہے، تو جنازہ کی نماز قبر پر پڑھ سکتے ہیں، لاش کے پھولنے اور پھٹنے کی مقدار، موسم، آب وہوا اور زمین کی نرمی وسختی کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، علماء نے ۳؍دن سے لے کر ایک مہینہ تک کی مدت لکھی ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] ومن استهل بعد الولادة سمي وغسل وصلي عليه . . . والاستهلال ما يعرف به حياة الولد من صوت أو حركة، ولو شهدت القابلة أو الأم على استهلال الولد؛ فإن قولهما مقبول في جواز الصلاة عليه، هكذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۹، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر)

ويصلى على كل مسلم مات بعد الولادة صغيرا كان أو كبيرا ذكرا كان أو أنثى حرا كان أو عبدا. (المصدر السابق: ۱/ ۱۶۳، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت)

(۲) (والصلاة عليه) . . . (فرض كفاية) بالإجماع، فيكفر منكرها لأنه أنكر الإجماع، قنية (كدفنه) وغسله وتجهيزه؛ فإنها فرض كفاية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۰۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت)

(الصلاة عليه فرض كفاية) بالإجماع، حيث يسقط عن الآخرين بأداء البعض، وإلا يأثم الكل. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۱۸۲، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، ط: دار إحياء التراث العربي)

الصلاة على الجنازة فرض كفاية، إذا قام به البعض واحدا كان أو جماعة، ذكرا كان أو أنثى، سقط عن الباقين، وإذا ترك الكل أثموا، هكذا في التتارخانية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۲، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت)

(۳) (وإن دفن) وأهيل عليه التراب (بغير صلاة) أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له (صلي على قبره) استحسانا، (ما لم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير، هو الأصح. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله هو الأصح)؛ لأنه يختلف باختلاف الأوقات حرا وبردا، والميت سمنا وهزالا، والأمكنة بحر، وقيل: يقدر بثلاثة أيام =

[۹] عیدگاہ میں جنازہ کی نماز، اور جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۱۱۲۳- سوال: ہمارے گاؤں میں عیدگاہ موجود ہے، کیا وہاں [یعنی عیدگاہ میں] جنازہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟ تحریر فرمائیں، اور جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے جنازہ گاہ موجود ہے، تو کیا جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟ بالتفصیل جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداو مصلیا:

جو جگہ جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے بنائی گئی ہے، اس میں عید کی نماز پڑھنی جائز ہے، البتہ جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، نیز قریب میں قبریں نہ ہوں۔ (۱)

=وقيل عشرة، وقيل شهر ، عن الحموي. (رد المحتار على الدر المختار :۲/ ۲۲۴، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة، قبيل: مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد، ط: دار الفكر-بيروت)

(قال) وإن دفن قبل الصلاة عليها، صلي في القبر عليها، إنما لا يخرج من القبر؛ لأنه قد سلم إلى الله تعالى، وخرج من أيديهم. جاء عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: القبر أول منزل من منازل الآخرة. ولكنهم لم يؤدوا حقه بالصلاة عليه، والصلاة على القبر تتأتى، فقد فعله رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فلهذا يصلى على القبر ما لم يعلم أنه تفرق؛ لأن المشروع الصلاة على الميت، لا على أعضائه.

وفي الأمالي عن أبي يوسف - رحمه الله تعالى - قال: يصلى عليه إلى ثلاثة أيام، وهكذا ذكره ابن رستم عن محمد رحمهما الله تعالى؛ لأن الصحابة - رضي الله عنهم - كانوا يصلون على رسول الله - صلى الله عليه وسلم - إلى ثلاثة أيام، والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم؛ لأنه يختلف باختلاف الأوقات، في الحر، والبرد، وباختلاف الأمكنة، وباختلاف حال الميت، في السمن، والهزال، والمعتبر فيه أكبر الرأي. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ) : ۲/ ۶۹، كتاب الصلاة، باب غسل الميت، دفن الميت قبل الصلاة عليه، ط: دار المعرفة-بيروت)

(۱) عن أبي مرثد الغنوي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تجلسوا على القبور، ولا تصلوا إليها. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۱۲، رقم الحديث: ۹۷- ۹۷۲، كتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، ط: البدر- ديوبند)

وفي القهستاني: لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه، بحيث لو صلى صلاة الخاشعين، وقع بصره عليه، كما في جنائز المضمرات. (رد المحتار على الدر المختار : ۱/ ۶۵۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع اشتمال الصلاة على الصماء والاعتجار والتلثم والتنخم وكل عمل قليل بلا عذر ، ط: دار الفكر - بيروت)

اسی طرح عیدگاہ میں بھی جنازہ کی نماز پڑھنی جائز ہے۔ (۱)

اسی طرح جنازہ کی نماز، کسی کے مکان میں یا عام راہ گذر پر بھی پڑھنی جائز ہے۔ (۲)

البتہ عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا مستحب ہے۔ (۳)

---

(۱) "وتكره الصلاة عليه في مسجد الجماعة وهو" أي الميت فيه. (مراقي) ــــــ قال الطحطاوي (م:۱۲۳۱ھ): وقيد بمسجد الجماعة؛ لأنها لا تكره في مسجد، أعد لها، وكذا في مدرسة ومصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح إلا في جواز الاقتداء، وإن لم تتصل الصفوف، كذا في ابن أمير حاج والحلبي. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح -أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي ص: ۵۹۵، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) کسی خاص آدمی کے مکان میں اس کی اجازت کے بغیر جنازہ کی نماز پڑھنا، یا شاہراہ عام پر جنازہ کی نماز پڑھنا عام کتب فقہ و فتاویٰ کی صراحت کے مطابق مکروہ ہے، یعنی اگر ایسا کیا جائے، تو نماز جنازہ کا وجوب ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، تاہم یہ عمل (کسی کے مکان میں یا شاہراہ عام پر جنازہ کی نماز پڑھنا) مکروہ ہوگا، ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وتكره أيضا في الشارع وأرض الناس، كما في الفتاوى الهندية عن المضمرات. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۲۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد، ط: دار الفكر)

"تنبيه" تكره صلاة الجنائز في الشارع وأراضي الناس" (مراقي) ـــــ قال الطحطاوي: قوله: "تكره الجنائز الخ" لشغل حق العامة في الأول، وحق المالك في الثاني. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ۵۹۶، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت، لبنان)

تكره في الشارع وأراضي الناس، كذا في المضمرات، أما المسجد الذي بني لأجل صلاة الجنازة، فلا تكره فيه، كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۶۵، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، ط: دار الفكر)

(۳) (والخروج إليها) أي الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع) هو الصحيح. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله: هو الصحيح) قال في الظهيرية. وقال بعضهم: ليس بسنة وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة الزحام والصحيح هو الأول. اهـ ـــــــ وفي الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك. اهـ نوح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۶۹، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب يطلق المستحب على السنة وبالعكس، ط: دار الفكر)

کوئی عذر مثلاً بارش وغیرہ ہو، تو جامع مسجد میں پڑھنا مستحب ہے۔ (طحطاوی: ۲۹۰)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

[۱۰] نماز جنازہ میں بجائے چار کے تین تکبیر کہنا

۱۱۲۴- سوال: جنازہ کی نماز میں جو چار تکبیریں کہنا فرض ہے، اس کے بجائے اگر کوئی تین تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دے، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ جنازہ کی نماز میں چاروں تکبیریں کہنا فرض ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] اگر دو نعش میں سے مسلم اور غیر مسلم کی شناخت نہ ہو سکے تو؟

۱۱۲۵- سوال: دو شخص ایک ساتھ سفر کر رہے تھے، جن میں سے ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم تھا، دورانِ سفر آگ لگنے کی وجہ سے ناگہانی حادثہ پیش آیا اور دونوں مکمل جل گئے، حتیٰ کہ اُن میں مسلم اور غیر مسلم کی شناخت بھی اب ناممکن ہوگئی، تو اب سوال یہ ہے کہ غسل کسے دیا جائے؟ تکفین کس کی ہونی چاہیے؟ اور نماز جنازہ کس کی پڑھی جائے؟ دفن کسے کریں؟ غیر مسلم کے لیے یہ سب چیزیں درست نہیں، اور مسلمان کو جلانا صحیح نہیں، اس صورتِ حال میں حکمِ شرعی کیا ہے؟

---

[۱] وفيه الخروج إلى المصلى في العيد، وأن صلاتها في المسجد لا تكون إلا عن ضرورة. (فتح الباري شرح صحيح البخاري- أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م: ۸۵۲ھ): ۴۵۰/۲، قوله باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: دار المعرفة- بيروت)

الخروج إلى الجبانة في صلاة العيد سنة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشايخ، وهو الصحيح، هكذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱۵۰/۱، الباب السابع عشر في صلاة العيدين)

(۲) وصلاة الجنازة أربع تكبيرات ولو ترك واحدة منها لم تجز صلاته، هكذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ۱۶۴/۱، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، ط: دار الفكر)

(وركنها) شيئان (التكبيرات) الأربع، فالأولى ركن أيضا لا شرط، فلذا لم يجز بناء أخرى عليها (والقيام) فلم تجز قاعدا بلا عذر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۰۹/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر- بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شناخت کی کوئی بھی علامت باقی نہ رہے، تو دونوں میت کو غسل دے کر کفن پہنا کر نمازِ جنازہ ادا کی جائے، اور نیت یہ کی جائے کہ اِن دونوں میں سے جو مسلمان ہے، ہم اُس کی نمازِ جنازہ پڑھ رہے ہیں، اور اس مجبوری کی صورت میں دونوں میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی صحیح ہے۔ (درمختار شامی: ۲/۲۰۱)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) اختلط موتانا بكفار، ولا علامة، اعتبر الأكثر، فإن استووا غسلوا، واختلف في الصلاة عليهم، ومحل دفنهم. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله اعتبر الأكثر) أي في الصلاة، بقرينة قوله في الاستواء، واختلف في الصلاة عليهم. قال في الحلية: فإن كان بالمسلمين علامة، فلا إشكال في إجراء أحكام المسلمين عليهم، وإلا فلو المسلمون أكثر صلى عليهم، وينوي بالدعاء المسلمين، ولو الكفار أكثر. ففي شرح مختصر الطحاوي للإسبيجابي: لا يصلى عليهم، لكن يغسلون، ويكفنون، ويدفنون في مقابر المشركين اهـ قال ط: وكيفية العلم بالأكثر أن يحصي عدد المسلمين ويعلم ما ذهب منهم، ويعد الموتى فيظهر الحال (قوله: واختلف في الصلاة عليهم) فقيل لا يصلي لأن ترك الصلاة على المسلم مشروع في الجملة كالبغاة وقطاع الطريق فكان أولى من الصلاة على الكافر لأنها غير مشروعة ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبدا﴾ [التوبة: ۸۴] وقيل يصلي ويقصد المسلمين؛ لأنه إن عجز عن التعين لا يعجز عن القصد كما في البدائع.

قال في الحلية: فعلى هذا ينبغي أن يصلي عليهم في الحالة الثانية أيضا أي حالة ما إذا كان الكفار أكثر؛ لأنه حيث قصد المسلمين فقط لم يكن مصليا على الكفار، وإلا لم تجز الصلاة عليهم في الحالة الأولى أيضا، مع أن الاتفاق على الجواز، فينبغي الصلاة عليهم في الأحوال الثلاث كما قالت به الأئمة الثلاث، وهو أوجه قضاء لحق المسلمين بلا ارتكاب منهي عنه اهـ ملخصا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۰۰-۲۰۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حديث: كل سبب ونسب منقطع إلا سببي ونسبي، ط: دار الفكر - بيروت)

موتى المسلمين إذا اختلطوا بموتى الكفار أو قتلى المسلمين بقتلى الكفار، إن كان للمسلمين علامة يعرفون بها يميز بينهم - وعلامة المسلمين الختان والخضاب ولبس السود - فيصلى عليهم وإن لم تكن علامة، إن كانت الغلبة للمسلمين، يصلى على الكل، وينوى بالصلاة والدعاء للمسلمين، ويدفنون في مقابر المسلمين، وإن كانت الغلبة للمشركين؛ فإنه لا يصلى على الكل، ولكن يغسلون ويكفنون ولكن على وجه غسل موتى المسلمين وتكفينهم، ويدفنون في مقابر المشركين، وإن كانا سواء فلا يصلى عليهم أيضا، واختلف المشايخ في دفنهم، قال بعضهم: في مقابر المشركين، وقال بعضهم: في مقابر المسلمين، وقال بعضهم: يتخذ لهم مقبرة على حدة. كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۵۹، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/۳۰۳، كتاب الصلاة، فصل شرائط وجوب الغسل، ط: دار الكتب العلمية)

[۱۲] غیر معروف نعش پر نمازِ جنازہ پڑھنا

۱۱۲۶- سوال: جنگل سے ایک عورت کی نعش برآمد ہوئی، جس کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا کوئی علم نہیں ہے، تو اُس پر ہمیں اسلامی طریقے کے مطابق نماز پڑھنا اور دفن کرنا ضروری ہے، یا غیر مسلم سمجھ کر تدفین اور نمازِ جنازہ نہ پڑھنا اولیٰ ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جنگل میں جو اجنبی نعش ملی ہے، اُس کے بدن یا کپڑے وغیرہ پر کوئی علامت اُس کے مسلمان ہونے کی معلوم ہو، تو اُس کو اسلامی طریقے کے مطابق دفن کرنا اور اُس پر نمازِ جنازہ پڑھنا ضروری ہے، اگر علامات سے اُس کا مسلم یا غیر مسلم ہونا معلوم نہ ہو، تو پھر قرب وجوار کی بستی میں غور کیا جائے کہ آبادی کس قوم کی ہے، اگر مسلمانوں کی آبادی قرب وجوار میں ہے، تو مسلمان سمجھ کر اس پر صلاۃِ جنازہ پڑھی جائے اور تدفین کی جائے، اور اگر قرب وجوار کی بستی مسلمان کی نہ ہو، تو اُسے غیر مسلم سمجھتے ہوئے صرف دفن کر دیا جائے، نمازِ جنازہ اِس صورت میں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، حاصل یہ کہ نمازِ جنازہ اُسی وقت پڑھی جائے جب کہ نعش کے مسلمان ہونے کا یقین (ظن غالب) ہو، کسی مسلمان کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کرنے کے مقابلے میں کسی کافر کی نمازِ جنازہ پڑھنا زیادہ قبیح ہے، لہٰذا خوب احتیاط کیا جائے۔ (درمختار مع شامی: ۲/۲۰۰)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] [فروع] لو لم يدر أمسلم أم كافر، ولا علامة فإن في دارنا غسل وصلي عليه وإلا لا. (الدر المختار)
قال ابن عابدين: (قوله فإن في دارنا إلخ) أفاد بذكر التفصيل في المكان بعد انتفاء العلامة أن العلامة مقدمة وعند فقدها يعتبر المكان في الصحيح لأنه يحصل به غلبة الظن كما في النهر عن البدائع. وفيها أن علامة المسلمين أربعة الختان والخضاب ولبس السواد وحلق العانة اهـ قلت: في زماننا لبس السواد لم يبق علامة للمسلمين. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۰۰-۲۰۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حديث: كل سبب ونسب منقطع إلا سببي ونسبي، ط: دار الفكر-بيروت)
ولو وجد ميت أو قتيل في دار الإسلام، فإن كان عليه سيما المسلمين يغسل ويصلى عليه ويدفن في مقابر المسلمين، وهذا ظاهر، وإن لم يكن معه سيما المسلمين ففيه روايتان، والصحيح أنه يغسل ويصلى عليه ويدفن في مقابر المسلمين؛ لحصول غلبة الظن بكونه مسلما بدلالة المكان، وهي دار الإسلام، ولو وجد في دار الحرب، فإن كان معه سيما المسلمين، يغسل ويصلى عليه، ويدفن في مقابر المسلمين بالإجماع، وإن لم يكن معه سيما =

[۱۳] نمازِ جنازہ بالجہر پڑھنا

۱۱۲۷- سوال: جنازہ کی نماز جہری نماز کی طرح بلند آواز سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں حضور اکرم ﷺ، صحابۂ کرام یا تابعینِ عظام سے کوئی ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ کیا ائمۂ اربعہ میں سے کسی نے اس کو ثابت فرمایا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کی نماز بالاتفاق آہستہ پڑھی جائے گی، دعاء کے بارے میں کوئی اختلاف ائمہ کے درمیان نہیں ہے، ہاں! جن ائمہ کے یہاں نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت ہوتی ہے، اُن کے نزدیک سورۂ فاتحہ بالجہر پڑھنے کی ایک روایت ہے؛ لیکن اُن کے نزدیک بھی جمہور ہی کا قول صحیح ہے کہ نمازِ جنازہ خواہ دن میں پڑھی جائے، یا رات میں، قراءت آہستہ ہی ہوگی، دوسرے قول میں صرف رات کی نمازِ جنازہ میں جہراً قراءت ہوگی، بہر حال دن میں سراً پڑھے جانے پر تمام کا اتفاق ہے اور رات میں جمہور کے نزدیک آہستہ پڑھنے کا حکم ہے، بعض کے نزدیک قراءت، جہراً ہے۔[1] البتہ دعاء کے بارے میں اتفاق ہے کہ آہستہ پڑھی جائے گی، چناں چہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے، حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھائی، تو میں نے آپ ﷺ کی

= المسلمين ففيه روايتان، والصحيح أنه لا يغسل ولا يصلى عليه ولا يدفن في مقابر المسلمين، والحاصل أنه لا يشترط الجمع بين السيما ودليل المكان؛ بل يعمل بالسيما وحده بالإجماع، وهل يعمل بدليل المكان وحده؟ فيه روايتان، والصحيح أنه يعمل به لحصول غلبة الظن عنده. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م:۵۸۷هـ): ۱/ ۳۰۳، كتاب الصلاة، فصل شرائط وجوب الغسل، ط: دار الكتب العلمية)

(۱) وقد اتفق أصحابنا على أنه إن صلى عليها بالنهار أسر بالقراءة وإن صلى بالليل ففيه وجهان الصحيح الذي عليه الجمهور يسر والثاني يجهر. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، المعروف بـ "شرح النووي" - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م:۶۷۶هـ): ۷/ ۳۰، كتاب الجنائز، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت☆ مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - أبو الحسن عبيد الله بن محمد عبد السلام، الرحماني المباركفوري (م:۱۴۱۴هـ): ۵/ ۳۸۳، كتاب الجنائز، الفصل الأول، ط:: إدارة البحوث العلمية والدعوة والإفتاء - الجامعة السلفية - بنارس الهند)

دعاء یاد کرلی، حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وأما الدعاء فيسر به بلا خلاف، وحينئذ يتأول هذا الحديث على أن قوله حفظت من دعائه أي علمنيه بعد الصلاة فحفظته. [۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاء بلا اختلاف تمام ائمہ کے نزدیک آہستہ پڑھی جائے گی، اس لیے حدیثِ مذکور کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز کے بعد آپ ﷺ نے مجھے دعاء سکھائی اور میں نے یاد کرلی۔ (مسلم شریف: ۱/۳۱۱) [۲]

حضرت امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس روایت سے دعاء کا جہراً پڑھنا سمجھ میں آتا ہے، پھر یہ تاویل کی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نماز کے بعد نبی کریم ﷺ نے یہ دعا سکھلا دی ہو۔ [۳]

دراصل بات یہ ہے کہ جن روایات میں راوی کا یہ قول ہے کہ '**سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم**' کہ میں نے نمازِ جنازہ میں آپ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ صلاۃِ جنازہ میں صفوف کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا؛ اس لیے امام آہستہ پڑھتے ہیں، تب بھی قریب میں کھڑا شخص اُس کو سن سکتا ہے، اور حضورِ اکرم ﷺ کبھی قصداً تعلیم کی غرض سے اس طرح پڑھتے تھے کہ قریب والا شخص سن لے۔ [۴]

---

(۱) المصدر السابق.

[۲] عوف بن مالك، يقول: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على جنازة، فحفظت من دعائه وهو يقول: اللهم، اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه، وأكرم نزله، ووسع مدخله، واغسله بالماء والثلج والبرد، ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض من الدنس، وأبدله دارا خيرا من داره، وأهلا خيرا من أهله وزوجا خيرا من زوجه، وأدخله الجنة وأعذه من عذاب القبر أو من عذاب النار. قال: حتى تمنيت أن أكون أنا ذلك الميت. (الصحيح لمسلم: ۱/۳۱۱، رقم الحديث: ۸۵-۹۶۳، كتاب الجنائز، باب الدعاء للميت في الصلاة، ط: ديوبند)

(۳) فيه إثبات الدعاء في صلاة الجنازة وهو مقصودها ومعظمها وفيه استحباب هذا الدعاء وفيه إشارة إلى الجهر بالدعاء في صلاة الجنازة. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، المعروف بـ 'شرح النووي': ۷/۳۰، كتاب الجنائز، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۴) عن طلحة بن عبد الله بن عوف، قال: صليت خلف ابن عباس رضي الله عنهما على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب قال: ليعلموا أنها سنة. (صحيح البخاري: ۱/۱۷۸، رقم الحديث: ۱۳۳۵، باب قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة، ط: ديوبند)

قال ابن حجر: قوله: "لتعلموا أنها سنة" قال الإسماعيلي: جمع البخاري بين روايتي شعبة وسفيان وسياقهما =

چناں چہ شامی میں مذکور ہے: 'فکان مما ظھر من صلاتہ'، یعنی راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی نماز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ آپ ﷺ یہ دعاء پڑھ رہے ہیں۔

اِس قسم کا فرق قراءتِ ظہر وعصر میں بھی ہوا ہے، چنانچہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ ظہر وعصر کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھتے تھے، اور کبھی کوئی آیت ہمیں سنا دیتے تھے، یعنی جہراً پڑھتے تھے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں، مطلب یہ ہے کہ ظہر وعصر کی نماز میں جہری قراءت جائز ہے۔ (نسائی شریف: ۱/ ۱۵۳)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] نمازِ جنازہ، پہلی صف میں افضل ہے یا آخری صف میں؟

۱۱۲۸- سوال: عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ نمازِ جنازہ پہلی صف کے بجائے آخری صف میں پڑھنا افضل ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

= مختلف اه فأما رواية شعبة فقد أخرجها ابن خزيمة في صحيحه والنسائي جميعا عن محمد بن بشار شيخ البخاري فيه بلفظ فأخذت بيده فسألته عن ذلك فقال نعم يا ابن أخي إنه حق وسنة. ـــــــــــ وللحاكم من طريق آدم عن شعبة فسألته فقلت يقرأ قال نعم إنه حق وسنة. ـــــــــــ وأما رواية سفيان فأخرجها الترمذي من طريق عبد الرحمن بن مهدي عنه بلفظ فقال إنه من السنة أو من تمام السنة. ـــــــــــ وأخرجه النسائي أيضا من طريق إبراهيم بن سعد عن أبيه بهذا الإسناد بلفظ فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة وجهر حتى أسمعنا، فلما فرغ أخذت بيده، فسألته، فقال: سنة وحق، ـــــــــــ وللحاكم من طريق ابن عجلان أنه سمع سعيد بن أبي سعيد يقول صلى ابن عباس على جنازة فجهر بالحمد، ثم قال: إنما جهرت لتعلموا أنها سنة، وقد أجمعوا على أن قول الصحابي سنة حديث مسند، كذا نقل الإجماع. (فتح الباري شرح صحيح البخاري- أحمد بن علي بن حجر، أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م: ۸۵۲هـ): ۳/ ۲۰۴، تحت رقم الحديث: ۱۳۳۵، قوله باب قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة، ط: دار المعرفة- بيروت)

(۱) عبد الله بن أبي قتادة قال: حدثنا أبي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقرأ بأم القرآن وسورتين في الركعتين الأوليين من صلاة الظهر وصلاة العصر، ويسمعنا الآية أحيانا، وكان يطيل في الركعة الأولى. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي- أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۲/ ۱۶۴، رقم الحديث: ۹۷۵، كتاب الافتتاح، باب إسماع الإمام الآية في الظهر، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب)

الجواب حامداً ومصلیاً

نمازِ جنازہ آخری صف میں پڑھنا افضل ہے، اس لیے کہ اس نماز کا مقصد یہ ہے کہ میت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاءِ مغفرت اور سفارش کی جائے، تو اُس میں عاجزی وانکساری بہتر ہے، اسی لیے نمازِ جنازہ میں کوشش یہ کرنی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ صفیں بن سکیں، کم از کم تین صف ضرور بنائیں۔[1] اگر دیگر نمازوں کی طرح اس نماز میں بھی پہلی صف کو افضل قرار دیا جائے، تو سبھی لوگ یہ کوشش کریں گے کہ پہلی صف میں نماز پڑھیں، اور اِس شکل میں صفیں کم بنیں گی؛ لہٰذا نمازِ جنازہ آخری صف میں پڑھنا افضل ہے۔ (شامی: ۴۲۱/۱)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] نمازِ جنازہ آخری صف میں پڑھنا اولیٰ کیوں ہے؟

۱۱۲۹- سوال: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جنازہ کی نماز صفِ اولیٰ کے بجائے آخری صفوں میں

---

(۱) وأفضل صفوفها آخرها إظهارا للتواضع. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله وأفضل صفوفها آخرها إلخ) كذا في القنية، وبحث فيه في الحلية بإطلاق ما في صحيح مسلم عنه - صلى الله عليه وسلم - "خير صفوف الرجال أولها، وشرها آخرها" وبأن إظهار التواضع لا يتوقف على التأخر. اهـ.

أقول: قد يقال: إن الحديث مخصوص بالصلاة المطلقة لأنها المتبادرة، ولقوله - صلى الله عليه وسلم -: "من صلى عليه ثلاثة صفوف غفر له" رواه أبو داود، وقال حديث حسن، والحاكم، وقال: صحيح على شرط مسلم، ولهذا قال في المحيط: ويستحب أن يصف ثلاثة صفوف، حتى لو كانوا سبعة يتقدم أحدهم للإمامة، ويقف وراءه ثلاثة ثم اثنان ثم واحد. اهـ. فلو كان الصف الأول أفضل في الجنازة أيضا لكان الأفضل جعلهم صفا واحدا ولكره قيام الواحد وحده كما كره في غيرها، هذا ما ظهر لي. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۲/ ۲۱۴، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي؟ ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وخير صفوف الرجال أولها في غير جنازة ثم وثم. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله في غير جنازة) أما فيها فآخرها إظهارا للتواضع لأنهم شفعاء فهو أحرى بقبول شفاعتهم لأن المطلوب فيها تعدد الصفوف، فلو فضل الأول امتنعوا عن التأخر عند قلتهم، رحمتي (قوله ثم وثم) أي ثم الصف الثاني أفضل من الثالث، وفي الجنازة ما يلي الأخير أفضل مما تقدمه، رحمتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۷۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في جواز الإيثار بالقرب، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۱/ ۱۳۶، كتاب الصلاة، الأحق بالإمامة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ حاشية الطحطاوي ص: ۵۸۱، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، ط: دار الكتب العلمية)

پڑھنا بہتر اس لیے ہے کہ مصلی، میت سے دور رہے، کیوں کہ پہلی صف میں میت کو قبلہ بنا کر اُس کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھنے شرک کی بو آتی ہے، جب کہ آخری صف میں اس کا گمان نہیں ہوتا، یہ توجیہ مجھے کسی کتاب کے حوالہ سے معلوم نہیں ہے، اگر یہ توجیہ درست ہو تو اُس کے حوالہ کی رہنمائی فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نمازِ جنازہ آخری صف میں پڑھنا افضل ہے، کیوں کہ یہ موقعِ تذلل و انکسار ہے، اور پیچھے کھڑے رہنے میں انکساری کا اظہار زیادہ ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نمازِ جنازہ میں صفوں کی زیادتی افضل ہے، تین، پانچ یا سات صفوں پر مغفرت کی بشارت ہے، چناں چہ اگر سات آدمی نمازِ جنازہ میں شریک ہوں، تو ایک امامت کرے گا، تین پہلی صف میں، دو دوسری صف میں اور ایک آدمی آخری صف میں کھڑا رہے گا، اگر پہلی صف کو افضل قرار دیا جائے، تو ہر شخص پہلی صف میں کھڑا ہونا چاہے گا، نتیجتاً صفوں کی زیادتی حاصل نہیں ہو سکے گی۔[1]

سوال میں ذکر کردہ توجیہ کہ میت کے قریب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں شرک کی بو آتی ہے، یہ درست معلوم نہیں ہوتی، اور نہ کہیں میری نظر سے گزری ہے، نیز نمازِ جنازہ میں شرط ہے کہ میت مصلیوں کے سامنے خصوصاً امام کے سامنے ہو، نیز نمازِ جنازہ میں میت امام کے قائم مقام ہوتا ہے، تو پھر اُس کے قریب رہنے میں شرک کا شبہ کیسے ہو سکتا ہے؟ (شامی: ۲/ ۲۱۴)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وأفضل صفوفها آخرها إظهارا للتواضع. (الدر المختار) ـــــــــــــ و في الشامية: ويستحب أن يصف ثلاثة صفوف، حتى لو كانوا سبعة يتقدم أحدهم للإمامة، ويقف وراءه ثلاثة ثم اثنان ثم واحد. اهـ. فلو كان الصف الأول أفضل في الجنازة أيضا لكان الأفضل جعلهم صفا واحدا ولكره قيام الواحد وحده كما كره في غيرها، هذا ما ظهر لي. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۲/ ۲۱۴، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي؟ ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] (ويقوم الإمام) ندبا (بحذاء الصدر مطلقا) للرجل والمرأة لأنه محل الإيمان والشفاعة لأجله. (الدر المختار) ـــــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله ندبا) أي كونه بالقرب من الصدر مندوب، وإلا فمحاذاة جزء من الميت لا بد منها قهستاني عن التحفة. ويظهر أن هذا في الإمام وفيما إذا لم تتعدد الموتى وإلا وقف عند صدر أحدهم فقط، ولا يبعد عن الميت كما في النهر ط (قوله للرجل والمرأة) أراد الذكر والأنثى الشامل للصغير والصغيرة ط عن أبي السعود: وعند الشافعي - رحمه الله - يقف عند رأس الرجل وعجز المرأة (قوله: والشفاعة لأجله) أي أن المصلي شافع للميت لأجل إيمانه فناسب أن يقوم بحذاء محله. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۱۶، كتاب الصلاة، باب الجنازة، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي؟ ط: دار الفكر - بيروت)

[۱۶] جنازہ کی نماز پڑھانے کا معاوضہ لینا

۱۱۳۰- سوال: جنازے کی نماز پڑھانے کے لیے امام صاحب کو، متولی صاحبان کی طرف سے ہر مہینے یا جب نماز پڑھاتے ہیں، تب کچھ رقم دی جاتی ہے، تو کیا اس طرح رقم لینا امام صاحب کے لیے جائز ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے؛ لیکن جب کوئی پڑھانے والا نہ ہو، وہ تنہا ہو، تو اس صورت میں اس کے ذمے نماز پڑھانا واجب ہوگا، فرض کفایہ کی صورت میں رقم لینا جائز ہے اور واجب کی صورت میں لینا ناجائز ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] تارکِ صلاۃ و دیگر فرائض دین کی نماز جنازہ

۱۱۳۱- سوال: میری نانی جان کی عمر تقریباً ستر یا اسی کے درمیان ہے، ان کا نام مریم ہے، نماز روزہ وغیرہ دینی فرائض کی بالکل پابند نہیں ہے، ان کی لڑکی (میری ماں) کہتی ہے کہ میں اپنی والدہ کو تقریباً پچھلے چالیس سال سے نہ تو جمعہ کی نماز ادا کرتے دیکھا ہے نہ عید کی، اور میں اپنی بات کروں تو میں نے اپنی چونتیس سالہ زندگی میں نہ تو انہیں نماز پڑھتے دیکھا ہے نہ روزہ رکھتے ہوئے دیکھا ہے، یہ بات بالکل صحیح ہے اور میں حتی المقدور سمجھانے کی کوشش بھی کرتا ہوں، میں اپنی نانی کو "بعث بعد الموت" کی باتیں بتا

---

(۱) ويغسله أقرب الناس إليه وإلا فأهل الأمانة والورع. (مراقي الفلاح) ــــــــــ قال الطحطاوي: قوله: "وإلا فأهل الأمانة والورع" والأفضل أن يغسله مجانا وإن ابتغى الغاسل أجرا جاز إن كان ثمة غيره وإلا لا لتعينه عليه واختلفوا في أجرة خياطة كفن وحمال وحفار وتكون من رأس المال كما في البحر والشرنبلالية وينبغي أن يكون مثل الأول لأن ذلك من فروض الكفاية كما في السراج والضياء. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:۱۲۳۱ھ) ص:۷۰، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۱۹۹/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر- بيروت)

نوٹ: مذکورہ عبارت سے بالعوض جنازے کی نماز پڑھانے کا حکم ضمناً معلوم ہوتا ہے کہ اجرت لینا اس صورت میں جائز ہوگا، جب کہ اس کے علاوہ کوئی اور پڑھانے کی اہلیت رکھتا ہو، کہ اس صورت میں اس پر جنازہ کی نماز کا پڑھنا فرض کفایہ ہوگا، اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا اہلیت نہ رکھتا ہو تو اجرت لینا جائز نہیں؛ کیوں کہ اس صورت میں اس کے لیے جنازہ کی نماز پڑھانا از روئے شرع متعین ہے، فقط۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

تا ہوں، تو وہ کہتی ہیں کہ بعد موت کون زندہ ہوگا؟ اور جنت اور وہاں کی نعمت کا بھی انکار کرتی ہیں۔

میرا سوال یہ ہے کہ اگر میں زندہ رہوں اور وہ انتقال کر جائے، تو کیا میں اس کی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہوں؟ وہ عاقلہ بھی ہے اور صحت بھی بہت اچھی ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

گناہوں کی وجہ سے انسان اسلام سے خارج نہیں ہوجاتا۔[1]

آپ کی نانی نماز ادا نہیں کرتی اور نہ روزہ رکھتی ہے؛ لیکن ایمان مجمل اور ایمان مفصل پر ان کا عقیدہ ہے، تو وہ مسلمان ہے، اگر عقیدہ میں نقص ہوگا، تو ایمان میں خرابی آئے گی، ورنہ اگر عقیدہ صحیح اور درست ہے، تو آپ نماز جنازہ ادا کر سکتے ہیں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) ولا نكفر أحدا من أهل القبلة بذنب ما لم يستحله، ولا نقول لا يضر مع الإيمان ذنب لمن عمله. (العقيدة الطحاوية- أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بـ"الطحاوي"(م:۳۲۱ھ) ص:۶۰، شرح وتعليق: محمد ناصر الدين الألباني، ط: المكتب الإسلامي- بيروت)

ولا نجزم لأحد من أهل القبلة بجنة ولا نار إلا من جزم له الرسول صلى الله عليه وسلم، لكنا نرجو للمحسن ونخاف على المسيء. ولا نكفر أحدا من أهل القبلة بذنب، ولا نخرجه عن الإسلام بعمل، (لمعة الاعتقاد- أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (م:۶۲۰ھ) ص:۳۸، محمد خاتم النبيين، ط: وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد- المملكة العربية السعودية)

(۲) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الجهاد واجب عليكم مع كل أمير، برا كان أو فاجرا، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا، وإن عمل الكبائر، والصلاة واجبة على كل مسلم برا كان أو فاجرا، وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۱/ ۳۴۳، رقم الحديث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، ط: ديوبند)

وأما بيان من يصلى عليه، فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيرا كان، أو كبيرا، ذكرا كان، أو أنثى، حرا كان، أو عبدا إلا البغاة وقطاع الطريق، ومن بمثل حالهم لقول النبي: - صلى الله عليه وسلم - "صلوا على كل بر وفاجر" وقوله: للمسلم على المسلم ست حقوق، وذكر من جملتها أن يصلى على جنازته من غير فصل إلا ما خص بدليل، والبغاة ومن بمثل حالهم مخصوصون لما ذكرنا. (بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۱، كتاب الصلاة، فصل صلاة الجنازة، بيان فريضة صلاة الجنازة، وكيفية فرضيتها، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۱۸] دو جنازوں کی نماز ایک ساتھ پڑھنا

۱۱۳۲- سوال: دو جنازے ایک ساتھ ہوں، تو کیا دونوں جنازوں کی نماز ایک ساتھ ہوگی یا الگ الگ؟ اور جنازے رکھنے کی ترتیب کیا ہوگی؟

الجواب حامداو مصلیا:

دو جنازے ایک ساتھ ہوں، تو دونوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ ہوسکتی ہے؛ جنازہ رکھنے کی ترتیب درج ذیل ہے:

(۱) جنازوں میں جو افضل ہو، اس کو سب سے پہلے رکھا جائے، پھر دوسرے میت کا سر پہلے میت کے کاندھے کے برابر، پھر تیسرے میت (جنازہ) کو بھی اسی طرح سیڑھیوں کی مانند رکھا جائے اور امام پہلے جنازے کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھائے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جنازوں کو یکے بعد دیگرے قطار بنا کر-ایک کے بعد آگے پیچھے کر کے-رکھا جائے، پہلے مردوں میں سب سے افضل کو رکھے، پھر اس کی جانب قبلہ میں اس سے کم درجہ کی میت کو، پھر اس کی جانب قبلہ میں اس سے کم درجے کی میت کو، اسی ترتیب سے رکھا جائے، اس صورت میں امام سے وہ جنازہ قریب ہوگا، جو سب سے افضل ہو، اور وہ جنازہ دور ہوگا، جو سب سے درجے میں کم تر ہو:

(وإذا اجتمعت الجنائز فإفراد الصلاة) على كل واحدة (أولى) من الجمع وتقديم الأفضل أفضل (وإن جمع) جاز، ثم إن شاء جعل الجنائز صفا واحدا وقام عند أفضلهم، وإن شاء (جعلها صفا مما يلي القبلة) واحدا خلف واحد (بحيث يكون صدر كل) جنازة (مما يلي الإمام) ليقوم بحذاء صدر الكل وإن جعلها درجا فحسن لحصول المقصود. (در مختار) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۱۸-۱۹، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر-بيروت.

خلاصہ یہ ہے کہ اگر جنازے جمع ہو جائیں، تو افضل یہ ہے کہ سب کی الگ الگ نماز پڑھی جائے، اگر ایک ساتھ نماز پڑھنا ہو، تو تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے پر جنازے کو رکھا جائے:

(۱) امام سے متصل سب سے افضل جنازہ کو رکھا جائے، اور اس میت سے متصل (جانب قبلہ میں) دوسرے کو، پھر تیسرے کو۔

(۲) سب سے پہلے افضل جنازہ کو رکھا جائے، اور اس کے بعد اس کے کاندھے کے برابر دوسرے جنازے کے سر کو رکھا جائے، پھر دوسرے کے کاندھے کے برابر میں تیسرے کے سر کو (سیڑھی کی مانند)۔ =

[۱۹] نماز جنازہ صحن مسجد میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟

۱۱۳۳- سوال: نماز جنازہ صحن مسجد میں ہوسکتی ہے یا نہیں، جب کہ صحن بند اور حدود مسجد میں ہے اور اگر خارج مسجد ہو، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

صحن اگر حدود مسجد میں داخل ہو، تو نماز جنازہ اس میں مکروہ ہے۔

= (۳) ایک ہی صف میں عرضا رکھا جائے اور امام ان میں کے افضل کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں۔

یہ تینوں طریقے جائز ہیں، پہلا طریقہ احسن، دوسرا احسن اور صحیح ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیں:

(وإن جمع) جاز، ثم إن شاء جعل الجنائز صفا واحدا، وقام عند أفضلهم، وإن شاء (جعلها صفا مما يلي القبلة) واحدا خلف واحد (بحيث يكون صدر كل) جنازة (مما يلي الإمام) ليقوم بحذاء صدر الكل وإن جعلها درجا فحسن لحصول المقصود. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله صفا واحدا) أي كما يصطفون في حال حياتهم عند الصلاة، بدائع: أي بأن يكون رأس كل عند رجل الآخر فيكون الصف على عرض القبلة. (قوله: وإن شاء جعلها صفا إلخ) ذكر في البدائع: التخيير بين هذا، والذي قبله، ثم قال: هذا جواب ظاهر الرواية. وروي عن أبي حنيفة في غير رواية الأصول: أن الثاني أولى؛ لأن السنة هي قيام الإمام بحذاء الميت، وهو يحصل في الثاني دون الأول. اهـ. (قوله درجا) أي شبه الدرج بأن يكون رأس الثاني عند منكب الأول، بدائع. (قوله لحصول المقصود) وهو الصلاة عليهم، درر، والأحسن ما في المبسوط؛ لأن الشرط أن تكون الجنائز أمام الإمام، وقد وجد، إسماعيل (قوله: فيقرب منه الأفضل فالأفضل) أي في صورة ما إذا جعلهم صفا واحدا مما يلي القبلة بوجهيها، أما في صورة جعلهم صفا عرضا؛ فإنه يقوم عند أفضلهم كما قدمه؛ إذ ليس أحدهم أقرب، وهذا حيث اختلفوا في الفضل، وإن تساووا اقدم أسنهم كما في الحلية. وفي البحر عن الفتح: وفي الرجلين يقدم أكبرهما سنا وقرآنا وعلما، كما "فعله- عليه الصلاة والسلام- في قتلى أحد من المسلمين". (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۱۹، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل: مطلب في بيان من هو أحق بالصلاة على الميت، ط: دار الفكر- بيروت)

(قال): وإذا اجتمعت الجنائز فإن شاءوا جعلوها صفا وإن شاءوا وضعوا واحدا خلف واحد وكان ابن أبي ليلى - رحمه الله تعالى - يقول: توضع شبه الدرج وهو أن يكون رأس الثاني عند صدر الأول، وعند أبي حنيفة - رضي الله عنه - أنه إن وضع هكذا فحسن أيضا؛ لأن الشرط أن تكون الجنائز أمام الإمام، وقد وجد ذلك كيف وضعوا فكان الاختيار إليهم. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۲/ ۶۵، كتاب الصلاة، باب غسل الميت، ط: دار المعرفة- بيروت☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۲، فصل بيان ما تصح به صلاة الجنازة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ مراقي الفلاح ص: ۲۲۰، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، ط: المكتبة العصرية) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

البتہ اگر صحنِ مسجد، خارج مسجد ہے، تو اس میں بلا کراہت نمازِ جنازہ جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

[١] (وكرهت تحريما) وقيل (تنزيها في مسجد جماعة هو) أي الميت (فيه) وحده أو مع القوم. (واختلف في الخارجة) عن المسجد وحده أو مع بعض القوم، (والمختار الكراهة) مطلقا خلاصة، بناء على أن المسجد إنما بني للمكتوبة، وتوابعها كنافلة وذكر وتدريس علم، وهو الموافق لإطلاق حديث أبي داود "من صلى على ميت في المسجد فلا صلاة له". (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: وفي مختارات النوازل: سواء كان الميت فيه أو خارجه هو ظاهر الرواية. وفي رواية لا يكره إذا كان الميت خارج المسجد، (قوله بناء على أن المسجد إلخ) أما إذا عللنا بخوف تلويث المسجد فلا يكره إذا كان الميت خارج المسجد وحده أو مع بعض القوم اهـ ح. قال في شرح المنية: وإليه مال في المبسوط والمحيط، وعليه العمل، وهو المختار. اهـ ـــــــ قلت: بل ذكر في غاية البيان والعناية: أنه لا كراهة فيها بالاتفاق، لكن رده في البحر. وأجاب في النهر: بحمل الاتفاق على عدم الكراهة في حق من كان خارج المسجد وما مر في حق من كان داخله. ـــــــ ثم اعلم أن التعليل الأول فيه خفاء، إذ لا شك أن الصلاة على الميت دعاء وذكر وهما مما بني له المسجد وإلا لزم المنع عن الدعاء فيه لنحو الاستسقاء والكسوف مع أن الوارد في ذلك ما رواه مسلم "أن رجلا نشد في المسجد ضالة فقال - صلى الله عليه وسلم -: لا وجدت، إنما بنيت المساجد لما بنيت له" فليتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ٢٢٥، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد، ط: دار الفكر ☆ تبيين الحقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ٧٤٣هـ): ١/ ٢٤٣، كتاب الصلاة، باب الجنائز، كيفية صلاة الجنازة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

وصلاة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروهة، سواء كان الميت والقوم في المسجد، أو كان الميت خارج المسجد والقوم في المسجد، أو كان الإمام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقي في المسجد، أو الميت في المسجد والإمام والقوم خارج المسجد، هو المختار، كذا في الخلاصة. ولا تكره بعذر المطر ونحوه، هكذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ١/ ١٦٥، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

راجع للتفصيل: المحيط البرهاني في الفقه النعماني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ٦١٦هـ): ٥/ ٣٠٧، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الرابع في الصلاة، والتسبيح، وقراءة القرآن، والذكر، والدعاء ورفع الصوت عند قراءة القرآن والذكر والدعاء، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بـ "ملا - أو منلا أو المولى - خسرو" (م: ٨٨٥هـ): ١/ ١٦٥، باب الجنائز، دفن من غير أن يصلى عليه، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ حاشية الطحطاوي، ص: ٥٩٢، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، ط: بيروت)

[۲۰] صحنِ مسجد میں جنازے کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۱۱۳۴- سوال: مسجد کے باہر صحن ہے، جو مسجد کے حکم میں داخل نہیں ہے، لیکن اس صحن میں دوسری جماعت ہوتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صحن میں جنازے کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس صحن سے مسجد میں داخل ہونے کے لیے تین بڑے دروازے ہیں۔

الجواب حامداو مصلیا:

جب صحن، مسجد میں داخل نہیں ہے، تو جنازہ کی نماز مذکورہ صحن میں ادا کرنا جائز ہے، مسجد میں جنازہ کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے، لیکن جب مذکور صحن مسجد کے حکم میں نہیں اور اس میں مسجد ہونے کی نیت نہیں کی ہے، تو اس میں نمازِ جنازہ کے عدم جواز یا کراہت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ [۱] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] نمازِ جنازہ میں قبروں کا سامنے ہونا، امام کے سامنے سترہ یا دیوار کی آڑ کرنا

۱۱۳۵- سوال: ایک قبرستان میں ایک بچے کی قبر- جو مردہ پیدا ہوا تھا- جنازہ کی نماز کے وقت سامنے پڑتی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی قبر سامنے کی جہت میں نہیں ہے، تو اس طرح بچے کی قبر کے سامنے ہوتے ہوئے جنازہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟

(۲) قبرستان میں قبریں نمازِ جنازہ کے وقت سامنے ہوتی ہیں، اور نماز کے وقت درمیان میں دیوار وغیرہ کی کوئی آڑ نہیں ہوتی، تو اس وقت سامنے سترہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ وہ سترہ امام کے سامنے ہو، تو جنازہ کے آگے قائم کیا جائے یا کسی اور جگہ؟ جو بھی طریقہ ہو، تحریر فرمائیں، امام کا ایک سترہ کافی ہے، یا ہر مقتدی کے لیے سترہ قائم کیا جائے؟

الجواب حامداو مصلیا:

(۱) سترہ اور دیوار کی ضرورت نہیں ہے، اور امرِ مستحب بھی نہیں ہے، حضرت عائشہؓ اور حضرت ام

---

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: ''نماز جنازہ صحن مسجد میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟'' عن: رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۲۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد، ط: دار الفكر ☆ تبيين الحقائق- عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۱/ ۲۴۳، كتاب الصلاة، باب الجنائز، كيفية صلاة الجنازة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۵، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، ط: دار الفكر.

سلمہؓ کے جنازہ کی نماز حضرت ابوہریرہؓ نے بقیع نامی قبرستان میں پڑھی تھی، اور نماز پڑھنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی تھے، اور سامنے سترہ قائم نہیں کیا تھا۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۲۷)[1]

(۲) میت خود امام کے سامنے ہے، تو قبر کے امام کے سامنے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض اوقات قبر پر بھی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، جب کہ میت کو اس پر نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو۔[2]

---

[۱] ... لا ينبغي أن يصلي على ميت بين القبور وكان علي وابن عباس يكرهان ذلك وإن صلوا أجزأهم لما روي أنهم صلوا على عائشة وأم سلمة بين مقابر البقيع والإمام أبو هريرة وفيهم ابن عمر رضي الله عنهم ثم محل الكراهة إذا لم يكن عذر فإن كان فلا كراهة اتفاقا. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح-أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:١٢٣١هـ) ص:٥٩٥، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ويكره أن يصلى على القبر لما روي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه نهى أن يصلى على القبر، قال: أبو حنيفة: ولا ينبغي أن يصلى على ميت بين القبور، وكان علي وابن عباس يكرهان ذلك، وإن صلوا أجزأهم لما روي أنهم صلوا على عائشة، وأم سلمة بين مقابر البقيع، والإمام أبو هريرة وفيهم ابن عمر - رضي الله عنهم -. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م:٥٨٧هـ) :١/ ٣٢٠، كتاب الصلاة، فصل بيان وجوب الدفن، قبيل :فصل أحكام الشهيد، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆المحيط البرهاني في الفقه النعماني-ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:٦١٦هـ): ٢/ ١٩٣، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م:٩٧٠هـ): ٢/ ٢٠٩، كتاب الجنائز، الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) (قوله: فإن دفن بلا صلاة صلي على قبره ما لم يتفسخ)؛ لأن النبي - صلى الله عليه وسلم - صلى على قبر امرأة من الأنصار، أطلقه فشمل ما إذا كان مدفونا بعد الغسل أو قبله كما قدمناه، وهو رواية ابن سماعة عن محمد؛ لكن صحح في غاية البيان معزيا إلى القدوري وصاحب التحفة أنه لا يصلى على قبره؛ لأن الصلاة بدون الغسل ليست بمشروعة، ولا يؤمر بالغسل لتضمنه أمرا حراما، وهو نبش القبر فسقطت الصلاة اهـ.

وقيد بالدفن؛ لأنه لو وضع في قبره، ولم يهل عليه التراب فإنه يخرج ويصلى عليه كما قدمناه، وقيد بعدم التفسخ؛ لأنه لا يصلى عليه بعد التفسخ؛ لأن الصلاة شرعت على بدن الميت فإذا تفسخ لم يبق بدنه قائما، ولم يقيد المصنف بمدة؛ لأن الصحيح أن ذلك جائز إلى أن يغلب على الظن تفسخه والمعتبر فيه أكبر الرأي على الصحيح من غير تقدير بمدة كذا في شرح المجمع وغيره، وظاهره أنه لو شك في تفسخه يصلى عليه والمذكور في غاية البيان أنه لو شك لا يصلى عليه رواه ابن رستم عن محمد اهـ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ٢/ ١٩٦، كتاب الجنائز، دفن الميت بلا صلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆مراقي الفلاح ص: ٢٢٠، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، ط: المكتبة العصرية☆الدر مع الرد: ٢/ ٢٢٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة)

اس لیے قبروں کے سامنے ہونے میں کوئی حرج نہیں، اور سترہ اور دیوار قائم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] غیر مسلموں کی عیادت اور ان کی آخری رسوم میں شرکت

۱۱۳۶- سوال: ہمارے یہاں نصاریٰ اور ہندو وغیرہ رہتے ہیں، بہت سے مسلمان ان نصاریٰ اور ہندوؤں کے کارخانوں میں کام کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان غیر مسلموں میں جب کوئی بیمار ہو جائے، تو تعلق کی بنا پر کوئی مسلمان اس کی عیادت میں یا مر جائے تو کفن دفن میں اور میت کے متعلق ہونے والی متعدد مذہبی کاروائی میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس کے گھر والوں کی تعزیت کر سکتا ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کافر، یہودی یا نصرانی کے محلے یا گاؤں میں مسلمان رہتے ہوں اور وہ لوگ مسلمانوں سے حسن اخلاق کا معاملہ کرتے ہوں، تو مسلمانوں کے لیے بھی جائز ہے کہ ان کی بیمار پرسی کے لیے جائیں؛ بل کہ عیادت کرنا -خواہ کافر کی ہو- ثواب کا کام ہے، اور اس میں اگر نیت تبلیغ اسلام کی کر لے، تو بہت ثواب کا مستحق ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ بھی ایک غیر مسلم یہودی لڑکے کی خبر گیری اور عیادت کے لیے تشریف لے گئے تھے اور اس کو اسلام کی دعوت دی تھی، اور آپ ﷺ کی دعوت کے نتیجے میں وہ لڑکا مسلمان ہو گیا تھا۔ (بخاری شریف: ۱/۱۸۱)[۱] اسی طرح نبی ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی بیمار پرسی اور دعوت ایمان کے لیے بھی تشریف لے گئے تھے۔ (بخاری شریف: ۱/۱۸۱)[۲]

---

[۱] عن أنس رضي الله عنه، قال: كان غلام يهودي يخدم النبي صلى الله عليه وسلم، فمرض، فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعوده، فقعد عند رأسه، فقال له: أسلم، فنظر إلى أبيه وهو عنده فقال له: أطع أبا القاسم صلى الله عليه وسلم، فأسلم، فخرج النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقول: الحمد لله الذي أنقذه من النار. (صحيح البخاري: ۱/۱۸۱، رقم الحديث: ۱۳۵۶، كتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات، هل يصلى عليه، وهل يعرض على الصبي الإسلام، ط: البدر- ديوبند)

[۲] عن ابن شهاب، قال: أخبرني سعيد بن المسيب، عن أبيه أنه أخبره: أنه لما حضرت أبا طالب الوفاة جاءه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوجد عنده أبا جهل بن هشام، وعبد الله بن أبي أمية بن المغيرة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبي طالب: "يا عم، قل: لا إله إلا الله، كلمة أشهد لك بها عند الله" فقال أبو جهل، وعبد الله بن أبي أمية: يا أبا =

غیر مسلموں کے جنازے میں حاضری (جب کہ کسی تعلق یا مصلحت کی بنا پر ہو، تو) گنجائش ہے، مگر شرط یہ ہے کہ ان کے مذہبی کاموں سے دور رہے، ان کے مذہبی امور میں شریک رہنا جائز نہیں۔[1] بل کہ ان کے مذہبی امور اور ریت ورواج کو کوئی اچھا سمجھے گا، تو اس کے ایمان سے نکل جانے کا اندیشہ ہے۔[2]

البتہ غیر مسلم سے رشتہ کا تعلق ہو اور اس کے کفن ودفن کے لیے کوئی غیر مسلم نہ ہو، تو مسلمان اپنے اس

=طالب أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرضها عليه، ويعودان بتلك المقالة حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم: هو على ملة عبد المطلب، وأبى أن يقول: لا إله إلا الله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أما والله لأستغفرن لك ما لم أنه عنك، فأنزل الله تعالى فيه: {ما كان للنبي} [التوبة: ۱۱۳] الآية. (صحيح البخاري: ۱/۱۸۱، رقم الحديث: ۱۳۶۰، كتاب الجنائز، باب إذا قال المشرك عند الموت: لا إله إلا الله، ط: ديوبند)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾. (۹-التوبة: ۸۴)

والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة وهي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع له... [وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ] أي لا تقف عليه ولا تتول دفنه... والمراد لا تقف عند قبره للدفن أو للزيارة، والقبر في المشهور مدفن الميت، ويكون بمعنى الدفن، وجوزوا إرادته هنا أيضا. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني-شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۵/۳۴۲، سورة التوبة، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

عن ابن عباس، عن عمر بن الخطاب رضي الله عنهم، أنه قال: لما مات عبد الله بن أبي ابن سلول، دعي له رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول الله صلى الله عليه وسلم وثبت إليه، فقلت: يا رسول الله، أتصلي على ابن أبي وقد قال يوم كذا وكذا: كذا وكذا؟ أعدد عليه قوله، فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: أخر عني يا عمر، فلما أكثرت عليه، قال: إني خيرت فاخترت، لو أعلم أني إن زدت على السبعين يغفر له لزدت عليها، قال: فصلى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيرا، حتى نزلت الآيتان من براءة: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ قال: فعجبت بعد من جرأتي على رسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ، والله ورسوله أعلم. (صحيح البخاري: ۱/۱۸۲، رقم الحديث: ۱۳۶۶، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين، والاستغفار للمشركين، ط: البدر-ديوبند)

(۲) نماز جنازہ اصل میں دعا واستغفار ہی ہے، اور مسلمانوں کا کفار کی عبادت گاہوں میں جا کر ان کے مذہبی اعمال میں شریک ہونا سخت خطرناک ہے؛ کیوں کہ اس سے ان کے اعمال دینیہ کی تعظیم اور ان کے مذہبی امور کی پسندیدگی ورضا معلوم ہوتی ہے، اور یہ باتیں شریعت مطہرہ اور غیرت اسلامی کے خلاف ہیں۔ (کفایت المفتی: ۴/ ۲۰۲، کتاب الجنائز، نواں باب: شرکت جنازۂ کفار، ط: زکریا-دیوبند)

غیر مسلم رشتہ دار کو دفن کر سکتا ہے۔[۱] جس کی شکل یہ ہوگی کہ اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ دے، اور گڑھا کھود کر اس میں ڈال کر دبا دے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] ''کھوجہ'' کے جنازہ میں شرکت اور مسلم قبرستان میں تدفین

۱۱۳۷- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ایک فرقہ ''کھوجہ'' نامی [یہ فرقہ عقائد میں مثل شیعہ کے ہے] کئی سال سے رہتا ہے، ان کا کوئی مستقل قبرستان نہیں ہے، اب واقعہ یہ ہوا کہ اس فرقہ کے ایک شخص کا انتقال ہوگیا، تو انہوں نے مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین کی اجازت چاہی، اجازت دے دی گئی اور مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفنایا گیا، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا؛ بل کہ ہماری مسجد کے ایک موذن صاحب نے اس مردے کو غسل دیا اور دوسری مسجد کے امام صاحب نے نماز جنازہ بھی پڑھائی، اس سلسلے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) ''کھوجہ قوم'' کے مردے کو ہمارے قبرستان میں دفنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) سنی حنفی مسلمانوں کے علاوہ کسی بھی قوم کے مردے کو ہمارے اپنے قبرستان میں دفنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر اس (کھوجہ کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن) کی اجازت نہیں ہے، تو مندرجہ بالا واقعہ کے متعلق اب کیا حکم ہے؟

(۴) کھوجہ قوم کے مردے کو اپنوں میں سے کوئی غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) (ويغسل المسلم ويكفن ويدفن قريبه) كخاله (الكافر الأصلي)... (عند الاحتياج) فلو له قريب فالأولى تركه لهم (من غير مراعاة السنة) فيغسله غسل الثوب النجس ويلفه في خرقة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم إذا قال: إن شتمت فلانا في المسجد، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۰۵، كتاب الجنائز، الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۱۸۵، باب صلاة الجنازة، سنن حمل الجنازة، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲) " وإذا مات الكافر وله ولي مسلم، فإنه يغسله، ويكفنه، ويدفنه " بذلك أمر علي رضي الله عنه في حق أبيه أبي طالب؛ لكن يغسل غسل الثوب النجس، ويلف في خرقة، وتحفر حفيرة من غير مراعاة سنة التكفين واللحد، ولا يوضع فيها، بل يلقى. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/ ۱۸۱-۱۸۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، فصل في الصلاة على الميت، ط: ديوبند ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم إذا قال: إن شتمت فلانا في المسجد، ط: دار الفكر)

(۵) اور ایسے مردے کی نماز جنازہ سنی مسلک کے پیش امام پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ سنیوں کا اس کی نماز جنازہ میں شامل ہونا درست ہے یا نہیں؟

(۶) اگر غسل، نماز وغیرہ کی ممانعت ہو تو جہالت ونادانی کی وجہ سے جو کچھ ہو چکا، اس کے متعلق کیا احکام ہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بہ موجب دل سے یقین رکھ کر زبان سے کلمہ طیبہ اور کلمۂ شہادت کا اقرار کرتا ہو، یا اس کلمہ کے معنی پر یقین کر کے زبان سے اقرار کرتا ہو، وہ مسلمان ہے۔[1] اور ہر وہ شخص جو مسلمان ہو، اس کو غسل دینا، کفن پہنانا اور جنازہ کی نماز پڑھنا وپڑھانا؛ لازم وضروری اور حقوق مسلمین میں سے ہے۔[2]

البتہ جس کا عقیدہ صحیح نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر

---

(۱) الإيمان هو الإقرار باللسان والاعتقاد بالجنان وذلك أن يقروا بوحدانية الله تعالى وصفاته الأزلية وبجميع ما جاء من عنده من كتب ويعتقد بقلبه ذلك، والإقرار باللسان شرط في حق القادر على الناطق. (البحر الرائق: ۲۰۵/۸، كتاب الكراهية، ط: دار المعرفة-بيروت)

(۲) عن علي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: للمسلم على المسلم ست بالمعروف، يسلم عليه إذا لقيه، ويجيبه إذا دعاه، ويشمته إذا عطس، ويعوده إذا مرض، ويتبع جنازته إذا مات، ويحب له ما يحب لنفسه. (سنن الترمذي: ۱۰۲/۲، رقم الحديث: ۲۷۳۶، أبواب الأدب، باب ماجاء في تشميت العاطس، ط: ديوبند)

(الصلاة عليه [الميت] فرض كفاية) بالإجماع حيث يسقط عن الآخرين بأداء البعض وإلا يأثم الكل، وقد صرح البعض بكفر من أنكر فرضيتها لأنه أنكر الإجماع وقيل: سنة. ــــــ (وشرطها) أي شرط جواز الصلاة عليه (إسلام الميت) فلا تصح على الكافر لقوله تعالى {ولا تصل على أحد منهم مات أبدا} [التوبة: ۸۴]. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-داماد آفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱۸۲/۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، فصل الصلاة على الميت، ط: دار إحياء التراث العربي☆فتح القدير: ۱۱۷/۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت، ط: دار الفكر-بيروت☆البحر الرائق: ۱۹۳/۲، كتاب الجنائز، شروط صلاة الجنازة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۲۶۳/۳، كتاب الكسب، ط: دار المعرفة-بيروت☆بدائع الصنائع: ۳۱۱/۱، كتاب الصلاة، فصل بيان فريضة صلاة الجنازة وكيفية فرضها، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

یقین نہ رکھتا ہو، وہ مسلمان نہیں، اس کے ساتھ کفن دفن وغیرہ میں مسلمانوں کا سا برتاؤ جائز نہیں۔ پس مذکور کھوجہ قوم کے عقائد اگر اسلام کے موافق ہیں، تو وہ مسلمان ہیں اور ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ جائز ہے، اور اگر ان کے عقائد اسلام مخالف ہیں، تو وہ مسلمان نہیں اور ان کے ساتھ اسلامی برتاؤ جائز نہیں۔"[1] مذکور قوم کے عقائد کیا ہیں؟ صحیح تحقیق کر کے تفصیل سے بیان کیجئے، تو قطعی جواب لکھا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] غیر مسلم کی نماز جنازہ اور مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین جائز نہیں

۱۱۳۸- سوال: ایک مسلمان عورت بھیلواڑا گاؤں میں رہتی ہے، جس کے یہاں ایک غیر مسلم بیوہ بھی رہتی ہے، اس کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی ہے، پہلی شادی سے اس کی ایک لڑکی تھی، جس کا انتقال ہو گیا ہے، ایسا ارادہ ہو رہا ہے کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جائے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جا سکتا ہے؟ اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ احمد محمد پٹیل سینگپور (بھروچ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازے کی نماز کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ میت مسلمان ہو۔[2]

---

(۱) لا يصلى على الكافر لقوله تعالى: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾ (التوبة: ۸۴)، وروي أنه لما مات أبو طالب جاء علي رضي الله عنه إلى رسول الله عليه السلام، وقال: إن عمك الضال قد مات فقال عليه السلام: اغسله وكفنه وادفنه وما تحدث به حدثاً حتى تلقاني، أي: لا تصل عليه؛ ولأن الصلاة على الميت دعاء واستغفار له، والاستغفار للكافر حرام، قال الله تعالى: {اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ} (التوبة: ۸۰) [المحيط البرهاني في الفقه النعماني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۱۸۳، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، القسم الثالث في بيان من يصلى عليه، ومن لا يصلى عليه، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت]

(۲) قال - رحمه الله -: (وشرطها) أي شرط الصلاة عليه (إسلام الميت وطهارته) أما الإسلام فلقوله تعالى {ولا تصل على أحد منهم مات أبدا} [التوبة: ۸۴] يعني المنافقين، وهم الكفرة، ولأنها شفاعة للميت إكراما له وطلبا للمغفرة، والكافر لا تنفعه الشفاعة، ولا يستحق الإكرام. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق مع حاشية الشِّلْبِيِّ - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۲۳۹، كتاب الصلاة، باب الجنائز، شرط الصلاة على الميت، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۱۸۲، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت، ط: دار إحياء التراث العربي☆ فتح القدير: ۲/ ۱۱۷، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ''کھوجہ'' کے جنازہ میں شرکت اور مسلم قبرستان میں تدفین'' کا حاشیہ نمبر: ۳۔

جب اس عورت کے ایمان لانے کی خبر گاؤں والوں میں سے بھی کسی کو نہیں ہے اور نہ خود اس عورت نے بھی آج تک اپنے ایمان کا اظہار کیا ہے، تو جب (اسی حالت میں) انتقال کرے گی، تو اس کو نہ تو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہوگا اور نہ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

جو لوگ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے اور اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے، وہ گنہ گار ہوں گے۔

یہی حکم اس کی لڑکی کا بھی ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] سمندر کے کنارے ملنے والی نامعلوم لاش کی تدفین کا حکم

۱۱۳۹- سوال: ایک عورت کی لاش سمندر میں بہتی ہوئی کنارے پر پہنچی، لاش بالکل ننگی تھی، اس کے پاس پہلے دو غیر مسلم شخص آئے، بعد میں دو مسلمان آدمی آئے، غیر مسلم یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اس لاش کو جلائیں گے اور مسلمان کہہ رہے ہیں کہ ہم اس کو اپنے قبرستان میں دفنائیں گے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لاش کی کس طرح تحقیق کی جائے کہ یہ مسلمان عورت کی لاش ہے یا کسی کافر کی، واضح رہے کہ میت کے بدن پر کوئی علامت ونشان بھی نہیں کہ جس کے ذریعہ پہچانا جائے، تو اب اس عورت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ احمد اسحاق یعقوب پٹیل

الجواب حامداومصلیا:

مسلمانوں کی لاش کو پہچاننے کے لیے علامات: ختنہ، خضاب اور زیرناف بالوں کی صفائی ہے، عورت میں ختنہ نہیں ہے؛ لہٰذا سہولت اور آسانی سے اس کی لاش مل جائے، تو اس کو غسل وکفن دے دیا جائے

---

(۱) وأصل الاختلاف في كتابية تحت مسلم حبلت ثم ماتت وفي بطنها ولد مسلم لا يصلى عليها بالإجماع؛ لأن الصلاة على الكافرة غير مشروعة، وما في بطنها لا يستحق الصلاة عليه ولكنها تغسل وتكفن، واختلف الصحابة في الدفن، قال بعضهم: تدفن في مقابر المسلمين ترجيحا لجانب الولد، وقال بعضهم: في مقابر المشركين؛ لأن الولد في حكم جزء منها ما دام في البطن، وقال واثلة بن الأسقع: يتخذ لها مقبرة على حدة، وهذا أحوط. (بدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، فصل شرائط وجوب الغسل، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۲۲، باب صلاة الجنازة، مطلب في حديث: كل سبب ونسب منقطع إلا سببي ونسبي، ط: دار الفكر - بيروت)

اور نماز جنازہ پڑھ کر قبرستان کے کسی کونے میں دفن کر دیا جائے، لڑائی جھگڑے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۸۰۵)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] لو لم يدر أمسلم أم كافر، ولا علامة فإن في دارنا غسل وصلي عليه وإلا لا. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله فإن في دارنا إلخ) أفاد بذكر التفصيل في المكان بعد انتفاء العلامة أن العلامة مقدمة وعند فقدها يعتبر المكان في الصحيح لأنه يحصل به غلبة الظن كما في النهر عن البدائع. وفيها أن علامة المسلمين أربعة الختان والخضاب ولبس السواد وحلق العانة اهـ قلت: في زماننا لبس السواد لم يبق علامة للمسلمين. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۰۰، باب صلاة الجنازة، مطلب في حديث "كل سبب ونسب منقطع إلا سببي ونسبي"، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۳، فصل شرائط وجوب الغسل، ط: دار الكتب العلمية ☆ حاشية الطحطاوي، ص: ۲۳۰، باب أحكام الشهيد، ط: دار الكتب العلمية)

ومن لا يدرى أنه مسلم أو كافر فإن كان عليه سيما المسلمين أو في بقاع دار الإسلام يغسل وإلا فلا، كذا في معراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۹، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل، ط: دار الفكر - بيروت)

عن علی بن أبي طالب، أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال له: " یا علی، ثلاث لا تؤخرها: الصلاۃ إذا آنت، والجنازۃ إذا حضرت، والأیم إذا وجدت لها کفوا ".

(ترمذی شریف: ۱/ ۴۳، حدیث نمبر: ۱۷۱، ط: دیوبند)

باب ما یتعلق بدفن المیت

[تدفین کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ما یتعلق بتدفین المیت

[تدفین کا بیان]

[۱] تدفین کے بعد فاتحہ اور تلقین کا حکم

۱۱۴۰- سوال: میت کو دفنانے کے بعد چالیس قدم لوٹنے کے بعد فاتحہ پڑھنا، اور قبر کے سامنے بیٹھ کر تلقین وغیرہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کی نماز کے بعد یا کفن کے بعد یا مکان سے نکل کر یعنی گھر سے باہر فاتحہ پڑھنا، اور بلند آواز سے کلمہ وغیرہ پڑھنا، احادیث اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا جائز نہیں ہے۔[۱] بل کہ غیر شرعی اور غیر مسنون عمل کو سنت یا ثواب سمجھ کر جو شخص انجام دے گا، تو ارتکاب بدعت کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔[۲]

---

(۱) وعلی متبعي الجنازة الصمت، ويكره لهم رفع الصوت بالذكر وقراءة القرآن، كذا في شرح الطحاوي، فإن أراد أن يذكر الله يذكره في نفسه، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۶۲، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة، ط: دار الفكر)

(۲) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۲/ ۷۷، رقم الحديث: ۱۷- ۱۷۱۸، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ورد محدثات الأمور، ط: ديوبند)

قال الملا علي القاري: (من أحدث)، أي: جدد وابتدع أو أظهر واخترع في أمرنا هذا)، أي: في دين الإسلام، =

البتہ تلقین کے متعلق تفصیل ہے: سکرات کے وقت یہ مسنون ہے؛ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تلقین کرنے کی اجازت دی ہے، دوسری تلقین دفن کرنے کے بعد ہے، وہ اس طرح کہ میت کو کہے: "یافلان بن فلان! قل: رضیت باللہ رباً وبالإسلام دینا وبمحمد رسولاً" تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، مگر بہتر نہیں ہے۔[۳] یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص ؓ نے فرمایا کہ: جب میری تدفین سے فارغ ہو جاؤ، تو میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا، کہ جس میں اونٹ ذبح کرکے، اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکے۔ (مسلم شریف)[۴]

=... وعبر عنه بالأمر تنبيها على) أن هذا الدين هو أمرنا الذي نهتم له، ونشتغل به، بحيث لا يخلو عنه شيء من أقوالنا وأفعالنا.... (ماليس منه): كذافي "الصحيحين"، والحميدي و"جامع الأصول" و"شرح السنة" وفي "المشارق" وبعض نسخ المصابيح "ماليس فيه" (فهو)، أي: الذي أحدثه (رد)، أي: مردود عليه.... ـــــــ قال القاضي: المعنى من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر، أو خفي ملفوظ، أو مستنبط فهو مردود عليه.... ـــــــ وفي رواية لمسلم: (من عمل عملا) أي من أتى بشيء من الطاعات، أو بشيء من الأعمال الدنيوية، والأخروية، سواء كان محدثا أو سابقا على الأمر، ليس عليه أمرنا، أي: وكان من صفته أنه ليس عليه إذننا بل أتى به على حسب هواه فهو رد. أي: مردود غير مقبول، فهذه الرواية أعم، وهذا الحديث عماد في التمسك بالعروة الوثقى، وأصل في الاعتصام بحبل الله الأعلى، ورد للمحدثات والبدع والهوى. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۱/ ۲۲۲، رقم الحديث: ۱۴۰، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) (قوله ولقن الشهادتين) لقوله-عليه الصلاة والسلام-: "لقنوا موتاكم شهادة أن لا إله إلا الله"، والمراد الذي قرب من الموت، وصورة التلقين أن يقال عنده في حالة النزع جهرا وهو يسمع أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله ...ولا يقال له قل ويلقن قبل الغرغرة ولا يلح عليه في قولها مخافة أن يضجر فإذا قالها مرة لا يعيدها عليه الملقن إلا أن يتكلم بكلام غيرها قال - عليه الصلاة والسلام -: من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة"، وأما تلقين الميت في القبر فمشروع عند أهل السنة؛ لأن الله تعالى يحييه في القبر، وصورته أن يقال: يافلان بن فلان، أو يا عبد الله بن عبد الله، اذكر دينك الذي كنت عليه، وقد رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد نبيا. (الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۰۱، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ط: المطبعة الخيرية ☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۰-۱۹۱، باب صلاة الجنازة، مطلب في التلقين بعد الموت، ط: دار الفكر-بيروت)

[۴] عن ابن شماسة المهري، قال: حضرنا عمرو بن العاص، وهو في سياقة الموت، يبكي طويلا، وحول وجهه إلى الجدار،... فإذا أنا مت فلا تصحبني نائحة، ولا نار، فإذا دفنتموني فشنوا علي التراب شنا، ثم أقيموا حول قبري قدر ما تنحر جزور ويقسم لحمها، حتى أستأنس بكم، وأنظر ماذا أراجع به رسل ربي. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۷۶، رقم الحديث: ۱۲۱-۱۹۲، كتاب الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله وكذا الهجرة والحج، ط: ديوبند) =

اس روایت میں غور کیجیے کہ انہوں نے ٹھہرنے کی تو وصیت کی ہے، تلقین کی نہیں؛ لہٰذا دفن کے بعد میت کے لیے طویل دعا کرنا تو جائز ہے، جیسا کہ طحطاوی علی مراقی الفلاح (۳۰۶)[۵] اور شامی (۱/ ۱۷۷-۸۳۸)[۶] میں ہے، اسی طرح عالم گیری میں ہے کہ: دفن کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کی جاوے اور میت کے لیے دعاء کی جائے، یہ جائز ہے۔ (ج:۱/ص:۱۳۳)[۷] پس تلقین، قراءت، تسبیح، تحمید جائز ہے، لیکن مروجہ مخصوص فاتحہ جائز نہیں۔[۸] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= مزید دیکھیے: حاشية الطحطاوي، ص:۵٦۰، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ت: عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۷، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱٦٦، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان، ط: دار الفكر)

[۵] وكيف لا يفعل مع أنه لا ضرر فيه بل فيه نفع للميت لأنه يستأنس بالذكر على ما ورد في بعض الآثار ففي صحيح مسلم عن عمرو بن العاص قال: "إذا دفنتموني أقيموا عند قبري قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها حتى أستأنس بكم وأنظر ماذا أراجع رسل ربي" وعن عثمان قال كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه وقال: "استغفروا الله لأخيكم واسألوا الله له التثبيت فإنه الآن يسئل" رواه أبو داود والبيهقي بإسناد حسن ذكره الحلبي. (حاشية الطحطاوي، ص:۵٦۰، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ط: دار الكتب العلمية)

[٦] وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: وجلوس إلخ) لما في سنن أبي داود "كان النبي - صلى الله عليه وسلم - إذا فرغ من دفن الميت، وقف على قبره، وقال: استغفروا لأخيكم واسألوا الله له التثبيت، فإنه الآن يسأل" وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها. وروي أن عمرو بن العاص قال وهو في سياق الموت: إذا أنا مت فلا تصحبني نائحة ولا نار، فإذا دفنتموني فشنوا علي التراب شنا، ثم أقيموا حول قبري قدر ما ينحر جزور، ويقسم لحمها حتى أستأنس بكم وأنظر ماذا أراجع رسل ربي، جوهرة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۷، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر)

[۷] ويستحب إذا دفن الميت أن يجلسوا ساعة عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها، يتلون القرآن ويدعون للميت، كذا في الجوهرة النيرة. ــــــ قراءة القرآن عند القبور عند محمد - رحمه الله تعالى - لا تكره ومشايخنا - رحمهم الله تعالى - أخذوا بقوله وهل ينتفع؟ والمختار أنه ينتفع، هكذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱٦٦، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان، ط: دار الفكر)

(۸) تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: میت کے گھر قرآن خوانی کا حکم (فتاویٰ فلاحیہ: ۱/ ۴۰۷-۴۰۸، سوال نمبر: ۲۳۷)، قرآن خوانی کے بعد ناشتہ کرانا (ص: ۴۰۹، سوال نمبر: ۲۳۸)

[۲] پیر صاحب کا میت کو "دنیادار" بتلا کر قبر پر مٹی ڈالنے سے انکار کرنا

۱۱۴۱- سوال: محلہ کے ایک شخص کا انتقال ہوگیا، جب اس کو قبر میں دفن کے لیے رکھا گیا، تو پیر صاحب نے کہا: میت "ترک دنیا" نہیں تھا؛ اس لیے میں اس کو "مشت خاک" (مٹی) نہیں دوں گا؛ چناں چہ پیر صاحب نے مٹی نہیں ڈالی، باقی سب لوگوں نے ہاتھ سے مٹی ڈالی، تو سوال یہ ہے کہ "ترک دنیا" کا کیا مطلب ہے؟ اور مرنے والا اگر "ترک دنیا" نہ ہو، تو "مشت خاک" نہ دینے کا حکم صرف پیر صاحب کے لیے ہے، یا تمام حضرات کے لیے؟ واضح رہے کہ پیر صاحب محلہ کی مسجد میں ۴۹ر سال سے نماز پڑھاتے ہیں، ان کا یہ طریقہ شرعاً کس حد تک درست ہے؟ بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کی تدفین کے وقت جو لوگ حاضر ہوتے ہیں، ان کے لیے مستحب ہے کہ، تین لپ بھر کر مٹی میت کی قبر پر ڈالیں، پہلی بار ڈالتے وقت "منها خلقناكم" دوسری بار "وفيها نعيدكم" اور تیسر بار "ومنها نخرجكم تارة اخرى" پڑھیں۔ (عالم گیری: ۱/ ۱۳۳)[1]

آپ نے جس شخص کے لیے "پیر صاحب" کا لفظ لکھا ہے، وہ پیر تو کیا ہیں، آپ کی تحریر کے مطابق، "نیک صالح اور دین دار انسان" بھی معلوم نہیں ہوتے، اسلامی شریعت کے موافق، علماء کے بیان، اور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کے مطابق اس کا عمل نہیں ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ مستحب ہے کہ غسل دینے والا دین دار اور قابل اعتماد شخص ہو؛ تاکہ غسل دیتے وقت میت کے اندر کوئی خرابی یا عیب نظر آئے، تو عوام کے سامنے اس کا افشا نہ کرے، اور اگر کوئی اچھی چیز، خوشبو وغیرہ محسوس کرے، تو اس کو بیان کرے، پس میت کا چہرہ کالا ہو جائے، یا اس کے بدن سے بدبو آئے یا اس کی شکل وصورت بدل جائے، تو لوگوں میں اس بات

---

[۱] ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثو في قبره ثلاث حثيات من التراب بيديه جميعا ويكون من قبل رأس الميت ويقول في الحثية الأولى: منها خلقناكم وفي الثانية: وفيها نعيدكم وفي الثالثة: ومنها نخرجكم تارة أخرى، كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۶۶، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۷، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر - ديوبند ☆ الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۰۹، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ط: المطبعة الخيرية ☆ حاشية الطحطاوي، ص: ۶۱۱، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

کو ظاہر کرنا جائز نہیں، البتہ اگر مرنے والا بددین ہو، اور اعلانیہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو، تو پھر (عبرت کے لیے) اس کے عیوب کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ (عالم گیری: ۱/ ۱۸۲) [۲]

مذکورہ شخص جس کے لیے آپ نے ''پیر صاحب'' کا لفظ لکھا ہے، وہ ذی علم بھی معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ اس کا جو قول آپ نے نقل کیا ہے کہ وہ [میت] ''ترک دنیا نہیں ہے''، وہ عربی زبان کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، اپنے اس پیر سے ذرا پوچھو کہ عربی لغت میں ''ترک دنیا'' کا کیا مطلب ہے؟ صحیح لفظ ''تارک دنیا نہیں'' ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ شخص دنیا سے بے رغبت نہیں ہے، یعنی دنیا میں وہ بہت مشغول رہتا تھا، کھیتی اور دوکان داری وغیرہ میں اتنا مشغول تھا کہ اس کی وجہ سے نماز وروزہ اور دیگر عبادتوں کی پابندی نہیں کرتا تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس امام کو آج اس کی موت کے وقت ان الفاظ کو کہنے کا موقع ملا، زندگی میں کیوں اس کو نصیحت نہیں کی، جب مرحوم بہ قید حیات تھا، اس وقت نصیحت کا موقع تھا اور وہ نصیحت مرحوم کے لیے مفید بھی ہوتی۔ [۳] اگر مرحوم نماز وروزہ کا پابند تھا اور کھیتی بھی کرتا تھا، تو اس کے حق میں ''تارک

---

[۲] يستحب أن يكون الغاسل ثقة يستوفي الغسل ويكتم ما يرى من قبيح ويظهر ما يرى من جميل فإن رأى ما يعجبه من تهلل وجهه وطيب رائحته وأشباه ذلك يستحب له أن يحدث به الناس وإن رأى ما يكره من سواد وجهه ونتن رائحته وانقلاب صورته وتغير أعضائه وغير ذلك لم يجز له أن يحدث به أحدا، كذا في الجوهرة النيرة.
فإن كان الميت مبتدعا مظهرا لبدعته ورأى الغاسل منه ما يكره فلا بأس بأن يحدث به الناس ليكون زجرا لهم عن البدعة، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۶۲، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۰۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب في الكفن، ط: دار الفكر)

(۳) عن تميم الداري أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ''الدين النصيحة'' قلنا: لمن؟ قال: ''لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم''. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۵۴، رقم الحديث: ۹۵- ۵۵، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ط: ديوبند)

وأما نصيحة العامة: فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم: وتعليم ما جهلوا، وإعانتهم على البر والتقوى، وستر عوراتهم والشفقة عليهم، وأن يحب لهم ما يحب لنفسه من الخير . . . . ومنها: إن النصيحة فرض على الكفاية لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه، ويطاع أمره وأمن على نفسه المكروه، فإن خشي فهو في سعة. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۱/ ۳۲۲، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الدين النصيحة، لله ولرسوله . . . ، ط: دار إحياء التراث العربي)

دنیا نہیں ہے" کہنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ اپنے متعلقین کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کرو۔ [۴] بل کہ اہل وعیال اور متعلقین کے ساتھ مل جل کر رہنا، ان کے حقوق ادا کرنا اور اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنا، اور اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی آباد کرنا ہی اسلام میں مطلوب ہے، پس تجارت کرنے والے یا کھیتی کرنے والے کو شاغل دنیا کہنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ مذکورہ کام کر کے ان کی کفالت بھی ضروری ہے، جن کا نفقہ اس پر لازم ہے؛ لہٰذا اگر اس میں صحیح نیت کے ساتھ کوئی لگتا ہے، تو اس کو دنیا دار کہنا قطعاً جائز نہیں۔ [۵] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۴) وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۖ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۵۷-الحدید:۲۷﴾

وقال: الرهبانية من أفعال العباد لأنها المبالغة في العبادة بالرياضة والانقطاع عن الناس،... للرهبانية معنيان الخوف المفرط مثلا، ويراد في جعلنا في قلوبهم رهبانية والأعمال التعبدية الشاقة كرفض الدنيا وشهواتها من النساء وغيرهن. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني- شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م:۱۲۷۰هـ): ۱۴/۱۹۰، سورة الحديد، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

عن سعد بن مسعود، أن عثمان بن مظعون، أتى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ائذن لنا في الاختصاء، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا من خصى ولا اختصى، إن خصاء أمتي الصيام، فقال: يا رسول الله، ائذن لنا في السياحة، فقال: إن سياحة أمتي الجهاد في سبيل الله، قال: يا رسول الله، ائذن لنا في الترهب، فقال: إن ترهب أمتي الجلوس في المساجد انتظار الصلاة.

ويروى: لا رهبانية في الإسلام، وذلك مثل الاختصاء، واعتناق السلاسل، وما أشبه ذلك مما كانت الرهبانية تتكلفه وتبتدعه، وضعت عن هذه الأمة. (شرح السنة-محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (م:۵۱۶هـ): ۲/۳۷۰، رقم الحديث: ۴۸۴، كتاب الصلاة، باب فضل القعود في المسجد لانتظار الصلاة، ت: شعيب الأرنؤوط-محمد زهير الشاويش، ط: المكتب الإسلامي- دمشق، بيروت)

(۵) عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى، وابدأ بمن تعول. (صحيح البخاري: ۲/۸۰۶، رقم الحديث: ۵۳۵۶، كتاب النفقات، باب وجوب النفقة على الأهل والعيال، ط: البدر-ديوبند)

وفي هذا الحديث أحكام ـــــــ الأول: أن حق نفس الرجل يقدم على حق غيره. الثاني: أن نفقة الولد والزوجة فرض بلا خلاف. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م:۸۵۵هـ): ۲۱/۱۵، رقم الحديث: ۵۳۵۵، كتاب النفقات، باب: وجوب النفقة على الأهل والعيال، ط: دار إحياء التراث العربي)

[۳] میت کو رات میں دفن کرنا

۱۱۴۲- سوال: اگر رات میں کسی کی موت ہو جائے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تو اس کی نماز جنازہ اور تدفین رات میں جائز ہے یا نہیں؟ یا رات میں ممنوع ہے اور دن میں کرنا ضروری ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً

میت کی تدفین میں جلدی کرنا مستحب ہے؛ اس لیے رات میں تدفین جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۸۷۴، مجمع الأنہر: ۱/ ۱۸۸)[۱]

---

(۱) عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف أنه أخبره، أن مسكينة مرضت، فأخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم بمرضها، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعود المساكين، ويسأل عنهم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا ماتت فآذنوني، فأخرج بجنازتها ليلا، وكرهوا أن يوقظوا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما أصبح رسول الله صلى الله عليه وسلم أخبر بالذي كان منها، فقال: ألم آمركم أن تؤذنوني بها، قالوا: يا رسول الله، كرهنا أن نوقظك ليلا، فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى صف بالناس على قبرها، وكبر أربع تكبيرات. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي-أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۴/ ۴۰، رقم الحديث: ۱۹۰۷، كتاب الجنائز، الإذن بالجنازة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب ☆ الموطأ- مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (م: ۱۷۹هـ): ۲/ ۳۱۸، رقم الحديث: ۷۷۴/ ۲۵۸، كتاب الجنائز، ما جاء في التكبير على الجنائز، ت: محمد مصطفى الأعظمي، ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية-أبو ظبي-الإمارات)

عن علي بن أبي طالب، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له: "يا علي، ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا آنت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفوا". (سنن الترمذي: ۱/ ۴۳، رقم الحديث: ۱۷۱، كتاب الصلاة، باب الوقت الأول من الفضل، وراجع رقم الحديث: ۱۰۷۵ ☆ مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/ ۱۹۷، رقم الحديث: ۸۲۸، مسند علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، ط: الرسالة)

لا يكره الدفن ليلا. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله: ولا يكره الدفن ليلا) والمستحب كونه نهارا شرح المنية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۵، باب صلاة الجنائز، تتمة قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس، مطلب في وضع الجريد ونحو الآس على القبور، ط: دار الفكر)

وفي البرهان ويكره الدفن ليلا بلا عذر لقوله صلى الله عليه وسلم: "لا تدفنوا موتاكم بالليل إلا أن تضطروا" رواه ابن ماجه، وفي الجوهرة: لا بأس بذلك؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم دفن ليلة أربعاء وعثمان وفاطمة و =

علماء نے دن میں تدفین کو مستحب لکھا ہے؛ کیوں کہ اس میں تدفین میں شریک ہونے والوں کے لیے سہولت وآسانی ہوتی ہے، پس اگر رات میں سنت طریقہ پر تدفین کے لیے لوگ جمع ہوجاتے ہوں، تو رات میں تدفین بلا کراہت جائز ہے، خواہ میت مرد ہو یا عورت۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] نومولود کے مرنے پر غسل، کفن، دفن وغیرہ کے احکام

۱۱۴۳- سوال: محترم حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم بمندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات عنایت فرمائیں:۔۔۔۔(۱) بچہ زندہ پیدا ہو، پھر مرجائے، تو اس کے غسل اور کفن ودفن وغیرہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

بچے کے بدن کا نصف سے زائد حصہ اس حال میں خارج ہوا ہو کہ وہ زندہ ہو، تو اسے زندہ شمار کیا جاتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ نصف سے زائد حصہ کسے کہتے ہیں؟

(۲) اگر بچہ زندہ نہ نکلے؛ لیکن اس کے اعضاء بن چکے ہوں، تو کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کچھ بھی اعضاء نہ بنے ہوں، تو کیا حکم ہے؟

(۴) بچہ جب مرا ہوا پیدا ہو، تو اس کی نال کو جدا کر کے دفن کیا جائے یا نال کے ساتھ؟

(۵) اگر عورت مرجائے اور بچہ پیٹ میں زندہ ہو، تو کیا کیا جائے؟ اسی طرح برعکس صورت ہو یعنی بچہ مرجائے اور عورت زندہ ہو تو؟ نیز بچہ اور ماں دونوں مرجائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

(۱) بچہ جب زندہ پیدا ہو، پھر مرجائے، تو اس کے لیے سنت کے موافق غسل، کفن، دفن اور نماز جنازہ کا حکم ہے، نصف سے زائد حصہ اس حال میں خارج ہوا ہو کہ وہ زندہ ہو، تب بھی یہی حکم ہے، یعنی اگر سر

=عائشة رضي الله تعالى عنهم دفنوا ليلا، ولكنه بالنهار أفضل، لأنه أمكن اهـ (حاشية الطحطاوي على المراقي- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:۱۲۳۱هـ) ص: ۶۱۳، فصل في حملها و دفنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ولا يكره الدفن ليلا، والمستحب النهار، وهو قول أهل العلم من فقهاء الأمصار، منهم عقبة بن عامر، وسعيد بن المسيب، وشريح، وعطاء، والثوري، والشافعي، وأحمد، وإسحاق، وكرهه الحسن البصري والظاهرية، لحديث جابر قال: زجر النبي - عَلَيْهِ السَّلَامُ - أن يقبر الرجل بالليل حتى يصلى عليه، إلا أن يضطر إنسان إلى ذلك، رواه مسلم. (البناية شرح الهداية- بدر الدين العيني (م:۸۵۵هـ): ۳/۲۶۱، فصل في الدفن، الدفن ليلا، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

کی طرف سے خارج ہوا (نکلا) ہو، تو سینہ نکلنے تک، اور پیر کی طرف سے خارج ہوا ہو، تو ناف کا حصہ نکلنے تک اگر وہ بہ قید حیات ہے، تو وہ زندہ بچے کے حکم میں ہے۔[1] اور اس کے لیے وہ سب احکام ہوں گے، جو مکمل زندہ پیدا ہونے والے بچے کے ہیں۔ اور زندہ پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ بچے نے کوئی آواز نکالی ہو، یا کوئی حرکت کی ہو، مثلاً آنکھ جھپکنا وغیرہ۔ (طحطاوی: ۳۲۸، شامی: ۱/ ۸۲۹)[2]

اور زندہ پیدا ہوا یا نہیں؟ اس کے متعلق عادل دایہ، یا بچے کی ماں کی شہادت بھی معتبر ہوگی، پس غسل ونماز کی بابت اس کی شہادت پر عمل کیا جائے گا، اور دینی خبروں میں (جب کہ اس میں الزام نہ ہو) ایک عادل کی گواہی معتبر ہوتی ہے۔ (شامی: ۱/ ۸۲۹)[3]

(۲) بچہ مرا ہوا پیدا ہوا، تو اگر اس کے جسم کے تمام اعضاء بن چکے ہیں، تو اس کو نہلا یا جائے، کفنا یا جائے، نام رکھا جائے اور قبرستان میں دفن کر دیا جائے؛ لیکن نماز نہیں پڑھی جائے گی۔[4] اور نصف اعضاء بنے ہوں (یعنی آدھا دھڑ ہو) یا کوئی ایک عضو بنا ہو، جس کو پہچانا جا سکتا ہو، تو اس کو نہلانے کے متعلق علماء کا

---

(۱) وجد الأكثر من قبل الرجل سرته، ومن قبل الرأس صدره، نهر عن منية المفتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۲۷، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم: إذا قال: إن شتمت فلانا في المسجد، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية الطحطاوي، ص: ۵۹۶، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۲] (ومن ولد فمات يغسل ويصلى عليه) ويرث ويورث ويسمى (إن استهل) ... أي وجد منه ما يدل على حياته بعد خروج أكثره. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله يغسل ويصلى عليه) أي ويكفن، ولم يصرح به لعلمه مما ذكره لأن ستر العورة شرط لصحة الصلاة تأمل... (قوله أي وجد منه ما يدل على حياته) أي من بكاء أو تحريك عضو أو طرف ونحو ذلك بدائع، وهذا معناه في الشرع كما في البحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۲۷، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم: إذا قال: إن شتمت فلانا في المسجد، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية الطحطاوي، ص: ۵۹۶، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۳] ولو شهدت القابلة أو الأم على الاستهلال تقبل في حق الغسل والصلاة عليه لأن خبر الواحد في الديانات مقبول إذا كان عدلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۲۷، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم: إذا قال: إن شتمت فلانا في المسجد، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۲، فصل شرائط وجوب الغسل، ط: دار الكتب العلمية)

(۴) (ومن ولد فمات يغسل ويصلى عليه) ويرث ويورث ويسمى (إن استهل) ... (وإلا) يستهل (غسل وسمي) عند الثاني وهو الأصح فيفتى به على خلاف ظاهر الرواية؛ إكراما لبني آدم كما في ملتقى البحار.... (وأدرج في خرقة ودفن ولم يصل عليه). [الدر المختار مع الشامي: ۲/ ۲۲۷-۲۲۸، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ☆ البحر الرائق مع منحة الخالق: ۲/ ۲۰۲، كتاب الجنائز، الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار الكتاب الإسلامي]

اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ اس کو غسل دیا جائے گا، جب کہ بعض علماء کی رائے ہے کہ اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔ شامی اور طحطاوی وغیرہ میں ہے کہ جن علماء نے غسل سے منع کیا ہے، تو ان کی مراد "غسل مسنون" ہے، یعنی سنت کے مطابق غسل دینا ضروری نہیں، اور جنہوں نے غسل کا کہا ہے، ان کی مراد صرف پانی بہا دینا ہے اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا ہے، گویا اس مسئلے میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے۔[۵]

خلاصہ یہ کہ مرا ہوا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں اگر اس کے کچھ اعضاء بن چکے ہوں، تو پانی بہا کر، نام رکھ کر، ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا، مسنون غسل اور مسنون کفن کا التزام نہیں کیا جائے گا، نیز نماز بھی نہیں پڑھی جائے گی۔

(۳) آپ نے جو صورت لکھی ہے کہ کوئی عضو نہ بنا ہو، تو وہ یا تو خون ہوگا یا گوشت کا لوتھڑا ہوگا، اس کے لیے غسل، کفن؛ بل کہ دفن کا بھی حکم نہیں ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے، جب کہ حمل کے چار مہینے نہ ہوئے ہوں؛ چار مہینہ کے بعد تو بچے کے اعضاء بن جاتے ہیں اور اس میں روح آجاتی ہے۔[۶] شامی، طحطاوی اسی

(۵) (قوله: وإلا يستهل غسل وسمي) شمل ما تم خلقه، ولا خلاف في غسله وما لم يتم، وفيه خلاف. والمختار أنه يغسل ويلف في خرقة، ولا يصلى عليه كما في المعراج والفتح والخانية والبزازية والظهيرية شرنبلالية. وذكر في شرح المجمع لمصنفه أن الخلاف في الأول، وأن الثاني لا يغسل إجماعا. اهـ ـــــــ واغتر في البحر بنقل الإجماع على أنه لا يغسل. فحكم على ما في الفتح والخلاصة من أن المختار تغسيله بأنه سبق نظرهما إلى الذي تم خلقه أو سهو من الكاتب. واعترضه في النهر بأن ما في الفتح والخلاصة عزاه في المعراج إلى المبسوط والمحيط اهـ وعلمت نقله أيضا عن الكتب المذكورة. وذكر في الأحكام أنه جزم به في عمدة المفتي والفيض والمجموع والمبتغى اهـ فحيث كان هو المذكور في عامة الكتب فالمناسب الحكم بالسهو على ما في شرح المجمع لكن قال في الشرنبلالية: يمكن التوفيق بأن من نفى غسله أراد غسل المراعى فيه وجه السنة، ومن أثبته أراد الغسل في الجملة كصب الماء عليه من غير وضوء، وترتيب لفعله كغسله ابتداء بسدر وحرض. اهـ. قلت: ويؤيده قولهم ويلف في خرقة حيث لم يراعوا في تكفينه السنة فكذا غسله. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۲۸، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم: إذا قال: إن شتمت فلانا في المسجد، ط: دار الفكر ☆ حاشية الطحطاوي، ص: ۵۹۶، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۶) قال القاضي عياض ولم يختلف أن نفخ الروح فيه يكون بعد مائة وعشرين يوما وذلك تمام أربعة أشهر ودخوله في الخامس وهذا موجود بالمشاهدة. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۳/۲۹۵، كتاب الحيض، باب مخلقة وغير مخلقة، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ حاشية النووي على الصحيح لمسلم: ۱۶/۱۹۱، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه، وكتابة رزقه، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

طرح فقہ کی دیگر کتابیں اور اوران کی شروحات میں ہے کہ جب چار مہینے مکمل ہونے کے بعد حمل ساقط ہوجائے، تو قیامت کے دن اس کو پورا بچہ بنا کر اٹھایا جائے گا اور وہ بچہ اپنے ماں باپ کے حق میں سفارش کرے گا۔[۷] اس لیے اوپر (شق نمبر دو میں) پانی بہانے (نہلانے) کا جو حکم ہے، وہ اسی احترام کے پیش نظر ہے کہ قیامت کے دن اس کو مکمل کر کے اٹھایا جائے گا۔[۸]

پس جس میں روح نہ ڈالی گئی ہو اور اس کی پہچان عموماً اس طرح ہوتی ہے کہ جسم کا کوئی حصہ نہ بنا ہو، تو اس کے لیے پانی بہانے، کفنانے اور دفنانے کا حکم نہیں ہے۔

(۴) نال کے متعلق حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی صریح حکم مجھے نہیں ملا، البتہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ میت کے بال اور ناخن کاٹنا مکروہ ہے، اسی طرح ختنہ کرنا بھی جائز نہیں، اس کے اوپر قیاس کر کے کہا جاسکتا ہے کہ نال کو نہیں کاٹا جائے گا۔ (اوپر شق نمبر تین میں بیان کردہ) حضرت علی کی روایت کے بہ موجب جو بچہ ناقص الخلقت پیدا ہوتا ہے، وہ بھی قیامت کے دن اپنے والدین کو، جو جہنم میں جاچکے ہوں گے، سفارش کر کے جنت میں داخل کرائے گا، وہ اپنی نال کے ذریعہ کھینچ کر جہنم سے جنت میں داخل کرے گا، اس لیے بچہ کی نال نہ کاٹنا بہتر ہے، بہتر اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، دوسری نال بھی

---

(۷) عن علي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إن السقط ليراغم ربه، إذا أدخل أبويه النار، فيقال: أيها السقط المراغم ربه أدخل أبويك الجنة، فيجرهما بسرره، حتى يدخلهما الجنة ". [قال أبو علي: يراغم ربه، يغاضب] (سنن ابن ماجه: ۱/ ۱۱۵، رقم الحديث: ۱۶۰۸، كتاب الجنائز، باب ما جاء فيمن أصيب بسقط، ط: المكتبة الأشرفية- ديوبند ☆ الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار- أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵ھ): ۳/ ۳۷، رقم الحديث: ۱۱۸۸۷، كتاب الجنائز، في ثواب الولد يقدمه الرجل، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد- الرياض)

(۸) قوله: " ويحشر ان بان بعض خلقه " هو الذي يقتضيه مذهب أصحابنا لأنه يثبت له حرمة بني آدم بدليل ثبوت الأحكام الشرعية له كاستيلاد وانقضاء عدة نهر وقد قالوا: إن السقط يحيا في الآخرة وترجي شفاعته واستدلوا بما روى أبو عبيدة مرفوعا أن السقط ليقف محبنطئا على باب الجنة فيقول لا أدخل حتى يدخل أبواي وقوله محبنطئا يروى بغير همز وبهمز فعلى الأول معناه المتغضب المستبطىء للشيء وعلى الثاني معناه العظيم البطن المنتفخ يعني يغضب وينتفخ بطنه من الغضب حتى يدخل أبواه الجنة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ) ص: ۵۹۸، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

پیدا کر سکتے ہیں۔ (امداد الفتاوی: ۱/ ۳۹۷) [9]

(۵) عورت مرجائے اور بچہ پیٹ میں زندہ ہو، تو پیٹ چیر کر (سرجری کراکے) بچہ نکال لیں گے، تاکہ بچہ کی جان بچ جائے، اور برعکس صورت میں یعنی بچہ مرجائے اور عورت زندہ ہو، تو اگر ایسے ہی بچہ کے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو اور عورت کی جان خطرہ میں ہو، تو بچہ کو ٹکڑا کر کے (یا آپریشن کے ذریعہ) کسی طرح نکال لیں گے۔ اور اگر دونوں کی موت ہوگئی ہو، تو پھر بچہ کو پیٹ میں ہی رہنے دیں گے اور ماں کے ساتھ دفن کر دیں گے، اب اس کو نہیں نکالیں گے؛ کیوں کہ بلا ضرورت ستر کھولنا حرام ہے، اسی طرح بچہ جو ایک کامل انسان کا حکم رکھتا ہے، اس کے ٹکڑے کرنا انسان کے احترام کے خلاف ہے۔ (طحطاوی: ۳۲۸) [10] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] مراہوا بچہ پیدا ہو، تو اس کو قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا؟

۱۱۴۴- سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بچہ اگر ماں کے پیٹ سے مراہوا پیدا ہو تو اس کو قبرستان میں دفن نہ کیا جائے؛ بل کہ قبرستان سے باہر کسی الگ جگہ دفن کیا جائے، اس کے متعلق علمائے کرام کیا فرماتے ہیں؟

اختر اکبرآدم جی

الجواب حامداومصلیا:

بچہ اگر ماں کے پیٹ ہی سے مراہوا پیدا ہو، تو اسے غسل دے کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر، قبرستان

---

(۹) تفصیل کے لیے دیکھیے: امداد الفتاوی: ۱/ ۳۷-۳۹۷، باب الجنائز، حکم قطع سرہ طفل بعد موت، سوال نمبر: ۶۸۶، ط: زکریا- دیوبند)

(۱۰) (حامل ماتت وولدها حي) يضطرب (شق بطنها) من الأيسر (ويخرج ولدها) ولو بالعكس وخيف على الأم قطع وأخرج ولو ميتا وإلا لا كما في كراهة الاختيار. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله من الأيسر) كذا قيده في الدرر، ولينظر وجهه (قوله: ولو بالعكس) بأن مات الولد في بطنها وهي حية (قوله قطع) أي بأن تدخل القابلة يدها في الفرج وتقطعه بآلة في يدها بعد تحقق موته... (قوله: وإلا لا) أي ولو كان حيا لا يجوز تقطيعه لأن موت الأم به موهوم، فلا يجوز قتل آدمي حي لأمر موهوم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۸، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر- بيروت ☆ حاشية الطحطاوي: ص: ۵۹۷، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ط: دار الكتب العلمية ☆ فتح القدير: ۲/ ۱۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۵/ ۱۳۰، كتاب الاستحسان، ط: دار الكتب العلمية ☆ المحيط البرهاني: ۵/ ۳۸۰، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الثالث والعشرون فيما يسع من الجراحات في بني آدم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ہی میں دفن کیا جائے، جب احترام واکرام انسانیت کی بناء پر اس کے غسل کو راجح قرار دیا گیا ہے، تو اسے اسی وجہ سے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی کیا جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۸۳۱، مجمع الانہر: ۱/ ۴۵۳، عالم گیری: ۱/ ۱۲۷)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۲] رشتہ داروں کے انتظار میں تدفین میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟

۱۱۴۵- سوال: عموماً ہمارے معاشرے میں ۲۵ یا ۵۰ کلومیٹر، بل کہ ۴۰۰ سے ۵۰۰ کلومیٹر دور سے رشتہ داروں کو تدفین کے لیے بلانے کا رواج ہے، اور بسا اوقات ان کے انتظار میں میت کو ۲۴ گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ رکھنا پڑتا ہے، تو اس طرح میت کو روک کر تدفین کے لیے (رشتہ داروں کو) جمع کرنے کی شریعت میں گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رشتہ داروں کو اطلاع دے کر بلانے میں مضائقہ نہیں، ان کا حق ہے کہ تدفین میں شریک ہوں؛ لیکن بہت دور سے آنا ضروری نہیں ہے اور دور کے لوگوں کے انتظار میں زیادہ دیر تک میت کو روکے رکھنا بہتر نہیں ہے۔

(۱) (قوله: وإلا يستهل غسل وسمي) شمل ما تم خلقه، ولا خلاف في غسله وما لم يتم، وفيه خلاف. والمختار أنه يغسل ويلف في خرقة، ولا يصلى عليه كما في المعراج والفتح والخانية والبزازية والظهيرية شرنبلالية. وذكر في شرح المجمع لمصنفه أن الخلاف في الأول، وأن الثاني لا يغسل إجماعا. اهـ ــــــــــ واغتر في البحر بنقل الإجماع على أنه لا يغسل، فحكم على ما في الفتح والخلاصة من أن المختار تغسيله بأنه سبق نظرهما إلى الذي تم خلقه أو سهو من الكاتب. واعترضه في النهر بأن ما في الفتح والخلاصة عزاه في المعراج إلى المبسوط والمحيط اهـ وعلمت نقله أيضا عن الكتب المذكورة. وذكر في الأحكام أنه جزم به في عمدة المفتي والفيض والمجموع والمبتغى اهـ فحيث كان هو المذكور في عامة الكتب فالمناسب الحكم بالسهو على ما في شرح المجمع لكن قال في الشرنبلالية: يمكن التوفيق بأن من نفى غسله أراد غسل المراعى فيه وجه السنة، ومن أثبته أراد الغسل في الجملة كصب الماء عليه من غير وضوء، وترتيب لفعله كغسله ابتداء بسدر وحرض. اهـ. قلت: ويؤيده قولهم ويلف في خرقة حيث لم يراعوا في تكفينه السنة فكذا غسله. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۲۸، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم: إذا قال: إن شتمت فلانا في المسجد، ط: دار الفكر ☆ حاشية الطحطاوي، ص: ۵۹۶، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

افضل یہ ہے کہ میت کو جلد دفن کر دیا جائے؛ کیوں کہ جلد دفنانے کی تاکید وارد ہوئی ہے؛ لہٰذا پانچ-دس گھنٹے (کہ جس میں بہ سہولت قبر کھودی جاسکے اور کفن وغیرہ کا انتظام کیا جاسکے) سے زیادہ انتظار نہ کیا جائے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیامت غفرلہ

[۷] میّت کی تدفین میں کس قدر تاخیر کی گنجائش ہے؟

۱۱۴۶- سوال: بعد از انتقال، میّت کو روکے رکھنے میں شریعت کی طرف سے کتنی گنجائش ہے؟ قریبی اعزہ واقارب کی رعایت ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے، تو کب تک؟ اور کتنی؟ ہمارے یہاں پندرہ بیس گھنٹے روکے رکھنے کا رواج ہے، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) عن الحصين بن وحوح، أن طلحة بن البراء، مرض فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعوده، فقال: إني لا أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت فآذنوني به وعجلوا، فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله. (سنن أبي داود، ص: ۴۵۰، رقم الحديث: ۳۱۵۹، كتاب الجنائز، باب التعجيل بالجنازة وكراهية حبسها، ط: ديوبند)

عن علي بن أبي طالب، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له: "يا علي، ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا أتت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفئا". (سنن الترمذي: ۱/ ۲۰۶، رقم الحديث: ۱۰۷۵، أبواب الجنائز، باب ما جاء في تعجيل الجنازة، ط: ديوبند☆مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱هـ): ۲/ ۱۹۷، رقم الحديث: ۸۲۸، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة)

عن عروة، قال: كان ابن الزبير إذا مات له الميت من أهله قال: عجلوا اعجلوا أخرجوا أخرجوا، قال: فيخرج أية ساعة كانت. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار - أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۳/ ۴۷، رقم الحديث: ۱۲۰۰۲، كتاب الجنائز، من كان يرى التعجيل بالميت ولا يجلس، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

ويعلم به جيرانه وأقرباؤه ويسرع في جهازه. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله ويسرع في جهازه) لما رواه أبو داود "عنه - صلى الله عليه وسلم - لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال ما أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت، فإذا مات فآذنوني، حتى أصلي عليه، وعجلوا به، فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله"، والصارف عن وجوب التعجيل الاحتياط للروح الشريفة، فإنه يحتمل الإغماء. وقد قال الأطباء: إن كثيرين ممن يموتون بالسكتة ظاهرا يدفنون أحياء؛ لأنه يعسر إدراك الموت الحقيقي بها إلا على أفاضل الأطباء، فيتعين التأخير فيها إلى ظهور اليقين بنحو التغير، إمداد، وفي الجوهرة: وإن مات فجأة ترك حتى يتيقن بموته. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۳، باب صلاة الجنائز، قبيل مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر)

الجواب حامداو مصليا:

انتقال کے بعد، جس قدر جلد ممکن ہو، تدفین کردینی چاہیے۔[1] بلا وجہ میت کو روکے رکھنا اور پندرہ بیس گھنٹے رشتے داروں کا انتظار کرنا سنت کے خلاف ہے، ہاں اگر قبر تیار نہ ہوسکی ہو، یا موسم خراب ہو، جس کی وجہ سے تاخیر ناگزیر ہو، توحسب ضرورت تاخیر کی اجازت ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۸] خبر دینے میں قرب وجوار میں سفراور وقت میں کوئی حد متعین ہے؟

۱۱۴۷- سوال: ہمارے یہاں کسی کے انتقال کے بعد رواج کے مطابق قرب وجوار کے گاؤں میں خبر کر کے ان کو بلایا جاتا ہے، کس قدر دور کے لوگوں کو اطلاع دے کر بلانا چاہیے، اس کی کیا حد ہے؟ اس میں بھی ۸ سے ۱۰ گھنٹے میت کو روکے رکھنا پڑتا ہے، تفصیل مطلوب ہے۔

---

(۱) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحة، فخير تقدمونها، وإن يك سوى ذلك، فشر تضعونه عن رقابكم. (صحيح البخاري: ١/١٧٦، رقم الحديث: ١٣١٥، كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ١/٣٠٢، رقم الحديث: ٥٠- (٩٤٤)، كتاب الجنائز، باب الإسراع بالجنازة، ط: ديوبند)

ويعلم به جيرانه وأقرباؤه ويسرع في جهازه. (الدر المختار) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويسرع في جهازه) لما رواه أبو داود "عنه - صلى الله عليه وسلم - لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال ما أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت، فإذا مات فآذنوني، حتى أصلي عليه، وعجلوا به، فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله"، والصارف عن وجوب التعجيل الاحتياط للروح الشريفة، فإنه يحتمل الإغماء. وقد قال الأطباء: إن كثيرين ممن يموتون بالسكتة ظاهرا يدفنون أحياء؛ لأنه يعسر إدراك الموت الحقيقي بها إلا على أفاضل الأطباء، فيتعين التأخير فيها إلى ظهور اليقين بنحو التغير، إمداد، وفي الجوهرة: وإن مات فجأة ترك حتى يتيقن بموته. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ١٩٣، باب صلاة الجنائز، قبيل مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر)

(۲) وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ. (٢٢-الحج: ٧٨)

١ -الضرورات تبيح المحظورات. ٢ -ما أبيح للضرورة يقدر بقدرها. (الأشباه والنظائر على مذهب أبي حنيفة النعمان- زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بـ"ابن نجيم المصري" (م: ٩٧٠هـ) ص: ٧٣، ت: زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

الجواب حامداو مصلیا:

وقت اور سفر کی کوئی حد متعین نہیں ہے، قبر تیار ہوتے ہی دفن کر دینا چاہیے۔ (طحطاوی) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۹] موت کے وقت میّت کے رشتہ داروں کو اطلاع کرنا

۱۱۴۸- سوال: کسی کے انتقال کے وقت اس کے قریبی رشتہ دار لڑکے، لڑکی، بہن، بھائی، ماں باپ وغیرہ- جو ۵۰ رسے ۶۰ رمیل دور ہوتے ہیں- کو خبر کر کے بلایا جاتا ہے، اور تدفین کے لیے ان کا انتظار کیا جاتا ہے، بسا اوقات اس کے لیے ۱۵-۲۰ گھنٹے میّت کو روکا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

موت ہونے سے قرب و جوار کے گاؤں میں رشتہ داروں کو خبر کرنا جائز ہے، بلکہ مستحب ہے،

---

(۱) عن أبي هريرة -رضي الله عنه- عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحة، فخير تقدمونها، وإن يك سوى ذلك، فشر تضعونه عن رقابكم. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۷۶، رقم الحديث: ۱۳۱۵، كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۰۶، رقم الحديث: ۵۰-(۹۴۴)، كتاب الجنائز، باب الإسراع بالجنازة، ط: ديوبند)

وقيل: المراد الإسراع بتجهيزها وتعجيل الدفن بعد تيقن موته. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۸/ ۱۱۳، كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة، تحت رقم الحديث: ۱۳۱۵، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

"ويستحب الإسراع بها" لقوله صلى الله عليه وسلم: "أسرعوا بالجنازة" أي ما دون الخبب كما في رواية ابن مسعود رضي الله عنه "فإن تك صالحة فخير تقدمونها إليه وإن تك غير ذلك فشر تضعونه عن رقابكم" وكذا يستحب الإسراع بتجهيزه كله "بلا خبب". (مراقي) ــــــــــ قال الطحطاوي (م: ۱۲۳۱هـ): قوله: "وكذا يستحب الإسراع بتجهيزه كله" أي من حين موته فلو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة يكره تأخير الصلاة عليه ليصلي عليه الجمع العظيم بعد صلاة الجمعة ولو خافوا فوت الجمعة بسبب دفنه يؤخر الدفن اهـ من السيد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۰۳، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

مزید تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیں عنوان: "میّت کی تدفین میں کس قدر تاخیر کی گنجائش ہے؟" کا حاشیہ۔

(طحطاوی: ص:۳۰۹)[۱] خود امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب قائم کرکے دو حدیثیں ذکر کی ہیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے نجاشی بادشاہ کی وفات کی خبر دی، اور عیدگاہ کی طرف نکل کر نماز ادا کی۔[۲]

(۲) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: زیدؓ شہید ہو گئے، اور جھنڈا حضرت جعفرؓ نے لیا، وہ بھی شہید ہو گئے، تو جھنڈا حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نے لیا، وہ بھی شہید ہو گئے، آپ ﷺ خبر دے رہے تھے صحابہؓ کو، اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، بعد میں حضرت خالدؓ نے جھنڈا اٹھایا، اور ان کے ہاتھوں کامیابی حاصل ہوئی۔ (بخاری: ۱/ ۱۶۷-۱۶۶)[۳]

---

[۱] "ولا بأس بإعلام الناس بموته" بل يستحب لتكثير المصلين عليه؛ لما روى الشيخان أن صلى الله عليه وسلم نعى لأصحابه النجاشي في اليوم الذي مات فيه، وأنه نعى جعفر بن أبي طالب، وزيد بن حارثة، وعبد الله بن رواحة. وقال في النهاية: إن كان عالما أو زاهدا أو ممن يتبرك به فقد استحسن بعض المتأخرين النداء في الأسواق لجنازته، وهو الأصح اهـ. وكثير من المشايخ لم يروا بأسا بأن يؤذن بالجنازة؛ ليؤدي أقاربه وأصدقاؤه حقه لكن لا على جهة التفخيم والإفراط في المدح. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح- حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹ھ) ص: ۲۱۳، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مدخل، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية ☆ البحر الرائق: ۲/ ۱۹۰، كتاب الجنائز، شروط صلاة الجنازة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۳، باب صلاة الجنائز، قبيل مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر)

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نعى النجاشي في اليوم الذي مات فيه خرج إلى المصلى، فصف بهم وكبر أربعا. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶۷، رقم الحديث: ۱۲۴۵، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، ط: ديوبند)

فيه إباحة النعي، وهو أن ينادى في الناس أن فلانا مات ليشهدوا جنازته، وقال بعض أهل العلم: لا بأس أن يعلم الرجل قرابته وإخوانه، وعن إبراهيم: لا بأس أن يعلم قرابته. وقال شيخنا زين الدين: إعلام أهل الميت وقرابته وأصدقائه استحسنه المحققون والأكثرون من أصحابنا وغيرهم، وذكر صاحب (الحاوي) من أصحابنا وجهين في استحباب الإنذار بالميت وإشاعة موته بالنداء والإعلام، فاستحب ذلك بعضهم للغريب والقريب لما فيه من كثرة المصلين عليه والداعين له، وقال بعضهم: يستحب ذلك للغريب ولا يستحب لغيره. وقال النووي: والمختار استحبابه مطلقا إذا كان مجرد إعلام. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م:۸۵۵ھ): ۸/ ۱۹، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

[۳] عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: أخذ الراية زيد فأصيب، ثم أخذها جعفر فأصيب، ثم أخذها عبد الله بن رواحة فأصيب - وإن عيني رسول الله صلى الله عليه وسلم لتذرفان - ثم أخذها خالد بن الوليد من غير إمرة ففتح له. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶۷، رقم الحديث: ۱۲۴۶، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، ط: ديوبند)

لامع الدراری میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تقریر میں لکھا ہے: فقط خبر دینا منع نہیں ہے، خبر دینا جائز ہے۔ (جلد: ۲/ ۱۰۸) [۴] خبر دینے کا مقصد بھی صحیح ہے، آدمی کی وفات ہوئی ہے، لین دین کا حساب وکتاب ہو، تو وارثوں کے ساتھ بات کریں، میت کے رشتہ دار ملکیت کے وارث ہوں، تو وہ آکر اپنے مال پر قبضہ کریں، اور ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ میت کے لیے رشتہ دار جمع ہو کر تلاوت نیز تسبیح وتحمید پڑھ کر میت کے لیے ایصالِ ثواب کریں، جنازہ کی نماز پڑھ کر مرحوم کے لیے دعاءِ مغفرت کریں، وغیرہ مقاصدِ صحیحہ ہیں، اس لیے خبر دینا جائز ہے، اس میں متعدد فائدے ہیں۔ [۵] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] غیر مسلم کی تجہیز وتکفین میں شرکت

۱۱۴۹- سوال: اگر کسی غیر مسلم کے یہاں کسی کا انتقال ہو جائے، تو وہاں جا کر اختتام تک ان کی آخری رسوم میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کافر خواہ رشتہ دار ہو یا غیر، اس کی تعزیت جائز ہے، غیر مسلم اقرباء کے ساتھ مواسات اور مکارم

---

[۴] إن مجرد الإعلام غير منهي عنه، وإنما ينهى من الإعلام ما كان على حسب الجاهلية وإلا فلا كراهة في مجرد الإعلام الخالي عن شوائب الجهل والجاهلية. (لامع الدراري على جامع البخاري - رشيد أحمد الكنكوهي (م: ۱۳۲۳هـ): ۲/ ۱۰۸، كتاب الجنائز، باب الإذن بالجنازة، ترتيب: يحيى الكاندهلوي، تعليق: زكريا الكاندهلوي، ط: المكتبة الأشرفية - ديوبند)

وفائدة هذه الترجمة الإشارة إلى أن النعي ليس ممنوعا كله وإنما نهي عما كان أهل الجاهلية يصنعونه فكانوا يرسلون من يعلن بخبر موت الميت على أبواب الدور والأسواق. (فتح الباري شرح صحيح البخاري - أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م: ۸۵۲هـ): ۳/ ۱۱۶، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، ط: دار المعرفة - بيروت)

[۵] ... لكن في تلك المفسدة مصالح جمة لما يترتب على معرفة ذلك من المبادرة لشهود جنازته وتهيئة أمره والصلاة عليه والدعاء له والاستغفار وتنفيذ وصاياه وما يترتب على ذلك من الأحكام. (فتح الباري: ۳/ ۱۱۷، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، ط: دار المعرفة - بيروت)

قال ابن العربي: يؤخذ من مجموع الأحاديث ثلاث حالات: الأولى إعلام الأهل والأصحاب وأهل الصلاح، فهذا سنة، الثانية دعوة الحفل للمفاخرة، فهذه تكره، الثالثة الإعلام بنوع آخر كالنياحة ونحو ذلك، فهذا يحرم. (حوالہ سابق: ۳/ ۱۱۷)

اخلاق کا برتاؤ بہتر ہے، کیوں کہ یہ ان کی دل جوئی اور اسلام کے قریب لانے کا سبب ہے، البتہ کافر کی زیارتِ قبر اور تجہیز وتکفین میں شرکت میں اختلاف ہے، بعض علماء شافعیہ نے غیر مسلم رشتہ دار کی تجہیز وتکفین اور زیارتِ قبر کی اجازت دی ہے اور بعض نے حرام قرار دیا ہے اور بعض نے مکروہ کہا ہے، جب کہ بعض کی رائے مباح بمعنی جائز غیر مکروہ کی ہے۔

جو حضرات جواز کے قائل ہیں، ان کے نزدیک بھی شرط یہ ہے کہ اس سے مقصود ان کی دل جوئی، تالیف قلب، مواسات اور اسلام سے قریب لانا ہو، یا دفع مضرت کے لیے ہو، کہ اگر شرکت نہ کی، تو فتنہ اور تکلیف کا باعث ہوگا، نیز ان حالات میں صرف شرکت کی اجازت ہوگی، اگر شرکت وزیارت میں تعظیم میت کی غرض ہو، تو پھر حرام ہوگا۔ (تحفۃ المحتاج مع شرح المنہاج۔ جلد ۳ صفحہ ۳۰۰)[1]

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بلاضرورت کسی کافر کے جنازہ یا تجہیز وتکفین کی رسومات میں از ابتدا تا اختتام، شرکت جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ **"من تشبه بقوم فهو منهم"**[2] اور **"من كثر سواد**

---

[١] (ولا بأس باتباع) بالتشديد (المسلم جنازة قريبه الكافر) فلا كراهة فيه خلافا للروياني لخبر أبي داود وغيره بسند حسن، ووقع في المجموع بإسناد ضعيف "أنه - صلى الله عليه وسلم - أمر عليا كرم الله وجهه أن يواري أبا طالب"، قال الإسنوي: ولا دليل فيه؛ لأنه كان يلزمه تجهيزه كمؤنته في حياته، ويرد بأنه كان له أولاد غيره وبفرضه فلا يلزمه تولي ذلك بنفسه، فكان الدليل في توليه له بنفسه، ويجوز له زيارة قبره أيضا وكالقريب زوج ومالك، قال شارح وجار، واعترض بأن الأوجه تقييده برجاء إسلام أي لنحو قريبه أو خشية فتنة، وأفهم المتن حرمة اتباع المسلم جنازة كافر غير نحو قريب، وبه صرح الشاشي. (تحفة المحتاج في شرح المنهاج-أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي (م: ٩٧٤هـ): ١٨٧/٣، كتاب الجنائز، فصل في الدفن وما يتبعه، ط: المكتبة التجارية الكبرى بمصر =دار إحياء التراث العربي - بيروت)

وقال الإمام عبد الحميد الشرواني: (قوله ويجوز له إلخ) أي مع الكراهة نهاية ومغني (قوله زيارة قبره) أي قبر قريبه الكافر نهاية (قوله وكالقريب زوج إلخ) مفهومه أنه يحرم عليه ذلك إذا كان غير نحو قريب وهو الموافق لما يأتي عن الشاشي ولو قيل بكراهته هنا كما أن المعتمد كراهة اتباع جنازته لم يكن بعيدا هذا وسيأتي للشارح م ر أن زيارة قبور الكفار مباحة خلافا للماوردي في تحريمها وهو بعمومه شامل للقريب وغيره وقضية التعبير بالإباحة عدم الكراهة إلا أن يراد بها عدم الحرمة ويدل لذلك مقابلته بكلام الماوردي. (حاشية الإمام عبد الحميد الشرواني على تحفة المحتاج: ١٨٧/٣، كتاب الجنائز، فصل في الدفن وما يتبعه)

(٢) سنن أبي داود: ٥٥٩/٢، رقم الحديث: ٤٠٣١، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ط: مكتبة الاتحاد- ديوبند ☆ جامع الأحاديث، رقم: ٢٠٢٧٨، حرف الميم قسم الأقوال، عن ابن عمر وحذيفة، ط: دار الفكر، بيروت.

قوم فھو منھم‘‘[۳] کا مصداق ہے، اگر چہ خود کوئی فعل انجام نہ دیتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔[۴] علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ’’یہ آیت گرچہ عبد اللہ بن ابی بن سلول (رئیس المنافقین) کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے، لیکن سب ہی کفار کو عام ہے، جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔‘‘[۵]

اگر چہ یہ آیت صلاۃ جنازہ اور قبر پر دعا کی ممانعت کے لیے ہے؛ لیکن رسومات کفار اور شرکیہ اعمال کی مجلس میں شرکت ایک مستقل گناہ ہے، ارشاد ربانی ہے: وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝[۶]

معارف القرآن میں اس آیت اور اس کے بعد والی آیت کے ’’خلاصہ تفسیر‘‘ میں ہے:

’’اور (اے مخاطب) جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات (اور احکام) میں عیب جوئی کر رہے ہیں، تو ان لوگوں (کے پاس بیٹھنے) سے کنارہ کش ہو جا، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جاویں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے (یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت یاد نہ رہے) تو (جب یاد آوے) یاد آنے کے بعد پھر

(۳) جامع الأحادیث-السیوطي (م:۹۱۱ھ): حرف المیم قسم الأقوال، رقم: ۲۳۶۹۹، طبع علی نفقة: د حسن عباس زکي.

(۴) ۹-التوبة: ۸۴.

(۵) وهذا حكم عام في كل من عرف نفاقه، وإن كان سبب نزول الآية في عبد الله بن أبي بن سلول رأس المنافقين، كما قال البخاري: حدثنا عبيد بن إسماعيل، عن أبي أسامة، عن عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر قال: لما توفي عبد الله -هو ابن أبي- جاء ابنه عبد الله بن عبد الله إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسأله أن يعطيه قميصه يكفن فيه أباه، فأعطاه، ثم سأله أن يصلي عليه، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي عليه، فقام عمر فأخذ بثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، تصلي عليه وقد نهاك ربك أن تصلي عليه؟! فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما خيرني الله فقال: {استغفر لهم أو لا تستغفر لهم إن تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم} وسأزيده على السبعين". قال: إنه منافق! قال: فصلى عليه [رسول الله صلى الله عليه وسلم] فأنزل الله، عز وجل، آية: {ولا تصل على أحد منهم مات أبدا ولا تقم على قبره} ـــــ وكذا رواه مسلم عن أبي بكر بن أبي شيبة، عن أبي أسامة حماد بن أسامة، به. (تفسير القرآن العظيم- أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴ھ): ۴/ ۱۹۳، سورة التوبة، رقم الآية: ۸۴، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

(۶) ۶-الأنعام: ۶۸.

ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھ (بل کہ فوراً اٹھ کھڑا ہو) اور (اگر کوئی واقعی دنیوی یا دینی ضرورت ایسی مجلس میں جانے کی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ) جو لوگ (ممنوعات شرعیہ سے جن میں بلا ضرورت ایسی مجلس میں جانا بھی داخل ہے) احتیاط رکھتے ہیں، ان پر ان (طاعنین ومکذبین) کی باز پرس (اور گناہ طعن) کا کوئی اثر نہ پہنچے گا (یعنی بضرورت وہاں جانے والے گنہگار نہ ہوں گے) لیکن ان کے ذمہ (بشرط قدرت) نصیحت کر دینا ہے شاید وہ (طعنے دینے والے) بھی (ان خرافات سے) احتیاط کرنے لگیں (خواہ قبول اسلام کر کے خواہ ان کے لحاظ سے) اور (کچھ مجلس تکذیب کی تخصیص نہیں، بلکہ) ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنھوں نے اپنے (اس) دین کو (جس کا ماننا ان کے ذمہ فرض تھا یعنی اسلام کو) لہو ولعب بنا رکھا ہے (کہ اس کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں) اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے (کہ اس کی لذات میں مشغول ہیں، اور آخرت کے منکر ہیں، اس لیے اس تمسخر کا انجام نظر نہیں آتا) اور (کنارہ کشی وترک تعلقات کے ساتھ ایسے لوگوں کو) اس قرآن کے ذریعہ سے (جس سے یہ تمسخر کر رہے ہیں) نصیحت بھی کرتا رہ تا کہ کوئی شخص اپنے کردار (بد) کے سبب (عذاب میں) اس طرح نہ پھنس جاوے کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا مددگار ہو اور نہ سفارشی ہو۔“(۷)

الغرض تفریح طبع کے لیے یا صرف خوشامد کے لیے یا کسی دنیوی غرض کے لیے ایسی مذکورہ شرکت جائز نہیں ہے۔

ہاں! ایسے اشخاص جو درحقیقت مصالح عامۃ المسلمین کے لیے ممبران پارلیمنٹ منتخب ہو کر جاتے ہیں، یا کسی سرکاری منصب پر فائز ہوتے ہیں، اور قوم کی خدمت کا جذبہ ان میں موجزن ہوتا ہے، ان کو سرکاری طور پر ایسے مواقع پیش آجائیں کہ غیر مسلموں کی سمادھی پر حاضری وشرکت سے مفر نہ ہو، تو مصالح عامہ اور ان کی مجبوری وضرورت کے پیش نظر صرف شرکت ظاہری، ”دل میں نفرت کے ساتھ“ جائز ہوگی اور **"الضرورات تبیح المحظورات"**[۸] اور **"الأمور بمقاصدھا"**[۹] کے ماتحت گنجائش رہے گی۔(۱۰)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۷) معارف القرآن: ۳/ ۳۹۸، سورۂ انعام۔

[۸] الأشباہ والنظائر - ابن نجیم، ص: ۷۳، تحت القاعدۃ الخامسۃ: الضرر یزال.

[۹] الأشباہ والنظائر: ۲۳، القاعدۃ الثانیۃ.

(۱۰) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے اسی فتاویٰ کی پہلی جلد (ص: ۲۶۷-۲۷۱) کا عنوان: مصلحت کی بنا پر کسی غیر مسلم کی ”آخری رسم“ میں شرکت موجب کفر ہے؟

[۱۱] خاتون کی قبر میں محرم کا اترنا ضروری نہیں

۱۱۵۰- سوال: ایک خاتون کا انتقال ہوگیا، رشتہ داروں میں شوہر کا چچا زاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی اور ماموں زاد بھائی ہے، سوال یہ ہے کہ ان کی قبر میں شوہر کے مذکورہ رشتے دار اتر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

بہتر یہ ہے کہ قبر میں خاتون کو اتارنے کے لیے کوئی محرم اترے؛ کیوں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قبر میں میت کو اتارتے وقت کفن کا کچھ حصہ کھل جاتا ہے، اور میت کے جسم پر ہاتھ لگ جاتا ہے، اگر محرم نہ ہو، تو مذکورہ رشتے دار بھی قبر میں اتر سکتے ہیں، بھانجے کا اترنا بہتر ہے، اور اگر غیر محرم رشتہ دار بھی کوئی نہ ہو، تو دین دار اور متقی و پرہیز گار شخص اترے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۶)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] جنیو باندھنے اور ہندو کی رسم ادا کرنے والے کی تجہیز و تکفین

۱۱۵۱- سوال: ایک شخص سید عبدالرحمن بن سید علی ایک ہندو خاتون کے ساتھ رہتے تھے، جن سے ناجائز تعلقات تھے، دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گزارتے تھے، ہندوؤں کی ساری رسومات ادا کرتے تھے، جنیو [وہ بٹا ہوا دھاگہ، جسے ہندو لوگ بدھی کی طرح گلے میں ڈالے رہتے ہیں۔ (فیروز اللغات: ۴۷۶)] پہنتے تھے، ٹیکہ لگاتے تھے، بیوی کے ساتھ مندر بھی جاتے تھے، ہندوؤں کی طرح جب استنجاء کرتے، تو جنیو کان میں پہن لیتے۔

---

[۱] ویستحب أن یکونوا أقویاء أمناء وصلحاء، کذا في التتارخانیة، وذو الرحم المحرم أولی بإدخال المرأة من غیرهم، کذا في الجوهرة النیرة، وکذا ذو الرحم غیر المحرم أولی من الأجنبي، فإن لم یکن فلا بأس للأجانب وضعها، کذا في البحر الرائق. (الفتاوی الهندیة- لجنة علماء برئاسة نظام الدین البلخي: ۱/۱۶۶، کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مکان إلی آخر، ط: دار الفکر)

ولا یضر دخول وتر أو شفع في القبر بقدر الکفایة، والسنة الوتر، وأن یکونوا أقرباء، أمناء، صلحاء، وذو الرحم المحرم أولی بإدخال المرأة، ثم ذو الرحم غیر المحرم، ثم الصالح من مشایخ جیرانها، ثم الشبان الصلحاء، ولا یدخل أحد من النساء القبر، ولا یخرجهن إلا الرجال، ولو کانوا أجانب؛ لأن مس الأجنبي لها بحائل عند الضرورة جائز في حیاتها، فکذا بعد موتها. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإیضاح- حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۲۲۵، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ت: نعیم زرزور، ت: المکتبة العصریة)

ان کا انتقال ہوگیا، اب کیا ان کی اسلامی طریقے پر تکفین وتدفین کی جائے یا ہندوانہ رسم ورواج کے مطابق؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دو گواہ گواہی دیں کہ مرنے والے بت پرستی کرتے تھے یا جنیو وغیرہ باندھتے تھے، تو اس کی شریعتِ اسلامی کے موافق تجہیز وتکفین نہیں کی جائے گی۔[1]

لیکن رشتہ داروں کا ذمہ ہے کہ گڈھا کھود کر اس میں دبا دیں اور دوسرے لوگ مدد کریں۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۲۵)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وفي الفتاوى الصغرى: من تقلنس بقلنسوة المجوس أي: لبسها وتشبه بهم فيها، أو خاط خرقة صفراء على العاتق أي وهو من شعارهم أو شد في الوسط خيطا كفر إذا كان متشابها بخيطهم أو ربطهم أو سماه زناراً . . . ولو شبه نفسه باليهود والنصارى أي صورة أو سيرة على طريق المزاح والهزل أي: ولو على هذا المنوال كفر. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۲۷، ۲۲۸، فصل في الكفر صريحا وكناية، ط: ياسر نديم- ديوبند ☆شرح المقاصد في علم الكلام: ۲/ ۲۶۷، دار المعارف النعمانية- باكستان)

فيكفر . . . بوضع قلنسوة المجوسي على رأسه على الصحيح . . . ويشد الزنار في وسطه. (البحر الرائق: ۵/ ۱۳۳، باب أحكام المرتدين، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۷۶، كتاب السير، مطلب في موجبات الكفر أنواع، منها: مايتعلق بالإيمان والإسلام، ط: دار الفكر -بيروت☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۶۹۸، كتاب السير، باب المرتد، ألفاظ الكفر أنواع، ط: دار إحياء التراث العربي)

[۲] اگر گواہوں کی گواہی سے اس کا کفر ثابت ہوجائے، تو وہ مرتد کے حکم میں ہوگا، جس کی تدفین وتکفین اور غسل کی ممانعت ہے، ہاں ایسے شخص کو ایک گڈھے میں کتے کی مانند دبا دیا جائے:

(قوله ويغسل ولي مسلم الكافر ويكفنه ويدفنه) بذلك أمر علي - رضي الله عنه - أن يفعل بأبيه حين مات . . . وإنما يغسل (الكافر) غسل الثوب النجس من غير وضوء، ولا بداءة بالميامن، ولا يكون الغسل طهارة له حتى لو حمله إنسان وصلى لم تجز صلاته ويلف في خرقة بلا اعتبار عدد، ولا حنوط، ولا كافور ويحفر له حفيرة من غير مراعاة سنة اللحد . . . أما المرتد فلا يغسل، ولا يكفن، وإنما يلقى في حفيرة كالكلب، ولا يدفع إلى من انتقل إلى دينهم كما في فتح القدير. (البحر الرائق: ۲/ ۲۰۵، كتاب الصلاة، الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆فتح القدير: ۲/ ۱۳۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت، ط: دار الفكر- بيروت ☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر☆ خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۲۵، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، قبيل: الفصل السادس والعشرون في المسجد، ط: باكستان)

[۱۳] تدفین کے وقت باتیں کرنا

۱۱۵۲- سوال: ایسا سنا ہے کہ میت عورت ہو یا مرد، اس کو قبر میں اتارتے وقت جھانکنا (دیکھنا) حرام ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

قبر کے پاس کھڑے رہ کر زور زور سے بولنا، ایک دوسرے سے باتیں کرنا کیسا ہے؟

قبر میں لکڑی اور چٹائی رکھی جاتی ہے، اگر کوئی اسے مناسب طریقے سے نہ رکھے، تو اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

میت مرد اور عورت دونوں ہو سکتے ہیں، قبر میں اتارتے وقت عورت کے لیے پردہ کیا جاتا ہے، تاکہ اجنبی مرد کی نظر نہ پڑے؛ اس لیے اگر میت عورت ہو، تو اس کو دیکھنا ناجائز ہے۔[۱]

میت مرد کے قابل ستر اعضاء کے علاوہ کے لیے پردہ نہیں ہے، لہٰذا اس کا چہرہ دیکھنا جائز ہے، بہ شرطیکہ تدفین میں کوئی خلل نہ ہو۔[۲]

(۱ - ۲) وقد روي أنها اغتسلت لما حضرها الموت وتكفنت، وأمرت عليا أن لا يكشفها إذا توفيت، وأن يدرجها في ثيابها كما هي، ويدفنها ليلا.۔۔۔۔۔ وقد ذكرنا في أم سلمى غسلها أيضا.۔۔۔۔ والصحيح أن عليا وأسماء غسلاها، والله أعلم. (أسد الغابة في مرفة الصحابة- أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد بن عبد الكريم بن عبد الواحد الشيباني الجزري، عز الدين ابن الأثير (م: ۶۳۰ھ): ۲۱۶/۷، رقم: ۷۱۸۳، حرف الفاء، فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ت: علي محمد معوض - عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية)

(ويسجى) أي يغطى (قبرها) ولو خنثى (لا قبره) إلا لعذر كمطر. (الدر المختار)۔۔۔۔۔ قال ابن عابدين: (قوله: ويسجى قبرها) أي بثوب ونحوه استحبابا حال إدخالها القبر حتى يسوى اللبن على اللحد، كذا في شرح المنية والإمداد. ونقل الخير الرملي أن الزيلعي صرح في كتاب الخنثى أنه على سبيل الوجوب.۔۔۔۔۔ قلت: ويمكن التوفيق بحمله على ما إذا غلب على الظن ظهور شيء من بدنها تأمل (قوله كمطر) أي وبرد وحر وثلج قهستاني، (قوله: عليه) أي على القبر أو على الميت، وهو أقرب لفظا، والأول أقرب معنى. (رد المحتار على الدر المختار: ۲۳۶/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر☆البحر الرائق: ۲۰۹/۲، كتاب الجنائز، الصلاة على الميت، ط: دار الكتاب الإسلامي☆مجمع الأنهر: ۱۸۶/۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، سنن حمل الجنازة، ط: دار إحياء التراث العربي)

"ويسجى قبر المرأة بثوب حتى يجعل اللبن على اللحد ولا يسجى قبر الرجل" لأن مبنى حالهن على الستر=

قبرستان میں میت کو قبر میں اتارتے وقت بھی اگر کسی کا دل نرم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرے، آنکھ سے آنسوں نہ نکلے، تو یہ قساوت قلبی (دل کی سختی) کی علامت ہے۔

قبر میں میت (مرد) کو اتارنے کے بعد دیکھنا اپنی اصل کے اعتبار سے جائز ہے، لیکن اس کے لیے تماشا بنالینا، جھانکنے کے لیے ایک دوسرے پر گرنا، اور منع کرنے کے باجود بھیڑ کا آگے بڑھنا، منع کرنے والے اور اس کا تعاون کرنے والے کی آواز کا بلند ہونا، نیز قبر کے بازو میں رکھی گئی مٹی پر اس طرح کھڑا ہونا، کہ مٹی کے قبر میں گرنے کا احتمال ہو؛ یہ ساری باتیں میت کے لیے تکلیف دہ ہیں؛ اس لیے اس موقع پر میت کی زیارت نہ کرانا ہی بہتر ہے، اگر زیارت کرائی گئی اور لوگوں نے اس کو کھیل تماشہ بنالیا، شور وغل ہونے لگا، تو جس درجے کی خرابی ہوگی، ویسا ہی حکم (یعنی مکروہ یا حرام) ہوگا۔

رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ زندوں کو جس طرح تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح مردوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے، اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اس طرح کے رواج سے میت کو تکلیف ہوگی۔ [۳]

میت کو قبر میں رکھنے کے بعد لکڑے اور چٹائی رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ مٹی میت کے بدن پر نہ گرے، جس طرح زندگی کی حالت میں غبار، کیچڑ وغیرہ گرنے کی وجہ سے اس کے رشتہ داروں کو تکلیف ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح میت کو قبر میں اتارنے کے بعد جب تک ہمارے بس میں ہے، لکڑی یا چٹائی وغیرہ رکھ کر میت کے بدن پر مٹی گرنے سے بچائیں، اس کے علاوہ اس عمل کا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے، اس لیے اگر لکڑی یا چٹائی اس طرح رکھ دی گئی کہ مٹی میت کے جسم پر نہیں گرتی، تو مقصد حاصل ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= ومبنى حال الرجال على الانكشاف ". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۹۲، باب الجنائز، فصل في الدفن، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۶، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر و الدفن، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حيا. (سنن أبي داود: ۴۵۸، رقم الحديث: ۳۲۰۷، كتاب الجنائز، باب في الحفار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان؟، ط: فيصل - ديوبند)

وتستر عورته بخرقة؛ لأن حرمة النظر إلى العورة باقية بعد الموت قال النبي - صلى الله عليه وسلم -: لا تنظروا إلى فخذ حي ولا ميت. ولهذا لا يباح للأجنبي غسل الأجنبية، دل عليه ما روي عن عائشة أنها قالت كسر عظم الميت ككسره وهو حي ليعلم أن الآدمي محترم حيا وميتا، وحرمة النظر إلى العورة من باب الاحترام. (بدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۰، كتاب الصلاة، صلاة الجنازة، فصل بيان كيفية الغسل للميت، ط: دار الكتب العلمية)

[۱۴] شوہر سے علاحدہ رہنے والی کے یہاں گیارہ مہینے بعد پیدا ہونے والی بچی کی تجہیز وتکفین وغیرہ سے متعلق چند مسائل

۱۱۵۳- سوال: ہمارے شہر میں ایک میاں بیوی کے درمیان آپس میں جھگڑا ہوا، جس کی وجہ سے خاتون ڈیڑھ سال سے اپنے شوہر سے علاحدہ رہتی ہے، ان کے پانچ بچے ہیں، اس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں خاتون ایک پارسی کے گھر کام کرتی رہی، سات مہینہ پہلے (شوہر سے علاحدگی کے گیارہ مہینہ بعد) اس خاتون کو حمل ظاہر ہوا، اور ہسپتال میں ایک بچی کی پیدائش ہوئی، اسلامی نام رکھا گیا، شوہر نے اپنی بچی ہونے کا انکار کیا، پولس انکوائری بھی ہوئی اور ۷/ ۲/ ۹/ ۶۲ء میں آٹھ مہینہ کی عمر پا کر نومولودلڑکی فوت ہوگئی، جب محلہ والوں کو پتہ چلا، تو انہوں نے لڑکی کی تجہیز وتکفین اور جنازے کی نماز سے انکار کر دیا، مزید یہ کہ جماعت کے ذمہ داروں نے اس خاتون کے گھر جانے سے سب کو منع کر دیا، (گویا کہ اس خاتون کا بائیکاٹ کیا گیا) خاتون کے بھائیوں نے بھی منع کر یا، اس عورت نے بچی کو خود غسل دیا اور قبرستان لے گئی، تو قبرستان والوں نے منع کر دیا، دوسرے قبرستان لے گئی، وہاں بھی منع کر دیا گیا، تو مجبوراً مسان (شمشان، ہندو جہاں اپنے مردے جلاتے ہیں) وہاں لے گئی، قبر کھود کر بہ ذات خود اپنی بچی کو دفن کیا۔ عالم اسلام کے لیے یہ ایک حیرت انگیز واقعہ بن گیا۔ اس سے حسب ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں، جواب مرحمت فرمائیں۔

(۱) نومولود بچی مسلمان شمار ہوگی یا نہیں؟ ـــــــ (۲) بچی کا اسلامی نام- جو ماں نے رکھا تھا- صحیح مانا جائے گا یا نہیں؟ ـــــــ (۳) ایسی بچی کو غسل دینے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ـــــــ (۴) اس کی نماز جنازہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ـــــــ (۵) مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟ ـــــــ (۶) ایسی عورت کے گھر جانے سے روکنے والے گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟ ـــــــ (۷) ایک شخص جنازہ کی نماز پڑھانے سے انکار کرے، تو دوسرا پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ ـــــــ (۸) قبرستان میں دفنانا اس کا حق ہے یا نہیں؟ ـــــــ (۹) بچی کی جنازے کی نماز نہیں پڑھی گئی، گنہ گار کون کون شمار کیا جائے گا؟ ـــــــ (۱۰) جنازے کی نماز پڑھنے کے لیے شریعت نے کتنے دن مقرر کیے ہیں؟ ـــــــ (۱۱) خاوند نہ تو ساتھ رکھتا ہے، نہ ہی نان ونفقہ دیتا ہے، تو عورت کو کیا کرنا چاہیے؟ ـــــــ (۱۲) عورت نے مجبوری کی وجہ سے غلط کام کرنے سے انکار نہیں کیا، تو کون سے گناہ کی مرتکب سمجھی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) شریعت مطہرہ کا قانون ہے کہ ماں باپ میں سے جس کا مذہب اچھا ہوگا، بچہ اس کے تابع ہوگا؛

اس لیے یہ بچی مسلم کہلائے گی۔ (شامی ج ۱ ص ۶۵۵)[1]

---

[۱] (أو به فأسلم هو أو) أسلم (الصبي وهو عاقل) أي ابن سبع سنين (صلي عليه) لصيرورته مسلما. (الدر المختار)

(قوله: فأسلم هو) أي أحد أبويه ح أي فإن الصبي يصير مسلما لأن الولد يتبع خير الأبوين دينا. ولا فرق بين كون الولد مميزا أو لا كما مر. ونقل الخير الرملي في باب نكاح الكافر قولين، وأن الشلبي أفتى باشتراط عدم التمييز، لكن صرح السرخسي في شرح السير بأن هذا القول خطأ. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ): ۲/۲۳۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبل: مطلب في حمل الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

نوٹ: نومولود کے مسلمان ہونے کی یہ توجیہ محل نظر ہے؛ کیوں کہ جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ نومولود بچی، زنا کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے اور اس کا نسب پارٹی سے ثابت ہے اور دین میں وہ ماں کے تابع ہے؛ حالاں کہ اگر اس بچی کی پیدائش علاحدگی (طلاق) کے ۲ رسال کی مدت کے اندر ہوتی، تب بھی اس کو شوہر کی جانب منسوب کیا جاتا، جب کہ یہاں طلاق کا کوئی معاملہ ہی نہیں ہے، بس دونوں جھگڑے کی وجہ سے الگ الگ رہتے ہیں:

(أكثر مدة الحمل سنتان) لخبر عائشة - رضي الله عنها - كما مر في الرضاع، وعند الأئمة الثلاثة أربع سنين (وأقلها ستة أشهر) إجماعا (فيثبت نسب) ولد (معتدة الرجعي) ولو بالأشهر لإياسها بدائع. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۵۴۰، باب العدة، فصل في ثبوت النسب، ط: دار الفكر - بيروت)

نیز اگر اس (نومولود بچی) کو زنا میں نتیجے میں پیدا ہونے والی قرار دیا جائے، تب بھی ''خیر الابوین'' کے تابع ہونے کے کیا معنی؟ زانی سے نسب ثابت نہیں ہوتا، ایسی صورت میں پیدا ہونے والا بچہ ماں کی جانب منسوب ہوتا ہے، البتہ زانی سے ان کے نکاح کا عدم جواز احتیاط پر مبنی ہے، علامہ شامیؒ کی تفصیلی بحث ملاحظہ فرمائیں:

(قوله والولد يتبع خير الأبوين دينا) هذا يتصور من الطرفين في الإسلام العارض، بأن كانا كافرين فأسلم أو أسلمت ثم جاءت بولد قبل العرض على الآخر، والتفريق أو بعده في مدة يثبت النسب في مثلها أو كان بينهما ولد صغير قبل إسلام أحدهما فإنه بإسلام أحدهما يصير الولد مسلما. وأما في الإسلام الأصلي فلا يتصور إلا أن تكون الأم كتابية والأب مسلما فتح ونهر [تنبيه] ———— يشعر التعبير بالأبوين إخراج ولد الزنا. ورأيت في فتاوى الشهاب الشلبي قال: واقعة الفتوى في زماننا: مسلم زنى بنصرانية فأتت بولد فهل يكون مسلما؟ أجاب بعض الشافعية بعدمه وبعضهم بإسلامه. وذكر أن السبكي نص عليه وهو غير ظاهر، فإن الشارع قطع نسب ولد الزنا وبنته من الزنا تحل له عندهم فكيف يكون مسلما. وأفتى قاضي القضاة الحنبلي بإسلامه أيضا، وتوقفت عن الكتابة فإنه وإن كان مقطوع النسب عن أبيه حتى لا يرثه فقد صرحوا عندنا بأن بنته من الزنا لا تحل له، وبأنه لا يدفع زكاته لابنه من الزنا، ولا تقبل شهادته له والذي يقوى عندي أنه لا يحكم بإسلامه على مقتضى مذهبنا، وإنما أثبتوا الأحكام المذكورة احتياطا نظرا للحقيقة الجزئية بينهما. اهـ.

قلت: ويظهر لي الحكم بالإسلام للحديث الصحيح ''كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون أبواه هما اللذان يهودانه أو ينصرانه'' فإنهم قالوا إنه جعل اتفاقهما ناقلا له عن الفطرة، فإذا لم يتفقا بقي على أصل الفطرة أو على ما هو =

(۲) اسلامی نام ہی درست مانا جائے گا۔ [۲]

(۳) شرع اسلام کے مطابق ہی تجہیز وتکفین ہونی چاہیے تھی۔

(۴) نماز جنازہ بھی پڑھنا چاہیے تھا۔

(۵) ماں یا باپ گناہ کرے، تو وہی گنہ گار کہلائیں گے، سزا بچی کو نہیں ملے گی۔

(۶) بچی کو مسلمانوں کے قبرستان ہی میں دفن کرنا ضروری تھا۔

(۷) جنازے کی نماز فرض کفایہ ہے، ذمہ داروں نے روکا، وہ گنہ گار رہوں گے۔ [۳]

=أقرب إليها، حتى لو كان أحدهما مجوسيا والآخر كتابيا فهو كتابي كما يأتي وهنا ليس له أبوان متفقان فيبقى على الفطرة ولأنهم قالوا إن إلحاقه بالمسلم أو بالكتابي أنفع له، ولا شك أن النظر لحقيقة الجزئية أنفع له، وأيضا حيث نظروا للجزئية في تلك المسائل احتياطا فلينظر إليها هنا احتياطا أيضا، فإن الاحتياط بالدين أولى، ولأن الكفر أقبح القبيح فلا ينبغي الحكم به على شخص بدون أمر صريح، ولأنهم قالوا في حرمة بنته من الزنا إن الشرع قطع النسبة إلى الزاني لما فيها من إشاعة الفاحشة فلم يثبت النفقة والإرث لذلك، وهذا لا ينفي النسبة الحقيقية لأن الحقائق لا مرد لها فمن ادعى أنه لا بد من النسبة الشرعية فعليه البيان. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/۱۹۶-۱۹۷، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب الولد يتبع خير الأبوين دينا، ط: دار الفكر-بيروت) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۲] ويظهر لي الحكم بالإسلام للحديث الصحيح "كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون أبواه هما اللذان يهودانه أو ينصرانه" فإنهم قالوا إنه جعل اتفاقهما ناقلا له عن الفطرة، فإذا لم يتفقا بقي على أصل الفطرة أو على ما هو أقرب إليها، حتى لو كان أحدهما مجوسيا والآخر كتابيا فهو كتابي كما يأتي وهنا ليس له أبوان متفقان فيبقى على الفطرة ولأنهم قالوا إن إلحاقه بالمسلم أو بالكتابي أنفع له. (حوالہ سابق)

نوٹ: یہ تخریج علی سبیل التدریج ہے، ورنہ بچی کے مسلمان ہونے میں کیا شبہ ہے؟

[۳] (والصلاة عليه)... (فرض كفاية) بالإجماع، فيكفر منكرها لأنه أنكر الإجماع، قنية (كدفنه) وغسله وتجهيزه فإنها فرض كفاية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۰۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر-بيروت)

(الصلاة عليه فرض كفاية) بالإجماع حيث يسقط عن الآخرين بأداء البعض وإلا يأثم الكل. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/۱۸۲، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، ط: دار إحياء التراث العربي)

الصلاة على الجنازة فرض كفاية إذا قام به البعض واحدا كان أو جماعة ذكرا كان أو أنثى سقط عن الباقين وإذا ترك الكل أثموا، هكذا في التتارخانية. ((الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۲، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت)

(۸) پڑھا سکتے ہیں۔

(۹) جولوگ شریک نہیں ہوئے اور نہ ہی دوسروں کو شریک ہونے دیا، وہ لوگ گنہ گار ہوں گے۔

(۱۰) جب تک مرنے والے کی نعش پھول کر پھٹ نہ جائے، اس وقت تک جنازے کی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ بغیر نماز پڑھے دفن کردیا، تو اس کی مقدار متعین نہیں، فقہاء کرامؒ نے زمین، نعش کا حجم اور موسم کے اعتبار سے تین دن سے تیس دنوں کی مقدار لکھی ہے۔ (شامی: ج۱ ص ۶۵۲)[۴]

(۱۱) عورت شرعی پنچائت میں شوہر کے نان ونفقہ ادا نہ کرنے کا دعویٰ کرے اور گواہوں سے ثابت کرے، پھر یہ کمیٹی (شرعی پنچائت) شوہر سے بات کرے (نوٹس دے) کہ اگر تم اپنی بیوی اور بچوں کا نان ونفقہ ادا نہیں کروگے، تو بیوی کو تجھ سے جدا کردیں گے، طلاق ہوجائے گی اور عدت کے بعد وہ دوسری شادی کرلے گی، اس کمیٹی میں کم از کم ایک عالم کو رکھنا ضروری ہے۔ اگر طلاق نہ دے، تو کمیٹی کے علاحدگی کے فیصلہ کو حکومت سے رجوع کرکے بھی فیصلہ کروالے، تاکہ قانونی پیچیدگی نہ ہو۔

(۱۲) اللہ سے توبہ کرے، اللہ معاف کرنے والا ہے، دنیا میں دوسری سزا نہیں، ہاں جہاں اسلامی

---

[۴] (وإن دفن) وأهيل عليه التراب (بغير صلاة) أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له (صلي على قبره) استحسانا (ما لم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير هو الأصح. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله هو الأصح) لأنه يختلف باختلاف الأوقات حرا وبردا، والميت سمنا، وهزالا، والأمكنة بحر، وقيل يقدر بثلاثة أيام، وقيل عشرة، وقيل شهر ط عن الحموي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۲۴، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل: مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد، ط: دار الفكر - بيروت)

(قال) وإن دفن قبل الصلاة عليها، صلي في القبر عليها، إنما لا يخرج من القبر؛ لأنه قد سلم إلى الله تعالى، وخرج من أيديهم. جاء عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: القبر أول منزل من منازل الآخرة. ولكنهم لم يؤدوا حقه بالصلاة عليه، والصلاة على القبر تتأتى، فقد فعله رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فلهذا يصلى على القبر ما لم يعلم أنه تفرق؛ لأن المشروع الصلاة على الميت، لا على أعضائه.

وفي الأمالي عن أبي يوسف - رحمه الله تعالى - قال: يصلي عليه إلى ثلاثة أيام، وهكذا ذكره ابن رستم عن محمد رحمهما الله تعالى؛ لأن الصحابة - رضي الله عنهم - كانوا يصلون على رسول الله - صلى الله عليه وسلم - إلى ثلاثة أيام، والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم؛ لأنه يختلف باختلاف الأوقات، في الحر، والبرد، وباختلاف الأمكنة، وباختلاف حال الميت، في السمن، والهزال، والمعتبر فيه أكبر الرأي. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۲/ ۶۹، كتاب الصلاة، باب غسل الميت، دفن الميت قبل الصلاة عليه، ط: دار المعرفة - بيروت)

حکومت ہے، تو قاضی گواہوں کی شہادت پر سزا شرعی نافذ کرے گا۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] میت کو قبر میں کون اتارے؟

۱۱۵۴- سوال: میت کو قبر میں اتارنے کا حق قبیلہ والوں کو ہی ہے؟ پرایوں کا حق ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت مرد ہو، یا عورت بہتر یہ ہے کہ قریبی محرم رشتے دار قبر میں اتاریں، اگر وہ نہ ہوں، تو دوسرے رشتہ دار اتاریں؛ لیکن رشتہ داروں کی دینی حالت ٹھیک نہ ہو، تو بہتر ہے کہ نیک صالح اجنبی اتاریں۔ (مراقی)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] کثرتِ مصلی کی توقع سے، میت کی تدفین میں تاخیر کرنا

۱۱۵۵- سوال: بسا اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ جمعہ کی صبح کو کسی کا انتقال ہوا، تو گھر والے جمعہ کی نماز کے بعد تک میت کو روکے رکھتے ہیں تاکہ نماز جمعہ کے مصلی زیادہ سے زیادہ نماز جنازہ میں شرکت کریں۔ تو اس طرح میت کی تدفین میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟

---

[۱] جس عورت کا شوہر، بیوی کے حقوق سے لا پرواہ ہو، اس کے شرعی حقوق: نان ونفقہ ادا نہ کرتا ہو تو اس عورت کو ضروری ہے کہ وہ ایسے شوہر سے خلع حاصل کرلے؛ لیکن اگر کافی اور حتی الامکان کوشش کے باوجود کوئی صورت نہ بن سکے، تو سخت مجبوری کی حالت میں مالکیہ کے مسلک پر عمل کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک زوجہ متعنت (یعنی بالاقسم کے شوہر سے) کو تفریق کا حق ملتا ہے۔ (الحیلۃ الناجزۃ، ص: ۲۹۲، حکم زوجہ متعنت فی النفقہ، ط: مکتبہ رضی-دیوبند)

[۲] والسنة الوتر، وأن يكونوا أقرباء، أمناء، صلحاء، وذو الرحم المحرم أولى بإدخال المرأة، ثم ذو الرحم غير المحرم، ثم الصالح من مشايخ جيرانها، ثم الشبان الصلحاء، ولا يدخل أحد من النساء القبر، ولا يخرجهن إلا الرجال ولو كانوا أجانب؛ لأن مس الأجنبي لها بحائل عند الضرورة جائز في حياتها، فكذا بعد موتها. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح- حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹ھ) ص:۲۲۵، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

قال الطحطاوي: قوله: "ثم ذو الرحم غير المحرم" المحرم غير ذي الرحم بمصاهرة أو رضاع مقدم عليه قوله: "من مشايخ جيرانها" قيل الشيخ من بلغ الثلاثين إلى الخمسين قوله: "ثم الشبان" هم من لم يبلغ السن المذكور، قوله: "ولا يدخل أحد من النساء القبر" ولا كافر ولو كانا قريبين للميت ذكره ابن أمير حاج. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:۱۲۳۱ھ) ص:۶۰۹، كتاب=

الجواب حامدا ومصليا:

میت کو مصلی کی کثرت کے ارادے سے گھر میں روکے رکھنا مکروہ ہے، چناں چہ فقہاء نے لکھا ہے:

”ويسرع بها بلا خبب... وكره تأخير صلاته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة) إلا إذا خيف فوتها بسبب دفنه قنية“. (الدر المختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] میت کو قبر میں اُتارنے کا طریقہ

۱۱۵۶- سوال: میت کو قبر میں کس طرح اُتارا جائے؟ کیا قبلہ رُخ ہی اُتارنا ضروری ہے؟ یا کسی بھی طریقے سے اتار سکتے ہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

قبلہ رُخ اُتارنا مستحب ہے، جگہ کی تنگی یا کسی عذر کی وجہ سے کسی بھی جانب سے اُتارنا جائز

=الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية)

ويستحب أن يكونوا أقوياء أمناء وصلحاء، كذا في التتارخانية، وذو الرحم المحرم أولى بإدخال المرأة من غيرهم، كذا في الجوهرة النيرة، وكذا ذو الرحم غير المحرم أولى من الأجنبي، فإن لم يكن فلا بأس للأجانب وضعها، كذا في البحر الرائق، ولا يدخل أحد من النساء القبر، كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ١٦٦/١، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى مكان آخر، ط: دار الفكر - بيروت)

[1] الدر المختار مع رد المحتار: ٢٣٢/٢، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت.

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحة فخير تقدمونها، وإن يك سوى ذلك، فشر تضعونه عن رقابكم. (صحيح البخاري: ١٧٦/١، رقم الحديث: ١٣١٥، كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة، ط: البدر - ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ٣٠٦/١، رقم الحديث: ٥٠-(٩٤٤)، كتاب الجنائز، باب الإسراع بالجنازة، ط: المكتبة الأشرفية - ديوبند)

وفي القنية: ولو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة يكره تأخير الصلاة ودفنه ليصلي عليه الجمع العظيم بعد صلاة الجمعة، ولو خافوا فوت الجمعة بسبب دفنه يؤخر الدفن. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بـ'ابن نجيم المصري' (م: ٩٧٠هـ): ٢٠٢/٢، كتاب الجنائز، الصلاة على الميت، ط: دار الكتاب الإسلامي☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ١٠٧٨هـ): ١٨٦/١، باب صلاة الجنائز، سنن حمل الجنازة، ط: دار إحياء التراث العربي☆رد المحتار على الدر المختار: ٢٣٢/٢، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر☆حاشية الطحطاوي ص: ٦٠٢، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۱۸] میّت کو قبر میں کس طرح لٹایا جائے؟

۱۱۵۷- سوال: میّت کو قبر میں کس طرح لٹایا جائے؟ پوری کروٹ دی جائے؟ یا پھر آدھی کروٹ دینا بھی جائز ہے؟ اگر کروٹ ہی نہ دی جائے، تو اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

کروٹ دینا اور قبلہ کی جانب منہ کرنا مستحب ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] میّت کو قبر میں لٹا کر سر کے نیچے تکیہ کرنا اور دائیں رخسار کو زمین سے لگانا

۱۱۵۸- سوال: میّت کو قبر میں لٹا کر سر کے نیچے تکیہ کرنا اور دائیں گال کو زمین کے ساتھ لگانا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر اس طرح نہ کیا جائے تو اس میں کوئی نقصان تو نہیں ہے؟

---

(۱) ويدخل الميت من قبل القبلة في القبر، وفي بعض الكتب: ويستقبل به القبلة عند إدخاله في القبر يعني توضع الجنازة فوق اللحد من قبل القبلة. (المحيط البرهاني: ۲/۱۹۰، كتاب الصلاة، الفصل الثاني و الثلاثون في الجنائز، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ويدخل الميت ممايلي القبلة، و ذلك أن يوضع في جانب القبلة من القبر ويحمل الميت منه، ويوضع في اللحد، فيكون الآخذ له مستقبل القبلة حالة الأخذ، كذا في فتح القدير، ويقول واضعه: بسم الله وعلى ملة رسول الله، كذا في المتون. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۶، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، ط: الفصل السادس في القبر و الدفن و النقل من مكان إلى مكان آخر، ط: دار الفكر- بيروت)

(قوله ويدخل الميت ممايلي القبلة) وهذا إذا لم يخش على القبر أن ينهال أما إذا خشي عليه ذلك فإنه يسل من قبل رأسه لأجل الضرورة. (الجوهرة النيرة- أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م:۸۰۰هـ): ۱/۱۰۹، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ط: المطبعة الخيرية ☆ الهداية: ۱/۹۱، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت ☆ مراقي الفلاح، ص: ۲۲۵، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ط: المكتبة العصرية)

(۲) ويوضع في القبر على شقه الأيمن موجهاً إلى القبلة قال عليه السلام: يا علي استقبل به القبلة استقبالاً وضعوه لجنبه ولا تكبوه لوجهه ولا تلقوه على ظهره. (المحيط البرهاني: ۲/۱۹۱، كتاب الصلاة، الفصل الثاني و الثلاثون في الجنائز، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۶، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، ط: الفصل السادس في القبر و الدفن و النقل من مكان إلى مكان آخر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضروری نہیں ہے، قبلہ رُخ کرنا مستحب ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] قبر میں لٹا کر سر کے آگے آیت قرآنی رکھنا؟

۱۱۵۹- سوال: میت کو قبر میں لٹا کر اس کے سر کے آگے کوئی چیز رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً: قرآنی آیات وغیرہ، اگر رکھا جائے، تو اس میں کوئی خرابی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آیتوں کی بے حرمتی ہوگی، لہٰذا جائز نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] میت کو دفنانے والے لوگوں ہی کا قبر کو بند کرنا اور اس پر مٹی ڈالنا ضروری ہے؟

۱۱۶۰- سوال: کیا یہ ضروری ہے کہ میت کی قبر کو، دفنانے والے حضرات ہی مٹی وغیرہ ڈال کر بند کریں، یا اس بات کی گنجائش ہے کہ قبرستان کے ملازمین سے اس طرح کا کام لیا جائے؟ ان سے یہ کام کرانے میں کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو دفن کرنا فرضِ کفایہ ہے، لہٰذا دفن کرنے والے حضرات اس کام کو انجام دیں، قبرستان کے

---

(۱) ویوضع في القبر على شقه الأيمن موجهاً إلى القبلة قال عليه السلام: يا علي استقبل به القبلة استقبالاً وضعوه لجنبه ولا تكبوه لوجهه ولا تلقوه على ظهره. (المحيط البرهاني: ۲/۱۹۱، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۶، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، ط: الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى مكان آخر، ط: دار الفكر-بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۳۶-۲۳۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، [مطلب في دفن الميت]، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) علامی شامیؒ نے ایک بحث کے ضمن میں لکھا ہے: وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح: أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله -تعالى- على الدراهم، والمحاريب، والجدران، ومايفرش، وما ذاك إلا لاحترامه، وخشية وطئه، ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۴۷-۲۴۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل: باب الشهيد، ط: دار الفكر-بيروت)

ملازمین سے بھی مٹی ڈلوانے کی خدمت لینا جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] عورت کی تدفین کے وقت پردہ کرنا

۱۱۶۱- سوال: عورت کی تدفین کے وقت پردہ کیا جاتا ہے، اگر کسی عورت نے اپنی زندگی میں کبھی پردہ نہ کیا ہو، تو ایسی خاتون کی تدفین کے وقت پردہ کرنا کیسا ہے؟ کیا اس میں شریعت کا مذاق اور استہزاء نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

عورت کی قبر کا پردہ کرنا مستحب ہے۔

اپنی زندگی میں عورت نے پردہ نہیں کیا، اس کا گناہ اس کے ذمہ ہے، فی الحال آپ مکلف ہیں، آپ کی ذمہ داری ہے، اس فرق کو سمجھیں۔ (مراقی الفلاح)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) دفن الميت فرض على الكفاية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۵، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر و الدفن، ط: دار الفكر)

و كذا غسل الميت و الصلاة عليه و الدفن كل ذلك فرض كفاية، إذا قام به البعض، سقط عن الباقين، و إن امتنعوا من ذلك حتى ضاع ميت بين قوم، مع علمهم بحاله كانوا مشتركين في المأثم. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۳/ ۲۶۳، كتاب الكسب، ط: دار المعرفة - بيروت☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۱، كتاب الصلاة، فصل بيان فريضة صلاة الجنازة و كيفية فرضها، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

قال في البدائع: وأما بيان كيفية وجوبه فهو واجب على سبيل الكفاية إذا قام به البعض يسقط عن الباقين لحصول المقصود بالبعض كسائر الواجبات على سبيل الكفاية. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۱/ ۲۳۶، باب الجنائز، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق)

[۲] "و" يستحب "أن يسجى" أي يستر "قبرها" أي المرأة، سترا لها إلى أن يسوى عليها اللحد، "لا" يسجى قبره؛ لأن عليا رضي الله عنه مر بقوم، قد دفنوا ميتا، و بسطوا على قبره ثوبا، فجذبه، و قال: إنما يصنع هذا بالنساء، إلا إذا كان لضرورة: دفع حر، أو مطر، أو ثلج عن الداخلين في القبر، فلا بأس به. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ) ص: ۲۲۶، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۹، كتاب الصلاة، فصل في سنة الدفن، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆ فتح القدير: ۲/ ۱۳۹، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفن، ط: دار الفكر - بيروت)

عن عثمان بن عفان، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم، إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه، فقال: استغفروا لأخيكم، وسلوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسأل.

(ابوداؤد: ۲/۴۵۹، حدیث نمبر: ۳۲۲۱، ط: دیوبند)

عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: " إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له ".

(مسلم شریف: ۲/۴۱، حدیث نمبر: ۱۴-۱۶۳۱، ط: دیوبند)

باب إهداء الثواب للميت

[ایصال ثواب کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب إهداء الثواب للميت

[ایصالِ ثواب کا بیان]

(اس سلسلے کے اکثر مسائل پہلی جلد (ص: ۳۵۷ تا ۳۹۸) میں سنت و بدعت کے مرکزی عنوان کے تحت آ چکے ہیں، یہ باب درحقیقت اس کا تتمہ ہے)

[۱] میّت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی

۱۱۶۲- سوال: بخدمت گرامی حضرت مولانا مفتی صاحب ادام اللہ ظلکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بعدہ عرض این کہ حسبِ ذیل مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے:

ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے، تو چاہے وہ بالغ ہو یا نابالغ، اس کو دفنانے کے بعد قبرستان ہی میں اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں دن، فلاں مسجد میں میّت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی ہوگی، اب اس میں ایک تو اپنی جانب سے دن متعین کیا جاتا ہے، دیگر اس کا اعلان باقاعدہ قبرستان میں یا مسجد میں یا دونوں جگہ بہ آوازِ بلند ایک شخص کرتا ہے، اور یہ قرآن خوانی اجتماعی التزام سے ہوتی ہے، نیز بعد قرآن خوانی کے اجتماعی طور پر دعا کی جاتی ہے، تو آیا اس طریقے سے قرآن خوانی ''تداعی'' میں داخل ہے یا نہیں؟ نیز حضرت تھانویؒ کے اس فتوے کا کیا مطلب ہے؟

سوال: سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصالِ ثواب کے لیے لوگوں کو جمع کرنا، بلا کسی خاص انتظام و اوقاتِ متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جائے، تو جائز ہے، تو اپنے دوست و احباب کو شمولیت کے لیے کہنا کیسا ہے؟

الجواب: یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لیے، جو بدعت اور مکروہ ہے۔ (امداد الفتاویٰ)[1]

نیز خیر القرون میں یہ رواج نہیں پایا جاتا ہے، تو پھر اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریر کا حاصل یہ ہے:

ایسے موقعے پر رسم و رواج کی پابندی ہوتی ہے، برادری کا دباؤ ہوتا ہے، دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور شرکت نہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع سے گریز نہیں کیا جاتا، لہٰذا بدعت و مکروہ ہے۔

البتہ کوئی مجلس ان امور سے پاک و منزّہ ہو، دعوتی اہتمام نہ ہو، مجلس میں لوبان واگر بتیاں نہ ہوں، روشنی ضرورت سے زائد نہ ہو، تاریخ و دن متعین نہ ہو، اور تیجا نہ ہو، تو گنجائش ہے، [کہ اس میں تداعی نہیں ہے۔] انتقال ہوا سی رات پڑھا جائے، تاکہ میّت کو ثواب پہنچایا جائے، جائز ہے۔

وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ إلخ. (شامی)[2]

لہٰذا اگر ان شرائط کا لحاظ نہ کیا جائے، تو گنجائش نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] ایصال ثواب کے لیے میت کے گھر جمع ہونا

۱۱۶۳- سوال: ہمارے یہاں رواج ہے کہ میت کو غسل دینے کے بعد جنازہ کے اردگرد بیٹھ کر لوگ اس وقت تک قرآن کریم اور تسبیح وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں، جب تک جنازہ نہ اٹھایا جائے۔

نیز ایک یا ڈیڑھ مہینہ تک روزانہ میت کے گھر جا کر ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرتے ہیں، تو شرعاً یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر اس رواج کو بند کر دیا جائے، تو میت کو ثواب سے محروم کرنا لازم آتا ہے؛ کیوں کہ جمع ہو کر جو کچھ پڑھ لیتے ہیں، اگر ان کو اپنے اپنے گھر پڑھنے کو کہا جائے، تو کوئی بھی نہیں پڑھے گا؛

---

[۱] امداد الفتاوی- اشرف علی تھانویؒ (۱۸۶۳- ۱۹۴۳ء): ۱/ ۴۷۷، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، حکم ایصال ثواب بہ تعیین ایام، سوال نمبر: ۴۷۵، ط: زکریا- دیوبند۔

[۲] رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۶۰، كتاب الصلاة، فروع أفضل المساجد، مطلب في رفع الصوت بالذكر، ط: دار الفكر- بيروت.

بل کہ اس امر کا ان کے دلوں میں خیال تک نہیں آئے گا، ایسی صورت میں مذکورہ عمل (قرآن خوانی وغیرہ) درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے، تو منع کرنے پر کیا مردوں کو ثواب سے محروم کرنا لازم نہیں آئے گا؟ تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

میت کو غسل دینے کے بعد اس کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کر کے ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔[1]

---

(۱) وتكره قراءة القرآن عنده حتى يغسل "تنزيها للقراءة عن نجاسة الحدث بالموت أو الخبث. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹ھ) ص:۲۱۲، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية☆الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۹۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت)

(وكره قراءة القرآن عنده إلى تمام غسله) عبارة الزيلعي: حتى يغسل وعبارة النهر: قبل غسله. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: وذكر ط أن محل الكراهة إذا كان قريبا منه، أما إذا بعد عنه بالقراءة فلا كراهة. اهـ. ــــــ قلت: والظاهر أن هذا أيضا إذا لم يكن الميت مسجى بثوب يستر جميع بدنه؛ لأنه لو صلى فوق نجاسة على حائل من ثوب أو حصير، لا يكره فيما يظهر فكذا إذا قرأ عند نجاسة مستورة، وكذا ينبغي تقييد الكراهة بما إذا قرأ جهرا، قال في الخانية: وتكره قراءة القرآن في موضع النجاسة كالمغتسل، والمخرج، والمسلخ، وما أشبه ذلك، وأما في الحمام فإن لم يكن فيه أحد مكشوف العورة، وكان الحمام طاهرا لا بأس بأن يرفع صوته بالقراءة، وإن لم يكن كذلك فإن قرأ في نفسه ولا يرفع صوته فلا بأس به، ولا بأس بالتسبيح، والتهليل، وإن رفع صوته اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

عن عثمان بن عفان، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم، إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه، فقال: استغفروا لأخيكم، وسلوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسأل. (سنن أبي داود: ۲/ ۴۵۹، رقم الحديث: ۳۲۲۱، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، ط: ديوبند)

وفي شرح اللباب: ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة، وأول البقرة، إلى المفلحون، وآية الكرسي - وآمن الرسول - وسورة يس، وتبارك الملك، وسورة التكاثر، والإخلاص، اثني عشر مرة، أو إحدى عشر، أو سبعا، أو ثلاثا، ثم يقول: اللهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلان أو إليهم. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر - بيروت)

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك، عند أصحابنا للكتاب والسنة، أما الكتاب: فلقوله تعالى: {وقل ربي ارحمهما كما ربياني صغيرا} [illegible]، وإخباره تعالى عن ملائكته بقوله {ويستغفرون للذين آمنوا} [illegible] وساق عبارتهم بقوله تعالى {ربنا=

میت کی تدفین کے بعد ایک مہینہ یا سوا مہینے تک آ کر قرآن خوانی کرنا، اس طرح کہ مرد اور عورتیں سب آتی ہوں اور عورتیں بے پردہ نکل کر اجنبی مردوں سے بات کرتی ہوں، نیز سوا مہینے تک پڑھنے کو لازم سمجھا جاتا ہو، جو اس میں شریک نہ ہو، اس کو برا بھلا کہا جاتا ہو؛ تو یہ جائز نہیں ہے، شریعت کے خلاف ہے، ان ناجائز امور کی وجہ سے جائز کام (قرآن پڑھنا اور ایصال ثواب کرنا) بھی ناجائز ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی مجلس ان خرافات و ناجائز امور سے خالی ہو، تو اجازت ہے، مگر شرط ہے کہ اس کو ضروری نہ سمجھا جائے ورنہ وہ کام جائز نہ رہے گا۔ (۲)

= وسعت كل شيء رحمة وعلما فاغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلك} [۷/۴۰] إلى قوله {وقهم السيئات} [غافر: ۹]، وأما السنة: فأحاديث كثيرة منها ما في الصحيحين "حين ضحى بالكبشين فجعل أحدهما عن أمته"، وهو مشهور تجوز الزيادة به على الكتاب، ومنها ما رواه أبو داود "اقرءوا على موتاكم سورة يس" وحينئذ فتعين أن لا يكون قوله تعالى: {وأن ليس للإنسان إلا ما سعى} [النجم: ۳۹] على ظاهره، وفيه تأويلات أقربها ما اختاره المحقق ابن الهمام أنها مقيدة بما يهبه العامل، يعني ليس للإنسان من سعي غيره نصيب إلا إذا وهبه له فحينئذ يكون له، وأما قوله - عليه السلام -: "لا يصوم أحد عن أحد، ولا يصلي أحد عن أحد". فهو في حق الخروج عن العهدة لا في حق الثواب، فإن من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع، وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا. (البحر الرائق: ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، ط: دار الفكر - بيروت ☆ شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور - عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱ھ): ۱/ ۳۰۲، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ت: عبد المجيد طعمه حلبي، ط: دار المعرفة - لبنان، ۱۴۱۷ھ ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۲۹۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: ياسر نديم - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۷، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر)

(۲) جب کہ دن، تاریخ اور مہینہ کی تعیین نہ ہو، لیکن فی زماننا احتراز اولیٰ اور احوط ہے؛ کیوں کہ اس کو واجب اور فرض کا درجہ دے دیا گیا ہے، اور اس قسم کی محفل منعقد نہ کرنے والوں اور اس میں شریک نہ ہونے والوں پر لعن وطعن کی بوچھاڑ کی جاتی ہے؛ بل کہ ان کو کافر تک کہنے سے گریز نہیں کیا جاتا ہے، جب کہ کسی امر مباح کو اس کے درجے سے بڑھا دینا ہرگز جائز نہیں ہے، شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (م: ۸۵۲ھ) رقم طراز ہیں: قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة، لكن لما خشي بن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. والله أعلم. (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۲/ ۳۳۸، كتاب الصلاة، باب الانفتال والانصراف عن اليمين، ط: دار المعرفة - بيروت) =

میت کو ثواب پہنچانا مستحب ہے، اور خرافات و ناجائز امور کے ساتھ مجلس قرآن خوانی منعقد کرنا ناجائز ہے، اور واضح رہے کہ امر مستحب و مباح کو انجام دینے کے لیے ناجائز چیزوں کا ارتکاب کرنا درست نہیں ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] عورتوں کا جمع ہوکر ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرنا

۱۱۶۴- سوال: عورتیں جمع ہوکر میت کے لیے قرآن خوانی کر کے اس کو ثواب پہنچا سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

شریعت کی حد میں رہ کر عورتوں کو قرآن خوانی کرنا اور ثواب پہنچانا جائز ہے۔[۲] لیکن بے پردگی کے ساتھ جانا جائز نہیں، حرام ہے۔[۳]

= وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع... واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص .... وأطال في ذالك في المعراج، وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى. (رد المحتار: ۲/۲۴۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت☆مراقي الفلاح ،ص:۲۲۸، باب أحكام الجنائز ، فصل في حملها و دفنها، ط: المكتبة العصرية-بيروت)

نوٹ: متعلقہ مسئلہ کی تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیے فتاویٰ فلاحیہ کی پہلی جلد ص: ۳۷۵ تا ۳۹۷۔

(۱) قاعدة: إذا اجتمع الحلال والحرام أو المحرم والمبيح غلب الحرام والمحرم (ش) [القواعد الفقية، مندرجہ: قواعد الفقه- محمد عميم الإحسان المجددي البركتي ،ص:۵۵، رقم القاعدة: ۴، ط: صدف پبلی کیشنز، کراچی]

(۲) والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قران أو ذكر أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك، عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق: ۳/۶۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي☆الهداية: ۱/۱۷۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ت: يوسف طلال، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

(۳) أن أم سلمة، حدثته أنها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة، قالت: فبينا نحن عنده أقبل ابن أم مكتوم، فدخل عليه، وذلك بعدما أمرنا بالحجاب، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: احتجبا منه، فقلت: يا رسول الله أليس هو أعمى لا يبصرنا ولا يعرفنا؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفعمياوان أنتما ألستما تبصرانه. (سنن الترمذي: ۲/۱۰۶، رقم الحديث: ۲۷۷۸، أبواب الأدب، باب ما جاء في احتجاب النساء من الرجال، ط: ديوبند☆سنن أبي داود: ۲/۵۶۸، رقم الحديث: ۴۱۱۲، كتاب اللباس، باب في قوله عز وجل: {وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن}، ط: ديوبند)

دن میں جائیں، رات میں نہ جائیں؛ اس لیے کہ رات میں فتنہ کا اندیشہ ہے، البتہ فتنہ کا دروازہ بند کر کے جائیں، تو گنجائش ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن کی مجلس رکھنا

۱۱۶۵- سوال: میت کے ایصال ثواب کے لیے لوگوں میں اعلان کر کے ختم قرآن کی مجلس رکھنا شرعی طور پر کیسا ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

ایصال ثواب تو [فی نفسہ] جائز؛ بل کہ مستحب ہے، اور اس کے لیے گھر والے بیٹھ کر قرآن شریف ختم کریں یا بلا دعوت واعلان چند آدمی جمع ہو کر قرآن ختم کریں، جائز ہے۔ (فتاوی رشیدیہ)[1]

---

[۱] سوال: میت کو ثواب پہنچانا بلا تعین تاریخ کے یعنی تیجا، دسواں، چالیسواں نہ ہو، درست ہے یا نہیں؟
جواب: ثواب میت کو پہنچانا بلا قید تاریخ وغیرہ اگر ہو، تو عین ثواب ہے، اور جب تخصیصات اور التزامات مروجہ ہوں، تو نادرست اور باعث مواخذہ ہو جاتا ہے۔ (فتاوی رشیدیہ: ۱/۱۴۱، کتاب العلم، بلا قیود ورسوم ایصال ثواب کرنا، ط: محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی)

عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: " إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له ". (الصحيح لمسلم: ۲/۴۱، رقم الحديث: ۱۴-۱۶۳۱، كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ط: ديوبند)

عن معقل بن يسار، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: اقرءوا يس على موتاكم. (سنن أبي داود: ۲/۴۴۵، رقم الحديث: ۳۱۲۱، كتاب الجنائز، باب القراءة عند الميت، ط: ديوبند)

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك، عند أصحابنا للكتاب والسنة، أما الكتاب: فلقوله تعالى: {وقل ربي ارحمهما كما ربياني صغيرا} [الإسراء: ۲۴]، وإخباره تعالى عن ملائكته بقوله {ويستغفرون للذين آمنوا} [غافر: ۷] وساق عبارتهم بقوله تعالى {ربنا وسعت كل شيء رحمة وعلما فاغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلك} [غافر: ۷] إلى قوله {وقهم السيئات} [غافر: ۹]، وأما السنة: فأحاديث كثيرة منها ما في الصحيحين "حين ضحى بالكبشين فجعل أحدهما عن أمته"، وهو مشهور تجوز الزيادة به على الكتاب، ومنها ما رواه أبو داود "اقرءوا على موتاكم سورة يس" وحينئذ فتعين أن لا يكون قوله تعالى: {وأن ليس للإنسان إلا ما سعى} [النجم: ۳۹] على ظاهره، وفيه تأويلات أقربها ما اختاره المحقق ابن الهمام أنها مقيدة بما يهبه العامل، يعني ليس للإنسان من سعي غيره نصيب إلا إذا وهبه له فحينئذ يكون له، وأما قوله - عليه السلام -: "لا يصوم أحد عن أحد، ولا يصلي أحد عن أحد". فهو في حق الخروج=

لیکن ختم قرآن کے لیے اعلان کر کے لوگوں کو جمع کرنا بالخصوص میت کے گھر میں جائز نہیں [کہ اس میں بے شمار مفاسد ہیں] اور شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ (در مختار: ۲/ ۲۴۰)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۵] ایصال ثواب کے لیے صرف سورۂ انعام کی تلاوت کو خاص کرنا

۱۱۶۶- سوال: ہمارے گاؤں میں خوشی کا موقع ہو یا غم کا (کسی کا انتقال ہوا ہو) ایصال ثواب کے لیے سورۂ انعام پڑھی جاتی ہے، کیا یہ حدیث سے ثابت ہے کہ یہی سورت پڑھی جائے، حالاں کہ اس کے سوا بہت سی سورتیں ہیں، جس کی بہت ساری فضیلت وارد ہوئی ہے، اس کے باوجود ان کو نہیں پڑھتے ہیں، آخر

=عن العهدة لا في حق الثواب، فإن من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع، وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا. (البحر الرائق: ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، ط: دار الفكر - بيروت ☆ شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور - عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱ھ): ۱/ ۳۰۲، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ت: عبد المجيد طعمه حلبي، ط: دار المعرفة - لبنان، ۱۴۱۷ھ ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۲۹۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: ياسر نديم - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۷، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] وقال أيضا: ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة... وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة صورة الأنعام أو الإخلاص...، وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لا يرون وجه الله تعالى... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب، مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالبا من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع والقناديل التي توجد في الأفراح، وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء والمردان، وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن، وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الأزمان، وما كان كذلك فلا شك في حرمته وبطلان الوصية به، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۰-۲۴۱، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱ھ): ۲/ ۱۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر)

اس کی وجہ کیا ہے؟ اگر اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے، تو مذکور طریقہ کیسا ہوگا؟ کیا میت کو اس کا ثواب پہنچے گا؟ نیز میت کے مال سے دعوت کی جائے، تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن مجید کی تلاوت کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچانا بڑے ثواب کا کام ہے اور اس سے میت کو فائدہ ہوتا ہے۔[1]

---

(۱) عن عثمان بن عفان، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم، إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه، فقال: استغفروا لأخيكم، وسلوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسأل. (سنن أبي داود: ۲/ ۴۵۹، رقم الحديث: ۳۲۲۱، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، ط: ديوبند)

وفي شرح اللباب: ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي - وآمن الرسول - وسورة يس وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثني عشر مرة أو إحدى عشر أو سبعا أو ثلاثا، ثم يقول: اللهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلان أو إليهم. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر - بيروت)

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك، عند أصحابنا للكتاب والسنة، أما الكتاب: فلقوله تعالى: {وقل ربي ارحمهما كما ربياني صغيرا} [الإسراء: ۲۴]، وإخباره تعالى عن ملائكته بقوله {ويستغفرون للذين آمنوا} [غافر: ۷] وساق عبارتهم بقوله تعالى {ربنا وسعت كل شيء رحمة وعلما فاغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلك} [غافر: ۷] إلى قوله {وقهم السيئات} [غافر: ۹]، وأما السنة: فأحاديث كثيرة منها ما في الصحيحين "حين ضحى بالكبشين فجعل أحدهما عن أمته"، وهو مشهور تجوز الزيادة به على الكتاب، ومنها ما رواه أبو داود "اقرءوا على موتاكم سورة يس" وحينئذ فتعين أن لا يكون قوله تعالى: {وأن ليس للإنسان إلا ما سعى} [النجم: ۳۹] على ظاهره، وفيه تأويلات أقربها ما اختاره المحقق ابن الهمام أنها مقيدة بما يهبه العامل، يعني ليس للإنسان من سعي غيره نصيب إلا إذا وهبه له فحينئذ يكون له، وأما قوله - عليه السلام -: "لا يصوم أحد عن أحد، ولا يصلي أحد عن أحد"، فهو في حق الخروج عن العهدة لا في حق الثواب، فإن من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع، وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا. (البحر الرائق: ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، ط: دار الفكر - بيروت ☆ شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور - عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱هـ): ۱/ ۳۰۲، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ت: عبد المجيد طعمه حلبي، ط: دار المعرفة - لبنان، ۱۴۱۷هـ ☆ الهداية في =

لیکن رسم ورواج کے طریقہ پر قرآن پڑھنا اور اسی کو ضروری سمجھنا، آپ کی تحریر کے مطابق سورۂ انعام ہی پڑھنا اور دعوت کرنا اور اس پر کھانا پینا تقسیم کرنا اور رواج کے طور پر پڑھنے والوں کی دعوت کرنا یہ سب ناجائز امور ہیں۔ اس طرح پڑھنے پڑھانے سے کوئی ثواب نہیں ملے گا اور نہ ہی میت کو بھی کسی قسم کا کوئی فائدہ ہوگا۔ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن پڑھنے کے لیے چند لوگوں کو جمع کرنا اور ختم پر یا سورۂ انعام یا اخلاص کا ختم کر کے دعوت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ [۲]

کھانے کی دعوت ایسے مال سے کی جائے کہ جس میں یتیم کا حصہ ہے، تو یہ حرام ہے اور کوئی وارث وطن سے دور ہو اور اس کی اجازت کے بغیر مال استعمال کیا جائے تو بھی حرام ہوگا؛ اس لیے بہتر یہی ہے کہ دن متعین کیے بغیر سب لوگ جمع ہو کر بغیر کھائے قرآن پڑھ کر مرحوم کو ایصال ثواب کر دیں۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۲] ماں باپ کے انتقال پر بالغ لڑکا لڑکی کا ان کے پاس تلاوت کرنا

۱۱۶۷- سوال: عورت کے انتقال کے بعد اس کا بالغ لڑکا اس کے پاس قرآن شریف پڑھ سکتا ہے؟ اسی طریقے سے مرد کے انتقال کے بعد اس کی بالغ لڑکی اس کے پاس تلاوت کر سکتی ہے؟

= شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳ھ):۱/۲۹۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط:ياسر نديم -ديوبند☆ الفتاوى الهندية:۱/۲۵۷، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط:دار الفكر-بيروت)

(۲) وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة صورة الأنعام أو الإخلاص . . . ، و هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لا يرون وجه الله تعالى . . . ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب، مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالبا من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع والقناديل التي توجد في الأفراح، وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء والمردان، وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن، وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الأزمان، وما كان كذلك فلا شك في حرمته وبطلان الوصية به، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (رد المحتار على الدر المختار:۲/۲۴۰-۲۴۱، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ط: دار الفكر-بيروت☆ فتح القدير-كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م:۸۶۱ھ):۲/۱۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر)

(۳) متعلقہ مسئلہ کی تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیے فتاویٰ فلاحیہ کی پہلی جلد ص:۳۷۵ تا ۳۹۷۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو غسل دینے کے بعد اس کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کر کے ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ (۱) خواہ قرآن کریم کی تلاوت کوئی کرے، خود میت کا لڑکا ہو یا اس کی بڑی [بالغ] لڑکی، فی نفسہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، البتہ لڑکی کے لیے پردے کا مکمل اہتمام ضروری ہے؛ کیوں کہ ایسے موقع سے مختلف لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] جمعہ کے بعد مرحوم کے لیے ختم قرآن

۱۱۶۸- سوال: ہمارے گاؤں کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد بہت سی مرتبہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں مرحوم کے لیے ختم قرآن ہے، بہت سے لوگ قرآن خوانی کے لیے بیٹھتے ہیں، قرآن کریم پڑھنے کے بعد اجتماعی دعا کی جاتی ہے اور اکثر شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، شیرینی لیتے وقت چھوٹے بچے اور بچیاں مسجد میں آجاتی ہیں جن کے شور و غل کی وجہ سے نمازیوں کو خلل ہوتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

ختم قرآن کی مذکورہ شکل میں خرابی شیرینی کی وجہ سے ہے کہ اسے لینے کے لیے لڑکے لڑکیاں جمع ہوتی ہیں، جن کے شور و غل سے نمازیوں کو نماز میں خلل ہوتا ہے، اس لیے شیرینی کو بند کرا دیں، اور بغیر کسی التزام کے، یعنی دن و تاریخ متعین کیے بغیر، قرآن کریم کا ختم کرائیں، تو اس کی گنجائش؛ بل کہ شریعت میں مطلوب ہے۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ''ایصال ثواب کے لیے میت کے گھر جمع ہونا'' کا حاشیہ نمبر ۱۔

(۲) وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۲۴-النور:۳۱)

(۳) عن معاذ بن جبل -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جنبوا مساجدكم مجانينكم، وصبيانكم، ورفع أصواتكم، وسل سيوفكم، وبيعكم، وشراءكم، وإقامة حدودكم، وخصومتكم، وجمروها يوم جمعكم، واجعلوا مطاهركم على أبوابها. (سنن ابن ماجه، ص: ۵۴۰، رقم الحديث: ۷۵۰، كتاب المساجد و =

[۸] غیر محرم میت کے پاس عورتوں کا جمع ہونا

۱۱۶۹- سوال: میت غیر محرم ہو تو وہاں گاؤں کی پرائی عورتوں کا جمع ہونا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

اگر پردہ کے ساتھ گھروں سے آتی ہوں، تو جائز ہے، بلا پردہ آنے کی اجازت نہیں ہے، اگر اس طرح بیٹھے کہ مردوں کی نظر، عورتوں پر پڑتی ہو یا اجنبی مردوں کا وہاں سے آنا جانا لگا رہتا ہو، اور بے پردگی کا اندیشہ ہو، تو ناجائز ہے، شرعی پردے کی رعایت کے ساتھ عورتوں کا آنا جائز ہے۔[۱]

= الجماعات، باب مایکره في المساجد، ط: دیوبند)

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك، عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق: ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي☆الهداية: ۱/ ۱۷۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ت: يوسف طلال، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

(۱) وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ (۲۴- النور: ۳۱)

عن عائشة- رضي الله عنه- زوج النبي صلى الله عليه وسلم: أنها كانت إذا مات الميت من أهلها، فاجتمع لذلك النساء، ثم تفرقن إلا أهلها وخاصتها، أمرت ببرمة من تلبينة فطبخت، ثم صنع ثريد فصبت التلبينة عليها، ثم قالت: كلن منها، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: التلبينة مجمة لفؤاد المريض، تذهب ببعض الحزن. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۱۵، رقم الحديث: ۵۴۱۷، كتاب الأطعمة، باب التلبينة، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۲/ ۲۲۷، رقم الحديث: ۹۰- ۲۲۱۶، كتاب السلام، باب لكل داء دواء واستحباب التداوي، ط: ديوبند)

قال: "ولا يجوز أن ينظر الرجل إلى الأجنبية إلا وجهها وكفيها" لقوله تعالى: ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ [النور: ۳۱] قال علي وابن عباس رضي الله عنهما، ما ظهر منها الكحل والخاتم، والمراد موضعهما وهو الوجه والكف، كما أن المراد بالزينة المذكورة موضعها، ... قال: "فإن كان لا يأمن الشهوة لا ينظر إلى وجهها إلا لحاجة" لقوله عليه الصلاة والسلام: "من نظر إلى محاسن امرأة أجنبية عن شهوة صب في عينيه الآنك يوم القيامة" فإذا خاف الشهوة لم ينظر من غير حاجة تحرزا عن المحرم. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر، المرغيناني، (م: ۵۹۳هـ): ۴/ ۳۶۸، كتاب الكراهية، فصل: في الوطء والنظر واللمس، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي☆البحر الرائق: ۲/ ۲۱۸، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، ط: دار الكتاب الإسلامي)

بل کہ تعزیت کی نیت سے جانا سنت ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] دفن کے بعد سر اور پیر کی جانب سورۂ بقرہ کی آیات پڑھنا

۱۱۷۰- سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد اس کے سر اور پیر کی سمت میں سورۂ بقرہ کا آخری رکوع پڑھا جاتا ہے، اس سے زیادہ پڑھنا کیسا ہے؟ مثلاً: تین مرتبہ سورۂ اخلاص اور تین مرتبہ سورۂ تکاثر وغیرہ؟

(المستفتی: مولوی ولی فلاحی خانپوری)

الجواب حامدا ومصليا:

حدیث پاک سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میت کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات المفلحون تک اور پاؤں کی جانب سورہ بقرہ کی آخری آیت آمن الرسول سے اخیر تک پڑھتے تھے، اس کے بعد لمبی دعاء کرتے تھے۔ (شامی: ۱/ ۸۴۴)[۲]

---

(۱) عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، يحدث عن أبيه، عن جده، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من مؤمن يعزي أخاه بمصيبة، إلا كساه الله سبحانه من حلل الكرامة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، ص: ۱۱۵، رقم الحديث: ۱۶۰۱، كتاب الجنائز، باب ما جاء في ثواب من عزى مصابا، ط: ديوبند)

عن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من عزى مصابا فله مثل أجره. (سنن الترمذي: ۱/ ۲۰۵، رقم الحديث: ۱۰۷۳، أبواب الجنائز، باب ما جاء في أجر من عزى مصابا، ط: ديوبند)

في شرح المنية: وتستحب التعزية للرجال والنساء اللاتي لا يفتن؛ لقوله - عليه الصلاة والسلام -: من عزى أخاه بمصيبة كساه الله من حلل الكرامة يوم القيامة، رواه ابن ماجه وقوله - عليه الصلاة والسلام -: من عزى مصابا فله مثل أجره، رواه الترمذي وابن ماجه. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ): ۲/ ۲۴۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، فروع في الجنائز، قبيل: مطلب في الثواب على المصيبة، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] عطاء بن أبي رباح، يقول: سمعت ابن عمر، يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة الكتاب، وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره. (المعجم الكبير - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۱۲/ ۴۴۴، رقم الحديث: ۱۳۶۱۳، باب العين، عطاء بن أبي رباح، عن ابن عمر، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة ☆ الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر - أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون بن يزيد الخَلَّال البغدادي الحنبلي (م: ۳۱۱ھ): ص: ۸۸، باب القراءة عند القبور، ت: الدكتور يحيى مراد، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۱۱/ ۴۷۴، رقم الحديث: ۸۸۵۴، الصلاة على من مات من أهل القبلة، ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: مكتبة=

یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ اتنی دیر تک دعا کرتے تھے، جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکے۔ [۲]

اس کے علاوہ سورۂ یٰسین شریف، سورۂ ملک، سورۂ تکاثر، اور سورۂ اخلاص تین، سات یا گیارہ مرتبہ پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دے، تو اس کا بڑا اجر ہے؛ میت کو جو کچھ بھی پڑھ کر بخشا جائے گا، اس کا ثواب اس کو ملے گا؛ اس لیے مذکورہ سورتیں پڑھنا بھی جائز ہے۔ [۳]

= الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية بيومباي بالهند)

قد ثبت أنه - عليه الصلاة والسلام - قرأ أول سورة البقرة عند رأس ميت وآخرها عند رجليه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنازة، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر - بيروت)

وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها. (المصدر السابق: ۲/ ۲۴۳)

مزید دیکھیے: شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور - جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱ھ): ۱/ ۱۰۹، ت: عبد المجيد طعمة حلبي، ط: دار المعرفة - لبنان.

(۲) حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ دفن کے بعد کچھ دیر موجود رہتے اور دعاء و استغفار کرتے، نیز اس کا صحابہ کو بھی حکم دیتے تھے، جیسا کہ اس روایت میں ہے: عن عثمان بن عفان، قال: كان النبي - صلى الله عليه وسلم - إذا فرغ من دفن الميت، وقف عليه، فقال: استغفروا لأخيكم، وسلوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسأل. (سنن أبي داود: ۲/ ۴۵۹، رقم الحديث: ۳۲۲۱، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، ط: البدر - ديوبند ☆ السنة - الإمام أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (م: ۲۴۱ھ): ۲/ ۵۹۸، رقم: ۱۴۲۵، سئل عن عذاب القبر وفتنة القبر، ت: د. محمد سعيد سالم القحطاني، ط: دار ابن القيم - الدمام ☆ إثبات عذاب القبر وسؤال الملكين - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ)، ص: ۱۲۵، رقم الحديث: ۲۱۱-۲۱۲، ت: د. شرف محمود القضاة، ط: دار الفرقان - عمان الأردن)

لیکن اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کرنے کے بقدر آپ ﷺ کا قبر کے پاس دعاء میں مشغول رہنا احقر کو نہیں ملا، ہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے انتقال کے وقت اس کی وصیت فرمائی تھی، طویل حدیث ہے، جزو مقصود ملاحظہ فرمائیں: فإذا دفنتموني فشنوا علي التراب شنا، ثم أقيموا حول قبري قدر ما تنحر جزور ويقسم لحمها، حتى أستأنس بكم، وأنظر ماذا أراجع به رسل ربي. (صحيح المسلم: ۱/ ۷۶، رقم: ۱۹۲- (۱۲۱)، كتاب الإيمان، باب بيان حكم عمل الكافر إذا أسلم بعده، ط: البدر ديوبند)

(۳) وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل {قل هو الله أحد} [الإخلاص: ۱] عن علي مرفوعا: من مر على المقابر وقرأ {قل هو الله أحد} [الإخلاص] إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات، وأخرج أبو القاسم: سعد بن علي الزنجاني في موائده عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دخل المقابر، ثم قرأ فاتحة الكتاب، وقل هو الله أحد، وألهكم التكاثر. ثم قال: إني جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر =

البتہ ضروری سمجھنا یا امام کو ان کے پڑھنے پر مجبور کرنا جائز نہیں ،حرام ہے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم غفرلہ

[۱۰] بعدِ دفن میت کے سرہانے اور پائنتی سورۂ بقرہ کی ابتدائی وآخری آیات پڑھنے کا حکم

۱۱۷۱- سوال: ہمارے یہاں امام صاحب مردوں کی تدفین کے بعد چپکے سے کچھ پڑھ کر، اردو میں لمبی دعا کرتے ہیں، اس کے متعلق ہم نے ان سے کہا کہ تدفین کے بعد سر کی جانب سورۂ بقرہ کی ابتدائی

=من المؤمنين والمؤمنات، كانوا شفعاء له إلى الله تعالى، وأخرج القاضي أبو بكر بن عبد الباقي الأنصاري في مشيخته عن سلمة بن عبيد قال: قال حماد المكي: خرجت ليلة إلى مقابر مكة فوضعت رأسي على قبر فنمت، فرأيت أهل المقابر حلقة حلقة، فقلت: قامت القيامة قالوا: لا، ولكن رجل من إخواننا قرأ: قل هو الله أحد، وجعل ثوابها لنا فنحن نقتسمه منذ سنة، وأخرج عبد العزيز صاحب الخلال بسنده عن أنس: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف الله عنهم، وكان له بعدد من فيها حسنات، وقال القرطبي: حديث: اقرءوا على موتاكم يس، هذا يحتمل أن تكون هذه القراءة عند الميت في حال حياته، ويحتمل أن تكون عند قبره، كذا ذكره السيوطي في شرح الصدور. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح- علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م:۱۰۱۴ھ): ۳/۱۲۲۸، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، رقم الحديث: ۱۷۱۷، ط: دار الفكر -بيروت☆عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العينى (م:۸۵۵ھ): ۳/۱۱۸، كتاب الوضوء، ''باب'' قبل: باب ما جاء في غسل البول، ط: دار إحياء التراث العربي -بيروت)

ويقرأ يس، وفي الحديث: من قرأ الإخلاص أحد عشر مرة ثم وهب أجرها للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويقرأ يس) لما ورد ''من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف الله عنهم يومئذ، وكان له بعدد من فيها حسنات'' بحر. وفي شرح اللباب: ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي - وآمن الرسول - وسورة يس وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثني عشر مرة أو إحدى عشر أو سبعا أو ثلاثا، ثم يقول: اللهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلان أو إليهم. اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۴۳، كتاب الصلاة، باب الجنازة، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر)

(۴) قال الطيبي: ... أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال ... وجاء في حديث ابن مسعود -رضي الله تعالى عنه-: "إن الله - عز وجل - يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه" اهـ (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح- علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م:۱۰۱۴ھ): ۲/۷۵۵، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، رقم الحديث: ۹۴۶، ط: دار الفكر -بيروت)

آیات اور پاؤں کی جانب سورۂ بقرہ کی آخری آیات پڑھنا مستحب ہے اور یہ طریقہ صحابۂ کرام سے ثابت ہے، اس کے جواب میں امام صاحب کا کہنا ہے کہ تم نے جو کہا ہے کہ میت کے سر اور پیر کی جانب، سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیت پڑھنا چاہیے، یہ مستحب ہے، جب کہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دعا مانگنا مسنون ہے، اور سورۂ یٰسین پڑھنا واجب ہے۔

آپ کی کتاب ''سکرات سے فاتحہ تک کی سنن و بدعات'' میں مردوں کی تدفین کے بعد مستحب طریقے کا تو ذکر ہے، لیکن امام صاحب کے بتائے ہوئے واجب اور مسنون طریقے کا کوئی ذکر نہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا ہمارے امام کا کہنا کہ ''سورۂ فاتحہ پڑھ کر دعا مانگنا مسنون، اور سورۂ یٰسین پڑھنا واجب ہے'' صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردے کی تدفین کے بعد ''سکرات سے فاتحہ تک کی سنن و بدعات'' نامی کتاب کے صفحہ ۲۸،۲۹ پر جو کچھ لکھا ہے، اس کو پڑھ کر عمل کیجیے؛ کہ یہ مستحب [عمل] ہے۔[1]

(۱) اصل کتاب، گجراتی زبان میں تھی، صاحب زادۂ محترم جناب حافظ اسجد بیمات صاحب نے خصوصی توجہ دی، مولانا ارشد بن مولانا عبدالرزاق فلاحی نے ترجمہ کیا، الحمد للہ یہ کتاب اب ''احکام میت-سکرات سے فاتحہ تک کی سنن اور بدعات'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے، اس میں حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا ہے:

میت کو دفن کرنے کے بعد مستحب طریقہ یہ ہے کہ میت کے سرہانے سورۂ بقرہ کی شروع والی آیات ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ تک اور پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کا آخری رکوع پڑھ کر بہ قدر ذبح اونٹ لمبی دعاء کرے، یہ طریقہ صحابہؓ سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه، و اسرعوا به إلى قبره، و ليقرأ عند رأسه فاتحة الكتاب، و عند رجليه بخاتمة البقرة. (مشکوٰۃ شریف، کتاب الجنائز، رقم: ۱۷۱۷، بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو تو تم اس کو روک کر مت رکھو؛ بل کہ جلدی دفن کرو، اور سر کی طرف سورۂ بقرہ کی اول آیات اور پاؤں کی طرف آخر آیات پڑھو۔

حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو بعض وصیتیں فرمائیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرنے کے بقدر دعاء استغفار کرنا۔ (مسلم شریف: ۱/۷۶) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ابوداود شریف میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دفن سے فارغ ہو کر ٹھہرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم اپنے بھائی کے لئے دعاء مغفرت کرو، اس کو ابھی قبر میں سوال ہوگا۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ۴/۱۴۹) [احکام میت-سکرات سے فاتحہ تک کی سنن و بدعات: ۴۳-۴۴]

آپ کے امام صاحب کا کہنا بالکل غلط ہے، تدفین یا زیارت کے موقع پر سورۂ یٰسین شریف یا کوئی دوسری سورت پڑھنا واجب نہیں ہے؛ بل کہ جب زیارت کے لیے جائے، تو سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ تکاثر اور سورۂ یٰسین پڑھنا مستحب ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۴ صفحہ ۸۲)[۲]

امام صاحب جیسے ذمہ دار آدمی کو ایسی غلط بات نہ بتانی چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ قرب قیامت میں بعض لوگ بغیر علم کے دوسروں کو مسئلہ بتائیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (حدیث شریف)[۳]

---

[۲] وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل {قل هو الله أحد} [الإخلاص:۱] عن علي مرفوعا: من مر على المقابر وقرأ {قل هو الله أحد} [الإخلاص:۱] إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات، وأخرج أبو القاسم: سعد بن علي الزنجاني في موائده عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دخل المقابر، ثم قرأ فاتحة الكتاب، وقل هو الله أحد، وألهاكم التكاثر. ثم قال: إني جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات، كانوا شفعاء له إلى الله تعالى، وأخرج القاضي أبو بكر بن عبد الباقي الأنصاري في مشيخته عن سلمة بن عبيد قال: قال حماد المكي: خرجت ليلة إلى مقابر مكة فوضعت رأسي على قبر فنمت، فرأيت أهل المقابر حلقة حلقة، فقلت: قامت القيامة قالوا: لا، ولكن رجل من إخواننا قرأ: قل هو الله أحد، وجعل ثوابها لنا فنحن نقتسمه منذ سنة، وأخرج عبد العزيز صاحب الخلال بسنده عن أنس: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف الله عنهم، وكان له بعدد من فيها حسنات، وقال القرطبي: حديث: اقرءوا على موتاكم يس، هذا يحتمل أن تكون هذه القراءة عند الميت في حال حياته، ويحتمل أن تكون عند قبره، كذا ذكره السيوطي في شرح الصدور. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۱۲۲۸/۳، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، رقم الحديث: ۱۷۱۷، ط: دار الفكر - بيروت ☆ عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العينى (م: ۸۵۵ھ): ۱۱۸/۳، كتاب الوضوء، "باب" قبل: باب ما جاء في غسل البول، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

[۳] عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى إذا لم يبق عالما اتخذ الناس رءوسا جهالا، فسئلوا فأفتوا بغير علم، فضلوا وأضلوا. (صحيح البخاري: ۲۰/۱، رقم الحديث: ۱۰۰، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۳۴۰/۲، رقم الحديث: ۱۳ - ۲۶۷۳، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن في آخر الزمان، ط: ديوبند)

بخاری شریف (جلد ۱، صفحہ ۱۸)[۲] میں ہے کہ علم کم ہوجائے گا اور جہالت عام ہوجائے گی۔

الغرض سورۂ یٰسین کی تلاوت کو واجب ٹھہرانا غلط ہے، قبرستان جاکر پڑھنا مستحب ہے، پڑھیں گے، تو ثواب ملے گا، نہیں پڑھیں گے، تو گناہ نہیں ہوگا، جب کہ آپ کے امام اس کو واجب کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ پڑھنے والے سب گنہ گار ہوں گے، مذہب اسلام میں ایسی تنگی نہیں ہے، اگر واجب ہوتا تو عوام کتنے بڑے بھاری گناہ میں گرفتار ہوجاتے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] تدفین کے بعد قبر پر فاتحہ پڑھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

۱۱۷۲- سوال: میت کو قبرستان میں لے جانے پر تدفین کے بعد قبر پر فاتحہ پڑھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصلّیا:

میت کو دفن کرنے کے بعد سر کی جانب "الٓمٓ، ذلك الكتاب لا ريب فيه" سے "هم المفلحون" تک، اور پیروں کی جانب سورۂ بقرہ کی اخیری آیت "آمن الرسول" سے اخیر تک پڑھ کر دیر تک دعا میں مشغول رہنا آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ اونٹ کو ذبح کرکے اس کے گوشت کو تقسیم کیا جائے، اتنی دیر تک آپ ﷺ دعاء مانگتے تھے۔[۱]

(۲) عن أنس بن مالك، قال: لأحدثنكم حديثا لا يحدثكم أحد بعدي، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من أشراط الساعة: أن يقل العلم، ويظهر الجهل، ويظهر الزنا، وتكثر النساء، ويقل الرجال، حتى يكون لخمسين امرأة القيم الواحد". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۸، رقم الحديث: ۸۱، كتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل، ط: ديوبند ☆الصحيح لمسلم: ۲/ ۳۴۰، رقم الحديث: ۸-۲۶۷۱، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن في آخر الزمان، ط: ديوبند)

(۱) حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ دفن کے بعد کچھ دیر موجود رہتے اور دعاء واستغفار کرتے، نیز اس کا صحابہ کو بھی حکم دیتے تھے، جیسا کہ اس روایت میں ہے: عن عثمان بن عفان، قال: كان النبي -صلى الله عليه وسلم- إذا فرغ من دفن الميت، وقف عليه، فقال: استغفروا لأخيكم، وسلوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسأل. (سنن أبي داود: ۲/ ۴۵۹، رقم الحديث: ۳۲۲۱، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، ط: البدر - ديوبند ☆السنة- الإمام أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (م: ۲۴۱هـ): ۲/ ۵۹۸، رقم: ۱۴۲۵، سئل عن عذاب القبر وفتنة القبر، ت: د. محمد سعيد سالم القحطاني، ط: دار ابن القيم - الدمام ☆إثبات عذاب القبر وسؤال الملكين - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ)، ص: ۱۴۵، رقم الحديث: ۲۱۱-۲۱۴، ت: د. شرف محمود القضاة، ط: دار الفرقان - عمان الأردن) =

نوٹ: دفن کرنے کے بعد جو آیت کی تلاوت کرتے ہیں، اُس کو دعا کہتے ہیں، اُس کے لیے فاتحہ کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے، اُس کا معنیٰ الگ ہوتا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

۱۱۷۳- سوال: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چہرہ قبلہ کی طرف کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا [اس طور پر کہ سامنے کوئی قبر نہ ہو] جائز ہے۔[2]

= لیکن اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کرنے کے بہ قدر آپ ﷺ کا قبر کے پاس دعاء میں مشغول رہنا احقر کو نہیں ملا، ہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے انتقال کے وقت اس کی وصیت فرمائی تھی، طویل حدیث ہے، جزو مقصود ملاحظہ فرمائیں: فإذا دفنتموني فشنوا علي التراب شنا، ثم أقيموا حول قبري قدر ما تنحر جزور ويقسم لحمها، حتى أستأنس بكم، وأنظر ماذا أراجع به رسل ربي. (صحيح المسلم: ۱/۷۶، رقم: ۱۹۲- (۱۲۱)، كتاب الإيمان، باب بيان حكم عمل الكافر إذا أسلم بعده، ط: البدر ديوبند)

تقدم تخريجه تحت عنوان: دفن کے بعد سر اور پیر کی جانب سورۂ بقرہ کی آیات پڑھنا ☆ بعد دفن میت کے سرہانے اور پائنتی سورۂ بقرہ کی ابتدائی و آخری آیات پڑھنے کا حکم۔

(۱) اس لیے کہ "فاتحہ" کا استعمال اہل بدعت کے یہاں اُس موقع پر ہوتا ہے، جب کہ سامنے کھانا یا مٹھائی رکھی جائے، اگربتی جلائی جائے اور اُس کے سامنے بیٹھ کر قرآن کریم کی مخصوص سورت یا آیت پڑھی جائے، اور ان سب میں یہ عقیدہ کارفرما ہوتا ہے کہ مردے کی روح گھر میں ہر جمعرات کو آتی ہے، اور صاحب خانہ سے فریاد کرتی ہے، حالاں کہ یہ بات قطعاً غلط ہے، ضابطہ یہ ہے کہ ایک لفظ کے کئی مفہوم ہوں، ایک صحیح اور دوسرا غلط، تو احوط یہ ہے کہ اس لفظ کو استعمال ہی نہ کیا جائے، كما يفهم من قوله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا. (۲-البقرة: ۱۰۴)

(۲) بہتر یہ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگی جائے، اس کے بغیر بھی میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے، لیکن اگر ہاتھ اٹھا کر ہی دعاء مانگنا ہو، تو قبلہ رو ہو کر دعاء مانگے، جیسا کہ ذیل کی روایت میں ہے:

عن أبي وائل، عن عبد الله، قال: "والله لكأني أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك، وهو في قبر عبد الله ذي البجادين وأبو بكر وعمر رضي الله تعالى عنهم، يقول: أدليا مني أخاكما، وأخذه من قبل القبلة حتى أسنده في لحده، ثم خرج النبي صلى الله عليه وسلم وولاهما العمل، فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا يديه يقول: اللهم إني أمسيت عنه راضيا فارض عنه، وكان ذلك ليلا، فوالله لقد رأيتني ولوددت أني مكانه، ولقد أسلمت قبله بخمسة عشر سنة" (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء- أبو نعيم أحمد بن عبد الله، الأصبهاني (م: ۴۳۰ھ): ۱/۱۲۲، عبد الله ذو البجادين ومنهم الأواه التالي، المتجرد من المعروض الخالي...، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۴۴، ط: مکتبہ شیخ الاسلام- دیو بند۔

قبر کی طرف رخ کر کے دعا مانگنے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ قبر والے سے مانگتا ہے؛ اس لیے قبر کی طرف سے رخ پھیر کر قبلہ رو ہو کر دعا مانگنی چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] قبرستان میں قبر کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

۱۱۷۴- سوال: قبرستان میں میت کو دفنانے کے بعد دعا کی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ اس دعا میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

میت کو دفنانے کے بعد قبر پر دعا کرنا جائز؛ بل کہ مستحب ہے اور اس دعا میں ہاتھ اٹھانا بھی جائز ہے؛ کیوں کہ دعاء کے آداب میں ہاتھ اٹھانا بھی شامل ہے، حدیث شریف میں بھی قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا ذکر ہے۔ لیکن دعاء کے وقت منہ قبلہ کی طرف رکھنا چاہیے، قبر کی طرف نہیں رکھنا چاہیے۔ (فتاوی رحیمیہ ☆ شامی)[۱]

قبرستان میں زیارت کے لیے گئے ہوں، تو بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے؛ لیکن کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے، جس سے یہ معلوم ہو کہ قبر سے یا قبر والے سے کچھ مراد (منت) مانگی جارہی ہے؛ اس لیے قبلہ رو ہو کر دعاء کی جائے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] دیکھیے: فتاویٰ رحیمیہ: ۷/ ۹۵، کتاب الجنائز، باب ما یتعلق بایصال الثواب، بہ عنوان: تدفین کے بعد مجتمعاً ایصال ثواب کا حکم، ط: دارالاشاعت، کراچی، پاکستان ☆ رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۲۳۷، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی دفن المیت۔

(۲) وفي حديث بن مسعود رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبر عبد الله ذي النجادين الحديث، وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا يديه، أخرجه أبو عوانة في صحيحه. (فتح الباري شرح صحيح البخاري- أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م: ۸۵۲هـ): ۱۱/ ۱۴۴، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، ط: دار المعرفة- بيروت)

عن عائشة، قالت: كنت إلى جنب النبي صلى الله عليه وسلم ففقدته فاتبعته فإذا هو بالبقيع رافعا يديه يدعو، فقال: يا ابنة أبي بكر، أحسبت أن الله يحيف عليك ورسوله، إن الله ينزل في هذه الليلة النصف من شعبان، فيغفر فيها من الذنوب أكثر من عدد شعر معز كلب. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار- أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۶/ ۱۰۸، رقم الحديث: ۲۹۸۵۸، كتاب الدعاء، ما قالوا في ليلة النصف من شعبان وما يغفر فيها من الذنوب، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد- الرياض)

مزید تفصیل کے لیے "قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا" کے حواشی دیکھیں۔

[۱۴] میت کے لیے ایصال ثواب کا افضل طریقہ اور دعاء میں ہاتھوں کا اٹھانا

۱۱۷۵- سوال: میت کو دفنانے کے بعد قرآن مجید کی کن آیتوں کا پڑھنا افضل ہے؟ نیز اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعائے مغفرت کرتے وقت ہاتھ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: حاجی محمد حسین

الجواب حامداومصليا:

دفنِ میت کے بعد سورہ بقرہ کی ابتدائی آیت: الم سے هم المفلحون تک اور پاؤں کی جانب آخری آیت آمن الرسول سے اخیر تک پڑھ کر اس کے لیے دعائے مغفرت کریں؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی لمبی لمبی دعائیں کیا کرتے تھے، اتنی دیر تک دعاء کرتے تھے، جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکے۔[۱] ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا جائز ہے، مگر چہرہ قبلہ کی جانب کر کے دعاء کرے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] میت کے دفن کے بعد قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا

۱۱۷۶- سوال: کیا میت کو دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا ضروری ہے؟ ہاتھ اٹھانے میں کیا فائدہ اور نہ اٹھانے میں کیا نقصان ہے؟ تفصیل سے جواب عطا فرمائیں گے۔ احقر مولوی ولی فلاحی خانپوری

الجواب حامداومصليا:

قبرستان میں زیارت قبور کے مقصد کے لیے گیا ہو یا کسی میت کے دفن کے لیے؛ دونوں صورتوں میں دعا کو ضروری سمجھنا بدعت ہے اور ہر بدعت، موجب ضلالت ہے۔[۳]

---

(۱) ''دفن کے بعد سر اور پیر کی جانب سورۂ بقرہ کی آیات پڑھنا'' کے حواشی دیکھیں۔

(۲) ''قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا'' کے حواشی دیکھیں۔

(۳) عن عائشة- رضي الله عنها- قالت: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود ☆ صحيح مسلم: ۲/ ۷۷، رقم الحديث: ۱۷-(۱۷۱۸)، كتاب الحدود، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ط: فيصل- ديوبند)

قال الملا علي القاري: (من أحدث)، أي: جدد وابتدع أو أظهر واخترع (في أمرنا هذا)، أي: في دين الإسلام، ... وعبر عنه بالأمر تنبيها على أن هذا الدين هو أمرنا الذي نهتم له ونشتغل به، بحيث لا يخلو عنه شيء من أقوالنا وأفعالنا. (ما ليس منه): كذا في "الصحيحين"، والحميدي و"جامع الأصول" و"شرح السنة" وفي=

البتہ کھڑے ہوکر قبلہ کی جانب اپنا منہ کر کے دعا کرنا مستحب ہے، مسلم شریف میں ہے کہ مدینہ منورہ میں حضور پاک ﷺ نے بقیع غرقد میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کی تھی۔ (مسلم شریف ١/ ٣١٣)[١]

امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ کھڑے ہوکر، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مستحب ہے؛[٢] لہٰذا اگر ہاتھ اٹھائے بغیر دعا کرے، تو بھی جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٢] نمازِ جنازہ کے بعد اور قبر پر دعا مانگنا، اگربتی جلانا اور دفن کے بعد ٤٠ ر قدم پر دعا کرنا

١١٧٧- سوال: نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قبرستان میں قبر کے اوپر اگربتی جلانا جائز ہے یا نہیں اور مردے کو دفن کرنے کے بعد ٤٠ ر قدم پر کھڑے ہوکر مردے کے لیے دعا کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

=" المشارق " وبعض نسخ المصابيح: ما ليس فيه (فهو)، أي: الذي أحدثه (رد)، أي: مردود عليه. . . قال القاضي: المعنى من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي ملفوظ أو مستنبط فهو مردود عليه. (مرقاة المفاتيح: ١/ ٢٢٢، رقم الحديث: ١٤٠، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ط: دار الفكر- بيروت)

ويكره عند القبر كل ما لم يعهد من السنة. (البحر الرائق: ٢/ ٢٠١، كتاب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[١] . . . قالت عائشة: ألا أحدثكم عني وعن رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا: بلى، قال: قالت: لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله عليه وسلم فيها عندي، انقلب فوضع رداءه، وخلع نعليه، فوضعهما عند رجليه، وبسط طرف إزاره على فراشه، فاضطجع، فلم يلبث إلا ريثما ظن أن قد رقدت، فأخذ رداءه رويدا، وانتعل رويدا، وفتح الباب فخرج، ثم أجافه رويدا، فجعلت درعي في رأسي، واختمرت، وتقنعت إزاري، ثم انطلقت على إثره، حتى جاء البقيع فقام، فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات، ثم انحرف فانحرفت، فأسرع فأسرعت، فهرول فهرولت، فأحضر فأحضرت، فسبقته فدخلت . . . الحديث. (الصحيح لمسلم: ١/ ٣١٣، كتاب الجنائز، فصل في التسليم على أهل القبور والدعاء والاستغفار لهم، ط: مختار اينڈ كمپني- ديوبند)

(٢) قولها (جاء البقيع، فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات) فيه استحباب إطالة الدعاء، وتكريره، ورفع اليدين فيه، وفيه أن دعاء القائم أكمل من دعاء الجالس في القبور. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، المعروف بـ شرح النووي- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ٦٧٦هـ): ٧/ ٤٣، كتاب الجنائز، قوله صلى الله عليه وسلم: اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمانوں کو وہی کام کرنا چاہیے، جس کی اصل قرآن کریم اور نبوی تعلیمات میں ہو، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت لازم وضروری ہے اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے بتلائے ہوئے راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے گا، وہ گمراہ ہو جائے گا۔ [١]

رسول اللہ ﷺ سے جس چیز کی اصل ثابت نہ ہو، اس کو دین سمجھ کر انجام دینا بدعت ہے۔ [٢]

جنازہ کی نماز کے بعد اور تدفین کے بعد ٤٠ رقدم چل کر دعا مانگنا، رسول اللہ سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا جو شخص اس کو ضروری سمجھ کر کرے گا، تو وہ بدعت کا مرتکب ہوگا، واضح رہے کہ نماز جنازہ بجائے خود مستقل دعاء ہے؛ لہٰذا اس کے بعد دعا مانگنا مسنون نہیں ہوگا۔ [٣]

---

(١) وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (٣-آل عمران: ٨٥)

(٢) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: (من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد.) متفق عليه ــــــــ قال الملا علي القاري: (من أحدث)، أي: جدد وابتدع أو أظهر واخترع (في أمرنا هذا)، أي: في دين الإسلام، ... وعبر عنه بالأمر تنبيها على) أن هذا الدين هو أمرنا الذي نهتم له ونشتغل به بحيث لا يخلو عنه شيء من أقوالنا وأفعالنا.... (ما ليس منه): كذا في "الصحيحين"، والحميدي و "جامع الأصول" و "شرح السنة" وفي "المشارق" وبعض نسخ المصابيح ما ليس فيه (فهو)، أي: الذي أحدثه (رد)، أي: مردود عليه... قال القاضي: المعنى من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي ملفوظ أو مستنبط فهو مردود عليه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح – علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ١٠١٤هـ): ١/ ٢٢٢، رقم الحديث: ١٤٠، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ط: دار الفكر - بيروت)

(٣) ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة. (المصدر السابق: ٣/ ١٢١٣، تحت حديث مالك بن هبيرة رضي الله عنه، رقم الحديث: ١٦٨٧، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثالث، ط: دار الفكر - بيروت)

ولا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلاة الجنازة؛ لأنه قد دعا مرة؛ لأن أكثر صلاة الجنازة الدعاء. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني – أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مازة البخاري الحنفي (م: ٦١٦هـ): ٢/ ٢٠٥، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

میت کے اعمال صالحہ اس کے لیے خوش بو کا درجہ رکھتے ہیں؛ صالح انسان کی روح نکالنے کے لیے جو فرشتہ آتا ہے، وہ خوش بو لے کر آتا ہے۔ (۴) اس لیے میت کے لیے اگربتی وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے اور قبر پر اس کا جلانا اسراف اور فضول خرچی کی وجہ سے حرام ہے۔ (۵)

اگر ورثاء کے مال سے ہے، تو ان کی اجازت کے بغیر مال خرچ کرنے کا گناہ بھی لازم آئے گا؛ اس لیے ان چیزوں سے اجتناب ضروری ہے، البتہ جن تختوں پر لٹا کر غسل دیتے ہیں، اس کو دھونی دینا اور اس کے کفن کے کپڑوں کو دھونی دینا مسنون ہے۔ (۶) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] تدفین کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

۱۱۷۸- سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد جو دعا کی جاتی ہے، اس میں ہاتھ اٹھانا چاہیے یا نہیں؟

---

(۴) وذكر ابن الحاج في المدخل أنه ينبغي أن يجتنب ما أحدثه بعضهم من أنهم يأتون بماء الورد فيجعلونه على الميت في قبره فإن ذلك لم يرو عن السلف رضي الله عنهم فهو بدعة، قال ويكفيه من الطيب ما عمل له وهو في البيت فنحن متبعون لا مبتدعون فحيث وقف سلفنا وقفنا اهـ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ) ،ص: ۶۰۸، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۵) عن ابن عباس قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد والسرج. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۴/ ۹۴، كتاب الجنائز، التغليظ في اتخاذ السرج على القبور، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

(والسرج): جمع سراج، والنهي عن اتخاذ السرج لما فيه من تضييع المال؛ لأنه لا نفع لأحد من السراج، ولأنها من آثار جهنم، وإما للاحتراز عن تعظيم القبور، كالنهي عن اتخاذ القبور مساجد، كذا قاله بعض علمائنا. (مرقاة المفاتيح: ۲/ ۶۱۹، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ۷۴۰، ط: دار الفكر - بيروت)

(۶) وجميع ما يجمر فيه الميت ثلاث: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الكريهة وعند غسله وعند تكفينه، ولا يجمر خلفه ولا في القبر؛ لما روي "لا تتبعوا الجنازة بصوت ولا نار". (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۲/ ۱۰۸، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھائے بغیر دعا کرنی چاہیے۔[1] اور اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی ہو، تو چہرہ قبلہ کی طرف، اور پشت قبر کی طرف رکھے۔[2] اور قبر کے پاس فاتحہ خوانی کا جو رواج ہے، وہ ناجائز ہے۔ (فتاوی رشیدیہ)[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] ایضاً

۱۱۷۹- سوال: قبرستان میں میت کو دفنانے کے بعد دعا کی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ اس دعا میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو دفنانے کے بعد قبر پر دعا کرنا جائز؛ بل کہ مستحب ہے اور اس دعا میں ہاتھ اٹھانا بھی جائز ہے؛

---

(۱) عن سليمان بن بريدة، عن أبيه، قال: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمهم إذا خرجوا إلى المقابر، فكان قائلهم يقول - في رواية أبي بكر -: السلام على أهل الديار، - وفي رواية زهير -: السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين والمسلمين، وإنا إن شاء الله للاحقون، أسأل الله لنا ولكم العافية". (الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۱۴، رقم الحديث: ۱۰۴- ۹۷۵، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور، ط: المكتبة الأشرفية- ديوبند)

عن عائشة، أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم - كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم - يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأتاكم ما توعدون غدا، مؤجلون، وإنا، إن شاء الله، بكم لاحقون، اللهم، اغفر لأهل بقيع الغرقد. (حوالہ سابق: رقم الحدیث: ۱۰۲- ۹۷۴)

عن ابن عباس قال: مر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبور المدينة فأقبل عليهم بوجهه، فقال: السلام عليكم يا أهل القبور، يغفر الله لنا ولكم، أنتم سلفنا، ونحن بالأثر. (سنن الترمذي: ۱/ ۲۰۳، رقم الحديث: ۱۰۵۳، أبواب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر، ط: ديوبند)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں عنوان: "قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا" ☆ "میت کے دفن کے بعد قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا"۔

[۳] حضرت مفتی صاحب نے فتاویٰ رشیدیہ کے حوالے سے یہ تحریر فرمایا ہے کہ فاتحہ خوانی کا رواج ناجائز ہے۔

حالاں کہ "فتاویٰ رشیدیہ" میں سوال وجواب کی تفصیل یوں ہے:

سوال: بعد دفن میت کے چند قدم ہٹ کر فاتحہ وغیرہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

جواب: چند قدم ہٹنا اس کی کچھ اصل نہیں، مگر بعد دفن کے اگر ایصال ثواب کے لیے کچھ بخشے تو درست ہے؛ لیکن کلمات تعزیت کہنے درست نہیں۔ (تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۳۳، مطبوعہ، مکتبۃ الحق، ماڈرن ڈیری جوگیشوری)

کیوں کہ دعاء کے آداب میں ہاتھ اٹھانا بھی شامل ہے، حدیث شریف میں بھی قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا ذکر ہے۔ لیکن دعاء کے وقت منہ قبلہ کی طرف رکھنا چاہیے، قبر کی طرف نہیں رکھنا چاہیے۔[1]

قبرستان میں زیارت کے لیے گئے ہوں، تو بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے؛ لیکن کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے، جس سے یہ معلوم ہو کہ قبر سے یا قبر والے سے کچھ مراد (منت) مانگی جارہی ہے؛ اس لیے قبلہ رو ہو کر دعا کی جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] نابالغ بچوں کے ایصالِ ثواب کے لیے نابالغ بچوں کو کھلانا

۱۱۸۰- سوال: ڈیڑھ دو سال کا معصوم بچہ انتقال کر گیا ہو، تو اس کو ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ایصالِ ثواب سے مراد، انتقال کے بعد معصوم بچوں کو کھلانا ہے۔ سوال کی وجہ یہ ہے کہ معصوم بچے کو ایصالِ ثواب کرنے سے کیا فائدہ، وہ گنہگار تو ہے نہیں؛ لہٰذا اس کے انتقال کے بعد صرف ایصالِ ثواب کے لیے معصوم بچوں کو کھانا کھلانا رسم اور بدعت تو نہیں ہوگا؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

ایصالِ ثواب کے لیے جو چیز کھلائی جائے، اسے غریبوں کو کھلانا چاہیے۔ معصوم بچے اگر مال دار کے ہوں، تو انہیں کھلانا گویا مال دار کو کھلانا ہے، جس کا ثواب غرباء کو کھلانے جیسا نہیں ہوگا۔[1]

یہ صحیح ہے کہ نابالغ بچے کو ایصالِ ثواب کی ضرورت نہیں، نابالغ اولاد کی عبادت کا ثواب اس کے والدین کو ملتا ہے۔[2] اگر چہ بچوں کو اپنے عمل کے ثواب کی بھی ضرورت نہیں، مگر پھر بھی کوئی ایصالِ ثواب

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ''تدفین کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا'' کا حاشیہ۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: عید میلاد پر ایک واقعہ سے استدلال (فتاویٰ فلاحیہ: ۱ر ۳۹۰) کا حاشیہ نمبر: ۵۔

(۳) نابالغ کو ان کی حسنات کا ثواب ملتا ہے، نہ کہ اس کے والدین کو؛ والدین کو عمدہ تعلیم وتربیت کا ثواب ملتا ہے۔ عام علماء کا قول یہی ہے، البتہ بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ والدین کو بچوں کے علم اور اس نیکی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، تفصیل کے لیے ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وقالوا ثواب الطفل للطفل. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله ثواب الطفل للطفل) - {وأن ليس للإنسان إلا ما سعى} [النجم: ۳۹] - وهذا قول عامة مشايخنا وقال بعضهم: ينتفع المرء بعلم ولده بعد موته لما روي عن أنس بن مالك - رضي الله تعالى عنه - أنه قال من جملة ما ينتفع به العبد بعد موته أن يترك ولدا علمه القرآن والعلم فيكون لوالده أجر ذلك من غير أن ينقص من أجر الولد شيئا اهـ جامع الصغار للأسروشني، ويؤيده=

کرے، تو ثواب پہنچ جائے گا۔ [۳] جیسا کہ انبیاء ورسل معصوم ہوتے ہیں؛ لیکن کوئی انہیں ایصال ثواب کرے، تو ثواب پہنچتا ہے اور ان کے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=قوله - صلى الله عليه وسلم - : إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث" حموي ، وتمام الحديث : صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له. وفي الأشباه: وتصح عبادته. واختلفوا في ثوابها والمعتمد أنها له وللمعلم ثواب التعليم، وكذا جميع حسناته اهـ. ـــــــــ أقول: ظاهره أنه قيل إن ثوابها لوالده فلا منافاة بين المعتمد، وبين القول بأنه، ينتفع بعلم ولده على أن ولد المرء من سعيه، لأنه من خير كسبه كما ورد لكنه يشمل البالغ، والخلاف إنما هو في الصغير ، وهذا يؤيد ما قلنا من أن مقابل المعتمد هو أن الثواب للأب فقط، وأنه لا منافاة بين القولين السابقين تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ٦/ ٣١-٠ ٣٣، قبيل كتاب إحياء الموات، ط: دار الفكر)

وفي البزازي إذا عمل الصبي حسنات قبل البلوغ فثوابه له لا لأبويه، ولهما ثواب التعليم إن علماه، وقيل ثواب الطاعة له مع أبويه. (لسان الحكام في معرفة الأحكام-أحمد بن محمد بن محمد، أبو الوليد، لسان الدين ابن الشِّحْنَة الثقفي الحلبي الحلبي (م: ٨٨٢هـ) ص: ٣٧٢، الفصل التاسع عشر في الهبة، ط: البابي الحلبي - القاهرة ☆البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م: ٩٧٠هـ): ٢/ ٢١٢، كتاب الجنائز ، باب الشهيد، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح-أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ١٢٣١هـ) ص: ٥٨٧، باب أحكام الجنائز ، فصل الصلاة عليه، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان)

(۳) سائل کا یہ دریافت کرنا کہ بچے معصوم ہوتے ہیں، ان کو ایصال ثواب کرنا بے معنی ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا معصوم بچے کے لیے ایصال ثواب کے طور پر کھانا کھلانا کہیں رسم ورواج میں داخل تو نہیں ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ فی الجملہ اس ثواب کا اثر بچے پر پڑتا ہے، شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی گئی تھی، حالاں کہ وہ مغفور ہیں، اس کا جواب دیتے ہوئے ابن نجیم مصریؒ نے جو کچھ تفصیل بیان کی ہے، اس سے متعلقہ مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

وأما الصلاة ، فلصلاته - عليه السلام - على حمزة وغيره يوم أحد، ولحديث البخاري: أنه صلى على قتلى أحد بعد ثمان سنين، وما قيل من أنهم أحياء ، والحي لا يصلى عليه ، فمدفوع بأنه حكم أخروي لا دنيوي، بدليل ثبوت أحكام الموتى لهم من قسمة تركاتهم ، وبينونة نسائهم إلى غير ذلك ، وما قيل من أنها للاستغفار وهم مغفور لهم، فمنتقض بالنبي والصبي كما في الهداية ، وما في فتح القدير من أنه لو اقتصر على النبي لكان أولى ، فإن الدعاء في الصلاة على الصبي لأبويه فمدفوع من أن كلامه في نفس الصلاة لا في المدعو له ولأن الصبي ليس بمستغن عن الرحمة فنفس الصلاة عليه رحمة له ونفس الدعاء الوارد لأبويه دعاء له؛ لأنه إذا كان فرطا لأبويه فقد تقدمهما في الخير لا سيما ، وقد قالوا إن حسنات الصبي له لا لأبويه ، ولهما ثواب التعليم. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م: ٩٧٠هـ): ٢/ ٢١٢، كتاب الجنائز ، باب الشهيد، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۴) . . . وكذا اختلف في إطلاق قول" اجعل ذلك زيادة في شرفه - صلى الله عليه وسلم - فمنع منه شيخ الإسلام=

[۲۰] میت کے ایصالِ ثواب کے لیے حج کروانا

۱۱۸۱- سوال: میری بھانجی کا انتقال ہوگیا ہے اور اس کے والدین، اس کے ایصالِ ثواب کے لیے مجھے حج بدل کے طور پر بھیجنا چاہتے ہیں، تو بھانجی کے نام سے میں حج کس طریقے پر ادا کروں؟ احرام کس طرح باندھا جائے اور نیت کس طرح کی جائے؟ اور اس سے پہلے میں نے کبھی حج نہیں کیا، تو کیا میں اپنی بھانجی کی جانب سے حج بدل کر سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب سے پہلے دیکھا جائے گا کہ اس لڑکی پر (جو آپ کی بھانجی ہے) حج فرض تھا یا نہیں؟ اگر تھا، تو حج بدل میں ایسے شخص کو بھیجنا چاہیے، جس نے اپنا حج ادا کر لیا ہو، اگر کوئی ایسے شخص کو حج بدل کے طور پر بھیجے، جس نے اپنا حج ادا نہیں کیا ہے، تو ایسی صورت میں بھی بھیجنے والے کی جانب سے فریضہ ساقط ہو جائے گا، البتہ یہ بہتر نہیں ہے۔

= البلقيني والحافظ ابن حجر؛ لأنه لم يرد له دليل. وأجاب ابن حجر المكي في الفتاوى الحديثية بأن قوله تعالى {وقل رب زدني علما} [طه: ۱۱۴] وحديث مسلم "أنه - صلى الله عليه وسلم - كان يقول في دعائه: واجعل الحياة زيادة لي في كل خير" دليل على أن مقامه - صلى الله عليه وسلم - وكماله يقبل الزيادة في العلم والثواب وسائر المراتب والدرجات، وكذا ورد في دعاء رؤية البيت: وزد من شرفه وعظمه واعتمره تشريفا إلخ فيشمل كل الأنبياء، ويدل على أن الدعاء لهم بزيادة الشرف مندوب، وقد استعمله الإمام النووي في خطبتي كتابيه الروضة والمنهاج، وسبقه إليه الحليمي وصاحبه البيهقي. وقد رد على البلقيني وابن حجر شيخ الإسلام القاياتي، ووافقه صاحبه الشرف المناوي، ووافقهما أيضا صاحبهما إمام الحنفية الكمال بن الهمام، بل زاد عليهما بالمبالغة حيث جعل كل ما صح من الكيفيات الواردة في الصلاة عليه - صلى الله عليه وسلم - موجودا في كيفية الدعاء بزيادة الشرف، وهي: اللهم صل أبدا أفضل صلواتك على سيدنا محمد عبدك ونبيك ورسولك محمد وآله وسلم تسليما كثيرا، وزده تشريفا وتكريما، وأنزله المنزل المقرب عندك يوم القيامة اهـ. فانظر كيف جعل طلب هذه الزيادة من الأسباب المقتضية لفضل هذه الكيفية على غيرها من الوارد كصلاة التشهد وغيرها، وهذا تصريح من هذا الإمام المحقق بفضل طلب الزيادة له - صلى الله عليه وسلم - فكيف مع هذا يتوهم أن في ذلك محذورا، ووافقهم أيضا صاحبهم شيخ الإسلام زكريا اهـ ملخصا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۴، باب صلاة الجنازة، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، ط: دار الفكر - بيروت)

اور اگر حج لڑکی پر فرض نہیں ہے، تو پھر حج نفل ہوگا اور مرحومہ کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا۔ (ان شاء اللہ)[1]

نوٹ مرحومہ کے والدین کو بتلایا جائے کہ مرحومہ کے لیے ایسا کام کریں، جس میں ثواب زیادہ ہو، محتاج رشتہ دار اور یتیم و مسکین کی مدد زیادتی ثواب کا باعث ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[١] والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه؛ لأنه أهدى إلى إقامة الأعمال؛ ولأنه أبعد عن الخلاف، فإن الذي لم يحج عن حجة الإسلام عن نفسه لم تجز حجته عن غيره عند بعض الناس، ومع هذا لو أحج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا، وسقط الحج عن الآمر؛ لأن النبي عليه السلام حين أمر الخثعمية، قال الحج عن أبيها لم يستفسر أنها هل حجت عن نفسها أم لا؟. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني -أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:٦١٦هـ): ٢/ ٤٨٧، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر: في الرجل يحج عن آخر، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆الفتاوى التاتارخانية: ٣/ ٦٤٩، كتاب الحج، الفصل الخامس عشر في الحج عن الغير، ط: زكريا - ديوبند☆ إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، ص: ٦٥٠، باب الحج عن الغير☆ الفتاوى الهندية: ١/ ٢٥٧، كتاب المناسك، الرابع عشر في الحج في الحج عن الغير، ط: دار الفكر - بيروت☆ المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ٤٨٣هـ): ٤/ ١٥١، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ط: دار المعرفة- بيروت)

(٢) حج الفرض أولى من طاعة الوالدين، بخلاف النفل. بناء الرباط أفضل من حج النفل. واختلف في الصدقة ورجح في البزازية أفضلية الحج لمشقته في المال والبدن جميعا، قال: وبه أفتى أبو حنيفة حين حج وعرف المشقة. (الدر المختار) ———— قال ابن عابدين: (قوله ورجح في البزازية أفضلية الحج) حيث قال الصدقة أفضل من الحج تطوعا، كذا روي عن الإمام لكنه لما حج وعرف المشقة أفتى بأن الحج أفضل، ومراده أنه لو حج نفلا وأنفق ألفا، فلو تصدق بهذه الألف على المحاويج، فهو أفضل لا أن يكون صدقة فليس أفضل من إنفاق ألف في سبيل الله تعالى، والمشقة في الحج لما كانت عائدة إلى المال والبدن جميعا فضل في المختار على الصدقة. اهـ. قال الرحمتي: والحق التفصيل، فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل فهو الأفضل كما ورد "حجة أفضل من عشر غزوات" وورد عكسه فيحمل على ما كان أنفع، فإذا كان أشجع وأنفع في الحرب فجهاده أفضل من حجه، أو بالعكس فحجه أفضل، وكذا بناء الرباط إن كان محتاجا إليه كان أفضل من الصدقة وحج النفل وإذا كان الفقير مضطرا أو من أهل الصلاح أو من آل بيت النبي - صلى الله عليه وسلم - فقد يكون إكرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط. ———— كما حكى في المسامرات عن رجل أراد الحج فحمل ألف دينار يتأهب بها فجاءته امرأة في الطريق وقالت له إني من آل بيت النبي - صلى الله عليه وسلم - وبي ضرورة، فأفرغ لها ما معه، فلما رجع حجاج بلده صار كلما لقي رجلا منهم يقول له تقبل الله منك، فتعجب من قولهم، فرأى النبي - صلى الله عليه=

[۲۱] جنازہ کی نماز کے بعد دعا اور ایصال ثواب کی بعض صورتوں کا حکم

۱۱۸۲- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے؛ کیوں کہ اس کا ثبوت حدیث وفقہ میں نہیں ہے، نماز جنازہ خود دعا ہے، اس کے بعد دعاء مانگنے میں قباحت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعاء کو نماز کے اندر یا باہر کے ساتھ مقید فرمایا ہو یا اس دعاء سے منع فرمایا ہو، اس کے لیے کتب معتبرہ سے کچھ ثبوت ہے؟ کیوں کہ صحاح ستہ وغیرہ احادیث کی کتاب میں موجود ہے کہ یہ بدعت نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص بدعت پر ثواب سمجھ کر عمل پیرا ہو، تو اس کے لیے شرعا کیا حکم ہے؟

فاتحہ اور ایصال ثواب کے طریقے - جو کہ بدعت حسنہ ہیں اور تطوع اعمال میں شمار ہیں - مباح ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداومصليا:

نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنا بدعت ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، مولوی صاحب کا فرمانا بالکل صحیح ہے۔[۱]

نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا بدعت ہے۔

=وسلم - في نومه، وقال له: تعجبت من قولهم تقبل الله منك؟ قال نعم يا رسول الله؛ قال: إن الله خلق ملكا على صورتك حج عنك؛ وهو يحج عنك إلى يوم القيامة بإكرامك لامرأة مضطرة من آل بيتي؛ فانظر إلى هذا الإكرام الذي ناله لم ينله بحجات ولا ببناء ربط. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۲۱، كتاب الحج، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة، ط: دار الفكر - بيروت☆ منحة الخالق على البحر الرائق: ۲/ ۳۳۴، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۱) ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۳/ ۱۲۱۳، كتاب الجنائز، المشي بالجنازة والصلاة عليها، ط: دار الفكر - بيروت)

ولا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلاة الجنازة؛ لأنه قد دعا مرة، لأن أكثر صلاة الجنازة الدعاء. (المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۲/ ۲۰۵، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

فی نفسہ فاتحہ پڑھنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے، مگر اس موقع پر لوگوں نے اس کو ضروری اور لازم سمجھ رکھا ہے اور نہ پڑھنے پر اعتراض کرتے ہیں، ان کو برا کہتے ہیں، اور جو چیزیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، ان کو ضروری اور لازم ٹھہرانا ایسا ہے کہ گویا وہ لوگ دین کے ناقص ہونے کے دعوے دار ہیں، تو یہ بدعت حسنہ نہیں ہوگا اور اپنی طرف سے دیگر مذاہب کی دیکھا دیکھی کسی ایسے غیر ثابت شدہ عمل کو انجام دینا جس کا دین محمدی سے کوئی تعلق نہ ہو، سخت جرم ہے۔ (۲)

فی نفسہ ایصال ثواب بہت اچھی چیز ہے، خواہ نماز، قرآن شریف اور تسبیح وغیرہ پڑھ کر ہو، یا غرباء کو کھانا، اور کپڑا وغیرہ دے کر، لیکن تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں شرعاً ثابت نہیں ہے، بل کہ انتقال کے بعد، ایصال ثواب جس قدر جلد ممکن ہو، بہتر اور نافع ہے۔ (۳)

---

(۲) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: (من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد.) متفق عليه. ـــــــ قال الملا علي القاري: (من أحدث)، أي: جدد وابتدع أو أظهر واخترع (في أمرنا هذا)، أي: في دين الإسلام، . . . وعبر عنه بالأمر تنبيها على) أن هذا الدين هو أمرنا الذي نهتم له ونشتغل به بحيث لا يخلو عنه شيء من أقوالنا وأفعالنا. . . . (ما ليس منه): كذا في "الصحيحين"، والحميدي و "جامع الأصول" و "شرح السنة" وفي " المشارق " وبعض نسخ المصابيح ما ليس فيه (فهو)، أي: الذي أحدثه (رد)، أي: مردود عليه. . . قال القاضي: المعنى من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي ملفوظ أو مستنبط فهو مردود عليه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۱/ ۲۲۲، رقم الحديث: ۱۴۰، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ط: دار الفكر - بيروت)

قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر؟ (المصدر السابق: ۲/ ۷۵۵، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، تحت رقم الحديث: ۹۴۶)

(۳) والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك، عند أصحابنا للكتاب والسنة، أما الكتاب: فلقوله تعالى: {وقل ربي ارحمهما كما ربياني صغيرا} [الإسراء: ۲۴]، وإخباره تعالى عن ملائكته بقوله {ويستغفرون للذين آمنوا} [غافر: ۷] وساق عبارتهم بقوله تعالى {ربنا وسعت كل شيء رحمة وعلما فاغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلك} [غافر: ۷] إلى قوله {وقهم السيئات} [غافر: ۹]، وأما السنة: فأحاديث كثيرة منها ما في الصحيحين "حين ضحى بالكبشين فجعل أحدهما عن أمته"، وهو مشهور تجوز الزيادة به على الكتاب، ومنها ما رواه أبو داود "اقرءوا على موتاكم سورة يس" وحينئذ فتعين أن لا يكون قوله تعالى: {وأن ليس للإنسان إلا ما سعى} [النجم: ۳۹] على ظاهره، وفيه تأويلات =

اور یہ دسواں وغیرہ جو کچھ ہے، لوگ اسے محض رسم ورواج، ریاو شہرت اور نام ونمود کے لیے کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اعمال کی شرط صحت ایمان واخلاص کو بیان کیا ہے، جب اخلاص ہی نہیں ہوگا تو ثواب کیا ملے گا، اکثر غریب، یتیم بیوہ- جو مستحق ہیں- رہ جاتے ہیں اور غیر مستحق طبقہ اس طرح کی دعوت اڑا لے جاتے ہیں۔ (۴)

ایصال ثواب عموماً میت کے مال سے کیا جاتا ہے، حالاں کہ میت کے انتقال کے بعد اس (مال) سے ورثا کا حق متعلق ہو چکا ہے، اگر ورثاء نابالغ ہیں، تو ان کی اجازت کا اعتبار نہیں، پھر اس مال سے ایصال ثواب کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ اگر وہ اجازت دے دیں، تب بھی ان کا مال کھانا حرام ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں: جو یتیم کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ آگ کھاتے ہیں اور اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ (۵)

میت کو مدد کی فوراً ضرورت ہے، جب کہ ایصال ثواب کا رواج تین دن کے بعد یا چالس دن کے بعد کا ہے، معلوم ہوا کہ اس سے میت کو فائدہ پہنچانا مقصود نہیں ہے؛ بل کہ صرف رواج کی پابندی ہے، جس سے میت کو کچھ ثواب نہیں ملے گا، میت کو ثواب پہنچانا ہو، تو مستحق کو اناج یا نقد روپیہ دیا جائے، اور وہ بھی اپنی کمائی میں سے ہو، اگر میت کے مال میں سے دیا جائے، تو اس شرط کے ساتھ کہ وارث سب کے سب بالغ

=أقربها ما اختاره المحقق ابن الهمام أنها مقيدة بما يهبه العامل، يعني ليس للإنسان من سعي غيره نصيب إلا إذا وهبه له فحينئذ يكون له، وأما قوله - عليه السلام -: "لا يصوم أحد عن أحد، ولا يصلي أحد عن أحد". فهو في حق الخروج عن العهدة لا في حق الثواب، فإن من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع، وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا.= (البحر الرائق: ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، ط: دار الفكر - بيروت ☆ شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور - عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱هـ): ۱/ ۳۰۲، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ت: عبد المجيد طعمه حلبي، ط: دار المعرفة - لبنان، ۱۴۱۷هـ ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۲۹۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: ياسر نديم - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۷، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ۝ (۲۲- الحج: ۳۷)

(۵) إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝ (۴- النساء: ۱۰)

ہوں اور اس بات پر سب بشاشت کے ساتھ راضی ہوں، ایسی صورت میں (ان شاء اللہ) ثواب کی امید ہے۔
کسی کے انتقال کے بعد کھانا پکانا اور دعوتیں کرنا مکروہ ہے، یہ تو خوشی میں ہوتا ہے نہ کہ غم کے موقع سے۔ (شامی)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] فاتحہ کا مقصد اور اس کے کھانے کے مستحق کون ہیں؟

۱۱۸۳- سوال: فاتحہ دینے کا مقصد کیا ہے؟ اور فاتحہ کھانے کے مستحق وحق دار کون ہیں؟ اگر کوئی مستحق وحق دار نہ ہو، تو فاتحہ خوانی قبول ہوگی یا نہیں؟ فاتحہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ کھانے کے بعد بھی جو فاتحہ پڑھا جاتا ہے، اس کی کیا حیثیت ہے؟ فاتحہ خوانی کے وقت اگربتی جلانا اور دھونی دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقہ کے مستحق وحق دار غرباء ہیں۔[۲]

---

(۱) ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة، وروى الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال "كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة". اهـ. وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص ...، وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لا يرون وجه الله تعالى ... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب، مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالبا من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع والقناديل التي توجد في الأفراح، وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء والمردان، وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن، وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الأزمان، وما كان كذلك فلا شك في حرمته وبطلان الوصية به، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۴۰-۲۴۱، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۲/۱۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر)

(۲) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (۹- التوبة: ۶۰)

واضح رہے کہ یہ حکم صدقات واجبہ کا ہے، اگر ورثا اپنی طرف سے نفلی صدقہ کریں، تو غنی بھی کھا سکتے ہیں، البتہ ہبہ کا ثواب ملے گا، کیوں کہ غنی کو صدقہ کرنا در حقیقت ہبہ ہے: لأن الصدقة على الغني هبة كما أن الهبة للفقير صدقة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، قبيل: فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر)

دن کی تعیین کے بغیر اناج وغلہ عاقل وبالغ آدمی اپنی کمائی سے کرے، تو جائز ہے۔

میت کے مال میں سے وارثوں کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

فاتحہ کا جو رواج ہے، وہ صحیح نہیں ہے، بدعت ہے۔ (۱) مذکورہ کھانا رسم کے طور پر کھلایا جاتا ہے، اور اس موقع سے متعدد رسوم کا اہتمام کیا جاتا ہے، جن کی وجہ سے ثواب حاصل نہ ہوگا، بل کہ ارتکاب بدعت کا گناہ ہوگا۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] تدفین وایصال ثواب کے چند مسائل

۱۱۸۴- سوال: (۱) میت کو سامنے رکھ کر سورۂ ملک پڑھنا کیسا ہے؟ ــــــ (۲) میت کو دفنانے کے بعد، چالیس قدم واپس آ کر فاتحہ دینا اور قبر کے سرہانے بیٹھ کر تلقین وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ ــــــ (۳) صلوۃ جنازہ کے بعد جنازہ اٹھانے سے قبل میت کے لیے دعا کرنا کیسا ہے؟ ــــــ (۴) میت کو کفنانے کے بعد اس کی پیشانی پر کلمہ طیبہ لکھنا کیسا ہے؟ ان سوالات کے مع دلیل جوابات مرحمت فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

(۱) میت پر سکرات کا وقت ہو، تو سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد کے پڑھنے کو علماء نے مستحب لکھا ہے۔ (درمختار مع شامی جلد ۱، صفحہ ۷۹۷) [۳]

---

(۱)... تعريف الشمني لها [البدعة] بأنها ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما اهـ فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰-۶۱، باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة أقسام، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) مسئلے کی مکمل تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیے فتاویٰ فلاحیہ (۱/ ۳۷۵-۳۷۸) کا عنوان: ''کسی کے مرنے پر مخصوص دنوں میں قرآن خوانی اور دعوت کرنا''۔

[۳] (ويلقن)... (عنده) قبل الغرغرة.... ويندب قراءة يس والرعد. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: قوله ويندب قراءة يس) لقوله - صلى الله عليه وسلم - "اقرءوا على موتاكم يس"، صححه ابن حبان، وقال المراد به من حضره الموت. وروى أبو داود عن مجالد عن الشعبي قال: كانت الأنصار إذا حضروا قرءوا عند الميت سورة البقرة إلا أن مجالدا مضعف، حلية. (قوله: والرعد) هو استحسان بعض المتأخرين لقول جابر إنها تهون عليه خروج روحه، إمداد. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۹۱-۱۹۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل: مطلب في التلقين بعد الموت، ط: دار الفكر - بيروت)

روح نکل جانے کے بعد جب تک غسل نہ دیا جائے، میت کے قریب بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ [۱] البتہ غسل دینے کے بعد یا بلا غسل میت اس سے دور بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت جائز ہے (شامی جلد ۱، صفحہ ۷۹۹) [۲]

غسل دینے کے بعد سورۂ ملک پڑھے، تو کوئی حرج نہیں ہے، مگر اس کی کوئی خاص فضیلت نہیں ہے، غسل کے بعد کسی خاص سورت کی تلاوت کا حکم ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا قرآن مجید کی جن سورتوں کو بھی پڑھے، جائز ہے۔

(۲) جنازہ کی نماز کے بعد یا دفن کے بعد فاتحہ پڑھنا اور ان کا تاکید کے ساتھ پڑھنے کو کہنا، احادیث اور خلفاء راشدین کے عمل سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا جائز نہیں ہے، بلکہ غیر شرعی غیر مسنون عمل کو، سنت یا ثواب سمجھ کر کرے گا، تو بدعتیوں میں شامل ہو کر گنہ گار ہوگا۔ [۳]

---

(۱) ويقرأ عنده القرآن إلى أن يرفع إلى الغسل كما في القهستاني معزيا للنتف. قلت: وليس في النتف إلى الغسل بل إلى أن يرفع فقط، وفسره في البحر برفع الروح. وعبارة الزيلعي وغيره تكره القراءة عنده حتى يغسل، وعلله الشرنبلالي في إمداد الفتاح تنزيها للقرآن عن نجاسة الميت لتنجسه بالموت. (الدر المختار مع رد المحتار : ۲/ ۱۹۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] وذكر ط أن محل الكراهة إذا كان قريبا منه، أما إذا بعد عنه بالقراءة فلا كراهة. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۹۳)

(۳) عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود ☆ صحيح مسلم: ۲/ ۷۷، رقم الحديث: ۱۷ - (۱۷۱۸)، كتاب الحدود، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ط: فيصل - ديوبند)

قال الملا علي القاري: (من أحدث)، أي: جدد وابتدع أو أظهر واخترع (في أمرنا هذا)، أي: في دين الإسلام، ... وعبر عنه بالأمر تنبيها على أن هذا الدين هو أمرنا الذي نهتم له ونشتغل به، بحيث لا يخلو عنه شيء من أقوالنا وأفعالنا. (ما ليس منه): كذا في "الصحيحين"، والحميدي و"جامع الأصول" و"شرح السنة" وفي "المشارق" وبعض نسخ المصابيح: ما ليس فيه (فهو)، أي: الذي أحدثه (رد)، أي: مردود عليه. ... قال القاضي: المعنى من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي ملفوظ أو مستنبط فهو مردود عليه. (مرقاة المفاتيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۱/ ۲۲۲، رقم الحديث: ۱۴۰، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ط: دار الفكر - بيروت) =

اور رہی تلقین تو سکرات کے وقت مسنون ہے؛ اس لیے کہ رسول ﷺ نے اس وقت تلقین کرنے کی اجازت دی ہے۔[۱]

دفن کے بعد کی تلقین اس طریقہ پر کہ "یافلان بن فلان! قل رضیت باللہ رباو بالاسلام دیناو بمحمد رسولا" اس کی بھی گنجائش ہے۔[۲]

مگر بہتر یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جو اپنے لیے وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: جب میری تدفین سے فارغ ہو جاؤ، تو میری قبر کے پاس اتنی مقدار ٹھہرنا کہ اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کر دیا جائے۔ (مسلم شریف)[۳]

= قال الطيبي: . . . أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال . . . وجاء في حديث ابن مسعود-رضي الله تعالى عنه-: "إن الله - عز وجل - يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه" اهـ. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۲/۷۷۵، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، رقم الحديث: ۹۴۶)

(۱) (قوله ولقن الشهادتين) لقوله - عليه الصلاة والسلام - لقنوا موتاكم شهادة أن لا إله إلا الله. والمراد الذي قرب من الموت وصورة التلقين أن يقال عنده في حالة النزع جهرا وهو يسمع أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله سميا شهادتين لأنهما شهادة بوحدانية الله وشهادة برسالة محمد - صلى الله عليه وسلم - ولا يقال له قل ويلقن قبل الغرغرة ولا يلح عليه في قولها مخافة أن يضجر فإذا قالها مرة لا يعيدها عليه الملقن إلا أن يتكلم بكلام غيرها، قال - عليه الصلاة والسلام - من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة. (الجوهرة النيرة-أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/۱۰۱-۱۰۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ط: المطبعة الخيرية ☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۹۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في تلقين المحتضر الشهادة، ط: دار الفكر)

(۲) وأما تلقين الميت في القبر فمشروع عند أهل السنة لأن الله تعالى يحييه في القبر، وصورته أن يقال يا فلان بن فلان أو يا عبد الله بن عبد الله اذكر دينك الذي كنت عليه، وقد رضيت بالله ربا، وبالإسلام دينا، وبمحمد نبيا. (الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۰۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۹۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في تلقين المحتضر الشهادة)

(۳) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے انتقال کے وقت اس کی وصیت فرمائی تھی، طویل حدیث ہے، جزو مقصود ملاحظہ فرمائیں: فإذا دفنتموني فشنوا علي التراب شنا، ثم أقيموا حول قبري قدر ما تنحر جزور ويقسم لحمها، حتى أستأنس بكم، وأنظر ماذا أراجع به رسل ربي. (صحيح المسلم: ۱/۷۶، رقم: ۱۹۲-(۱۲۱)، كتاب الإيمان، باب بيان حكم عمل الكافر إذا أسلم بعده، ط: البدر ديوبند)

اس سے معلوم ہوا کہ میت کے لیے طویل دعا کرنا جائز ہے (طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۰۶)[۱]

اسی طریقے سے عالمگیری میں لکھا ہے کہ دفن کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور میت کے لیے دعا کرے، البتہ مروجہ فاتحہ جائز نہیں ہے، تلاوت قرآن اور تسبیح و دعا کے ذریعے میت کو ایصال ثواب کریں۔ (۲)

(۳) صورت مسئولہ میں دعا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ احادیث مبارکہ سے ثابت نہیں، نماز جنازہ خود دعا ہے۔ (۳)

(۴) روشنائی سے لکھنا جائز نہیں، البتہ غسل کے بعد کفن پہناتے وقت، پیشانی پر انگلی کے اشارے سے **"بسم اللہ الرحمن الرحیم"** اور سینہ پر **"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"** لکھا جائے، تو گنجائش ہے (شامی: ۱/ ۴۸۰)[۴]، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ففي صحيح مسلم عن عمرو بن العاص قال: "إذا دفنتموني أقيموا عند قبري قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها حتى أستأنس بكم وأنظر ماذا أراجع رسل ربي". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ هـ) ،ص: ۶۱۰ ، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز ،ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان ☆ الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۱۰ ، كتاب الصلاة، باب الجنائز ، قبيل باب الشهيد ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۷ ، كتاب الصلاة، باب الجنائز ، مطلب في دفن الميت)

(۲) ويستحب إذا دفن الميت أن يجلسوا ساعة عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها يتلون القرآن ويدعون للميت، كذا في الجوهرة النيرة.———— قراءة القرآن عند القبور عند محمد - رحمه الله تعالى - لا تكره ومشايخنا - رحمهم الله تعالى - أخذوا بقوله، وهل ينتفع؟ والمختار أنه ينتفع، هكذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۶، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید تفصیل کے لیے عنوان "تدفین کے بعد فاتحہ اور تلقین کا حکم" کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) تفصیل کے لیے "قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا" کے حواشی دیکھیں۔

[۴] نقل بعض المحشين عن فوائد الشرجي أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة - بسم الله الرحمن الرحيم - وعلى الصدر لا إله إلا الله محمد رسول الله، وذلك بعد الغسل قبل التكفين اهـ والله أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۷، باب صلاة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، ط: دار الفكر)

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: میت کے سینے پر آیت کریمہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔

[۲۴] دفن کے بعد قبر پر اذان دینے کی کوئی اصل نہیں

۱۱۸۵- سوال: ہمارے یہاں بریلوی علماء یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ دفن کے بعد قبر کے مردہ پر اذان دینی چاہیے، اپنی معتبر کتب و رسائل کے حوالے بھی دیتے ہیں؛ اس لیے درخواست ہے کہ ہمارے مسلک کی معتبر کتابوں کے حوالے سے بریلوی علماء کے دلائل کے جوابات تفصیلاً تحریر فرمائیں؟

نوٹ:- کیا شیطان کا گذر قبر پر ہوتا ہے؟

الجواب حامداو مصليا:

قبر پر اذان کی حنفیہ کے نزدیک کوئی اصل نہیں، شافعیہ کے نزدیک صرف اس قدر ہے کہ قبر میں رکھنے کے بعد میت کو صرف شہادتین کی تلقین کی جائے، جس طرح موت کے وقت تلقین کی جاتی ہے؛ لیکن حضرت علامہ ابن حجر مکیؒ- جو شافعی مسلک کے مفتی بھی ہیں- نے اس تلقین کو بھی رد کر دیا ہے، چناں چہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے درمختار کی شرح میں فرمایا کہ: ایک قول ضعیف قبر پر اذان دینے کے بارے میں ہے؛ لیکن ابن حجرؒ نے اس کو رد کر دیا ہے، بعض آفات کے وقت اذان کہی جاتی ہے، جیسے آگ لگ جائے تو اذان کہی جائے، اسی طرح قبر پر اذان کے بعض حضرات قائل ہیں۔ (شامی صفحہ ۳۸۵ شامی جلد ۲ صفحہ ۱۹۱)[1]

---

[۱] في الاقتصار على ما ذكر من الوارد إشارة إلى أنه لا يسن الأذان عند إدخال الميت في قبره كما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة. وقال: ومن ظن أنه سنة قياسا على ندبهما للمولود إلحاقا لخاتمة الأمر بابتدائه فلم يصب. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار -ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي (م: ۱۲۵۲هـ): ۲/ ۲۳۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر)

(قوله: لا يسن لغيرها) أي من الصلوات وإلا فيندب للمولود. وفي حاشية البحر الرملي: رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة، كما في أذان المولود، والمهموم، والمصروع، والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة، وعند مزدحم الجيش، وعند الحريق، قيل وعند إنزال الميت القبر قياسا على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب. (المصدر السابق: ۱/ ۳۸۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة، ط: دار الفكر ☆ منحة الخالق على البحر الرائق: ۱/ ۲۶۹، كتاب الأذان، الجمع بين الصلاتين في وقت بعذر، ط: دار الكتاب الإسلامي)

ان (بریلوی) حضرات نے تلقین کو اذان سے بدل دیا ہے۔ بعض فقہاء سے منقول ہے کہ اس قسم کی تلقین، قبر میں رکھنے کے بعد (مٹی ڈالنے سے قبل) کی جائے، وجہ یہ ہے کہ یہ ایک قسم کا ذکر ہے اور ذکر سے میت کو خاص فائدہ ہوتا ہے، اور میت کو انسیت حاصل ہوتی ہے؛ اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تاہم انہوں نے اس کو مستحب اور مسنون نہیں بتلایا ہے۔ [۲]

شیطان کا گذر قبر میں تو کیا ہوسکتا ہے، زیادہ سے زیادہ اس کا وسوسہ یا اس کے فتنوں کا اثر قبر میں پہنچ سکتا ہے؛ لیکن اس سے کسی مؤمن کے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، صحیح حدیث شریف میں آیا ہے کہ منکر ونکیر جب قبر میں سوال کریں گے، تو جو مؤمن ہوگا، وہ صحیح جواب دے گا اور جو منافق یا کافر ہوگا، وہ "ھاھا لاأدری" کہے گا، فرشتے کہیں گے: ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو ایسا ہی جواب دے گا۔

---

(۲) (قوله: ولا يلقن بعد تلحيده) ذكر في المعراج: أنه ظاهر الرواية، ثم قال وفي الخبازية والكافي عن الشيخ الزاهد الصفار: أن هذا على قول المعتزلة؛ لأن الإحياء بعد الموت عندهم مستحيل، أما عند أهل السنة فالحديث أي "لقنوا موتاكم لا إله إلا الله" محمول على حقيقته؛ لأن الله تعالى يحييه على ما جاءت به الآثار، وقد روي عنه - عليه الصلاة والسلام - "أنه أمر بالتلقين بعد الدفن فيقول: يا فلان بن فلان اذكر دينك الذي كنت عليه من شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وأن الجنة حق، والنار حق، وأن البعث حق، وأن الساعة آتية، لا ريب فيها، وأن الله يبعث من في القبور وأنك رضيت بالله ربا، وبالإسلام دينا، وبمحمد - صلى الله عليه وسلم - نبيا، وبالقرآن إماما، وبالكعبة قبلة، وبالمؤمنين إخوانا. اهـ. وقد أطال في الفتح في تأييد حمل موتاكم في الحديث على حقيقته مع التوفيق بين الأدلة على أن الميت يسمع أو لا كما سيأتي في باب اليمين في الضرب والقتل من كتاب الأيمان؛ لكن قال في شرح المنية: إن الجمهور على أن المراد منه مجازه ثم قال: وإنما لا ينهى عن التلقين بعد الدفن لأنه لا ضرر فيه بل نفع فإن الميت يستأنس بالذكر على ما ورد في الآثار إلخ. ــــــــ قلت: وما في ط عن الزيلعي لم أره فيه وإنما الذي فيه قيل يلقن لظاهر ما رويناه وقيل: لا، وقيل لا يؤمر به ولا ينهى عنه اهـ وظاهر استدلاله للأول اختياره فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۹۱/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في التلقين بعد الموت، ط: دار الفكر ☆ حاشية الطحطاوي، ص: ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ت: محمد عبد العزيز، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

عن عمرو بن العاص رضي الله عنه قال - وهو في سياق الموت -: فإذا أنا مت فلا تصحبني نائحة، ولا نار، فإذا دفنتموني فشنوا علي التراب شنا، ثم أقيموا حول قبري قدر ما تنحر جزور ويقسم لحمها، حتى أستأنس بكم، وأنظر ماذا أراجع به رسل ربي. (الصحيح لمسلم: ......، رقم الحديث: ۱۹۲ - (۱۲۱)، كتاب الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله وكذا الهجرة والحج، ط: ديوبند)

الغرض ایمان یا کفر پر خاتمے کا فیصلہ تو زندگی کی آخری سانس پر ہوتا ہے، اب اس کے بعد ایمان کی حفاظت کی خاطر یا شیطان کے ایمان پر حملے کے اندیشے سے اذان دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ (بخاری شریف)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا

۱۱۸۶- سوال: ہمارے گاؤں میں تدفین کے بعد قبر پر اذان دینے کی رسم کا کوئی وجود نہ تھا، یہ رسم اہل بدعت میں سے بعضوں نے شروع کی ہے، جب کہ اُن میں سے بھی بعض لوگ اس کام کو پسند نہیں کرتے، ہم نے اُن کے خلاف حجت قائم کرنے کے لیے اُن ہی کے مکتبِ فکر کے ایک مدرسہ (احمد آباد) سے اس مسئلہ کے بارے میں فتویٰ طلب کیا، لیکن فتویٰ میں فقہ کی معتبر کتاب ''ردالمحتار'' کے حوالے سے اذان کی مشروعیت بتائی گئی ہے، اور ولادت پر قیاس کر کے قبر پر اذان کو ثابت کیا ہے، تو آپ سے مؤدبانہ التجا ہے کہ اس باب میں شرعی رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فتویٰ دینے کے لیے علمِ فقہ، علمِ اصولِ فقہ، علمِ حدیث وغیرہ علوم کا ماہر ہونا ضروری ہے۔[۱]

---

[۲] عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "العبد إذا وضع في قبره، وتولي وذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان، فأقعداه، فيقولان له: ما كنت تقول في هذا الرجل محمد صلى الله عليه وسلم؟ فيقول: أشهد أنه عبد الله ورسوله، فيقال: انظر إلى مقعدك من النار أبدلك الله به مقعدا من الجنة، قال النبي صلى الله عليه وسلم: "فيراهما جميعا، وأما الكافر - أو المنافق - فيقول: لا أدري، كنت أقول مايقول الناس، فيقال: لا دريت ولا تليت، ثم يضرب بمطرقة من حديد ضربة بين أذنيه، فيصيح صيحة يسمعها من يليه إلا الثقلين".
(صحيح البخاري:...... رقم الحديث: ۱۳۳۸، كتاب الجنائز، باب: الميت يسمع خفق النعال، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم:...... رقم الحديث: ۷۰-(۲۸۷۰)، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه، وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه، ط: ديوبند)

(۱) امام نوویؒ نے مفتی کے شرائط ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

شرط المفتي كونه مكلفا مسلما ثقة مأمونا متنزها عن أسباب الفسق وخوارم المروءة فقيه النفس سليم الذهن رصين الفكر صحيح التصرف والاستنباط متيقظا. (آداب الفتوى والمفتي والمستفتي-أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶ھ) ص: ۱۹، فصل في شروط المفتي، ت: بسام عبد الوهاب الجابي، ط: دار الفكر - دمشق)

پھر ابن صلاح رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مفتی کی دو قسم ہے، مفتی مستقل اور مفتی غیر مستقل، مفتی مستقل کی شرائط ان =

دراصل فتویٰ دینے والے اس عالم نے شامی کی عبارت کو سمجھا ہی نہیں، اور اُسے نقل بھی نہیں کیا، جب کہ اس بدعت کے برخلاف دلائل قائم ہیں، حسب ذیل امور پر غور کریں:

(۱) قبر کے اندر اُتارتے وقت اذان دی جائے، یہ ایک معقول بات ہے؛ کیوں کہ جس وقت انسان پیدا ہوتا ہے اور اس دنیا میں آتا ہے، تو اُس وقت اذان دی جاتی ہے، اسی طرح جب اس عالم کو الوداع کہہ کر عالمِ برزخ میں پہنچ رہا ہے، تو اُس وقت اذان دی جائے، (حالاں کہ اس وقت بھی اذان کہنا بدعت ہے، جیسا کہ اس فتویٰ کا آخر کا انداز بتلا رہا ہے اور سابق فتویٰ کی صراحت ہے) جب کہ یہ حضرات تو تدفین کے مکمل ہوجانے کے بعد اذان دیتے ہیں۔[۲]

= الفاظ میں نقل کیا ہے:

قال أبو عمرو ابن الصلاح المفتون قسمان مستقل وغيره:

فالمستقل شرطه مع ما ذكرنا أن يكون قيما بمعرفة أدلة الأحكام الشرعية من الكتاب والسنة والإجماع والقياس وما التحق بها على التفصيل وقد فصلت في كتب الفقه فتيسرت ولله الحمد وأن يكون عالما بما يشترط في الأدلة ووجوه دلالتها وبكيفية اقتباس الأحكام منها وهذا يستفاد من أصول الفقه عارفا من علوم القرآن والحديث والناسخ والمنسوخ والنحو واللغة والتصريف واختلاف العلماء واتفاقهم بالقدر الذي يتمكن معه من الوفاء بشروط الأدلة والاقتباس منها ذا دربة وارتياض في استعمال ذلك عالما بالفقه ضابطا لأمهات مسائله وتفاريعه. (حوالہ سابق، ص: ۲۲، ۲۳، فصل في أقسام المفتين)

اس بعد مفتی غیر مستقل کے چار درجات ذکر کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے:

هذه أصناف المفتين وهي خمسة وكل صنف منها يشترط فيه حفظ المذهب وفقه النفس فمن تصدى للفتيا وليس بهذه الصفة فقد باء بأمر عظيم. (حوالہ سابق، ص: ۳۱، فصل في بعض مسائل أهلية المفتي)

(۲) في الاقتصار على ما ذكر من الوارد إشارة إلى أنه لا يسن الأذان عند إدخال الميت في قبره كما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة. وقال: ومن ظن أنه سنة قياسا على ندبهما للمولود إلحاقا لخاتمة الأمر بابتدائه فلم يصب. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي (م: ۱۲۵۲هـ): ۲/ ۲۳۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر)

(قوله: لا يسن لغيرها) أي من الصلوات وإلا فيندب للمولود. وفي حاشية البحر الرملي: رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة، كما في أذان المولود، والمهموم، والمصروع، والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة، وعند مزدحم الجيش، وعند الحريق، قيل وعند إنزال الميت القبر قياسا على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۸۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة، ط: دار الفكر ☆ منحة الخالق على البحر الرائق: ۱/ ۲۶۹، كتاب الأذان، الجمع بين الصلاتين في وقت بعذر، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(٢) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فقہ شافعی کے زبردست فقہاء اور محدثین میں شمار ہوتے ہیں، اُنھوں نے اس کو بھی رد فرمایا ہے، اتنی مشہور بات بھی ان عالم صاحب کو معلوم نہیں، پھر وہ فتوی دینے کے لائق ہی کہاں رہے؟ [٣]

(٣) رد المحتار کا جو حوالہ اِن مفتی صاحب نے دیا ہے، اُس میں صرف قبر میں اُتارنے کے وقت اذان کا تذکرہ ہے، اور اُس کے ثبوت کے لیے بھی اُنھوں نے کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی، علاوہ ازیں دفن کے بعد صرف دعاء کا ذکر ہے، قبر میں اُتارنے کے وقت اذان دینے کا معمول نہ تو آپ ﷺ سے ثابت ہے نہ تعاملِ صحابہؓ سے، لہٰذا یہ امر بھی لائق عمل نہیں ہے۔ [٤]

(٤) اُن مفتی صاحب کا اِس فعل کو انسان کی ولادت پر قیاس کرنا بھی غلط ہے، ولادت کے موقع پر اذان واقامت حدیث پاک سے ثابت ہے۔ [٥] اُس پر موت کو قیاس کیسے کیا جاسکتا ہے؟ یہ قیاس مع الفارق ہے، جو غلط ہے، علاوہ ازیں اُس پر یہ بھی تو اشکال ہوسکتا ہے کہ ولادت کے موقع پر تو اذان واقامت دونوں مسنون ہیں، تو پھر تم قبر پر صرف اذان ہی کیوں دیتے ہو؟ اقامت بھی کیوں نہیں کہتے؟ وہ اِس کا کیا جواب

---

(٣) راجع للتفصيل رقم الحاشية: ١.

(٤) ويكره عند القبر ما لم يعهد من السنة والمعهود منها ليس إلا زيارته والدعاء عنده قائما, كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ١/١٦٦، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز ،فصل في القبر والدفن والنقل ،ط: دار الفكر)

ويكره عند القبر كل ما لم يعهد من السنة. (البحر الرائق: ٢/٢٠١، كتاب الجنائز ،قبيل باب الشهيد، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(٥) عن الحسين بن علي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولد له مولود فأذن في أذنه اليمنى, وأقام في أذنه اليسرى رفعت عنه أم الصبيان" (شعب الإيمان-أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (م: ٤٥٨هـ): ١١/١٠٦، رقم الحديث: ٨٢٥٤، حق السادة على المماليك, ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد, ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند ★ عمل اليوم والليلة سلوك النبي مع ربه عز وجل ومعاشرته مع العباد- أحمد بن محمد بن إسحاق بن إبراهيم بن أسباط بن عبد الله بن إبراهيم بن بُدَيح، الدِّيْنَوَرِيُّ، المعروف بـ 'ابن السُّنِّي' (م: ٣٦٤هـ) ص: ٥٧٨، رقم الحديث: ٦٢٣ ،باب ما يعمل بالولد إذا ولد، ت: كوثر البرني, ط: دار القبلة للثقافة الإسلامية ومؤسسة علوم القرآن- جدة/بيروت)

دیں گے؟

صحیح جواب ہمارے پاس ہے کہ ولادت کے موقع پر اذان واقامت کہہ دی گئی، اب صرف نماز باقی تھی، جو نمازِ جنازہ پڑھنے کی وجہ سے مکمل ہوگئی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] تدفین کے بعد قبر پر اذان دینے کا حکم

۱۱۸۷- سوال: ہمارے محلہ کے قبرستان میں عید کے دو یا تین دن بعد رات کو دس بجے ایک میت کی تدفین ہوئی، اُس کے بعد اُس کی قبر پر بالجہر اذان دی گئی، اُس سے قبل ہم نے یہ عمل نہیں کیا تھا، ہاں اس کے بارے سنا ضرور تھا کہ بہت سے لوگ اِس طرح اذان دیتے ہیں، تو اس بارے میں شریعتِ مطہرہ کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر پر اذان دینا جائز نہیں ہے؛ بدعت ہے، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ میں سے کسی سے یہ عمل ثابت نہیں ہے، جب کہ ان سے بڑھ کر کارِ خیر میں سبقت کرنے والے اُمت میں کوئی نہیں گزرے، اور اُن حضرات سے بڑھ کر اُمت کا کوئی خیر خواہ بھی نہیں، میت کی تدفین کے بعد جو دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، وہی مسنون ہیں اور ثواب کا ذریعہ ہیں، یاد رہے کہ طریقِ سنت سے ہٹ کر کوئی بھی راستہ اختیار کرنا گمراہی کا باعث ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "میت کو قبر میں اُتارے جانے کے وقت اذان مسنون نہیں ہے۔" نیز حافظ ابن حجرؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ یہ بدعت ہے۔ (شامی: ۲/ ۲۳۵)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) في الاقتصار على ما ذكر من الوارد إشارة إلى أنه لا يسن الأذان عند إدخال الميت في قبره كما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة. وقال: ومن ظن أنه سنة قياسا على ندبهما للمولود إلحاقا لخاتمة الأمر بابتدائه فلم يصب. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي (م: ۱۲۵۲هـ): ۲/ ۲۳۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر)

(قوله: لا يسن لغيرها) أي من الصلوات وإلا فيندب للمولود. وفي حاشية البحر الرملي: رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة، كما في أذان المولود، والمهموم، والمصروع، والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة، وعند مزدحم الجيش، وعند الحريق، قيل وعند إنزال الميت القبر قياسا على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۸۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة، ط: دار الفكر ☆ منحة الخالق على البحر الرائق: ۱/ ۲۶۹، =

[۲۷] چالیس قدم پر فاتحہ خوانی

۱۱۸۸- سوال: ہمارے یہاں بھاؤنگر میں یہ رواج ہے کہ میت کو لے جاتے وقت چالیس قدم کے بعد فاتحہ پڑھتے ہیں، اسی طرح مولوی صاحب کو گھر بلا کر، زبردستی فاتحہ پڑھاتے ہیں، تو شرعاً یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ناجائز ہے، حرام ہے، بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔[۱]

=كتاب الأذان، الجمع بين الصلاتين في وقت بعذر، ط: دار الكتاب الإسلامي)

ويكره عند القبر ما لم يعهد من السنة والمعهود منها ليس إلا زيارته والدعاء عنده قائما، كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/۱۶۶، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، فصل في القبر والدفن والنقل، ط: دار الفكر)

ويكره عند القبر كل ما لم يعهد من السنة. (البحر الرائق: ۲/۲۰۱، كتاب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الكتاب الإسلامي)

عن عائشة- رضي الله عنها- قالت: قال رسول الله- صلى الله عليه وسلم-: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود ☆صحيح مسلم: ۲/۷۷، رقم الحديث: ۱۷-(۱۷۱۸)، كتاب الحدود، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ط: فيصل- ديوبند)

قال الملا علي القاري: (من أحدث)، أي: جدد وابتدع أو أظهر واخترع (في أمرنا هذا)، أي: في دين الإسلام، ... وعبر عنه بالأمر تنبيها على أن هذا الدين هو أمرنا الذي نهتم له ونشتغل به، بحيث لا يخلو عنه شيء من أقوالنا وأفعالنا. (ما ليس منه): كذا في "الصحيحين"، والحميدي و "جامع الأصول" و "شرح السنة" وفي "المشارق" وبعض نسخ المصابيح: ما ليس فيه (فهو)، أي: الذي أحدثه (رد)، أي: مردود عليه... قال القاضي: المعنى من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي ملفوظ أو مستنبط فهو مردود عليه. (مرقاة المفاتيح- علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۱/۲۲۲، رقم الحديث: ۱۴۰، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ط: دار الفكر- بيروت)

قال الطيبي: ... أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال ... وجاء في حديث ابن مسعود- رضي الله تعالى عنه-: "إن الله- عز وجل- يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه" اهـ. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۲/۷۷۵، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، رقم الحديث: ۹۴۶)

(۱) قال [القاسم بن محمد]: أخبرتني عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد. (الصحيح لمسلم: ۲/۷۷، رقم الحديث: ۱۸-(۱۷۱۸)، كتاب الحدود، باب نقض الأحكام الباطلة، ورد=

نوٹ: اس سلسلہ میں مشورہ ہے کہ میری ایک کتاب ''سکرات سے فاتحہ تک کی سنن و بدعات'' پڑھیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۲۸] خودکشی کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت کرنا

۱۱۸۹- سوال: خودکشی کرنا بڑا گناہ ہے؛ لیکن جس مسلمان نے خودکشی کرلی، تو اس کے لیے دعائے مغفرت یا ایصال ثواب کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

دعائے مغفرت اور ایصال ثواب جائز ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=محدثات الأمور، ط: ديوبند)

ويطيل الصمت إذا اتبع الجنازة ويكره رفع الصوت بالذكر، لما روي عن قيس بن عبادة أنه قال: كان أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يكرهون رفع الصوت عند ثلاثة: عند القتال، وعند الجنازة، والذكر؛ ولأنه تشبه بأهل الكتاب فكان مكروها. (بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۰، كتاب الصلاة، فصل بيان عدد من يحمل الجنازة وكيفية حملها، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

وينبغي لمن تبع جنازة أن يطيل الصمت، ويكره رفع الصوت بالذكر، وقراءة القرآن، وغيرهما في الجنازة، والكراهة فيها كراهة تحريم، في فتاوى العصر وعند مجد الأئمة التركماني وقال علاء الدين الناصري: ترك الأولى اهـ ـــــــ وفي الظهيرية: فإن أراد أن يذكر الله يذكره في نفسه، لقوله تعالى {إنه لا يحب المعتدين} [الأعراف: ۵۵] أي الجاهرين بالدعاء، وعن إبراهيم أنه كان يكره أن يقول الرجل، وهو يمشي معها استغفروا له غفر الله لكم. (البحر الرائق: ۲/ ۲۰۷، كتاب الجنائز، قبل باب الشهيد، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۲، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في الصلاة على الميت، ط: دار الفكر)

(۱) والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك، عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق: ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الهداية: ۱/ ۱۷۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ت: يوسف طلال، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها كذا في الهداية، بل في زكاة التتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء اهـ هو مذهب أهل السنة والجماعة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۷، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر- بيروت)

[۲۹] غیر مسلموں کی دی ہوئی رقم سے ایصال ثواب کرنا

۱۱۹۰- سوال: ایک مسلمان عورت کا انتقال ہوا، اس کے اڑوس پڑوس میں ہندو رہتے ہیں، وہ مرنے والی کی عزت کرتے تھے، اچھے تعلقات تھے، آپسی لین دین بھی تھا، اب ہندو کچھ رقم جمع کر کے مرنے والی کے لڑکوں کو ایصال ثواب کے لیے دے رہے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ورثاء وہ رقم لے سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز رقم لے کر مرنے والی کے ثواب کی نیت سے کسی مدرسہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم میت سے تعلق کی بناء پر جو رقم لڑکوں کو دے رہے ہیں، لڑکے اسے قبول کر لیں، تو وہ مالک بن جائیں گے۔[1] مالک بننے کے بعد مذکورہ رقم کا غلہ خرید کر غریبوں میں تقسیم کر دیں یا مسجد و مدرسہ میں دے دیں، تو جائز ہے؛ لیکن مالک بننے کے بعد مرحومہ کو اس رقم سے ثواب پہونچائیں گے، تب ہی ثواب پہونچے گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] نمازِ جنازہ کے بعد، قبرستان سے باہر نکل کر اور گھر کے دروازے پر فاتحہ پڑھنا

۱۱۹۱- سوال: نمازِ جنازہ کے بعد، قبرستان سے باہر نکل کر اور گھر کے دروازے پر فاتحہ نہ پڑھنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا قبرستان کے علاوہ اور کہیں فاتحہ نہیں پڑھ سکتے؟

---

(۱) م: (لأن الملك قد اختلف باختلاف سببه) ش: وذلك لأن اختلاف الأسباب بمنزلة اختلاف الأعيان. وأصله حديث بريرة حيث قال لها النبي -صلى الله عليه وسلم-: "لك صدقة ولنا هدية". (البناية شرح الهداية- محمود بن أحمد بن موسى، الحنفي، بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۷/ ۳۲، كتاب السرقة، باب في بيان ما يقطع فيه السارق وفي بيان ما لا يقطع فيه، سرق عيناً فقطع فيها فردها، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) قد تقدم التخريج مراراً عن: البحر الرائق: ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، ط: دار الفكر- بيروت ☆ شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور- عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱ھ): ۱/ ۳۰۲، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ت: عبد المجيد طعمه حلبي، ط: دار المعرفة- لبنان، ۱۴۱۷ھ ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۲۹۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: ياسر نديم -ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۷، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر- بيروت.

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کو قبرستان لے جاتے ہوئے تدفین تک، نماز جنازہ کے علاوہ اور کوئی دعاء یا فاتحہ وغیرہ سنت یا مستحب نہیں ہے؛ بلکہ جنازہ کے ساتھ بالجہر کچھ بھی پڑھنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری)[1]

اگر کوئی شخص دعاء یا ایصال ثواب کے لیے کچھ پڑھنا چاہے تو آہستہ پڑھے، نماز جنازہ بھی میت کے لیے ایک دعاء ہی ہے، لہٰذا نماز جنازہ کے بعد بھی کوئی دعاء کرنے ضرورت نہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ)[2]

---

(۱) وعلى متبعي الجنازة الصمت ويكره لهم رفع الصوت بالذكر وقراءة القرآن، كذا في شرح الطحاوي، فإن أراد أن يذكر الله يذكره في نفسه، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۲، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر)

قال [القاسم بن محمد]: أخبرتني عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد. (الصحيح لمسلم: ۲/ ۷۷، رقم الحديث: ۱۸- (۱۷۱۸)، كتاب الحدود، باب نقض الأحكام الباطلة، ورد محدثات الأمور، ط: ديوبند)

ويطيل الصمت إذا اتبع الجنازة ويكره رفع الصوت بالذكر، لما روي عن قيس بن عبادة أنه قال: كان أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يكرهون رفع الصوت عند ثلاثة: عند القتال، وعند الجنازة، والذكر؛ ولأنه تشبه بأهل الكتاب فكان مكروها. (بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۰، كتاب الصلاة، فصل بيان عدد من يحمل الجنازة وكيفية حملها، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

وينبغي لمن تبع جنازة أن يطيل الصمت، ويكره رفع الصوت بالذكر، وقراءة القرآن، وغيرهما في الجنازة، والكراهة فيها كراهة تحريم، في فتاوى العصر وعند مجد الأئمة التركماني وقال علاء الدين الناصري: ترك الأولى اهـ. ــــــ وفي الظهيرية: فإن أراد أن يذكر الله يذكره في نفسه، لقوله تعالى {إنه لا يحب المعتدين} [الأعراف: ۵۵] أي الجاهرين بالدعاء، وعن إبراهيم أنه كان يكره أن يقول الرجل، وهو يمشي معها استغفروا له غفر الله لكم. (البحر الرائق: ۲/ ۲۰۷، كتاب الجنائز، قبل باب الشهيد، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۲، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في الصلاة على الميت، ط: دار الفكر)

[۲] ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۳/ ۱۲۱۳، كتاب الجنائز، باب المشي في الجنازة والصلاة عليها، الفصل الثالث، تحت حديث: مالك بن هبيرة رضي الله عنه، رقم الحديث: ۱۶۸۷، ط: دار الفكر - بيروت)

ولا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلاة الجنازة؛ لأنه قد دعا مرة، لأن أكثر صلاة الجنازة الدعاء. (المحيط =

تدفین کے بعد سورۂ بقرہ کی شروع اور اخیر کی آیتیں پڑھ کر میت کے لیے دعاء مغفرت کرنا جائز ہے، اُس کے بعد راستے میں یا گھر پہنچ کر دعاء یا فاتحہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں؛ بل کہ یہ بدعت ہے۔ (شامی)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] جنازہ کے گدّے مسجد میں دینا اور متولیان مسجد کا ان کو کرایہ پر دینا

۱۱۹۲- سوال: ہمارے یہاں میت کے لیے جنازے میں جو گدا، تکیہ اور چادر رکھی جاتی ہے، وہ

=البرهاني- أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۲/ ۲۰۵، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۳] عطاء بن أبي رباح، يقول: سمعت ابن عمر، يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة الكتاب، وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره. (المعجم الكبير - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۱۲/ ۴۴۴، رقم الحديث: ۱۳۶۱۳، باب العين، عطاء بن أبي رباح، عن ابن عمر، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة ☆ الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر- أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون بن يزيد الخَلّال البغدادي الحنبلي (م: ۳۱۱ھ)، ص: ۸۸، باب القراءة عند القبور، ت: الدكتور يحيى مراد، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ شعب الإيمان- أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۱۱/ ۴۷۱، رقم الحديث: ۸۸۵۴، الصلاة على من مات من أهل القبلة، ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند)

قد ثبت أنه - عليه الصلاة والسلام - قرأ أول سورة البقرة عند رأس ميت وآخرها عند رجليه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنازة، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر - بيروت)

وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها. (المصدر السابق: ۲/ ۲۳۷

☆ مزید دیکھیے: شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور - جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱ھ): ۱/ ۱۰۹، ت: عبد المجيد طعمة حلبي، ط: دار المعرفة - لبنان.

آپ ﷺ دفن کے بعد کچھ دیر موجود رہتے اور دعاء و استغفار کرتے، نیز اس کا صحابہ کو بھی حکم دیتے تھے، جیسا کہ اس روایت میں ہے: عن عثمان بن عفان، قال: كان النبي - صلى الله عليه وسلم - إذا فرغ من دفن الميت، وقف عليه، فقال: استغفروا لأخيكم، وسلوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسأل. (سنن أبي داود: ۲/ ۴۵۹، رقم الحديث: ۳۲۲۱، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، ط: البدر - ديوبند ☆ السنة- الإمام أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (م: ۲۴۱ھ): ۲/ ۵۹۸، رقم: ۱۳۲۵، سئل عن عذاب القبر وفتنة القبر، ت: د. محمد سعيد سالم القحطاني، ط: دار ابن القيم - الدمام ☆ إثبات عذاب القبر وسؤال الملكين- أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ)، ص: ۱۴۵، رقم الحديث: ۲۱۱- ۲۱۲، ت: د. شرف محمود القضاة، ط: دار الفرقان - عمان الأردن)

ثواب کے لیے مسجد میں رکھ دی جاتی ہے اور جب کوئی جماعت یا مسافر آئے، تو اسے استعمال کرتے ہیں، اور جب مسجد میں نکاح ہوتا ہے، تو ان گدوں کو بچھایا جاتا ہے اور دس روپئے کے حساب سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح گدے مسجد میں دینا اور متولیان کا ان گدوں سے مسجد کے لیے کرایہ حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جنازہ میں میت کے لیے جو گدا تکیہ وغیرہ رکھا جاتا ہے، اسے مسجد میں رکھنا بہ چند وجوہ گناہ کا کام ہے، اس سے احتراز لازم ہے:

(۱) مذکورہ گدا وغیرہ میت کے مال میں سے رکھا جاتا ہے، میت کے انتقال کے بعد اس میں تمام ورثاء کا حق ہوتا ہے؛ اس لیے مسجد میں رکھنے کے لیے تمام ورثاء کی اجازت ضروری ہوتی ہے، جس کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔

اگر کوئی وارث نابالغ ہو، تو اس کی اجازت کا شریعت میں اعتبار نہیں، اور اجازت کے بغیر اس کا حق دوسرے کسی جگہ پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔[۱]

(۲) انتقال کے بعد گدا وغیرہ مسجد میں رکھنا غیر شرعی رسم ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر رسم کی وجہ سے رکھتے ہیں؛ لہٰذا اس پر ثواب کیوں کر ملے گا؟[۲]

---

(۱) وفي الخانية: وإن اتخذ ولي الميت طعاما للفقراء كان حسنا إذا كانوا بالغين، وإن كان في الورثة صغير لم يتخذ ذلك من التركة اهـ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-زين الدين بن إبراهيم بن محمد ، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۲۰۷، كتاب الجنائز ، الصلاة على الميت، ط: دار الكتاب الإسلامي)

وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لا يرون وجه الله تعالى . . . ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۱-۲۴۰، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ'ابن الهمام' (م: ۸۶۱هـ): ۲/ ۱۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز ، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۴۴، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن عائشة- رضي الله عنها- قالت: قال رسول الله- صلى الله عليه وسلم -: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود ☆ صحيح مسلم: ۲/ ۷۷، رقم الحديث: ۱۷-(۱۷۱۸)، كتاب الحدود، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ط: فيصل - ديوبند) =

البتہ کوئی آدمی اپنے مال میں سے خالص میت کے ایصال ثواب کی نیت سے رکھے، رسم ورواج کی وجہ سے نہ رکھے، یا دوسرے کسی جائز طریقے سے وہ گدے مسجد میں آئے ہوں اور اجارہ کی شرطوں کے ساتھ نکاح خوانی میں گدے استعمال کیے جائیں، تو اس کا کرایہ لے کر مسجد میں استعمال کرنا جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] قرآن خوانی کا ایک طریقہ

۱۱۹۳- سوال: قرآن خوانی میں ایک پارہ پڑھنے میں ایک صفحہ میں پڑھوں اور دوسرا صفحہ میرا ساتھی پڑھے، اس طرح کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک دوسرے کی اصلاح کے طور پر پڑھ رہے ہیں، کہ ایک کی غلطی دوسرا صحیح کر لے اور دوسرا پہلے کی، تو جائز ہے، لیکن اس طرح کا رواج ہو اور اس کو ضروری سمجھا جاتا ہو، تو جائز نہیں ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قال الملا علي القاري: (من أحدث)، أي: جدد وابتدع أو أظهر واخترع (في أمرنا هذا)، أي: في دين الإسلام، ... وعبر عنه بالأمر تنبيها على أن هذا الدين هو أمرنا الذي نهتم له ونشتغل به، بحيث لا يخلو عنه شيء من أقوالنا وأفعالنا. (ما ليس منه): كذا في "الصحيحين"، والحميدي و"جامع الأصول" و"شرح السنة" وفي "المشارق" وبعض نسخ المصابيح: ما ليس فيه (فهو)، أي: الذي أحدثه (رد)، أي: مردود عليه. ... قال القاضي: المعنى من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي ملفوظ أو مستنبط فهو مردود عليه. (مرقاة المفاتيح- علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۱/ ۲۲۲، رقم الحديث: ۱۴۰، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ط: دار الفكر - بيروت)

قال الطيبي: ... أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال ... وجاء في حديث ابن مسعود - رضي الله تعالى عنه -: "إن الله - عز وجل - يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه" اهـ. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۲/ ۷۵۵، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، رقم الحديث: ۹۴۶)

(۱) قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر؟. (مرقاة المفاتيح: ۲/ ۷۵۵، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، ط: دار الفكر - بيروت)

[۳۳] ایصالِ ثواب کے لیے دیے ہوئے کنویں کے پانی کا بیت الخلاء اور غسل خانہ میں استعمال

۱۱۹۴- سوال: ایک آدمی نے اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لیے چھوٹا سا کنواں تیار کروایا تھا، جس کا پانی نمکین ہے؛ اس لیے غسل اور بیت الخلاء وغیرہ کے پانی میں استعمال ہوتا ہے، ادھر کچھ دنوں سے پائپ لائن کے ذریعے پانی آنے کا نظم ہوگیا ہے، جس کی بناء پر اس کا استعمال بہت ہی کم ہوگیا ہے، جب کسی وجہ سے پائپ سے پانی نہ آتا ہو، اُسی وقت اُس کا استعمال ہوتا ہے۔

اس صورت حال کی وجہ سے کیا یہ مناسب رہے گا کہ اس کنویں کو پانی کی ٹنکی کے طور پر اس طرح استعمال کیا جائے کہ اُس میں پائپ لائن کا پانی ڈال کر غسل کرنے اور بیت الخلاء کی ضرورت پوری کی جائے، یا اُس کنویں کی جگہ بیت الخلاء بنا دیا جائے؟ دونوں میں سے کون سی شکل اختیار کی جائے؟ ٹنکی میں تبدیل کرنے کی صورت میں ثواب جاری حاصل ہوگا یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلّیا:

دینے والے نے ثوابِ جاری کی نیت سے کنواں جاری کیا ہے، اور کنویں میں پائپ کا پانی ڈالنے کی وجہ سے، وضو، غسل اور استنجاء وغیرہ میں اسے استعمال کیا جاتا ہے، اور بہ وقتِ ضرورت پائپ سے پانی نہ آئے، تو خود کنویں کا پانی استعمال میں لیا جاسکتا ہے، اس لیے کنویں کو اُس کی حالت پر رہنے دیا جائے اور پائپ سے پانی کنویں میں ڈالا جائے، ان شاء اللہ اس صورت میں اُس سے ثوابِ جاری بھی حاصل ہوتا رہے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له". (الصحيح لمسلم: ۴۱/۲، رقم الحديث: ۱۴-۱۶۳۱، كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ط: ديوبند)

... ومعناه إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله وانقطع هو عن عمله إلا من ثلاثة أعمال (جارية): يجري نفعها فيدوم أجرها كالوقف في وجوه الخير، وفي الأزهار قال أكثرهم: هي الوقف وشبهه مما يدوم نفعه، وقال بعضهم: هي القناة والعين الجارية المسبلة. (مرقاة المفاتيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۲۸۵/۱، كتاب العلم، تحت رقم الحديث: ۲۰۳، ط: دار الفكر - بيروت)

کنواں جاری کرنے والے کی منشاء کی حتی الامکان رعایت کی جائے گی، کیوں کہ ہمارے فقہاء کا مشہور قول ہے: ''شرط الواقف کنص الشارع''، مجمع الانہر میں ہے: =

[۳۴] قبر پر قرآن مجید کی تلاوت

۱۱۹۵- سوال: میں اپنی والدہ کے انتقال کے بعد، روزانہ شام کو عصر بعد، قبرستان جاتا ہوں، قرآنِ پاک ساتھ لے کر جاتا ہوں، اور اپنی والدہ کی قبر پر قرآنِ پاک میں دیکھ کر تلاوت کرتا ہوں، اور اُس کا ثواب والدہ اور مدرسوں کو ایصال کرتا ہوں، تو کیا اس طرح قبر پر قرآنِ پاک میں دیکھ کر پڑھنا مکروہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف دیکھ کر یا زبانی پڑھنا بڑی عبادت ہے، اور قبرستان میں جا کر مخصوص سورتوں کے پڑھنے پر آپ ﷺ نے بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، سورۂ یٰسین پڑھ کر قبرستان والوں کو ایصال کیا جائے تو مرحومین کے لیے اُس دِن کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔[1]

= (وفي الوقف يتبع شرط الواقف) ؛ لأنه كنص الشارع في وجوب الاتباع. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸هـ): ۲/ ۷۰- ۳۶۹، كتاب الإجارة، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۱) وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل {قل هو الله أحد} [الإخلاص: ۱] عن علي مرفوعا: من مر على المقابر وقرأ {قل هو الله أحد} [الإخلاص: ۱] إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات، وأخرج أبو القاسم: سعد بن علي الزنجاني في موائده عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دخل المقابر، ثم قرأ فاتحة الكتاب، وقل هو الله أحد، وألهاكم التكاثر. ثم قال: إني جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات، كانوا شفعاء له إلى الله تعالى، وأخرج القاضي أبو بكر بن عبد الباقي الأنصاري في مشيخته عن سلمة بن عبيد قال: قال حماد المكي: خرجت ليلة إلى مقابر مكة فوضعت رأسي على قبر فنمت، فرأيت أهل المقابر حلقة حلقة، فقلت: قامت القيامة، قالوا: لا، ولكن رجل من إخواننا قرأ: قل هو الله أحد، وجعل ثوابها لنا فنحن نقتسمه منذ سنة، وأخرج عبد العزيز صاحب الخلال بسنده عن أنس: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف الله عنهم، وكان له بعدد من فيها حسنات.

وقال القرطبي: حديث: اقرءوا على موتاكم يس، هذا يحتمل أن تكون هذه القراءة عند الميت في حال حياته، ويحتمل أن تكون عند قبره، كذا ذكره السيوطي في شرح الصدور. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح- علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۳/ ۱۲۲۸، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، رقم الحديث: ۱۷۱۷، ط: دار الفكر- بيروت ☆ عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۳/ ۱۱۸، كتاب الوضوء، "باب" قبل: باب ما جاء في غسل البول، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنازة، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر)

اس لیے قرآنِ پاک کو ساتھ میں لے کر پڑھنا جائز ہے۔[1]

البتہ اگر کوئی شخص گھر میں بیٹھ کر بھی قرآنِ پاک پڑھ کر میت کو ثواب پہنچائے گا، تو ان شاء اللہ اُس کا ثواب میت کو ملے گا، خواہ مکان پر پڑھ کر ثواب پہنچائے یا قبر پر جا کر پڑھے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] میت کے رشتہ داروں کا میت کے گھر سوا ماہ تک بیٹھنے کے لیے جانا

۱۱۹۶- سوال: ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ جس گھر میں کسی کا انتقال ہوا ہو اُس کے ہاں سوا مہینے تک رشتہ دار وغیرہ رات میں بیٹھنے کے لیے جاتے ہیں، کیا شریعت میں اُس کی اجازت ہے؟ نیز عورتیں بھی آ کر تسبیح پڑھتی ہیں اور اُس کا ثواب میت کو پہنچاتی ہیں، کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چالیس دن تک بیٹھنے کے لیے جانا بے اصل اور ناجائز ہے، نیز ایسے موقع پر عورتیں عام طور پر بلا پردہ جاتی ہیں؛ اس لیے عورتوں کا جانا بھی جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرامؓ اور سلفِ صالحین سے یہ عمل ثابت نہیں ہے، میت کے لیے جنازہ کی نماز کے علاوہ جمع ہونا اور [مروجہ طریقے پر] قرآن پڑھنا یہ سب بدعات ہیں۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قراءة القرآن عند القبور عند محمد - رحمه الله تعالى - لا تكره، ومشايخنا - رحمهم الله تعالى - أخذوا بقوله، وهل ينتفع؟ والمختار أنه ينتفع، هكذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۶، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى مكان، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۱۰، كتاب الجنائز، الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة، أو صوما، أو صدقة، أو غيرها، كذا في الهداية؛ بل في زكاة التتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء اهـ هو مذهب أهل السنة والجماعة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر - بيروت)

[۳] وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص ...، وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لا يرون وجه الله تعالى ... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب، مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالبا من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع والقناديل التي توجد في الأفراح، وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء والمردان، وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن، =

[۳۲] میت کے گھر مقرّر دِن میں جا کر تلاوت کرنا اور اُس پر عوض لینا

۱۱۹۷- سوال: جس گھر میں کسی کا انتقال ہوگیا ہو، اس گھر کے ذمہ دار افراد ایک دِن مقرر کر کے لوگوں کو تلاوت کے لیے بلاتے ہیں، اور تلاوت کے بعد کچھ رقم دیتے ہیں، یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کے گھر تلاوت یعنی قرآنِ پاک پڑھنا اور اُس پر گھر والے کی جانب سے نقد رقم لینا، یا ان کے یہاں کھانا کھانا، حرام ہے، اِس کا ثواب پڑھنے والے کو حاصل نہیں ہوگا، اور جب قاری کو ثواب نہیں ملے گا تو میت کو اُس کا ثواب کیسے پہنچے گا؟ میت کو اِس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔[1] اور میت کے ورثاء میں اگر کوئی نابالغ ہے، تو دیگر ورثاء کو اُس کے مال میں سے خرچ کرنے کا بھی حق نہیں ہے، خرچ کرنے سے گنہگار ہوں گے۔[2] اور وہ یتیم کے مال کو کھانے والے ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ: جو لوگ

=وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الأزمان، وما كان كذلك فلا شك في حرمته وبطلان الوصية به، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۴۱-۲۴۰، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ط: دار الفكر - بيروت☆ فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام(م: ۸۶۱هـ): ۲/۱۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر)

(۱) قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ. وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان. فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال؛ فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر؟ ولولا الأجرة، ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان؛ بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلى جمع الدنيا - إنا لله وإنا إليه راجعون - اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۵۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على المعاصي، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ... واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة صورة الأنعام أو الإخلاص ...، وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لا يرون وجه الله تعالى ... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب، مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالبا من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع والقناديل التي توجد في الأفراح، وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء والمردان، وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن، وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الأزمان، وما كان كذلك فلا شك في حرمته وبطلان الوصية به، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۴۱-۲۴۰، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل =

یتیم بچوں کا مال بہ طریقِ ظلم کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔"[۳]

ایصالِ ثواب کا جائز طریقہ یہی ہے کہ جس دن میت کا انتقال ہوا اُس دن مغرب یا عشاء کی نماز کے بعد محلہ کی مسجد میں قرآن خوانی رکھے، اور قرآنِ پاک پڑھ کر اُس کا ثواب میت کو ایصال کر دیا جائے، اور اُس کے لیے دعائے مغفرت کی جائے، اس سے میت کے گھر والے انتظام کی مصیبت اور بے جا فضول خرچی سے بچ جائیں گے، نیز پڑھنے والے اور میت کو بھی اُس کا ثواب ملے گا۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الميت، ط: دار الفكر - بيروت☆ فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م:۸۶۱هـ): ۲/ ۱۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر)

(۳) إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿۴-النساء: ۱۰﴾

(۴) صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها كذا في الهداية؛ بل في زكاة التتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء اهـ هو مذهب أهل السنة والجماعة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، ط: دار الفكر☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۷، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ الهداية: ۱/ ۱۷۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ت: يوسف طلال، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

عن عبد الله، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من عزی مصابا فله مثل أجره. (ترمذی شریف: ۱/ ۲۰۵، حدیث نمبر: ۱۰۷۳، ط: دیوبند)

قال فی شرح المنیة: وتستحب التعزیة للرجال والنساء اللاتی لا یفتن، لقوله - علیه الصلاة والسلام - : من عزی أخاه بمصیبة كساه الله من حلل الكرامة یوم القیامة. رواه ابن ماجه ،وقوله - علیه الصلاة والسلام -: من عزی مصابا فله مثل أجره. رواه الترمذی وابن ماجه. والتعزیة أن یقول: أعظم الله أجرك، وأحسن عزاءك، وغفر لمیتك. اهـ.

(شامی: ۲/ ۲۴۰، باب صلاۃ الجنائز، ط: دار الفکر - بیروت)

باب التعزیة

[تعزیت کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب التعزية

[تعزیت کا بیان]

[۱] پردیس میں انتقال پر اعلان کرنا اور میت کے گھر جمع ہونا

۱۱۹۸- سوال: ہمارے یہاں سالوں سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ باہر ملک سے کسی (گاؤں کے رہنے والے) کے انتقال کی خبر آتی ہے، تو اعلان کیا جاتا ہے اور لوگ اس کے گھر جمع ہو کر دعائے مغفرت کرتے ہیں، تو اس طرح کا رواج شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے سوال میں دو باتیں ہیں: ایک اعلان کرنا۔ دوسرا: میت کے لیے دعائے مغفرت کرنا۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ کسی کے انتقال پر اعلان کرنا جائز ہے، خواہ گاؤں میں انتقال ہوا ہو، یا پردیس میں، امام بخاریؒ نے بخاری جلد: ۱/ ۱۶۶ میں ایک عنوان قائم کیا ہے: "باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه" (یعنی میت کے گھر والوں کو اس کی موت کی خبر خود سے دینے کا بیان)

اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے دو حدیثیں بیان کی ہیں: پہلی حدیث: نجاشی بادشاہ کا جب انتقال ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس کی خبر دی۔[1]

دوسری حدیث: غزوۂ موتہ میں جب حضرت زید بن حارثہؓ شہید ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی، اس کے بعد فرمایا: جھنڈا حضرت جعفر نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے، اس کے بعد حضرت عبد اللہ

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نعى النجاشي في اليوم الذي مات فيه خرج إلى المصلى، فصف بهم وكبر أربعا. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶۷، رقم الحديث: ۱۲۴۵، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، ط: ديوبند)

بن رواحہ نے جھنڈا لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے (موتی کی طرح) آنسو بہنے لگے؛ اس کے بعد فرمایا: جھنڈا حضرت خالدؓ نے - ان کو امیر بنائے بغیر - (مسلمانوں کی عزت بچانے کی خاطر) اپنے ہاتھ میں لیا، تو ان کے ہاتھ پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ (بخاری شریف: ۱۶۷/۱)[۲]

اس سے یہ ثابت ہوا کہ دیس پردیس سے کسی مسلمان مرد یا عورت کے انتقال کی خبر آئے، تو گاؤں میں اس کی منادی کرانا جائز ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا یہی مسلک ہے، اور امام نوویؒ نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ میت مسافر ہو، تو اس کی خبر دینا مستحب ہے۔ (عمدۃ القاری: ۲۰/۱)[۳]

اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ انتقال کی خبر دینا جائز ہے، البتہ اگر جاہلیت کی مشابہت ہو، تو جائز نہیں ہے۔ (فتح الباری: ۳۵۹/۳)[۴]

اسی بنا پر علامہ ابن العربیؒ لکھتے ہیں: رشتہ دار اور دوستوں کو موت کی خبر دینا سنت ہے، اور مجلس قائم کرنا: اگر فخر کے طور پر ہو، تو مکروہ تحریمی ہے، اور نوحہ کے لیے ہو تو حرام ہے۔(۵)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: نفسِ خبر دینے میں تو کوئی ممانعت نہیں ہے؛

---

[۲] عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: أخذ الراية زيد فأصيب، ثم أخذها جعفر فأصيب، ثم أخذها عبد الله بن رواحة فأصيب - وإن عيني رسول الله صلى الله عليه وسلم لتذرفان - ثم أخذها خالد بن الوليد من غير إمرة ففتح له. (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۲۴۶)

[۳] فيه إباحة النعي، وهو أن ينادى في الناس أن فلانا مات ليشهدوا جنازته، وقال بعض أهل العلم: لا بأس أن يعلم الرجل قرابته وإخوانه، وعن إبراهيم: لا بأس أن يعلم قرابته. وقال شيخنا زين الدين: إعلام أهل الميت وقرابته وأصدقائه استحسنه المحققون والأكثرون من أصحابنا وغيرهم، وذكر صاحب (الحاوي) من أصحابنا وجهين في استحباب الإنذار بالميت وإشاعة موته بالنداء والإعلام، فاستحب ذلك بعضهم للغريب والقريب لما فيه من كثرة المصلين عليه والداعين له، وقال بعضهم: يستحب ذلك للغريب ولا يستحب لغيره. وقال النووي: والمختار استحبابه مطلقا إذا كان مجرد إعلام. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۱۹/۸، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعي إلى أهل الميت بنفسه، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

[۴] وفائدة هذه الترجمة الإشارة إلى أن النعي ليس ممنوعا كله وإنما نهي عما كان أهل الجاهلية يصنعونه فكانوا يرسلون من يعلن بخبر موت الميت على أبواب الدور والأسواق. (فتح الباري شرح صحيح البخاري - ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): ۱۱۶/۳، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعي إلى أهل الميت بنفسه، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۵) قال ابن العربي: يؤخذ من مجموع الأحاديث ثلاث حالات: الأولى إعلام الأهل والأصحاب وأهل الصلاح، فهذا سنة، الثانية دعوة الحفل للمفاخرة، فهذه تكره، الثالثة الإعلام بنوع آخر كالنياحة ونحو ذلك، فهذا يحرم. (حوالہ سابق: ۱۱۷/۳)

لیکن اس میں جاہلیت کی رسمیں ہوں گی، تو ممانعت آجائے گی۔ (لامع الدراری: ۲/۱۰۸) [۶]

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فتح الباری کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ: اس اعلان میں بہت سارے فائدے ہیں مثلاً: لوگ جمع ہو کر کفن دفن کا انتظام کریں گے، نیک حضرات اکٹھا ہو کر دعائے مغفرت کریں گے اور میت نے جن کے لیے وصیت کی ہو، ان کے حق میں وصیت نافذ کی جائے گی، اسی طرح دیگر حقوق ثابت کیے جائیں گے، جیسے میت کسی کا وکیل ہو یا اس نے کسی کو وکیل بنایا ہو، تو اس خبر سے وکالت کے بطلان کی اطلاع بھی خود بہ خود ثابت ہوگی۔ (فتح الباری: ۳/۳۵۹) [۷]

اس لیے موت کی خبر دینا بلا شبہ جائز ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ: میت کے گھر لوگ جمع ہو کر دعائے مغفرت کریں اور یہاں ملک میں اس کے جو رشتہ دار ہیں، ان کی تعزیت کریں، یہ نہ صرف یہ کہ درست ہے؛ بل کہ تعزیت کرنا سنت ہے۔ (۸) جیسے پردیس میں باپ کا انتقال ہو گیا اور لڑکا یہاں ہے تو اس لڑکے کی تعزیت میں جانا سنت ہے، اسی طرح لوگوں کو

---

[۶] إن مجرد الإعلام غير منهي عنه، وإنما ينهى من الإعلام ما كان على حسب الجاهلية وإلا فلا كراهة في مجرد الإعلام الخالي عن شوائب الجهل والجاهلية. (لامع الدراري على جامع البخاري-رشيد أحمد الكنكوهي (م: ۱۳۲۳هـ): ۲/۱۰۸، كتاب الجنائز، باب الإذن بالجنازة، ترتيب: يحيى الكاندهلوي، تعليق: زكريا الكاندهلوي، ط: المكتبة الأشرفية-ديوبند)

[۷] ... لكن في تلك المفسدة مصالح جمة لما يترتب على معرفة ذلك من المبادرة لشهود جنازته وتهيئة أمره والصلاة عليه والدعاء له والاستغفار وتنفيذ وصاياه وما يترتب على ذلك من الأحكام. (فتح الباري: ۳/۱۱۷، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، ط: دار المعرفة-بيروت)

(۸) عن معاذ بن جبل، أنه مات ابن له فكتب إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم يعزيه بابنه فكتب إليه: "بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى معاذ بن جبل، سلام عليك، فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو. أما بعد، فأعظم الله لك الأجر، وألهمك الصبر، ورزقنا وإياك الشكر، فإن أنفسنا وأموالنا وأهلينا من مواهب الله الهنيئة وعواريه المستودعة، يمتع بها إلى أجل، ويقبضها إلى وقت معلوم، وإنا نسأله الشكر على ما أعطى، والصبر إذا ابتلى، وكان ابنك من مواهب الله الهنيئة وعواريه المستودعة، متعك الله به في غبطة وسرور، وقبضه منك بأجر كثير: الصلاة والرحمة والهدى إن احتسبته، فاصبر، ولا يحبط جزعك أجرك فتندم، واعلم أن الجزع لا يرد ميتا، ولا يدفع حزنا، وما هو نازل فكأن قد والسلام". (المعجم الكبير-أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰هـ): ۲۰/۱۵۵، رقم الحديث: ۳۲۴، محمود بن لبيد الأنصاري، عن معاذ، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية-القاهرة ☆ المعجم الأوسط: ۱/۳۳، رقم الحديث: ۸۳، من اسمه أحمد، ت: طارق بن عوض الله بن محمد وعبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين-القاهرة)

عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، يحدث عن أبيه، عن جده، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من مؤمن يعزي أخاه بمصيبة، إلا كساه الله سبحانه من حلل الكرامة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه: ۱/۱۱۵، كتاب الجنائز، باب ما جاء في ثواب من عزى مصابا، ط: ديوبند) =

جوں جوں اطلاع ہوتی رہے، میت کے گھر جا کر دعائے مغفرت کرتے رہیں، یہ بھی جائز ہے، جیسا کہ فتح الباری میں لکھا ہے۔[۹] البتہ آنے والے تمام لوگوں کا انتظار کرنا اور جب گاؤں کے آنے والے تمام افراد جمع ہو جائیں ،اس کے بعد دعائے مغفرت کرنا؛ یہ (پابندی) حدیث سے ثابت نہیں؛ لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔[۱۰] ہاں لوگ آتے جائیں اور دعاء کر کے واپس ہو جائیں، اس کی گنجائش ہے اور شرعاً یہی مطلوب ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] عورتوں کے لیے میت والے گھر جانا

۱۱۹۹- سوال: عورتیں میت والے گھر جا سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

عورتیں میت والے گھر جا سکتی ہیں۔ [جب کہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو][۱۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=ولا بأس بنقله قبل دفنه وبالإعلام بموته وبإرثائه بشعر أو غيره. لكن يكره الإفراط في مدحه لا سيما عند جنازته، لحديث "من تعزى بعزاء الجاهلية". وبتعزية أهله وترغيبهم في الصبر. (الدر المختار: ۲/ ۲۳۹)

قال ابن عابدين: في شرح المنية: وتستحب التعزية للرجال والنساء اللاتي لا يفتن؛ لقوله - عليه الصلاة والسلام - من عزى أخاه بمصيبة كساه الله من حلل الكرامة يوم القيامة، رواه ابن ماجه، وقوله - عليه الصلاة والسلام - من عزى مصابا فله مثل أجره، رواه الترمذي وابن ماجه. والتعزية أن يقول: أعظم الله أجرك، وأحسن عزاءك، وغفر لميتك. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۰، باب صلاة الجنائز، قبيل: مطلب في الثواب على المصيبة، ط: دار الفكر - بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۷، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر، مسائل في التعزية، ط: دار الفكر - بيروت)   (۹) حاشیہ نمبر ۷ دیکھیے۔

(۱۰) وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص. والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. وفيها من كتاب الاستحسان: وإن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا اهـ. وأطال في ذلك في المعراج. وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى. اهـ. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۰-۲۴۱، باب صلاة الجنازة، فروع في الجنازة، مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت)

(۱۱) عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، يحدث عن أبيه، عن جده، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من مؤمن يعزي أخاه بمصيبة، إلا كساه الله سبحانه من حلل الكرامة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه: ۱/ ۱۱۵، رقم الحديث: ۱۶۰۱، كتاب الجنائز، باب ما جاء في ثواب من عزى مصابا، ط: ديوبند)

عن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من عزى مصابا فله مثل أجره. (سنن الترمذي: ۱/ ۲۰۵، رقم الحديث: ۱۰۷۳، أبواب الجنائز، باب ما جاء في أجر من عزى مصابا، ط: ديوبند)

قال في شرح المنية: وتستحب التعزية للرجال والنساء اللاتي لا يفتن، لقوله - عليه الصلاة والسلام - :من عزى أخاه بمصيبة كساه الله من حلل الكرامة يوم القيامة. رواه ابن ماجه، وقوله - عليه الصلاة والسلام - :من عزى مصابا فله مثل أجره. رواه الترمذي وابن ماجه. والتعزية أن يقول: أعظم الله أجرك، وأحسن عزاءك، وغفر لميتك. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۰، باب صلاة الجنائز، قبيل: مطلب في الثواب على المصيبة، ط: دار الفكر)

عن جابر، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه.
(مسلم شریف: ۱/ ۳۱۲، حدیث نمبر: ۹۳-۹۷۰، ط: دیوبند)

قال في الأزهار: النهي عن تجصيص القبور للكراهة، وهو يتناول البناء بذلك وتجصيص وجهه، والنهي في البناء للكراهة إن كان في ملكه، وللحرمة في المقبرة المسبلة، ويجب الهدم وإن كان مسجدا.
(مرقاۃ المفاتیح: ۳/ ۱۲۱۷، دار الفکر، ط: بیروت)

باب ما يتعلق بالزيارة والقبر والمقابر

[زیارت، قبر اور مقابر کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ما يتعلق بالزيارة والقبر والمقابر

[زیارت، قبر اور مقابر کا بیان]

[۱] قبرستان ومزار پر جانا سنت ہے یا مستحب؟

۱۲۰۰- سوال: دعوت وتبلیغ سے جڑے ہوئے اکثر حضرات مزار پر نہیں جاتے، حالاں کہ قبرستان میں اور ولی اللہ کے مزار پر جانا سنت ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ کو جنت البقیع تشریف لے جاتے تھے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ قبرستان یا مزار پر جانا سنت ہے یا مستحب؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان جانا مستحب ہے۔[1] اور مستحب کام نہ کرنے پر کسی کو لعن طعن یا برا بھلا نہیں کہنا چاہیے، نیز

---

(۱) عن عائشة- رضي الله عنها- أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم - كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم - يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأتاكم ما توعدون غدا، مؤجلون، وإنا، إن شاء الله، بكم لاحقون، اللهم، اغفر لأهل بقيع الغرقد. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۱۳، رقم الحديث: ۱۰۲- (۹۷۴)، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور و الدعاء لأهلها، ط: ديوبند)

قال النووي: وقوله صلى الله عليه وسلم (وإنا إن شاء الله بكم لاحقون) . . . وفي هذا الحديث دليل لاستحباب زيارة القبور والسلام على أهلها والدعاء لهم والترحم عليهم. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، المعروف بـ'شرح النووي على مسلم'- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۷/ ۴۱، كتاب الجنائز، قوله صلى الله عليه وسلم (السلام عليكم دار قوم مؤمنين)، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات إن كانوا مؤمنين من غير وطء القبور لقوله- صلى الله عليه وسلم- إني =

تبلیغی احباب اور جماعت والے جانے سے انکار نہیں کرتے، وہ اپنی دینی مشغولیت کی بناء پر نہیں جا پاتے؛ لہٰذا ان کے نہ جانے پر برا بھلا کہنا جائز نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] زیارت قبر اور ایصال ثواب

۱۲۰۱- سوال: ایک صاحب کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی قبر اطہر پر جاتی تھیں، تو پھر آج کل عورتوں کو ان کے خاوند کی قبروں پر -خواہ قبرستان میں ہو یا اس کے علاوہ کسی اور جگہ- جانے سے کیوں روکا جاتا ہے؟

زید کی تدفین کے بعد اس کے ورثاء برابر صبح وشام، قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے جاتے ہیں، تو تدفین کے بعد وہاں جانا جائز ہے، کیا یہ خصوصیت کا حامل ہے؟

جنازہ کی نماز میں ثناء میں زائد لفظ "وجل ثناؤك" کا کیا معنی ہے؟

میت کو دائیں بائیں کندھا دینے کے بعد پھر دوسری مرتبہ باری آئے، تو مذکورہ ترتیب کے مطابق کندھا دیا جائے یا نہیں؟ نیز بسا اوقات مثلاً دائیں جانب کندھا دینے کا موقع ملتا ہے اور بائیں جانب میں نہیں، تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ صحیح ترتیب کیا ہے؟ بالدلیل مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

جب آپ ﷺ کا انتقال ہوا، اس وقت آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تھے اور قاعدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جہاں وفات پاتے ہیں، وہیں پر مدفون ہوتے ہیں۔[2] لہٰذا اس میں

= كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا فزوروها، ولعمل الأمة من لدن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - إلى يومنا هذا اهـ. ــــــــ وصرح في المجتبى بأنها مندوبة، وقيل تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لهما. (البحر الرائق: ۲/ ۲۱۰، كتاب الجنائز، الصلاة على لميت في المسجد، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۱) ... فإذا نوى تطهير هذه الأشياء يحصل له الثواب فيكون مستحبا، وإذا لم ينو لا يضره ذلك؛ لأن تارك المستحب لا يلام. (البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۱/ ۲۳۵، كتاب الطهارة، سنن الطهارة، النية في الوضوء، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) عن عائشة، قالت: لما قبض رسول الله - صلى الله عليه وسلم - اختلفوا في دفنه، فقال أبو بكر: سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا ما نسيته، قال: ما قبض الله نبيا إلا في الموضع الذي يحب أن يدفن فيه، ادفنوه في موضع فراشه. (سنن الترمذي - محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، أبو عيسى (م: ۲۷۹هـ): =

کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ دن میں ۴-۵ مرتبہ زیارت کرتی ہوں، بل کہ آپ -رضی اللہ عنہا- حضرت عمر کی وفات تک، بغیر پردہ کے آپ ﷺ کی قبر اطہر پر آتی تھیں؛ کیوں کہ قبر آپ کے حجرہ میں تھی۔ نیز وہ خیر القرون کا زمانہ تھا؛ اس لیے فتنہ وفساد کا اندیشہ، نہ ہونے کے برابر تھا۔

موجودہ زمانے میں بھی عورتیں اس نیت سے جا سکتی ہیں کہ اس سے موت کا ڈر وخوف پیدا ہو۔ سیرت عائشہ میں ہے: عن ابی هريرة ان رسول الله -صلى الله عليه- لعن زوارات القبور"[1] کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے؛ کیوں کہ عورتوں کے قبر پر جانے کی وجہ سے بہت سارے فتنے پیدا ہوں گے۔"[2]

اس لیے علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ لکھا ہے، خصوصاً موجودہ دور میں بے پردگی کے ساتھ جانا حرام ہے، نیز عرس وغیرہ میں جانے سے بھی بہت سے فتنے جنم لے رہے ہیں۔"[3]

=۱/ ۱۹۸، رقم الحديث: ۱۰۱۸، أبواب الجنائز، باب ما جاء في دفن النبي صلى الله عليه وسلم حيث قبض، ط: ديوبند)

ابن جريج، قال: أخبرني أبي: أن أصحاب النبي -صلى الله عليه وسلم- لم يدروا أين يقبرون النبي صلى الله عليه وسلم، حتى قال أبو بكر -رضي الله عنه-: سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقول: "لن يقبر نبي إلا حيث يموت". فأخروا فراشه، وحفروا له تحت فراشه. (مسند الإمام أحمد بن حنبل -أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (م: ۲۴۱هـ): ۱/ ۲۰۶، رقم الحديث: ۲۷، مسند أبي بكر الصديق رضي الله عنه، ت: شعيب الأرنؤوط -عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة)

(۱) عن أبي هريرة -رضي الله عنه-، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن زوارات القبور. (سنن الترمذي: ۱/ ۲۰۳، رقم الحديث: ۱۰۵۶، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء، ط: ديوبند)

ويكره للنساء زيارة القبور، وهو قول الجمهور، لقوله -عَلَيْهِ السَّلَامُ-: لعن الله زوارات القبور. رواه الترمذي، وقال: حسن صحيح، ورواه ابن ماجه، وأحمد. (البناية شرح الهداية- بدر الدين العينى (م: ۸۵۵هـ): ۳/ ۲۶۱، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفن، الدفن ليلا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆ شرح النووي على مسلم: ۷/ ۴۵، كتاب الجنائز) ——————— (۲) وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا. (۲-البقرة: ۲۱۹)

(۳) وحاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء، بل حرام في هذا الزمان، ولا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه فيه الفساد والفتنة، وإنما رخصت الزيارة لتذكر أمر الآخرة وللاعتبار بمن مضى وللتزهد في الدنيا. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- محمود بن أحمد بن موسى، الحنفي، بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۸/ ۷۰، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: "ایصال ثواب کے لیے میت کے گھر جمع ہونا" کے حواشی۔

میں تو کہتا ہوں کہ یہ (لعنت، درحقیقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی تھی، کیوں کہ اس جیسی جگہوں پر اب نہ صرف یہ کہ ناجائز کام ہو رہے ہیں، بل کہ (ان جگہوں پر) شرکیہ افعال تک کا صدور ہو رہا ہے اور اس میں زیادہ تر عورتیں ہی ہوتی ہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

۲۔ مرد یا عورت کے انتقال کے بعد ورثاء ورشتہ دار مسلسل دو تین دن صبح وشام جاتے ہیں، اگر لزوم والتزام کے بغیر جائیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (بہ شرطیکہ کہ جانے والے مرد حضرات ہوں)[1]

۳۔ ثناء میں جو زائد الفاظ (وجل ثناؤك) کا معنیٰ ہے کہ تیری شان بلند وبالا ہے۔ (المنجد ص ۱۵۴)

۴۔ جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کو چار شخص اٹھائے اور ہر شخص دس قدم تک اٹھائے اور اٹھانے میں سب سے پہلے دائیں جانب کے اگلے پائے سے ابتدا کرے، پھر اسی جانب والے پچھلے پایہ کو، پھر بائیں جانب والے اگلے پائے کو، پھر اسی طرح اسی جانب کے پچھلے پائے کو اٹھائے۔ یہ مسنون طریقہ ہے؛ لیکن اگر جگہ تنگ ہو یا ازدحام زیادہ ہو، تو دو آدمی بھی اٹھا سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسی سہولت ہو، اسی کے اعتبار سے عمل کریں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن زوارات القبور، قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، وقد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبي - صلى الله عليه وسلم - في زيارة القبور، فلما رخص دخل في رخصته الرجال والنساء، وقال بعضهم: إنما كره زيارة القبور للنساء لقلة صبرهن وكثرة جزعهن". (سنن الترمذي: ۱/ ۲۰۳، رقم الحديث: ۱۰۵۶، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء، ط: ديوبند)

[2] (وأن يبدأ) الحامل (فيضع مقدمها) أي مقدم الجنازة (على يمينه ثم) يضع (مؤخرها) على يمينه (ثم) يضع (مقدمها على يساره ثم مؤخرها) على يساره، فيتم الحمل من الجوانب الأربع، وينبغي أن يحملها من كل جانب عشر خطوات؛ لقوله - عليه الصلاة والسلام - من حمل جنازة أربعين خطوة كفرت عنه أربعين كبيرة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۱۸۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل الصلاة على الميت، سنن حمل الجنازة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط: دار الفكر ☆ المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۲/ ۵۶، كتاب الصلاة، باب حمل الجنازة، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/ ۳۰۹، كتاب الصلاة، باب بيان عدد من يحمل الجنازة، وكيفية حملها، ط: دار الكتب العلمية)

[۳] قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

۱۲۰۲- سوال: میت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زیارتِ قبور کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پیٹھ قبلہ کی طرف اور چہرہ میت کی طرف ہو۔[1] حدیث پاک اور دینی کتابوں سے زیارت کے وقت ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں ملتا۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۵/ ۴۳۴)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] ہندو مسلم سب کو میت کا منہ دکھلانا

۱۲۰۳- سوال: میت کو گھر سے باہر رکھا جاتا ہے اور لوگ اس کا منہ دیکھتے ہیں، دیکھنے والوں میں ہندو مسلم سبھی ہوتے ہیں، تو اس طرح کرنا کیسا ہے؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، صرف رشتہ داروں کو ہی منہ دکھلانا چاہیے؛ کیوں کہ بعض مرتبہ انسان کا منہ اور آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں، تو بدشکل دکھتا ہے، جس کو دیکھ کر لوگ باتیں بنانے لگتے ہیں؛ لہٰذا سب کو دکھلانا مناسب نہیں، تو اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

[مرد] میت کا منہ؛ مسلم اور غیر مسلم،[3] رشتہ دار اور اجنبی؛ سب کو دکھلانا جائز ہے، البتہ بعض مرتبہ

---

(۱) وإذا أراد زيارة القبور، يستحب له أن يصلي في بيته ركعتين، يقرأ في كل ركعة الفاتحة، وآية الكرسي مرة واحدة، والإخلاص ثلاث مرات، ويجعل ثوابها للميت، يبعث الله تعالى إلى الميت في قبره نورا، ويكتب للمصلي ثوابا كثيرا، ثم لا يشتغل بما لا يعنيه في الطريق، فإذا بلغ المقبرة، يخلع نعليه، ثم يقف مستدبر القبلة، مستقبلا لوجه الميت، ويقول: "السلام عليكم يا أهل القبور، ويغفر الله لنا ولكم، أنتم لنا سلف، ونحن بالأثر، كذا في الغرائب. وإذا أراد الدعاء يقوم مستقبل القبلة، كذا في خزانة الفتاوى. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۵۰، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور وقراءة القرآن في المقابر، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] کتاب الجنائز، آٹھویں فصل، زیارت قبور اور ایصال ثواب، ۵/ ۴۳۴، ط: دارالعلوم، دیوبند۔

(۳) سوال: اگر مؤمن بندہ مرجائے اور بہ وقت دفن قبرستان کے روبرو غیر مسلم ہندو، عیسائی وغیرہ آکر تقاضہ کرتے ہیں کہ ہم لوگ اس مردے کے آشنا ہیں، اور یہ مردہ ہمارا دوست تھا، ہمیں مردہ کا چہرہ دکھایا جائے، نہ دیکھنے کی حالت میں شور وشغب کا خوف ہے، تو کیا اس حالت میں قبل از نماز یا بعد از نماز ان غیر مسلموں کو مردہ کا چہرہ دکھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ لیکن اگر زیادہ شر کا اندیشہ نہ ہو، تو انکار کر دیا جائے، کہ یہی احوط ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۸۰، ط: دار المعارف- دیوبند)

گناہوں کی نحوست کی وجہ سے انسان کی شکل بدل جاتی ہے، تو چہرہ دکھلانے سے لوگوں میں بدگوئی ہوگی اور خوب باتیں پھیلیں گی، اس لیے ایسی صورت میں نہ دکھلانا بہتر ہے۔ (۱)

علامہ عینیؒ، عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ: جو شخص ماں باپ کو برا بھلا کہتا ہے، اس کا چہرہ مرنے پر گدھے جیسا ہو جاتا ہے، اور جو شیعہ، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کا چہرہ بھی بدشکل ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری: ۵/ ۲۲) (۲) پس ایسی صورت میں چہرہ نہیں دکھلانا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] عورتوں کا قبرستان جانا

۱۲۰۴- سوال: عورتیں قبرستان جاسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

جنازہ کے ساتھ عورتوں کا قبرستان جانا ممنوع ہے۔ (۳)

---

(۱) عن أنس بن مالك، قال: لما قبض إبراهيم ابن النبي صلى الله عليه وسلم، قال لهم النبي صلى الله عليه وسلم: " لاتدرجوه في أكفانه حتى أنظر إليه، فأتاه، فانكب عليه، وبكى. (سنن ابن ماجه: ۱/ ۱۰۶، رقم الحديث: ۱۴۷۵، أبواب الجنائز، باب ما جاء في النظر إلى الميت إذا أدرج في أكفانه، ط: المكتبة الأشرفية- ديوبند)

وينبغي للغاسل ولمن حضر إذا رأى ما يحب الميت ستره أن يستره ولا يحدث به لأنه غيبة وكذا إذا كان عيبا حادثا بالموت كسواد وجه ونحوه ما لم يكن مشهورا ببدعة فلا بأس بذكره تحذيرا من بدعته، وإن رأى من أمارات الخير كوضاءة الوجه والتبسم ونحوه استحب إظهاره لكثرة الترحم عليه والحث على مثل عمله الحسن شرح المنية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۰۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، قبيل: مطلب في الكفن، ط: دار الفكر- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۹، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر- بيروت)

نوٹ: اس زمانے میں کئی مفاسد پائے جاتے ہیں؛ اس لیے اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے، مثلاً اس کو باعث ثواب سمجھنا، تصویر کشی کرنا، تدفین میں تاخیر کرنا وغیرہ۔ (کفایت المفتی: ۴/ ۶۲، جنائز، ط: زکریا- دیوبند)

[۲] كما وقفنا في بعض الكتب وسمعنا من الثقات أن جماعة من الشيعة الذين يسبون الصحابة قد تحولت صورتهم إلى صورة حمار وخنزير عند موتهم، وكذلك جرى على من عق والديه، وخاطبهما باسم الحمار أو الخنزير أو الكلب؟. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني(م: ۸۵۵ھ): ۵/ ۲۲۲، كتاب مواقيت الصلاة، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

(۳) عن ابن الحنفية، عن علي، قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فإذا نسوة جلوس، فقال: ما يجلسكن؟ قلن: ننتظر الجنازة، قال: هل تغسلن؟ قلن: لا، قال: هل تحملن؟ قلن: لا، قال: هل تدلين فيمن يدلي؟ قلن: لا، قال: =

تنہا عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہے؛ لیکن وہاں جا کر بے صبری [جزع وفزع] کرے اور زور زور سے ہائے اور واویلا کرے اور دوسرے رسم ورواج کو انجام دے، تو اس سے بچانے کے لیے ان کو قبرستان جانے سے روکا جائے گا، نیز قبرستان چوں کہ بستی سے دور ہوتے ہیں اور موجودہ زمانے میں وہاں عورتوں کے تنہا جانے میں بہت سے فتنوں کا اندیشہ ہے؛ اس لیے ان [عورتوں] کا جانا ممنوع ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

[۴] میت کے پڑوسیوں یا رشتہ داروں کی طرف سے تدفین میں آنے والے مہمانوں کو کھانا کھلانا

۱۲۰۵- سوال: تدفین میں آنے والے لوگوں کے لیے گاؤں کا کوئی آدمی کھانا کھلانا چاہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پڑوسیوں اور رشتہ داروں کا میت کے گھر والوں کو اور باہر سے آنے والے مہمانوں کو کھلانا مستحب ہے۔[1]

=فارجعن مأزورات غير مأجورات. (سنن ابن ماجه، ص: ١١٣، رقم الحديث: ١٥٧٨، كتاب الجنائز، باب ما جاء في اتباع النساء الجنائز، ط: فيصل - ديوبند)

عن معمر، أن عمر، رأى نساء مع جنازة، فقال: ارجعن مأزورات غير مأجورات، فوالله ما تحملن ولا تدفن، يا مؤذيات الأموات ومفتنات الأحياء. (المصنف - أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (م: ٢١١هـ): ٣/٤٥٦، رقم الحديث: ٦٢٩٩، كتاب الجنائز، باب منع النساء اتباع الجنائز، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المجلس العلمي - الهند)

ويكره خروجهن تحريما. (الدر المختار) ———— قال ابن عابدين: (قوله ويكره خروجهن تحريما) لقوله - عليه الصلاة والسلام -: ارجعن مأزورات غير مأجورات. رواه ابن ماجه بسند ضعيف، لكن يعضده المعنى الحادث باختلاف الزمان الذي أشارت إليه عائشة بقولها: لو أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - رأى ما أحدث النساء بعده، لمنعهن كما منعت نساء بني إسرائيل، وهذا في نساء زمانها، فما ظنك بنساء زماننا. وأما ما في الصحيحين: عن أم عطية نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا. أي أنه نهي تنزيه، فينبغي أن يختص بذلك الزمن حيث كان يباح لهن الخروج للمساجد والأعياد، وتمامه في شرح المنية. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ٢٣٢، باب صلاة الجنازة، مطلب في حمل الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

(١) قال في الفتح ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم، لقوله -=

لیکن میت کے گھر والوں کا کھانا کھلانا، دعوت کرنا اور دیگیں پکانا جائز نہیں۔ (1) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۷] میت کی تجہیز و تکفین کے بعد کھانا کھلانا

۱۲۰۶- سوال: میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین سے فراغت کے بعد تجہیز و تکفین میں مصروف افراد کو اور اہل خانہ کو کھانا کھلایا جاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل اور کفن دفن میں جو حضرات مشغول تھے، ان کو کھلانا جائز ہے، اسی طرح باہر سے آنے والے

= صلی اللہ علیہ وسلم -: اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاءهم ما يشغلهم. حسنه الترمذي وصححه الحاكم، ولأنه بر ومعروف، ويلح عليهم في الأكل لأن الحزن يمنعهم من ذلك فيضعفون. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۰، باب صلاة الجنازة، مطلب في الثواب على المصيبة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱ھ): ۲/ ۱۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر ☆ حاشية الطحطاوي ص: ۶۱۸، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(1) جب کہ مرنے والے کے مال سے دعوت کی جائے۔ ممانعت اور قباحت اس لیے ہے کہ موقع حزن وملال کا ہے نہ کہ خوشی ومسرت کا، کہ دعوت کی جائے، نیز میت کا مال - بعد از مرگ - اس کے وارثوں کا ہو گیا ہے؛ اس لیے قباحت اس وقت اور زیادہ ہوگی، جب کہ ورثاء میں کوئی نابالغ ہو یا کوئی وارث موجود نہ ہو:

وقال أيضا: ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة: وروى الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال "كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة". اهـ. وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب، مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالبا من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع والقناديل التي توجد في الأفراح، وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء والمردان، وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن، وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الأزمان، وما كان كذلك فلا شك في حرمته وبطلان الوصية به، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۰-۲۴۱، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱ھ): ۲/ ۱۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر)

مہمانوں اور اہل خانہ کے لیے کوئی کھانے کا نظم کرے، تو یہ بھی جائز؛ بل کہ مستحسن ہے؛ البتہ آدمی کے مرنے بعد جو مال (اس کا) موجود ہے، اس مال سے ورثاء کی اجازت کے بغیر کھانا پکانا، کھلانا یا ایصال ثواب کی خاطر صدقہ دینا؛ سب ناجائز ہے، البتہ اس موقع پر دعوت کرنا مشروع نہیں، بدعت ہے، جس کی اجازت شریعت میں نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] بھاتھی کا کھانا اور فاتحہ پڑھنا اور پڑھانا

۱۲۰۷- سوال: میت والے مکان میں دو دن جو رشتہ داروں کے یہاں سے یا پڑوسیوں کے یہاں سے کھانا آتا ہے (جس کو ہمارے یہاں بھاتھی کہا جاتا ہے) اس کو کھانا اور فاتحہ پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کے اعزہ واقارب کو کھانا پکا کر کھلانا مستحب ہے۔[2]

---

(۱) ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. روى الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال: كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة. ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله - صلى الله عليه وسلم -: اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاءهم ما يشغلهم، حسنه الترمذي وصححه الحاكم ولأنه بر ومعروف، ويلح عليهم في الأكل لأن الحزن يمنعهم من ذلك فيضعفون، والله أعلم. (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م:۸۶۱هـ): ۲/ ۱۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر ☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الثواب على المصيبة، ط: دار الفكر - بيروت☆حاشية الطحطاوي ص:۶۱۸، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) عن عبد الله بن جعفر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اصنعوا لآل جعفر طعاما، فإنه قد أتاهم أمر يشغلهم. (سنن أبي داود ص: ۴۴۷، رقم الحديث: ۳۱۳۲، كتاب الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، ط: فيصل پبلی کیشنز - دیوبند)

ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله - صلى الله عليه وسلم -: اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاءهم ما يشغلهم، حسنه الترمذي وصححه الحاكم ولأنه بر ومعروف، ويلح عليهم في الأكل لأن الحزن يمنعهم من ذلك فيضعفون، والله أعلم. (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد=

لیکن فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] میّت کے مال میں سے کھانے کا انتظام کرنا

۱۲۰۸- سوال: انتقال کی خبر جب قریبی رشتہ داروں کو دی جاتی ہے، تو دوسرے حضرات بھی آتے ہیں، ان کے لیے میّت کے گھر والے کھانے کا انتظام کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

مرحوم کے مال سے مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرنا جائز نہیں ہے، حرام ہے، مذکورہ مال وارثوں کا حق ہے، اس لیے وارثوں کی اجازت کے بغیر اس کو خرچ کرنا جائز نہیں، وارثوں میں ایک فرد بھی نابالغ ہو تو اس کی اجازت معتبر نہیں ہے، اسی طرح کوئی غائب آدمی ہو، تو اس کی غیر موجودگی میں بھی میّت کے مال کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ غسل اور کفن میں مشغول لوگوں کے لیے کھانا جائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م:٨٦١هـ):٢/١٤٢، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر☆رد المحتار على الدر المختار: ٢/٢٤٠، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الثواب على المصيبة، ط: دار الفكر - بيروت☆حاشية الطحطاوي، ص:٦١٨، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) دفن کرنے کے بعد ایصالِ ثواب کی خاطر بعض آیاتِ کریمہ کی تلاوت کی جاتی ہے، اُس کو دعا کہتے ہیں، اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، اُس کے لیے فاتحہ کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے، اُس کا معنی الگ ہوتا ہے۔

''فاتحہ'' کا استعمال اہلِ بدعت کے یہاں اُس موقع پر ہوتا ہے، جب کہ سامنے کھانا یا مٹھائی رکھی جائے، اگربتی جلائی جائے اور اُس کے سامنے بیٹھ کر قرآنِ کریم کی مخصوص سورت یا آیت پڑھی جائے، اور ان سب میں یہ عقیدہ کارفرما ہوتا ہے کہ مردے کی روح گھر میں ہر جمعرات کو آتی ہے، اور صاحبِ خانہ سے فریاد کرتی ہے، حالاں کہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ــــــــــ ضابطہ یہ ہے کہ ایک لفظ کے کئی مفہوم ہوں، ایک صحیح اور دوسرا غلط، تو احوط یہ ہے کہ اس لفظ کو استعمال ہی نہ کیا جائے، كما يفهم من قوله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا. (۲-البقرة:۱۰۴)

(۲) وقال أيضا: ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة: وروى الإمام أحمد و ابن ماجه بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال "كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة". اهـ. وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب، مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالبا من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع والقناديل التي توجد في الأفراح، وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء والمردان، وأخذ الأجرة=

[۱۰] مردہ بچہ کی تدفین قبرستان کے بیچ میں کرنا

۱۲۰۹- سوال: اگر مردہ بچہ پیدا ہو، تو اس کو قبرستان میں دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا قبرستان کے باہر والے حصہ میں دفن کرنا ہوگا، اگر قبرستان میں دفن کیا جائے، تو اس میں کوئی حرج تو نہ ہوگا؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر بچہ مردہ پیدا ہو، تو نام رکھا جائے، اور غسل دے کر، ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے، بہتر یہ ہے کہ قبرستان کے کسی کونہ میں گڑھا کھود کر دفن کر دیں۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=على الذكر وقراءة القرآن، وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الأزمان، وما كان كذلك فلا شك في حرمته وبطلان الوصية به، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۱-۲۴۰، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ط: دار الفكر - بيروت☆فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱ھ): ۲/ ۱۴۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر)

تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیں "میت کے پڑوسیوں یا رشتہ داروں کی طرف سے تدفین میں آنے والے مہمانوں کو کھانا کھلانا ☆میت کی تجہیز وتکفین کے بعد کھانا کھلانا ☆ بھاتھی کا کھانا اور فاتحہ پڑھنا اور پڑھانا" کے حواشی۔

(۱) وإن لم يستهل أدرج في خرقة "كرامة لبني آدم" ولم يصل عليه "لما روينا. ويغسل في غير الظاهر من الرواية لأنه نفس من وجه وهو المختار". (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر، الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۹۱، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

قوله: "وإن لم يستهل" مثله ما إذا استهل فمات قبل خروج أكثره وأما الاستهلال في البطن فغير معتبر بالأولى قوله: "وإن لم يتم خلقه" فيغسل وإن لم يراع فيه السنة وبهذا يجمع بين من أثبت غسله وبين من نفاه فمن أثبته أراد الغسل في الجملة ومن نفاه أراد الغسل المراعي فيه وجه السنة والمتبادر منه أنه ظهر فيه بعض خلق وأما إذا لم يظهر فيه خلق أصلا فالظاهر أنه لا يغسل ولا يسمى لعدم حشره وحرره. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ) ص: ۵۹۸، فصل السلطان أحق بصلاته، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الاختيار لتعليل المختار - ابن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ): ۱/ ۹۵، باب الجنائز، فصل الصلاة على الجنازة، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة [من علماء الحنفية ومدرس بكلية أصول الدين سابقا]، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة☆تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۱/ ۲۴۳، كيفية=

[۱۱] قبرستان میں پیشگی قبر کھود کر رکھنا

۱۲۱۰- سوال: ایک عالم کا کہنا ہے کہ قبرستان میں پہلے سے قبر کھود کر رکھنا منع ہے، جب کہ ہم نے آٹھ قبریں کھود کر تیار رکھی ہیں، تو اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

اگر قبرستان بڑا ہو اور وقت پر قبر کھودنے والے نہ ملتے ہوں، تو انتظام اور آسانی کے لیے، نیز اس مقصد سے کہ موت کا تصور رہے اور توبہ کی توفیق ہو، پہلے سے قبر کھود کر تیار رکھنا جائز ہے۔ قبر کھودنے کے بعد ضرورت کی وجہ سے، کسی دوسرے مسلمان کو دفن کیا گیا، تو اس میں جھگڑا کرنا جائز نہیں، ہاں اس میت کے مال میں سے اس کے ورثاء کے پاس سے قبر کھودنے کی اجرت وصول کی جاسکتی ہے۔

اگر قبرستان چھوٹا ہو، تو پہلے سے قبر کھودنا اور جگہ متعین کر لینا مکروہ ہے، ہاں اگر قبرستان خود کی ملکیت کا ہو، اسے عام مسلمانوں کے لیے وقف نہ کیا گیا ہو، تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= صلاة الجنازة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق- القاهرة☆ الجوهرة النيرة-أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبيدي اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ):۱/۱۱۰، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد، ط: المطبعة الخيرية☆ الفتاوى الهندية:۱/۱۵۹، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت، ط: دار الفكر-بيروت)

درج ذیل عبارت میں ہے کہ نام رکھا جائے، امام طحاویؒ نے اس قول کو امام ابو یوسفؒ کی جانب منسوب کیا ہے:

(وإن لم يستهل) غسل في المختار. هداية. و (أدرج في خرقة ولم يصل عليه) وكذا يغسل السقط الذي لم يتم خلقه في المختار، كما في الفتح والدراية، ويسمى كما ذكره الطحاوي عن أبي يوسف، كذا في التبيين.

"وإن لم يستهل غسل" وإن لم يتم خلقه "في المختار" لأنه نفس من وجه "وأدرج في خرقة" وسمي "ودفن ولم يصل عليه". (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹هـ)، ص: ۲۲۲، الصلاة عليه، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

(۱) "وإن دفن في قبر حفر لغيره" من الأحياء بأرض ليست مملوكة لأحد "ضمن قيمة الحفر" وأخذ من تركته وإلا فمن بيت المال أو المسلمين. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:۱۲۳۱هـ) ص:۶۱۵، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ فتح القدير: ۲/۱۴۱، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفن، ط: دار الفكر-بيروت☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۳۸، كتاب الصلاة، باب =

[۱۲] قبرستان میں غیر مذہبی، مستور الحال یا غیر ملکی میت کو دفنانے کا حکم

۱۲۱۱- سوال: یہاں وسط امریکہ میں لبنان، جارڈن، فلسطین وغیرہ کے عرب حضرات بہ غرض تجارت بسے ہوئے ہیں، ان میں بہت سے عیسائی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں اور یہ نکاح ان کے کلیسا (چرچ) میں کرتے ہیں، اپنی اولاد کے نام بھی عیسائی طریق پر رکھتے ہیں اور ان کا رہن سہن تقریباً عیسائی طرز کا ہوتا ہے، ان کی اولاد اسلامی تعلیمات سے اور وہ خود بھی اسلامی شعائر سے بہت دور رہتے ہیں۔ ادھر وسط امریکہ میں پنامہ شہر میں ہندوستانی افراد؛ خصوصاً گجراتی مسلمان رہتے ہیں، ان کی اپنی ایک الگ سوسائٹی ہے، جس میں نماز کے لیے بڑے ہال اور مساجد ہیں، اور ان کا اپنا ۶۵ رقبروں کے بہ قدر کا ایک چھوٹا سا قبرستان بھی ہے، اس قبرستان کی زمین انہوں نے عیسائیوں سے خریدی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ عرب' میں سے اگر کسی کا انتقال ہوتا ہے، تو وہ انڈین مسلموں کے پاس میت کو دفن کرنے کے لیے قبر کی زمین لینے آتے ہیں اور منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں، تو ایسی صورت میں ان کو قبر کی زمین قیمتاً دینا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا اور ان کے یا ان کی اولاد کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو زمین ہندوستانی مسلم سوسائٹی نے قبرستان کے لیے رکھی ہے، وہ ان کی ملکیت ہے اور سوسائٹی نے جن حضرات کو منتظم بنایا ہے، ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ زمین کسی اور کو دے دیں؛ کیوں کہ منتظمین خود اس کے مالک نہیں ہیں؛ بل کہ ان کی حیثیت صرف وکیل کی ہے، اپنے فرض کے خلاف کرنا، ان کے

=صلاة الجنازة، مطلب في دن الميت، ط: دار الفكر- بيروت)

ومن حفر قبرا لنفسه فلا بأس به ويؤجر عليه، كذا في التتارخانية رجل حفر قبرا فأرادوا دفن ميت آخر فيه إن كانت المقبرة واسعة يكره وإن كانت ضيقة جاز ولكن يضمن ما أنفق صاحبه فيه، كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ١/ ١٦٦، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر)

ولو حفر قبرا فأراد آخر دفن ميت فيه، إن كانت المقبرة واسعة كره له، لا يحاش المسلم من غير ضرورة، وإن كانت ضيقة جاز ولكن يضمن ما أنفق الأول، وهذا كمن بسط بساطا أو مصلى في مسجد أو مجلس إن كان المكان واسعا كره لغيره أن يزيله وإلا فلا، ومن حفر قبرا لنفسه قبرا فلا بأس به ويؤجر عليه، كذا عمل عمر بن عبدالعزيز والربيع بن خيثم وغيرهما ذكره في التاتارخانية. (حلبي كبير، ص: ٥٢٥، الفصل الثامن في مسائل متفرقة من الجنائز، ط: دار الكتاب- ديوبند)

لیے جائز نہیں ہے۔[۱]

لبنان، جارڈن، فلسطین وغیرہ سے آنے والے عرب حضرات، صرف مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے سے اور مسلمانوں جیسا نام رکھنے سے 'مسلمان شمار نہ ہوں گے، جب تک کہ ان کے عقائد اسلام کے موافق نہ ہوں، اسی طرح ان کی اولاد بھی جب تک وحدانیت کی قائل اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والی نہ ہو، مسلمان شمار نہ ہوگی۔[۲]

اوران کا نکاح عیسائی عورتوں کے ساتھ-اگر وہ عورتیں واقعتاً مذہب کے اعتبار سے عیسائی ہوں تو-دو عیسائی گواہوں کی موجودگی میں درست ہے۔[۳]

---

(۱) في فتاوى أهل سمرقند: شجرة وقف في دار وقف خربت الدار ليس للمتولي أن يبيع الشجرة ويعمر الدار لكن يكرى الدار ويعمرها ويستعين بالأجر على عمارة الدار لا بالشجرة؛ لأنه إذا باع الشجرة لا تبقى. وإذا آجر الدار تبقى كلها. (المحيط البرهاني-ابن مازة البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ):۶/ ۱۴۸، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ متولی کے لیے ارض موقوفہ کے درخت کو فروخت کرنا جائز نہیں، تو قبرستان کی جگہ کو فروخت کرنا بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۴۳۲، كتاب الوقف، فصل إجازة الواقف، مطلب استأجر دارا فيها أشجار، ط: دار الفكر-بيروت ☆ البحر الرائق: ۵/ ۲۳۳، كتاب الوقف، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ منحة الخالق على البحر الرائق: ۵/ ۲۲۱، كتاب الوقف، غرس شجرة ووقفها أو غرس في أرض موقوفة... الخ، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) عن ابن عمر، رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، والحج، وصوم رمضان". (صحيح البخاري: ۱/ ۶، رقم الحديث: ۸، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس...، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۲، رقم الحديث: ۲۰، ۲۱- (۱۶)، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم بني الإسلام على خمس، ط: ديوبند)

(۳) واعلم أن من اعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث وزبور داود فهو من أهل الكتاب فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم، كذا في (الشرح) وفي (الدراية) الأولى أن لا يفعل ذلك إلا لضرورة وما في (الخانية) من كراهة تزوج الكتابية إذا كانت حربية محمول على التنزيه. (النهر الفائق شرح كنز الدقائق-سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفي (م: ۱۰۰۵ھ): ۲/ ۱۹۵، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ت: أحمد عزو عناية، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۴۵، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ط: دار الفكر-بيروت ☆ فتح القدير: ۳/ ۲۲۸، كتاب النكاح، فصل في النكاح، ط: دار الفكر-بيروت) =

البتہ اگر عورت صرف نام کی عیسائی ہو اور اپنے اصل مذہب پر قائم نہ ہو، یعنی آسمانی کتاب 'انجیل' اور پیغمبر 'حضرت عیسیٰ علیہ السلام' پر کما حقہ ایمان نہ رکھتی ہو، تو وہ عیسائی کہلانے کے لائق نہیں اور اس کے ساتھ مسلمان کا نکاح جائز نہیں، شریعت نے جس عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کی اجازت دی ہے، اس کا صحیح معنیٰ میں عیسائی ہونا ضروری ہے۔ [۲] اگر ایسا نہیں ہے، تو اس عورت کو اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے قبرستان میں

= (وصح نكاح كتابية)، وإن كره تنزيها (مؤمنة بنبي) مرسل (مقرة بكتاب) منزل، وإن اعتقدوا المسيح إلها، وكذا حل ذبيحتهم على المذهب بحر. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: وإن كره تنزيها) أي سواء كانت ذمية أو حربية، فإن صاحب البحر استظهر أن الكراهة في الكتابية الحربية تنزيهية فالذمية أولى. اهـ . . . . ففي الفتح ويجوز تزوج الكتابيات والأولى أن لا يفعل، ولا يأكل ذبيحتهم إلا للضرورة، وتكره الكتابية الحربية إجماعا، لافتتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعي للمقام معها في دار الحرب، وتعريض الولد على التخلق بأخلاق أهل الكفر، وعلى الرق، بأن تسبى وهي حبلى فيولد رقيقا، وإن كان مسلما. اهـ.

فقوله: والأولى أن لا يفعل يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية، وما بعده يفيد كراهة التحريم في الحربية تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/۴۵، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ط: دار الفكر)

قال: "وإن تزوج مسلم ذمية بشهادة ذميين جاز عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني (م: ۵۹۳هـ): ۱/۱۸۶، كتاب النكاح، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

(۲) اب رہا یہ معاملہ کہ یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کہنے اور سمجھنے کے لیے کیا یہ شرط ہے کہ وہ صحیح طور پر اصلی تورات وانجیل پر عمل رکھتے ہوں، یا محرف تورات اور انجیل کا اتباع کرنے والے اور عیسیٰ ومریم علیہما السلام کو خدا کا شریک قرار دینے والے بھی اہل کتاب میں داخل ہیں۔ سو قرآن کریم کی بے شمار تصریحات سے واضح ہے کہ اہل کتاب ہونے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ وہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہوں اور اس کی اتباع کرنے کے دعوے دار ہوں۔ خواہ وہ اس کے اتباع میں کتنی گمراہیوں میں جا پڑے ہوں۔

قرآن کریم نے جن کو اہل کتاب کا لقب دیا، انھیں کے بارے میں یہ بھی جا بجا ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کرتے ہیں: يحرفون الكلم عن مواضعه. اور یہ بھی فرمایا کہ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو: وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ. ان حالات وصفات کے باوجود جب قرآن نے ان کو اہل کتاب قرار دیا تو معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ جب تک یہودیت ونصرانیت کو بالکل نہ چھوڑ دیں وہ اہل کتاب میں داخل ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی عقائد فاسدہ اور اعمال سیئہ میں مبتلا ہوں۔

امام جصاص نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم ؓ کے عہد خلافت میں آپ کے کسی عامل یا گورنر نے ایک ایک خط لکھ کر یہ دریافت کیا کہ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تورات پڑھتے ہیں اور یوم السبت یعنی ہفتہ کے دن کی تعظیم بھی یہود کی طرح کرتے ہیں مگر قیامت پر ان کا ایمان نہیں، ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ حضرت فاروق اعظم ؓ نے تحریر فرمایا کہ وہ =

دفن کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اگر نکاح کے بعد وہ (عرب) بھی اس عورت کے ساتھ کلیسا جاتا ہو اور عیسائیوں کے طریقے کے مطابق عبادت کرتا ہو، تو وہ ایمان سے نکل گیا اور مرتد شمار ہوگا اور مرتد کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔ (۵)

= اہل کتاب ہی کا ایک فرقہ سمجھے جائیں گے۔

صرف نام کے یہودی و نصرانی جو در حقیقت دہریے ہیں وہ اس میں داخل نہیں۔

آج کل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں، مگر در حقیقت وہ خدا کے وجود اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں۔ نہ تورات و انجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں اور نہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی و پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ شخص مردم شماری کے نام کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے۔

نصاریٰ کے بارے میں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں اس کی وجہ یہ بتلائی کہ یہ لوگ دین نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کسی چیز کے قائل نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد یہ ہے کہ (ابن جوزی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ) نصاریٰ بنی تغلب کے ذبائح کو نہ کھاؤ۔ کیوں کہ انہوں نے مذہب نصرانیت میں سے شراب نوشی کے سوا کچھ نہیں لیا۔ امام شافعی نے بھی سند صحیح کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری: ۳/ ۳۴، سورہ مائدہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بنی تغلب کے متعلق یہی معلومات تھیں کہ وہ بے دین ہیں، نصرانی نہیں۔ اگرچہ نصرانی کہلاتے ہیں؛ اس لیے ان کے ذبیحہ سے منع فرمایا۔ جمہور صحابہ و تابعین کی تحقیق یہ تھی کہ یہ بھی عام نصرانیوں کی طرح ہیں، بالکل دین کے منکر نہیں، اس لیے انہوں نے ان کا ذبیحہ بھی حلال قرار دیا۔

وقال جمهور الامة ان ذبيحة كل نصراني حلال سواء كان من بني تغلب او غيرهم و كذلك اليهود. (تفسیر قرطبی: ۶/ ۷۸) ——— اور جمہور امت کہتے ہیں کہ نصرانی کا ذبیحہ حلال ہے۔ خواہ بنی تغلب میں سے ہو، یا ان کے سوا کسی دوسرے قبیلہ اور جماعت سے ہو، اسی طرح ہر یہودی کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ ——— خلاصہ یہ ہے کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے یا حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی نہیں مانتے۔ وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں۔ (معارف القرآن: ۳/ ۴۸-۴۹، سورہ مائدہ: ۵، ط: نعیمیہ - دیوبند)

(۵) من تقلنس بقلنسوة المجوس، أي لبسها، و تشبه بهم فيها، أو خاط خرقة صفراء على العاتق أي و هو من شعارهم، أو شد في الوسط خيطا كفر، إذا كان متشابها بخيطهم أو ربطهم أو سماه زنارا . . . و لو شد الزنار على وسطه، أو وضع الغل على كتفه فقد كفر، أي إذا لم يكن مكرها في فعله. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۲۷-۲۲۸، فصل في الكفر صريحا و كناية، ط: ياسر نديم - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۷۶، كتاب السير، باب في أحكام المرتدين موجبات الكفر أنواع، و منها: مايتعلق بتلقين الكفر و الأمر بالارتداد. الخ، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق =

اور اگر وہ مسلمان بھی ہوں؛ لیکن "ہندی مسلم سوسائٹی" اپنے قاعدہ وقانون کے بموجب عمل کرے اوران عرب مسلموں کو (گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے) اجازت نہ دے، تب بھی جائز ہے، اس کی ایک نظیر یہ ہے کہ: محلہ کی مسجد محلہ والوں کے لیے تنگ ہو، تو فقہاء نے لکھا ہے کہ" جائز ہے کہ دوسرے محلہ والوں کو اس میں آنے سے منع کردے"۔ [۲] پس جب ہندی مسلمانوں کا قبرستان صرف ۶۰ / یا ۶۵ / قبروں کی گنجائش رکھتا ہے، تو اگر سب کو اجازت دی جائے گی، تو مختصر وقت میں قبرستان ناکافی ہو جائے گا اور دوسری جگہ مہیا کرنے میں تکلیف ہوگی؛ اس لیے منع کرنے میں کوئی حرج نہیں، بل کہ اگر قبرستان میں گنجائش بھی ہو، مگر ان عربوں کے عقائد کی تحقیق میں الجھن اور دشواری ہو، تو اس کی وجہ سے بھی منع کرنے کی گنجائش ہے، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] لحدی قبر افضل ہے

۱۲۱۲- سوال: بیشتر علاقوں میں صندوقی قبریں نہیں بنائی جاتیں؛ بل کہ گڑھا کھود کر ایک جانب میت کے جسم برابر کھودا جاتا ہے، پھر اس میں میت کو رکھ دیا جاتا ہے، اور لکڑی کے تختے یا بانس کے

=شرح كنز الدقائق: ۵/ ۱۳۳، باب أحكام المرتدين، كتاب السير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۱/ ۶۹۸، ألفاظ الكفر أنواع، باب المرتد، ط: دار إحياء التراث العربي)

أما المرتد فلا يغسل، ولا يكفن، وإنما يلقى في حفيرة كالكلب، ولا يدفع إلى من انتقل إلى دينهم كما في فتح القدير. (البحر الرائق مع منحة الخالق: ۲/ ۲۰۵، كتاب الجنائز، الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم إذا قال إن شتمت فلانا في المسجد، ط: دار الفكر ☆ فتح القدير: ۲/ ۱۳۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل في الصلاة على الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) قال التمرتاشي لو ضاق المسجد بأهله لهم أن يمنعوا من ليس من أهله من الصلاة وفي العيني على الهداية، ولا يمتنع أن يكون المسجد لعامة المسلمين، ويختص أهله بتدبيره ألا ترى أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أخذ مفاتيح الكعبة من بني شيبة، فأمره الله تعالى أن يردها إليهم بقوله تعالى {إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها} [النساء: ۵۸]. (البحر الرائق: ۸/ ۴۰۲، كتاب الديات، باب ما يحدث الرجل في الطريق، فصل في الحائط المائل، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ البناية شرح الهداية: ۱۳/ ۲۴۳، كتاب الديات، باب ما يحدث الرجل في الطريق، كان المسجد للعشيرة فغلق رجل منهم... الخ، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ٹکڑے رکھ کر، مٹی سے پاٹ دیا جاتا ہے، کچھ ہی دنوں کے بعد تختے اور بانس سڑ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے قبر بیٹھ [دھنس] جاتی ہے، اور گڑھا پڑ جاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی قبر بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

بغیر مجبوری کے صندوقی قبر بنانے کی ضرورت نہیں ہے، گڑھے کی ایک جانب میں کھود کر جو قبر بنائی جاتی ہے، اسے لحدی قبر کہا جاتا ہے، اور وہی افضل ہے۔[1]

---

(۱) عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اللحد لنا والشق لغيرنا". (سنن أبي داود: ۲/۴۵۸، رقم الحديث: ۳۲۰۸، كتاب الجنائز، باب في اللحد، ط: ديوبند☆سنن الترمذي: ۱/۲۰۲، رقم الحديث: ۱۰۴۵، أبواب الجنائز، باب ما جاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم اللحد لنا، والشق لغيرنا، ط: ديوبند☆المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳هـ): ۴/۸۰، رقم الحديث: ۲۰۰۹، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب ☆سنن ابن ماجه، ص: ۱۱۱، رقم الحديث: ۱۴۵۴ و۱۴۵۵، كتاب الجنائز، باب ما جاء في استحباب اللحد، ط: الكتبة الأشرفية - ديوبند)

وأما سنة الحفر فالسنة فيه اللحد عندنا، وعند الشافعي الشق، واحتج أن توارث أهل المدينة الشق دون اللحد، وتوارثهم حجة، ولنا قول النبي: - صلى الله عليه وسلم - اللحد لنا والشق لغيرنا، وفي رواية: اللحد لنا والشق لأهل الكتاب، وروي أن النبي - صلى الله عليه وسلم - لما توفي اختلف الناس أن يشق له، أو يلحد، وكان أبو طلحة الأنصاري لحادا، وأبو عبيدة بن الجراح شاقا، فبعثوا رجلا إلى أبي عبيدة ورجلا إلى أبي طلحة، فقال العباس بن عبد المطلب: اللهم خر لنبيك أحب الأمرين إليك فوجد أبا طلحة من كان بعث إليه، ولم يجد أبا عبيدة من بعث إليه، والعباس - رضي الله عنه - كان مستجاب الدعوة، وأهل المدينة إنما توارثوا الشق؛ لضعف أراضيهم بالبقيع ولهذا اختار أهل بخارى الشق دون اللحد، لتعذر اللحد لرخاوة أراضيهم.

وصفة اللحد أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة فيوضع فيه الميت. وصفة الشق أن يحفر حفيرة في وسط القبر، فيوضع فيه الميت ويجعل على اللحد اللبن والقصب لما روي أنه وضع على قبر رسول الله - صلى الله عليه وسلم - طن من قصب.

وروي أنه - صلى الله عليه وسلم - رأى فرجة في قبر، فأخذ مدورة، وناولها الحفار، وقال سد: بها تلك الفرجة فإن الله تعالى يحب من كل صانع أن يحكم صنعته، والمدرة قطعة من اللبن، وروي عن سعيد بن العاص، أنه قال: اجعلوا على قبري اللبن والقصب، كما جعل على قبر رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وقبر أبي بكر وقبر عمر؛ ولأن اللبن والقصب لا بد منهما ليمنعا ما يهال من التراب على القبر من الوصول إلى الميت. (بدائع الصنائع: ۱/۳۱۸، فصل سنة الحفر لدفن الميت، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

"ويلحد" في الأرض صلبة من جانب القبلة "ولا يشق" بحفيرة في وسط القبر يوضع فيها الميت "إلا في أرض =

قبر کے دھنس جانے کی صورت میں اسے کھولنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں! اگر اس طرح قبر دھنس جائے کہ میت کے ظاہر ہو جانے یا اس کے اعضائے بدن کو جانور سے نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہو، تو کھود کر مٹی ڈال دینا جائز ہے۔ (عالمگیری)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] اگر قبر دھنس جائے، تو اس پر دوبارہ مٹی ڈالنا جائز ہے

۱۲۱۳- سوال: ایک شخص کو دفن کیا گیا، اس کے بعد خوب بارش ہوئی، جس کے نتیجے میں قبر دھنس گئی، تو اس پر نئی مٹی ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداو مصليا:

قبر اگر دھنس جائے، تو اس پر زائد مٹی ڈالنا جائز ہے، تا کہ لوگوں کو معلوم رہے کہ یہ قبر ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= رخوة" فلا بأس به فيها. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹ھ):۱/ ۲۲۵، فصل في حملها و دفنها، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

(ويحفر القبر) وهو مقر الميت طوله على قدر طول الميت وعرضه على قدر نصف طوله وعمقه إلى السرة وقيل إلى الصدر وإن زاد عليه فهو أفضل فلو كان على قدر قامته فهو أحسن (ويلحد) القبر من لحده أو ألحده أي حفر في جانب القبلة من القبر حفيرة يوضع فيها الميت ويجعل كالبيت المسقف؛ لقوله-عليه الصلاة والسلام-: اللحد لنا والشق لغيرنا، والشق أن يحفر حفيرة في وسط القبر فيوضع فيها الميت، وفي التبيين: وإن كانت الأرض رخوة فلا بأس بالشق واتخاذ التابوت ولو من حديد ولكن السنة أن يفترش فيه التراب. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-داماد أفندي (م:۱۰۷۸ھ):۱/ ۱۸۶، سنن حمل الجنازة، ط: دار إحياء التراث العربي)

[۱] وإذا خربت القبور فلا بأس بتطيينها، كذا في التتارخانية، وهو الأصح وعليه الفتوى، كذا في جواهر الأخلاطي. (الفتاوى الهندية:۱/ ۱۶۶، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر، ط: دار الفكر-بيروت)

وإذا خربت القبور فلا بأس بتطيينها لأن الرسول صلى الله عليه وسلم مر بقبر ابنه إبراهيم فرأى فيه جحرا فسده وقال: "من عمل عملا فليتقنه" (مراقي الفلاح:۱/ ۲۲۶، فصل في حملها ودفنها)

(۲) وإذا خربت القبور فلا بأس بتطيينها لأن الرسول صلى الله عليه وسلم مر بقبر ابنه إبراهيم فرأى فيه جحرا فسده وقال: "من عمل عملا فليتقنه". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي الحنفي (م:۱۰۶۹ھ)، ص:۲۲۶، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية ☆ الفتاوى الهندية:۱/ ۱۶۶، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن و =

[۱۵] قبر کو دوبارہ استعمال کرنے کے لیے کتنی مدت بعد کھول سکتے ہیں؟

۱۲۱۴- سوال: مرد اور عورت کی قبر دوبارہ استعمال کے لیے کتنی مدت کے بعد کھول سکتے ہیں ؟ آب وہوا کے اعتبار سے گجرات میں کتنی مدت بعد کھول سکتے ہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

آب وہوا پر اس کا دارومدار ہے، کم از کم چھ مہینے گذر جائیں اور اطمینان ہو جائے کہ میت کے اعضاء، مٹی میں مل گئے ہوں گے، تو پرانی قبر کو کھود کر دوسرے مردے کی تدفین کی جائے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] ایک قبر میں دوسرے میت کو دفنانے کی مدت

۱۲۱۵- سوال: زید نامی شخص کی بیوی کا چالیس سال پہلے انتقال ہو گیا تھا، اب زید کا انتقال ہوا ہے، تو کیا اس کو اس کی بیوی کی قبر میں دفن کر سکتے ہیں؟ اگر زید کے علاوہ کسی دوسرے غیر محرم کی میت ہو، تو اسے اس قبر میں دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟ منشاء سوال یہ ہے کہ کیا ایک قبر میں دوسری مرتبہ اسی کو دفن کیا جا سکتا ہے، جو غیر محرم ہو، یا کسی کو بھی دفن کیا جا سکتا ہے؟ کسی قبر میں کتنی مدت بعد دوسرے میت کو دفن کر سکتے ہیں؟

=النقل من مكان إلى مكان آخر، ط: دار الفكر - بيروت)

وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة ويعمر القبور الخربة كما في القهستاني. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد آفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۱۸۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، سنن حمل الجنازة، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۱) ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه، كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۷، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر، ط: زكريا - ديوبند)

قال في الفتح: ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا إن بلي الأول فلم يبق له عظم إلا أن لا يوجد فتضم عظام الأول ويجعل بينهما حاجز من تراب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۳، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر ٭ تكملة البحر الرائق - محمد بن حسين بن علي الطوري الحنفي القادري (م: بعد ۱۱۳۸ھ): ۸/ ۵۱۸، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي، ط: دار الكتاب الإسلامي)

نوٹ: حضرت مفتی صاحب نے کم از کم چھ مہینے کی جو قید لگائی ہے، وہ فقہ کی کسی کتاب میں مصرح نہیں ہے؛ علاقے کی آب وہوا پر اس کا دارومدار ہے، یہ کوئی حتمی مقدار نہیں ہے؛ قبر اگر بوسیدہ ہو جائے اور نعش مٹی بن جائے تو اس میں دوسرے مردے کی تدفین جائز ہے۔

الجواب حامدا ومصليا:

اگر قبر میں پہلے مردے کا بدن مٹی میں مل کر ختم ہو جائے اور مٹی ہو جائے، تو اس کے بعد دوسرے مردے کو اس میں دفن کر سکتے ہیں، اس کی کوئی خاص مدت مقرر نہیں ہے، اگر زمین میں نمکینیت (کھاراپن) غالب ہو تو نعش کچھ ہی مدت میں مٹی بن جاتی ہے، ورنہ مدت لگتی ہے، ۴۰ سال تو طویل مدت ہے، لہٰذا اتنے دنوں کے بعد شوہر کو اس قبر میں دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، نعش کے مٹی ہو جانے کے بعد محرم و غیر محرم کو دفن کرنے کے متعلق کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کا حکم یکساں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۱۷] اولیاء اللہ کے بدن کو بھی قبر کی مٹی نہیں کھاتی

۱۲۱۶- سوال: جس طرح انبیاء اور شہداء کے بدن کو قبر کی مٹی نہیں کھاتی، تو کیا یہ فضیلت اولیاء اللہ کے لیے بھی ثابت ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

شہادت کا اصل درجہ تو یہی ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دے اور ایسے شہید کے بدن کو قبر کی مٹی نہیں کھاتی۔[2] تاہم دوسرے شہداء کے لیے بھی یہ فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

---

(۱) تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیے "قبر کو دوبارہ استعمال کرنے کے لیے کتنی مدت بعد کھول سکتے ہیں؟" (سابق فتویٰ) کے حواشی۔

(۲) یہ تو منقول ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم مبارک کو قبر کی مٹی نہیں کھاتی، چناں چہ روایت ہے: "قال [النبي صلى الله عليه وسلم]: إن الله عز وجل قد حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء عليهم السلام". (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳ھ): ۹۱/۳، رقم الحديث: ۱۳۷۴، عن أوس بن أوس رضي الله تعالى عنه، كتاب الجمعة، إكثار الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب ☆ سنن ابن ماجه، ص: ۷۶، رقم الحديث: ۱۰۸۵، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب في فضل الجمعة، ط: ديوبند، وانظر رقم: ۱۶۳۶ و ۱۶۳۷، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم)

شہداء کے اجسام کو قبر کی مٹی کھاتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں کوئی صریح آیت و حدیث موجود نہیں ہے؛ بعض مشاہدے کی بناء پر بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ شہداء کے اجسام کو بھی قبر کی مٹی نہیں کھاتی، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور ابو الفضل عراقیؒ کی تصریح بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:

("وأنا بيت الدود")... ولا ينفع في ذلك المكان إلا العمل الصالح، فالقبر صندوق العمل، قيل: يتولد الدود من العفونة، وتأكل الأعضاء ثم يأكل بعضها بعضا، إلى أن تبقى دودة واحدة، فتموت جوعا، واستثنى الأنبياء، والشهداء، والأولياء، والعلماء من ذلك، فقد قال -صلى الله تعالى عليه وسلم-: "إن الله حرم على الأرض أن تأكل =

نیز وہ علماء کرام جو زندگی بھر علم دین کی محنت اور ذکر اللہ میں مشغول رہے، ان کے اور دوسرے اولیاء عظام کے ایسے واقعات منقول ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جو بھی علم و ذکر کی یہ دولت بلند درجہ تک پہنچ جاتا ہے، انھیں بھی یہ فضیلت حاصل ہو سکتی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] میت کو دفنانے کے لیے اپنے آبائی وطن لے جانا

۱۲۱۷- سوال: اگر کسی آدمی نے دفنانے کے بارے میں کوئی وصیت نہ کی ہو اور اس کا آبائی

=أجساد الأنبياء"، وقد قال تعالى في حق الشهداء: {ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا بل أحياء عند ربهم يرزقون} [آل عمران:۱۶۹] ، والعلماء العاملون المعبر عنهم بالأولياء مدادهم أفضل من دماء الشهداء. (مرقاة المفاتيح: ۸/ ۳۳۵۴، كتاب الآداب، باب البكاء والخوف، ط: دار الفكر - بيروت)

ملا علی قاری ایک حدیث کے ضمن میں رقم طراز ہیں: ويحصل لبعض وراثهم من الشهداء والأولياء والعلماء الحظ الأوفى بحفظ أبدانهم الظاهرة. (حوالہ سابق: ۳/ ۱۰۱۷، باب الجمعة، الفصل الثاني)

{الرابعة} كون ابن آدم يأكله التراب عام مخصوص، فإن الأنبياء - عليهم الصلاة والسلام - لا تبلى أجسامهم الكريمة، وقد قال النبي - صلى الله عليه وسلم -: إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء، واستثنى ابن عبد البر معهم الشهداء، قال وحسبك ما جاء في شهداء أحد وغيرهم، ثم ذكر حديث جابر لما نقل أباه في خلافة معاوية حين أراد إجراء العين التي في أسفل أحد، وقوله: "فأخرجناهم رطابا يتسنون فأصابت المسحاة أصبع رجل منهم فنقطر الدم" واقتصر القاضي عياض على قوله وكثير من الشهداء، فدل على أنه يرى أن بعض الشهداء قد تأكل الأرض جسده، ولعله أشار بذلك إلى المبطون ونحوه من الملحقين بالشهداء، وضم أبو العباس القرطبي إلى الصنفين المؤذن المحتسب لقوله - عليه الصلاة والسلام -: المؤذن المحتسب كالمتشحط في دمه وإن مات لم يدود في قبره. قال وظاهر هذا أن الأرض لا تأكل أجساد المؤذنين المحتسبين، فللحديث تأويلان (أحدهما) قال ابن عبد البر كأنه قال كل من تأكله الأرض فإنه لا تأكل منه عجب الذنب قال: وإذا جاز ألا تأكل الأرض عجب الذنب جاز أن لا تأكل الشهداء. ________ (الثاني) قال القاضي عياض يريد أن جميع الإنسان مما تأكله الأرض وإن كانت لا تأكل أجساما كثيرة كالأنبياء وكثير من الشهداء. (طرح التثريب في شرح التقريب - أبو الفضل زين الدين عبد الرحيم، العراقي (م: ۸۰۶هـ): ۳/ ۳۰۸، كتاب الجنائز، باب بلاء الميت إلا عجب الذنب، ط: الطبعة المصرية القديمة = دار إحياء التراث العربي)

لما نقل أن يعقوب الخ ما نصه أن ذلك شرع من قبلنا ولم تتوفر فيه شروط كونه من شرعنا ولأن أجساد الأنبياء عليهم السلام أطيب ما يكون حال الموت كالحياة والشهداء كسعد رضي الله عنه ليسوا كغيرهم ممن جيفتهم أشد نتنا من جيفة البهائم فلا يلحق بهم اهـ. (طحطاوي على المراقي، ص: ۶۱۴، فصل في حملها ودفنها، ت: عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

گاؤں یا شہر سے دور انتقال ہو گیا ہو، تو دفنانے کے لیے اپنے باپ دادا کے وطن لے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قریب ہو، تو مضائقہ نہیں۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] اگر مرنے والا خواب میں آ کر کہے کہ مجھے دوسری قبر میں منتقل کر دو

۱۲۱۸- سوال: میرے بھائی کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہو گیا ہے، اب مجھے مسلسل تین چار دن سے خواب میں مرحوم بھائی کہتے ہیں کہ مجھ سے پہلے اس قبر میں کچھ ایسے مردے دفن ہوئے ہیں، جن کی وجہ سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے؛ لہٰذا مجھے دوسری جگہ منتقل کر دو، تو کیا شریعت میں اس کی گنجائش ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت میں قبر کو کھودنا اور میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ (رد المحتار)[۲]

---

(۱) (قوله ولا بأس بنقله قبل دفنه) قيل مطلقا، وقيل إلى ما دون مدة السفر، وقيده محمد بقدر ميل أو ميلين لأن مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة فيكره فيما زاد. قال في النهر عن عقد الفرائد: وهو الظاهر اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۹، باب صلاة الجنائز، مطلب في حمل الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

ويستحب في القتيل والميت دفنه في المكان الذي مات في مقابر أولئك القوم وإن نقل قبل الدفن إلى قدر ميل أو ميلين فلا بأس به، كذا في الخلاصة.ـــــــ وكذا لو مات في غير بلده يستحب تركه فإن نقل إلى مصر آخر لا بأس به. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۷، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر، ط: دار الفكر - بيروت)

"ويستحب الدفن في" المقبرة "محل مات به أو قتل" لما روي عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت حين زارت قبر أخيها عبد الرحمن وكان مات بالشام وحمل منها: لو كان الأمر فيك إلي ما نقلتك ولدفنتك حيث مت "فإن نقل قبل الدفن قدر ميل أو ميلين" ونحو ذلك "لا بأس به" لأن المسافة إلى المقابر قد تبلغ هذا المقدار "وكره نقله لأكثر منه" أي أكثر من الميلين كذا في الظهيرية، وقال شمس الأئمة السرخسي: وقول محمد في الكتاب لا بأس أن ينقل الميت قدر ميل أو ميلين بيان أن النقل من بلد إلى بلد مكروه. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص: ۶۱۲ - ۶۱۳، كتاب الجنائز، فصل في حملها ودفنها)

[۲] (ولا يخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي كـ (أن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة) ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابا زيلعي. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله إلا لحق آدمي) احتراز عن حق الله تعالى كما إذا دفن بلا غسل أو صلاة أو وضع على غير يمينه أو إلى غير القبلة فإنه لا ينبش عليه بعد إهالة التراب كما مر (قوله كأن تكون الأرض مغصوبة) وكما إذا سقط في =

مرحوم بھائی کی جانب سے مالی صدقہ کر کے ایصال ثواب کیا جائے، اگر ان پر کسی کا حق باقی ہو، تو اس کو ادا کیا جائے یا معاف کرایا جائے، ان شاء اللہ اس طرح کے خواب آنے بند ہو جائیں گے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] قبر پر پھول اور درخت کی سبز شاخ ڈالنا

۱۲۱۹- سوال: قبرستان میں قبر پر پھول، نیم کی ہری ڈالیاں، نیم کے ہرے پتے ڈالے جاتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب تک یہ چیزیں ہری رہیں گی، اس وقت تک قبر میں میت کو عذاب نہیں ہوگا، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر میت کافر ہو، تو اس پر عذاب واقع ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں بن سکتی، میت مسلمان گنہگار ہو اور عذاب کا مستحق ہو، تو قبرستان کے ہرے درخت اور اس کی شاخیں، عذاب کو نہیں روک سکتیں، ہری گھاس اور درختوں کی تسبیح اور ذکر سے میت کو تھوڑا سا سکون مل سکتا ہے۔ میت نیک ہو تو ذکر سے اسے سکون اور خوشی محسوس ہوتی ہے، گنہگار ہو اور عذاب میں مبتلا ہو، تو جس طرح جلے ہوئے آدمی کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے، اسی طرح میت کو سکون ملتا ہے، لیکن جلن کم نہیں ہوتی ہے، ہاں کسی آدمی کی دعا اور ایصال ثواب سے اللہ تعالیٰ اس کو دور کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ دو آدمیوں کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو لے کر گاڑ دیا اور فرمایا کہ یہ ٹہنیاں ابھی خشک نہ ہونے پائیں گی کہ ان کا عذاب ہلکا ہو جائے گا۔ (بخاری شریف صفحہ ۳۵)[1]

=القبر متاع أو كفن بثوب مغصوب أو دفن معه مال قالوا: ولو كان المال درهما بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۸، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۷، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر، ط: دار الفكر)

ولو أوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا ويدفن هناك ويبنى هناك رباطا من ثلث ماله فمات ولم يحمل إلى ذلك الموضع قال أبو القاسم: وصيته بالرباط جائزة ووصيته بالحمل باطلة. (الفتاوى الهندية: ۶/ ۹۵، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصية والتي لا تكون وصية، ط: دار الفكر)

[۱] عن ابن عباس رضي الله عنهما، مر النبي صلى الله عليه وسلم على قبرين فقال: إنهما ليعذبان وما يعذبان من كبير، ثم قال: بلى، أما أحدهما فكان يسعى بالنميمة، وأما أحدهما فكان لا يستتر من بوله. قال: ثم أخذ عودا رطبا، =

ان کا عذاب، نبی کریم ﷺ کے دست (ہاتھ) مبارک کی برکت اور آپ ﷺ کی تمنا اور بخشش کی دعا سے دور ہوا، ٹہنی آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک سے زیادہ بابرکت نہ تھی، آپ ﷺ بخشش کی تمنا کریں اور ٹہنی خشک ہونے تک ہی عذاب ہلکا ہو تو پھر آپ ﷺ کی تمنا کی کیا قدر؟ لہٰذا حدیث شریف کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کے ہاتھ کی برکت اور آرزو سے عذاب دور ہوگا اور دیر نہیں لگے گی، ٹہنی سوکھنے سے پہلے پہلے عذاب سے نجات مل جائے گی؛ لہٰذا پھول کی چادر اور ہرے پتے ڈالنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی ہرا پودا لگا دے، تو مذکورہ تفصیل کے مطابق تھوڑی راحت کا سبب ہوگا۔ (نووی شرح مسلم)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=فكسره باثنتين، ثم غرز كل واحد منهما على قبر، ثم قال: لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا. (صحيح البخاري: ١/ ١٨٣، رقم الحديث: ١٣٧٨، كتاب الجنائز، باب عذاب القبر من الغيبة والبول، ط: ديوبند وانظر أيضا رقم: ٦٠٥٢، باب الغيبة☆ الصحيح لمسلم: ١/ ١٤١، رقم الحديث: ١١١ - ٢٩٢، كتاب الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول ووجوب الاستبراء منه، ط: ديوبند)

[٢] وأما وضعه صلى الله عليه وسلم الجريدتين على القبر، فقال العلماء محمول على أنه صلى الله عليه وسلم سأل الشفاعة لهما فأجيبت شفاعته صلى الله عليه وسلم بالتخفيف عنهما إلى أن ييبسا، وقد ذكر مسلم رحمه الله تعالى في آخر الكتاب في الحديث الطويل حديث جابر في صاحبي القبرين فأجيبت شفاعتي أن يرفع ذلك عنهما ما دام القضيبان رطبان. وقيل يحتمل أنه صلى الله عليه وسلم كان يدعو لهما تلك المدة وقيل لكونهما يسبحان ما داما رطبين وليس لليابس تسبيح وهذا مذهب كثيرين أو الأكثرين من المفسرين في قوله تعالى وإن من شئ الا يسبح بحمده قالوا معناه وان من شئ حي . . . . وقد ذكر البخاري في صحيحه أن بريدة بن الحصيب الأسلمي الصحابي رضي الله عنه أوصى أن يجعل في قبره جريدتان ففيه أنه رضي الله عنه تبرك بفعل مثل فعل النبي صلى الله عليه وسلم، وقد أنكر الخطابي ما يفعله الناس على القبور من الأخواص ونحوها متعلقين بهذا الحديث، وقال لا أصل له ولا وجه له والله أعلم. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، المعروف بـشرح النووي على صحيح مسلم-أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ٦٧٦ هـ): ١/ ١٤١، رقم الحديث: ١١١ - ٢٩٢، كتاب الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول ووجوب الاستبراء منه، ط: ديوبند)

يكره أيضا قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس كما في البحر والدرر وشرح المنية وعلله في الإمداد بأنه ما دام رطبا يسبح الله -تعالى- فيؤنس الميت وتنزل بذكره الرحمة اهـ ونحوه في الخانية.

أقول: ودليله ما ورد في الحديث من وضعه -عليه الصلاة والسلام- الجريدة الخضراء بعد شقها نصفين على القبرين اللذين يعذبان. وتعليله بالتخفيف عنهما ما لم ييبسا: أي يخفف عنهما ببركة تسبيحهما، إذ هو أكمل من تسبيح اليابس لما في الأخضر من نوع حياة؛ وعليه فكراهة قطع ذلك، وإن نبت بنفسه ولم يملك لأن فيه تفويت حق=

[۲۱] قبروں پر درخت کی شاخ گاڑنا کیسا ہے؟

۱۲۲۰- سوال: بچوں کی قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد، ہری ٹہنی ڈالنا، اس نیت سے کہ جب تک وہ ہری رہے گی، ذکر کرتی رہے گی، کیسا ہے؟ نیز قبر پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

قبر پر ہری ٹہنی یا درخت کی شاخ اس نیت سے گاڑنا جائز ہے کہ وہ جب تک ہری رہے گی، ذکر کرتی رہے گی، قبر پر شاخ گاڑنا آپ ﷺ سے ثابت ہے، البتہ پھول ڈالنے کا ثبوت نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] قبر پر پھول چڑھانا اور دھونی دینا

۱۲۲۱- سوال: قبر کو بند کرنے کے بعد، اس پر پھول چڑھانا اور دھونی دینا چاہیے یا نہیں؟ اگر دیا جائے تو اس میں کوئی خرابی تو نہیں ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

دھونی دینا جائز نہیں ہے۔[2]

=المیت. ویؤخذ من ذلك ومن الحدیث ندب وضع ذلك للاتباع، ویقاس علیه ما اعتید في زماننا من وضع أغصان الآس ونحوه، وصرح بذلك أیضا جماعة من الشافعیة، وهذا أولی مما قال بعض المالكیة من أن التخفیف عن القبرین إنما حصل ببركة یده الشریفة - صلی الله علیه وسلم - أو دعائه لهما فلا یقاس علیه غیره. وقد ذكر البخاري في صحیحه أن بریدة بن الحصیب - رضي الله عنه - أوصی بأن یجعل في قبره جریدتان، والله تعالی أعلم. (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۲۴۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في وضع الجرید ونحو الآس علی القبور، قبیل باب الشهید، ط: دار الفكر - بیروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: عمدة القاري شرح صحیح البخاري - بدر الدین العیني (م: ۸۵۵ھ): ۸/ ۸۳- ۱۸۴، باب الجرید علی القبر، ط: دار إحیاء التراث العربي - بیروت.

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے عنوان "قبر پر پھول اور درخت کی سبز شاخ ڈالنا" کے حواشی ملاحظہ کریں۔

(۲) وجمیع ما یجمر فیه المیت ثلاث: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الكریهة وعند غسله وعند تكفینه، ولا یجمر خلفه ولا في القبر؛ لما روي: لا تتبعوا الجنازة بصوت ولا نار. (فتح القدیر - كمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسي المعروف بـ 'ابن الهمام' (م: ۸۶۱ھ): ۲/ ۱۰۸، باب الجنائز، فصل في الغسل، ط: دار الفكر ☆ حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعیل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ) ص: ۵۷۹=

پھول [ہری ٹہنی] کی گنجائش ہے، بہتر نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] مخصوص قبرستان میں دوسروں کو حقّ تدفین دینا اور قبرستان کو ہموار کرنا

۱۲۲۲- سوال: (۱) ہمارے یہاں ''قاضی واڑ- بلساڑ'' میں ایک کھلی زمین ہے، جس کا استعمال رجسٹر نمبر بی ۳۳۳، تاریخ ۹۷-۱-۲۴ء کے طریقے پر ہوتا ہے، یہ قبرستان صرف بعض قبیلوں کے ورثاء کے لیے ہے؛ لیکن ہماری ''قاضی سنی جماعت'' نے اتفاق رائے سے کچھ دوسرے لوگوں کو اس قبرستان میں تدفین کا حق دے دیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آئندہ جو شخص قبرستان کے خلاف کوئی کاروائی کرے اور یہ بات ثابت ہوجائے، تو کیا ایسے شخص کو حق تدفین سے محروم کیا جاسکتا ہے؟

(۲) قبرستان کی حالت ناگفتہ بہ ہے، اب ہم اس کے اردگرد پکی دیوار بنانا چاہتے ہیں، بعض حصوں میں مٹی کے بیٹھ جانے کی وجہ سے زمین ناہموار ہوگئی ہے، گویا اس کی زمین ہموار کرنا ضروری ہے، قبرستان میں کچھ قبریں پکی ہیں، جو بہت پرانی ہے، تو اس کو شہید کرنے کے بعد زمین کو ہموار کر کے اس کا لیول درست کر سکتے ہیں؟ باہر سے نئی مٹی لاکر پورے قبرستان میں پھیلا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) قبرستان اور ہماری جماعت کے تحت تعلیم الدین نامی مدرسے کی زمین خریدنے یا اس پر تعمیری کام کرنے کے لیے کون سی رقم استعمال کر سکتے ہیں؟

(۴) حرام کی کمائی کوئی راضی خوشی سے دے، تو کیا اس کو استعمال کر سکتے ہیں؟ یا اس کے جائز ہونے کرنے کے لیے کوئی حیلہ کرنا پڑے گا؟ برائے کرم جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

= كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني(م:۸۵۵ھ): ۲۰۳/۳، باب الجنائز، فصل في التكفين، ما يجزئ في الكفن بالنسبة للمرأة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆الفتاوى الهندية:۱۶۱/۱، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، ط:دار الفكر - بيروت☆ البحر الرائق:۱۹۱/۲، كتاب الجنائز، تكفين الميت، ط: دار الكتاب الإسلامي☆رد المحتار على الدر المختار:۱۹۵/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ط:دار الفكر - بيروت)

(۱) و قال العيني - رحمه الله تعالى -: إن إلقاء الرياحين ليس بشيء. (فيض الباري:۳۸۹/۲، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر، ط:خضر راہ بک ڈپو- دیوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) اسلام اتحاد و اتفاق اور صلہ رحمی کی تعلیم دیتا ہے۔[۱]

جہالت کے شیوع اور معاشرتی نظام کے خراب ہونے کی وجہ سے لڑائی جھگڑے تو ہوتے رہیں گے، اگر آپ قبرستان سے ان کے حق تدفین کو ختم کریں گے، تو فتنہ وفساد برپا ہوگا اور آپ کو عدالت اور کچہری کے چکر کاٹنے پڑیں گے؛ اس لیے عفو و درگزر کرنا بہتر ہے اور اس طرح کی کاروائی سے دور رہنا ہی دانش مندی کی علامت ہے۔[۲]

ہاں البتہ اگر کوئی ایسا کام کرے، جس سے وقف کی ملکیت ضائع ہو رہی ہو، تو متولی حضرات کو ان کا حق تدفین ختم کرنے کی اجازت ہے، بہ شرطیکہ آپ کے قانونی دفعات میں سہولت کے ساتھ اس طرح کی کاروائی کی گنجائش ہو۔[۳]

---

(۱) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: "المؤمن مألف ولا خير فيمن لا يألف ولا يؤلف". رواه أحمد، والبيهقي في "شعب الإيمان". ـــــــــــ قال الملا علي القاري: لأن التألف سبب الاعتصام بالله وبحبله وبه يحصل الاجتماع بين المسلمين، وبضده يحصل التفرقة بهم وهو بتوفيق الله وتأليفه، وإليه أشار تعالى بقوله: {واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا} [آل عمران: ۱۰۳]. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۳۱۲۹/۸، رقم الحديث: ۴۹۹۵، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن عائشة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ألا أدلكم على كرائم الأخلاق في الدنيا والآخرة؟ أن تصل من قطعك، وتعطي من حرمك، وتجاوز عمن ظلمك". (شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۱۰/ ۱۸-۳۱۷، رقم الحديث: ۷۷۲۷، ۷۷۲۵، حسن الخلق، فصل في التجاوز و العفو و ترك المكافاة، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية بومباي بالهند)

(۳) كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي: ۲۵۱/۱، رقم الحديث: ۱۳۵۲، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، ط: ديوبند☆ سنن أبي داود: ۵۰۶/۲، رقم الحديث: ۳۵۹۴، كتاب الأقضية، باب في الصلح، ط: ديوبند☆ ورواه البخاري تعليقا تحت باب أجر السمسرة، ج: ۱ ص: ۳۰۳، ط: ديوبند)

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن وآلات القبر =

(۴) قبرستان کی سطح کو برابر کرنا اور اس کے گڈھے کو پر کرنا ثواب کا کام ہے اور متولیان کی ذمہ داری ہے کہ پکی قبروں کو شہید کر کے قبرستان کی زمین کو ہموار کر دے۔ البتہ کام کرتے وقت قبروں کے اوپر چلنا میت کی بے حرمتی کا سبب ہے۔ (۴) رسول اللہ کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح زندوں کو تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح مردوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے؛ لہٰذا قبر کے اوپر انسان کا چلنا یا مشین اور گاڑیوں کا چلانا مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا پہلے مشین سے مٹی ڈالی جائے، اس کے بعد مزدوروں سے کھڈے پر کروائے جائیں، باہر سے مٹی لا کر قبرستان کی زمین کو ہموار کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے، شرط یہ ہے کہ میت کا احترام ملحوظ رہے۔ (۵)

=وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا: إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به وبعدما بني لو احتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه, كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية-لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۲/ ۴۶۷، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحياض، ط: دار الفكر)

(۴) عن جابر، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۱۲، رقم الحديث: ۹۴-۹۷۰، كتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، ط: ديوبند)

قال في الأزهار: النهي عن تجصيص القبور للكراهة، وهو يتناول البناء بذلك وتجصيص وجهه، والنهي في البناء للكراهة إن كان في ملكه، وللحرمة في المقبرة المسبلة، ويجب الهدم وإن كان مسجدا، وقال التوربشتي: يحتمل وجهين: أحدهما: البناء على القبر بالحجارة، وما يجري مجراها، والآخر: أن يضرب عليها خباء ونحوه، وكلاهما منهي لعدم الفائدة فيه، قلت: فيستفاد منه أنه إذا كانت الخيمة لفائدة مثل أن يقعد القراء تحتها فلا تكون منهية. قال ابن الهمام: واختلف في إجلاس القارئين ليقرءوا عند القبر، والمختار عدم الكراهة اهـ. ثم قال التوربشتي: ولأنه من صنيع أهل الجاهلية، أي: كانوا يظللون على الميت إلى سنة. قال: وعن ابن عمر أنه رأى فسطاطا على قبر أخيه عبد الرحمن فقال: انزعه يا غلام، وإنما يظله عمله، وقال بعض الشراح من علمائنا: ولإضاعة المال، وقد أباح السلف البناء على قبر المشايخ والعلماء والمشهورين ليزورهم الناس، ويستريحوا بالجلوس فيه اهـ. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح- علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۳/ ۱۲۱۷، رقم الحديث: ۱۶۹۷، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

(۵) عن أبي هريرة- رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لأن يجلس أحدكم على جمرة فتحرق ثيابه، فتخلص إلى جلده، خير له من أن يجلس على قبر. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۱۲، رقم الحديث: ۹۶-۹۷۱، كتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، ط: ديوبند)

عن عمرو بن حزم، قال: "رآني رسول الله صلى الله عليه وسلم على قبر فقال: انزل عن القبر، لا تؤذ صاحب =

(۳) موجودہ دور میں نئی تعمیر کرنا، دیوار وغیرہ بنانا جس سے قبرستان کی حفاظت ہوجائے، بہت ضروری ہے۔[۶]

(۴) شریعت کی رو سے جو پیسے حلال ہوں، ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔ حرام- یعنی کسی کو دھوکا دیا یا جھوٹ بول کر سامان بیچا، یا اعلیٰ قسم کا مال دکھا کر ادنیٰ مال دیا- کے پیسے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔[۷] اگر سود کے پیسے ہیں، تو بغیر نیت ثواب کے اس کو رفاہ عام کے کاموں میں استعمال کرنا جائز ہے، سرکاری قانون کی خلاف ورزی کرنا اور ٹیکس کی چوری کرنا سرکاری چوری ہے، عزت کے پامال ہونے کا خطرہ ہے؛ لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔[۸] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

=القبر، فلا يؤذيك. (شرح معاني الآثار- أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بـ'الطحاوي' (م:۳۲۱ھ):۱/۵۱۵، رقم الحديث:۲۹۴۳، كتاب الجنائز، باب الجلوس على القبور، ت:محمد زهري النجار - محمد سيد جاد الحق، ط: عالم الكتب☆المستدرك على الصحيحين- أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نُعيم، الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بـ'ابن البيع' (م:۴۰۵ھ):۳/۲۸۱، رقم الحديث:۲۵۰۲، كتاب معرفة الصحابة، ذكر عمارة بن حزم الأنصاري رضي الله عنه، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۶) قال في الشرح: وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظا للقبور عن الإندارس والنبش ولا بأس به. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح -أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:۱۲۳۱ھ)، ص:۶۱۱، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

واليوم اعتادوا التسنيم باللبن صيانة للقبر عن النبش، ورأوا ذلك حسنا. وقال - صلى الله عليه وسلم - ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۳۷، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر- بيروت)

(۷) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على صبرة طعام فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللا فقال: ما هذا يا صاحب الطعام؟ قال أصابته السماء يا رسول الله، قال: أفلا جعلته فوق الطعام كي يراه الناس، من غش فليس مني. (الصحيح لمسلم:۱/۷۰، رقم الحديث:۱۰۲، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: من غشنا فليس منا، ط: ديوبند)

(۸) إنما يكفر إذا تصدق بالحرام القطعي. (الدر المختار) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: إذا تصدق بالحرام القطعي) أي مع رجاء الثواب الناشئ عن استحلاله كما مر فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۹۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام، ط: دار الفكر- بيروت)

[۲۴] کیا بڑے قبرستان میں تدفین کی زیادہ فضیلت ہے؟

۱۲۲۳- سوال: میت کو بستی کے بڑے قبرستان میں دفنانے کے بجائے ایک خاندان کے مخصوص چھوٹے قبرستان میں دفنایا جائے، جس میں ۳۰ قبریں ہیں، تو تدفین کی فضیلت میں اس کی وجہ سے کوئی فرق آئے گا؟ کیا بڑے قبرستان میں تدفین کی کچھ زائد فضیلت ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

چھوٹے قبرستان میں بھی تدفین جائز ہے، لیکن میت کو ایسی جگہ دفن کرنا جہاں، نیک لوگوں کی قبریں ہوں، افضل ہے، اگر چھوٹے قبرستان میں نیک لوگ مدفون ہیں، تو وہاں دفن کرنا اولی ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (عالمگیری:۱/۱۶۶)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] باہر سے مٹی لا کر قبر پر ڈالنا، تا کہ قبر تازہ معلوم ہو

۱۲۲۴- سوال: ایک شخص کے انتقال کو دو-تین سال ہوئے، ہم اُن کی قبر کو ٹھیک ٹھاک کرنے کے لیے قبرستان سے باہر کی مٹی لا کر ڈالا کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر تازہ ہے، کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قبرستان کے باہر سے مٹی لا کر قبر پر ڈالنا- جس سے رشتہ داروں کو یاد رہے اور اُن کے قریب دوسرے رشتہ داروں کو دفن کیا جا سکے- جائز ہے۔ (عالم گیری)[۲]

---

[۱] والأفضل الدفن في المقبرة التي فيها قبور الصالحين. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي:۱/۱۶۶، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر و الدفن و النقل من مكان إلى آخر، ط: دار الفكر)

[۲] وإذا خربت القبور فلا بأس بتطيينها، كذا في التتارخانية، وهو الأصح وعليه الفتوى، كذا في جواهر الأخلاطي. (الفتاوى الهندية:۱/۱۶۶، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر و الدفن و النقل من مكان إلى مكان آخر، ط: دار الفكر - بيروت)

وفي النوازل لا بأس بتطيينه وفي الغياثية: وعليه الفتوى. "ولا بأس" أيضا "بالكتابة" في حجر صين به القبر ووضع "عليه لئلا يذهب الأثر "فيحترم للعلم بصاحبه "ولا يمتهن" وعن أبي يوسف أنه كره أن يكتب عليه. وإذا خربت القبور فلا بأس بتطيينها لأن الرسول صلى الله عليه وسلم مر بقبر ابنه إبراهيم فرأى فيه جحرا افسده، وقال: =

البتہ قبر ایک بالشت سے بلند نہ کی جائے۔ (عالمگیری ☆ شامی: ۱/۸۴۰)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

[۲۶] قبر کی پوری مٹی کو ڈالنا ضروری ہے؟ قبر کی اونچائی کتنی ہونی چاہیے؟

۱۲۲۵-سوال: قبر میں سے جو مٹی نکالی جاتی ہے، سب کو قبر پر ڈالنا ضروری ہے؟ شرعاً قبر کی اونچائی کتنی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداو مصلیا:

پوری مٹی کا ڈالنا ضروری نہیں ہے، ایک بالشت یا اس سے کچھ بلند زمین سے اونچی کرنا چاہیے۔ (طحطاوی: ص: ۳۳۶)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

="من عمل عملا فليتقنه". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۲۲۶، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ط: المكتبة العصرية)

[۱] وتكره الزيادة عليه، من التراب لأنه بمنزلة البناء. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله لأنه بمنزلة البناء) كذا في البدائع. وظاهره أن الكراهة تحريمية، وهو مقتضى النهي المذكور، لكن نظر صاحب الحلية في هذا التعليل، وقال: وروي عن محمد أنه لا بأس بذلك، ويؤيده ما روى الشافعي وغيره عن جعفر بن محمد عن أبيه، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - رش على قبر ابنه إبراهيم، ووضع عليه حصباء. وهو مرسل صحيح، فتحمل الكراهة على الزيادة الفاحشة، وعدمها على القليلة المبلغة له مقدار شبر أو ما فوقه قليل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۳۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] عن جابر بن عبد الله، أن النبي - صلى الله عليه وسلم - ألحد ونصب عليه اللبن نصبا، ورفع قبره من الأرض نحوا من شبر. (الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان - محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البستي (م: ۳۵۴ھ): ۱۴/۶۰۲، رقم الحديث: ۶۶۳۵، باب وفاته صلى الله عليه وسلم، ذكر وصف قبر المصطفى صلى الله عليه وسلم وقدر ارتفاعه من الأرض، ترتيب: الأمير علاء الدين علي بن بلبان الفارسي (م: ۷۳۹ھ)، ت: شعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

"ويسنم القبر" ... ويجعله مرتفعا عن الأرض قدر شبر أو أكثر بقليل. (مراقي) ــــــــ وقال الطحطاوي: (م: ۱۲۳۱ھ) قوله: "ويسنم القبر" ندبا وقيل وجوبا والأول أولى وهو أن يرفع غير مسطح كذا في المغرب ... وقوله قدر شبر هو ظاهر الرواية، وقيل قدر أربع أصابع، وتباح الزيادة على قدر شبر في رواية كما في القهستاني. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۱۱، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ فتح القدير: ۲/۱۳۷، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفن، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲۷] قبر پر پانی چھڑکنا

۱۲۲۶-سوال: قبر کو بند کرنے کے بعد اس پر پانی چھڑکنے کا کیا سبب ہے؟ اگر پانی نہ ڈالا جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی چھڑکنا مستحب ہے، مقصد یہ ہے کہ قبر کی مٹی جم جائے، نیز پانی رحمت ہے، اس میں نیک فالی ہے، اللہ تعالیٰ میّت کے اوپر رحمت کی بارش برساتے ہیں۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) عن جعفر بن محمد، عن أبيه: أن النبي -صلى الله عليه وسلم- رش على قبر ابنه إبراهيم ووضع عليه حصباء. (الرش تفريق الماء والحصباء: الحصى ومعلوم أن إبراهيم مات طفلا لا وزر عليه وإنما يفعل ذلك الرسول تعليما لنا. (مسند الإمام الشافعي (م: ۲۰۴ھ): ۱/ ۲۱۵، رقم الحديث: ۵۹۹، الباب الثالث والعشرون في صلاة الجنائز وأحكامها، ترتيب: محمد عابد السندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆المراسيل- أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق الأزدي السجستاني (م: ۲۷۵ھ) ص: ۳۰۴، رقم الحديث: ۴۲۴، ما جاء في الدفن، ت: شعيب الأرناؤوط، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت ☆المعجم الأوسط- سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۶/ ۱۸۷، رقم الحديث: ۶۱۳۶، باب الميم، من اسمه: محمد، ت: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين- القاهرة ☆السنن الكبرى- أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۳/ ۵۷۷، رقم الحديث: ۶۷۴۲، كتاب الجنائز، باب رش الماء على القبر ووضع الحصباء عليه، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆معرفة السنن والآثار- أبو بكر البيهقي: ۵/ ۳۲۹، رقم الحديث: ۷۷۲۲، كتاب الجنائز، باب ما يقال إذا أدخل الميت قبره، ت: عبد المعطي أمين قلعجي، ط: جامعة الدراسات الإسلامية، كراتشي- باكستان ☆شرح السنة- محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (م: ۵۱۶ھ): ۵/ ۴۰۱، رقم الحديث: ۱۵۱۵، كتاب الجنائز، باب: بعد باب كيف يؤخذ الميت من شفير القبر، ت: شعيب الأرنؤوط- محمد زهير الشاويش، ط: المكتب الإسلامي- دمشق)

(ولا بأس برش الماء عليه) حفظا لترابه عن الاندراس. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله ولا بأس برش الماء عليه) بل ينبغي أن يندب؛ لأنه - صلى الله عليه وسلم - فعله بقبر سعد، كما رواه ابن ماجه، وبقبر ولده إبراهيم، كما رواه أبو داود في مراسيله، وأمر به في قبر عثمان بن مظعون، كما رواه البزار، فانتفى ما عن أبي يوسف من كراهته؛ لأنه يشبه التطيين حلية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر- بيروت)

[۲۸] میّت کی قبر کی لمبائی اور چوڑائی کی کوئی مقدار متعین ہے؟

۱۲۲۷- سوال: میّت کی قبر کی لمبائی اور چوڑائی کے لیے کوئی ناپ [مقدار] متعین ہے یا نہیں؟ اگر ناپ [مقدار] متعین نہ ہو، تو میّت کو قبر میں سُلانے کے بعد [دیوار سے] لمبائی میں کم سے کم کتنی مقدار کا فاصلہ رکھنا چاہیے؟ اور چوڑائی میں کتنی مقدار؟

الجواب حامداو مصلیا:

قبر کی لمبائی اور چوڑائی کی کوئی حد متعین نہیں ہے، میّت کی لمبائی اور چوڑائی کے مطابق قبر کھودی جائے، ہر آدمی کے قد کے مطابق ہونا چاہیے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] میت کے چوبی صندوق میں لوہے کی کیل لگانا

۱۲۲۸- سوال: ہمارے یہاں یعنی ''سینٹ ڈینس'' میں میت کو ایک چوبی بکس میں دفنایا جاتا ہے۔ بکس (صندوق) کے چاروں طرف چوبی تختے ہوتے ہیں اور بیچ میں خالی ہوتا ہے۔ مردے کو دفنایا جائے، تو اس کا جسم زمین سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور بکس رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں قبرستان کے بعض حصوں میں ریت ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صندوق بنانے کے لیے اس میں کیلیں استعمال ہوتی ہیں اور میں نے سنا ہے کہ کیلیں اندر کی طرف ہوں، تو اس میں حرج ہے، لہٰذا کیلوں کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟ اور کیا بغیر کیلوں کے میت کے لیے تابوت بنایا جاسکتا ہے؟ اس بارے میں ہماری شرعی رہنمائی فرمائیں کہ کیا میخوں سے قباحت لازم آتی ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

زمین میں نمی ہو یا پانی کا حصہ ہو یا- آپ کی تحریر کے مطابق- ریت ہو، یا حکومت کی طرف سے

---

(۱) (وحفر قبره) في غير دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله مقدار نصف قامة إلخ) أو إلى حد الصدر ، وإن زاد إلى مقدار قامة، فهو أحسن كما في الذخيرة، فعلم أن الأدنى نصف القامة والأعلى القامة وما بينهما ، شرح المنية، وهذا حد العمق، والمقصود منه المبالغة في منع الرائحة ونبش السباع. وفي القهستاني: وطوله على قدر طول الميت، وعرضه على قدر نصف طوله. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۴، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر - بيروت☆حاشية الطحطاوي، ص:۶۰۷، كتاب الصلاة ، باب أحكام الجنائز، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆مجمع الأنهر: ۱/ ۱۸۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، سنن حمل الجنازة، ط: دار إحياء التراث العربي)

قانوناً تابوت میں دفن کرنا ضروری ہو، تو جائز ہے کہ لاش (میت) کو زمین پر رکھ کر بکس اوپر رکھ دیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ لوہے کا تابوت بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ج۔۱ص۔۱۳۲)[1]

البحر الرائق شرح کنز میں بھی لکھا ہے کہ میت کے لیے لوہے کا بکس رکھنا جائز ہے۔ (ج۔۲ص۔۱۹۳)[2]

دیگر کتبِ فقہ میں بھی لوہے لکڑی وغیرہ کے تابوت کے رکھنے کا جواز مذکور ہے۔[3]

اور عورتوں کے لیے تو بغیر کسی مجبوری کے بھی تابوت رکھنا بہتر لکھا ہے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے قبر میں اتارنے کے وقت ہاتھ نہیں لگے گا۔[4]

مجمع الانہر ج۔۱ص۱۸۶ پر لکھا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے تابوت رکھنا جائز ہے؛ لہٰذا اگر کوئی لوہے

---

[١] وحكي عن الشيخ الإمام أبي بكر محمد بن الفضل - رحمه الله تعالى - أنه جوز اتخاذ التابوت في بلادنا لرخاوة الأرض، قال: ولو اتخذ تابوت من حديد لا بأس به، لكن ينبغي أن يفرش فيه التراب ويطين الطبقة العليا مما يلي الميت، ويجعل اللبن الخفيف على يمين الميت، وعلى يساره ليصير بمنزلة اللحد. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ١/١٦٦، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر، ط: دار الفكر)

[٢] وقيده الإمام السرخسي بأن لا يكون الغالب على الأراضي النز والرخاوة، فإن كان فلا بأس بهما كاتخاذ تابوت من حديد لهذا. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق- زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ٩٧٠هـ): ٢/٢٠٩، كتاب الجنائز، الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(٣) وكان الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل - رحمه الله تعالى - يقول: لا بأس به في ديارنا لرخاوة الأرض وكان يجوز استعمال رفوف الخشب واتخاذ التابوت للميت حتى قالوا: لو اتخذوا تابوتا من حديد لم أر به بأسا في هذه الديار. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ٤٨٣هـ): ٢/٦٢، باب غسل الميت، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ١/٣١٨، بيان وجوب الدفن، فصل في سنة الدفن، ط: دار الكتب العلمية ☆ المحيط البرهاني- أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ٦١٦هـ): ٢/١٩٣، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الجوهرة النيرة- أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ٨٠٠هـ): ١/١٠٩، باب الجنائز، ط: المطبعة الخيرية)

(٤) وفي المحيط: واستحسن مشايخنا اتخاذ التابوت للنساء، يعني ولو لم تكن الأرض رخوة فإنه أقرب إلى الستر والتحرز عن مسها عند الوضع في القبر. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/٢٣٥، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

کی کیلیں تابوت میں استعمال کرے، تو کوئی حرج اور قباحت نہیں ہے۔ اگر میت کو تابوت میں رکھ کر دفنایا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس کے ارد گرد ریت (مٹی) بھر دی جائے۔[۱] واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] میّت کو صندوق میں رکھے بغیر دفن کرنا

۱۲۲۹- سوال: میّت کو صندوق میں رکھے بغیر دفن کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرامؓ اور تمام اولیاء وعلماء کو صندوق میں رکھے بغیر ہی دفنایا گیا ہے، اس لیے سنت طریقہ بغیر صندوق میں رکھے ہی دفن کرنا ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وفي التبيين: وإن كانت الأرض رخوة فلا بأس بالشق واتخاذ التابوت، ولو من حديد، ولكن السنة أن يفترش فيه التراب. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر -داماد أفندي (م:۱۰۷۸هـ):۱/۱۸۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، سنن حمل الجنائز، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲) عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اللحد لنا والشق لغيرنا. (سنن أبي داود: ۲/۴۵۸، رقم الحديث: ۳۲۰۸، كتاب الجنائز، باب في اللحد، ط: ديوبند ☆سنن الترمذي: ۱/۲۰۲، رقم الحديث: ۱۰۴۵، أبواب الجنائز، باب ما جاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم: اللحد لنا، والشق لغيرنا، ط: ديوبند☆المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي-أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۴/۸۰، رقم الحديث: ۲۰۰۹، كتاب الجنائز، اللحد والشق، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب ☆سنن ابن ماجه:......، رقم الحديث: ۱۴۵۴-۱۴۵۵، كتاب الجنائز، باب ما جاء في استحباب اللحد، ط: ديوبند)

وصفة اللحد أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة فيوضع فيه الميت وصفة الشق أن يحفر حفيرة في وسط القبر، فيوضع فيه الميت ويجعل على اللحد اللبن والقصب لما روي أنه وضع على قبر رسول الله - صلى الله عليه وسلم - طن من قصب. (بدائع الصنائع: ۱/۳۱۸، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنازة، سنة الدفن، ط: دار الكتب العلمية ☆المحيط البرهاني: ۲/۱۹۰، كتاب الصلاة، الفصل الثاني و الثلاثون في الجنائز، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں عنوان: ''میت کے چوبی صندوق میں لوہے کی کیل لگانا''۔

عن أبي هريرة، قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله، أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالك، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار.

(مسلم شریف: ۱/۸۱، ایمان، حدیث نمبر: ۱۴۰-۲۲۵، ط: دیوبند)

باب الشهيد

[شہداء کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الشهيد

[شہداء کا بیان]

[۱] کیا گاڑیوں کے حادثے میں مرنے والے شہید ہیں؟

۱۲۳۰- سوال: ابھی ممبئی میں ہوائی جہاز کا ایک حادثہ پیش آیا تھا، جس میں بعض مسلمان بھی تھے تو کیا یہ لوگ شہید کہلائیں گے؟ اسی طرح بسوں اور گاڑیوں کے حادثے میں مرنے والے بھی شہید کہلائیں گے؟

اے وائی پٹیل ملاڈ (ممبئی ۹۴)

الجواب حامدا ومصليا:

شہداء کی متعدد قسمیں ہیں، علامہ سیوطیؒ نے ایسے لوگوں کی تعداد، جن کو قیامت کے دن شہادت کے مرتبہ سے نوازا جائے گا، تیس (۳۰) بتلائی ہے، بعض علمائے کرام نے ان کی تعداد پچاس بتلائی ہے، ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے، جو حادثہ یا ایکسیڈنٹ میں مرجاتا ہے، کہ اس کو بھی شہادت کا رتبہ ملے گا؛ اس لیے جو لوگ گاڑی، بس اور ہوائی جہاز کے حادثے کا شکار ہوکر مرجاتے ہیں، ان کو بھی شہادت کا ثواب ملے گا۔ (شامی)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] ... وإلا فالمرتث شهيد الآخرة وكذا الجنب ونحوه، ومن قصد العدو فأصاب نفسه، والغريق، والحريق والغريب، والمهدوم عليه، والمبطون والمطعون، والنفساء، والميت ليلة الجمعة، وصاحب ذات الجنب، ومن مات وهو يطلب العلم، وقد عدهم السيوطي نحو الثلاثين. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۵۲)

قال ابن عابدين: أقول: وقد نظمها العلامة الشيخ علي الأجهوري المالكي وشرحها شرحا لطيفا، وذكر نحو =

[۲] قومی فسادات میں مرنے والے مسلمان اخروی شہید ہیں

۱۲۳۱- سوال: کیا قومی فساد میں مرنے والے یا بندوق کی گولی سے اپنی جوان گنوانے والے مسلمان ''شہید'' کہلائیں گے؟ تفصیل سے بتائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو مسلمان اپنی جان و مال بچانے کے لیے، مسجد و مدرسہ کی حفاظت کے لیے لڑے یا اپنے گھر کی بالکونی (Balconi) میں بیٹھا ہو اور کوئی ظالم گولی مار دے، جس کے نتیجے میں اس کا انتقال ہو جائے، تو وہ شہید ہے، قیامت کے دن اس کو شہید کا درجہ ملے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر سوال کیا کہ ایک آدمی میرا مال چھیننا چاہتا ہے، میں کیا کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مال مت دینا، انہوں نے سوال کیا کہ اگر مال نہ دینے کی وجہ سے وہ میرے ساتھ لڑائی جھگڑا کرے اور مجھے جان سے مار ڈالنے کا ارادہ کرے، تو کیا کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ اس کا مقابلہ کرو۔ اس شخص نے سوال کیا کہ اگر انہوں نے مجھے قتل کر دیا، تو کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ ایسی صورت میں تم جنت میں جاؤ گے۔ اس نے پھر سوال کیا کہ اگر میں اس کو قتل کر دوں تو؟ رسول اللہ

=الثلاثين أيضا لكنه زاد على ما هنا: من مات بالطاعون كما مر أو بالحرق أو مرابطا . . . ومن صرع عن دابة فمات. ويحتمل أن يكون هو المراد بقوله فيما مر أو بالصرع، . . . وبذلك زادت على الأربعين، وقد عدها بعضهم أكثر من خمسين وذكرها الرحمتي منظومة فراجعه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۵۳، باب الشهيد، مطلب في تعداد الشهداء، ط: دار الفكر - بيروت)

(قوله هو من قتله أهل الحرب أو البغي أو قطاع الطريق أو وجد في المعركة وبه أثر) . . . قيد بكونه مقتولا؛ لأنه لو مات حتف أنفه أو تردى من موضع أو احترق بالنار أو مات تحت هدم أو غرق لا يكون شهيدا أي في حكم الدنيا وإلا فقد ''شهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - للغريق وللحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء'' فينالون ثواب الشهداء كذا في البدائع. (البحر الرائق: ۲/ ۲۱۱، كتاب الصلاة، باب الشهيد، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۲۲، كتاب الصلاة، فصل في أحكام الشهيد، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ شرح الصدور بشرح حال الموتى و القبور - جلال الدين السيوطي: ۱/ ۲۴۵، فصل فيه فوائد، ط: دار المعرفة - لبنان ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۱۸۸، كتاب الصلاة، باب الشهيد، ط: دار إحياء التراث الإسلامي)

ﷺ نے جواب دیا کہ (وہ ظالم، ڈاکو، رہزن) جہنم میں جائے گا۔ (مسلم شریف حصہ اول صفحہ ۸۱)[1]

مذکورہ حدیث سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

(۱) کسی کو ناحق مال نہ دے اور مال کی حفاظت کے لیے مزاحمت اور جھگڑا کرنا پڑے، تو اس سے دریغ نہ کرے، خواہ اس میں جان جانے کا اندیشہ ہو؛ کیوں کہ ایمان کے ساتھ جان و مال اور عزت آبرو کی حفاظت کرنا ضروری ہے، اور اس پر ثواب بھی ملے گا۔

(۲) مال کی حفاظت کرتے ہوئے کسی مسلمان کا قتل ہو جائے، تو شہید ہوگا۔

(۳) امام نوویؒ اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ: شہادت کا مرتبہ آخرت میں ملے گا؛ اس لیے دنیا میں اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اسے غسل دے کر کفن پہنائے۔

الغرض فساد میں مرنے والے یا کسی کے بندوق کی گولی سے ناحق مرنے والے مسلمان کو آخرت میں ان شاء اللہ شہادت کا مرتبہ حاصل ہوگا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] عن أبي هريرة، قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله، أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالك، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار. (الصحيح لمسلم: ۸۱/۱، رقم الحديث: ۲۲۵-۱۴۰، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من قصد أخذ مال غيره بغير حق، الخ، ط: ديوبند)

(۲) واعلم أن الشهيد ثلاثة أقسام، أحدها المقتول في حرب الكفار بسبب من أسباب القتال، فهذا له حكم الشهداء في ثواب الآخرة، وفي أحكام الدنيا، وهو أنه لا يغسل ولا يصلى عليه، والثاني شهيد في الثواب، دون أحكام الدنيا، وهو المبطون، والمطعون، وصاحب الهدم، ومن قتل دون ماله وغيرهم، ممن جاءت الأحاديث الصحيحة بتسميته شهيدا، فهذا يغسل، ويصلى عليه، وله في الآخرة ثواب الشهداء، ولا يلزم أن يكون مثل ثواب الأول، والثالث من غل في الغنيمة وشبهه ممن وردت الآثار بنفي تسميته شهيدا إذا قتل في حرب الكفار، فهذا له حكم الشهداء في الدنيا، فلا يغسل ولا يصلى عليه، وليس له ثوابهم الكامل في الآخرة، والله أعلم. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ حاشية النووي على المسلم- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م:۶۷۶هـ): ۲/ ۱۶۴، كتاب الإيمان، باب دليل على أن من قصد أخذ مال غيره بغير حق... وأن من قتل دون ماله فهو شهيد، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

كتاب الزكاة

عن السائب بن يزيد، أن عثمان بن عفان رضي الله عنه، كان يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين، فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم، فتؤدوا منها الزكاة. قال محمد: وبهذا نأخذ، من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ففيه زكاة، وتلك مائتا درهم، أو عشرون مثقالا ذهبا فصاعدا، وإن كان الذي بقي أقل من ذلك، بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله۔ (موطا امام مالک، بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی المعروف بہ "موطا امام محمد": ۱/ ۱۱۴، حدیث نمبر: ۳۲۳، کتاب الزکاۃ، باب: زکاۃ المال، ت: عبدالوہاب عبداللطیف، ط: المکتبۃ العلمیۃ)

باب وجوب الزكاة

[وجوب کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب وجوب الزكاة

[وجوبِ زکاۃ کا بیان]

[۱] زکوۃ کس پر فرض ہوتی ہے اور کون سی چیز پر فرض ہوتی ہے؟

۱۲۳۲- سوال: زکوۃ کس شخص پر فرض ہوتی ہے؟ اور کون سی چیز پر فرض ہوتی ہے؟ اگر کسی شخص نے اپنی اولاد کے مستقبل کا خیال کرتے ہوئے سونے کے زیورات اُن کے لیے جمع کیے ہیں، تو اُن زیورات پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی شخص کے پاس اپنی حاجتِ اصلیہ سے زائد اور دین سے فارغ، بہ قدر نصاب مال ہو، تو زکوۃ واجب ہوگی۔[1]

کھانے، پینے کا سامان، پہننے کے کپڑے، پیشے کے آلات، سفر کے لیے سواری اور رہنے کا گھر وغیرہ

---

(۱) "الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(وسببه) أي سبب افتراضها (ملك نصاب حولي) نسبة للحول لحولانه عليه (تام) ... (فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد) ... (و) فارغ (عن حاجته الأصلية) لأن المشغول بها كالمعدوم... (نام ولو تقديرا) [الدر المختار على رد المحتار: ۲/ ۲۵۹- ۲۶۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر]

حاجاتِ اصلیہ میں شمار ہوتے ہیں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ [۲] اور اِن کے علاوہ جو زائد مال ہو یا نقدی ہو، جس کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے بہ قدر ہو جائے، تو اُس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ [۳]

اگر کسی کے پاس زیورات وغیرہ اتنی ہی مقدار میں ہیں، تو اُن میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ [۴]

یا سونا اور چاندی ملا کر دونوں میں سے کسی بھی ایک کا نصاب بہ اعتبار قیمت کے مکمل ہو جاتا ہو، تو اُس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ [۵]

اِسی طرح مالِ تجارت اتنا ہو، جو مذکورہ نصاب تک پہنچ جائے، تو اُس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ [۶]

---

(۲) "وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة " لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية أيضا وعلى هذا كتب العلم لأهلها وآلات المحترفين لما قلنا. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۹۶، كتاب الزكاة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت ☆ الاختيار لتعليل المختار- عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳هـ): ۱/ ۱۰۰، كتاب الزكاة، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي ☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق- عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۲۵۳، كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق- القاهرة ☆ العناية شرح الهداية- محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي (م: ۷۸۶هـ): ۲/ ۱۶۴، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ) مع حاشية الشرنبلالي: ۱/ ۱۷۳، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق- زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۲۲۲، كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

قال العيني: (وآلات المحترفين لما قلنا) ش: إشارة إلى قوله: لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية، وآلات المحترفين مثل قدور الطباخين والصباغين وقوارير العطارين. وآلات النجارين، وظروف الأمتعة، وفي " الذخيرة " لو اشترى جوالق بعشرة آلاف درهم يؤجرها فلا زكاة فيها. (البناية شرح الهداية-أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (م: ۸۵۵هـ): ۳/ ۳۰۲، كتاب الزكاة، زكاة المدين، قبيل: زكاة المال الضمار والمفقود والمغصوب، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۳-۶) أموال الزكاة أنواع ثلاثة أحدها: الأثمان المطلقة وهي الذهب والفضة، والثاني: أموال التجارة وهي العروض المعدة للتجارة، والثالث: السوائم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود، =

بشرطیکہ اُس شخص پر قرض اتنا نہ ہو کہ جو اِس نصاب میں کمی کردے، اگر مذکورہ مال کا مالک اتنا مقروض ہے کہ دین کی ادائیگی کے بعد اُس کے پاس نصاب کے بہ قدر مال نہیں رہتا تو اُس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (۷)

= الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱۶/۲، كتاب الزكاة، فصل الأثمان المطلقة وهي الذهب والفضة، ط: دار الكتب العلمية)

الزكاة واجبة في الذهب والفضة... إذا بلغت الفضة مائتي درهم والذهب عشرين مثقالا... ويضم الذهب إلى الفضة، والفضة إلى الذهب، ويكمل إحدى النصابين بالآخر عند علمائنا... يريد به أن يقوم الذهب بالدراهم وينظر إن بلغ نصابا بالدراهم، تجب فيها الزكاة، وإلا فلا. (الفتاوى التاتار خانية: ۵۸/۳- ۱۵۴، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في زكاة المال، ط: زكريا- ديوبند)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱۷۹/۱، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

" ليس فيما دون مائتي درهم صدقة " لقوله عليه الصلاة والسلام " ليس فيما دون خمس أواق صدقة " والأوقية أربعون درهما " فإذا كانت مائتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم " لأنه عليه الصلاة والسلام كتب إلى معاذ رضي الله عنه "أن خذ من كل مائتي درهم خمسة دراهم ومن كل عشرين مثقالا من ذهب نصف مثقال ". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱۰۳/۱، باب زكاة المال، فصل في الفضة، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

" الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب " لقوله عليه الصلاة والسلام فيها " يقومها فيؤدي من كل مائتي درهم خمسة دراهم " ولأنها معدة للاستنماء بإعداد العبد فأشبه المعد بإعداد الشرع وتشترط نية التجارة ليثبت الإعداد. ثم قال: " يقومها بما هو أنفع للمساكين " احتياطا لحق الفقراء. (حوالہ سابق: ۱۰۳/۱، باب زكاة المال، فصل في العروض)

(۷) عن السائب بن يزيد، أن عثمان بن عفان رضي الله عنه، كان يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين، فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم، فتؤدوا منها الزكاة. قال محمد: وبهذا نأخذ، من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ففيه زكاة، وتلك مائتا درهم، أو عشرون مثقالا ذهبا فصاعدا، وإن كان الذي بقي أقل من ذلك، بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني المعروف بـ 'موطأ الإمام محمد': ۱۱۲/۱، رقم الحديث: ۳۲۳، كتاب الزكاة، باب: زكاة المال، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف، : المكتبة العلمية)

" ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكاة عليه " وقال الشافعي رحمه الله تجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام ولنا أنه مشغول بحاجته الأصلية فاعتبر معدوما كظماء المستحق بالعطش وثياب البذلة والمهنة " وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصابا " لفراغه عن الحاجة. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن=

زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مالِ زکوٰۃ پر ایک سال مکمل ہو چکا ہو، لہٰذا مال کا مالک بننے کے بعد جب تک سال پورا نہ ہو، زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (۸)

سونے اور چاندی کے زیورات، حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں ہیں؛ لہٰذا اُن زیورات کا مالک بننے کے بعد جب سال ختم ہوگا، تو اُن میں بھی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ (۹) اگرچہ وہ زیورات اپنی اولاد کے لیے جمع کر رکھے ہوں، یا اُن کی شادی کروانے کے لیے جمع کیے ہوں، حتیٰ کہ وہ زیورات جو عورتیں گھر میں پہنتی ہیں، اُن میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (۱۰) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۹۵، أول كتاب الزكاة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

(۸) لا خلاف في أن أصل النصاب وهو النصاب الموجود في أول الحول يشترط له الحول؛ لقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: "لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول"؛ ولأن كون المال ناميا شرط وجوب الزكاة لما ذكرنا، والنماء لا يحصل إلا بالاستنماء، ولا بد لذلك من مدة، وأقل مدة يستنمى المال فيها بالتجارة والإسامة عادة الحول. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۳، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية)

(۹-۱۰) قال - رحمه الله - (ولو تبرا أو حليا أو آنية) أي ولو كانت الفضة أو الذهب حليا أو غيره تجب فيها الزكاة، وقال الشافعي: لا تجب الزكاة في حلي النساء وخاتم الفضة للرجال؛ لما روى جابر أنه - عليه الصلاة والسلام - قال "ليس في الحلي زكاة"، ولأنه مبتذل في مباح وليس بنام اهـ فشابه ثياب البذلة.

ولنا ما رواه حسين المعلم عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن امرأة أتت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وفي يدها ابنة لها وفي يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب، فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أتعطين زكاة هذا، قالت لا، قال أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة بسوارين من نار، فخلعتهما، وألقتهما إلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وقالت: هما لله ولرسوله. قال النووي إسناده حسن.

وقالت عائشة - رضي الله عنها - دخلت على رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فرأى في يدي فتخات من ورق، فقال ما هذا يا عائشة، فقلت صنعتهن أتزين لك بهن يا رسول الله فقال أتؤدين زكاتهن، قلت لا أو ما شاء الله، قال حسبك من النار. أخرجه الحاكم في المستدرك، وقال هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، وقالت أم سلمة كنت ألبس أوضاحا من ذهب فقلت يا رسول الله أكنز هو فقال ما بلغ أن تؤدي زكاته فزكي فليس بكنز. أخرجه الحاكم في المستدرك، وقال صحيح على شرط البخاري، ورواه أبو داود أيضا، وعموم قوله تعالى: {والذين يكنزون الذهب والفضة} [التوبة: ۳۴] الآية يتناول الحلي. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۲۷۷، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

[۲] جس شخص کے پاس صرف چھ تولہ سونا ہو، اس پر زکوۃ فرض نہیں

۱۲۳۳- سوال: ایک آدمی کے پاس دس تولہ سونا ہے، اس میں دو تولے کا اس نے بیوی کو مالک بنادیا ہے اور دو تولے کا اپنے بیٹوں کو، تو کیا اس پر زکوۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداو مصليا:

صورت مسئولہ میں اگر سونے کے علاوہ دوسرا کوئی مال یا نقد روپیہ اس کے پاس نہیں ہے، تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۳] جس میں فقراء کا فائدہ ہو، اس نصاب کا اعتبار ہوگا

۱۲۳۴- سوال: ایک شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا یہ دونوں چیزیں ہیں، تو اب ان کی زکوۃ کس طریقہ سے دی جائے؟ الگ سے روپیہ دیا جائے یا اس سونا چاندی کو فروخت کر کے دیا جائے؟ اور آئندہ سال میں اس سونا چاندی پر زکوۃ واجب رہے گی یا نہیں؟ اگر ساڑھے باون تولہ چاندی فروخت کی جائے تو اس کے روپیہ ۲۵۰۰/ ہوتے ہیں، اسی طریقہ سے ساڑھے سات تولہ سونا بیچا جائے، تو ۱۶۰۰/ روپے ہوتے ہیں، تو اس کی زکوۃ کس طرح ادا کی جائے؟

---

(۱) عن علي رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول هذا الحديث، قال: فإذا كانت لك مائتا درهم، وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء - يعني - في الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا، فإذا كان لك عشرون دينارا، وحال عليها الحول، ففيها نصف دينار، فما زاد، فبحساب ذلك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۲۱، رقم الحديث: ۱۵۷۳، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، ط: مكتبة فيصل - ديوبند)

نصاب الذهب عشرون مثقالا. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: عشرون مثقالا) فما دون ذلك لا زكاة فيه ولو كان نقصانا يسيرا يدخل بين الوزنين؛ لأنه وقع الشك في كمال النصاب فلا حكم بكماله مع الشك بحر عن البدائع. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۹۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الهداية: ۱/ ۱۷۸، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، ط: زكريا - ديوبند ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۷، كتاب الزكاة، مدخل، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی یا سونا ہی دینا زکوۃ میں واجب نہیں۔[۱] جس دن سال پورا ہوگیا، اس وقت سونا چاندی کی جو قیمت تھی ۱۵۰۰/ یا ۱۶۰۰، اس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں ادا کرے، اگر سونا چاندی کا چالیس واں حصہ ادا کریں گے اور اس کی وجہ سے آئندہ سال کے لیے چاندی نصاب سے کم ہوجائے گی تو چاندی کے تولہ جتنے ہوں گے وہ، اور جس قدر سونا ہوگا، اس کی قیمت لگا کر چاندی کا تولہ بنائیں گے اور مجموعہ نصاب کو پہنچے گا، تو اس کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، مثلاً چار تولہ چاندی، اور دو تولہ سونا ہو اور دو تولہ سونا کی قیمت ۵۰ / تولہ چاندی کے بقدر ہو تب بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی؛ کیوں کہ اس صورت میں وہ گویا کہ ۵۴ / تولہ چاندی کا مالک ہے۔

سونا چاندی دونوں میں سے کوئی انفراداً مقررہ نصاب کو نہ پہنچے، تو فقراء کا نفع جس میں ہو، اس سے بدلا جائے گا، سونا گراں ہے؛ لہٰذا سونا کو چاندی میں تبدیل کیا جائے گا، یعنی سونے کی قیمت لگا کر چاندی سے بدلنے کی صورت میں زکوۃ واجب ہوسکتی ہو، تو وجوب زکوۃ کا حکم لگایا جائے گا۔ (شامی، عالم گیری)[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) "ويجوز دفع القيم في الزكاة" عندنا وكذا في الكفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر. (الهداية: ۱/ ۱۹۲، كتاب الزكاة، فصل في الحيل، ط: مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۱، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

عن علي رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول هذا الحديث، قال: فإذا كانت لك مائتا درهم، وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء - يعني - في الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا، فإذا كان لك عشرون دينارا، وحال عليها الحول، ففيها نصف دينار، فما زاد، فبحساب ذلك، قال: فلا أدري أعلي يقول: فبحساب ذلك، أو رفعه إلى النبي صلى الله عليه وسلم، وليس في مال زكاة حتى يحول عليه الحول. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۲۱، رقم الحديث: ۱۵۷۳، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، ط: فيصل - ديوبند)

نصاب الذهب عشرون مثقالا. (الدر مع الرد: ۲/ ۲۹۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر)

وفي كل عشرين مثقالا نصف مثقالا. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۱۵۵، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في زكاة المال، ط: زكريا - ديوبند)

[۲] وفي (وقيمة العرض) للتجارة (تضم إلى الثمنين) لأن الكل للتجارة وضعا وجعلا (و) يضم (الذهب إلى الفضة) وعكسه بجامع الثمنية (قيمة). (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله ويضم إلخ) أي عند الاجتماع... . وفي البدائع أيضا أن ما ذكر من وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان أقل، فلو كان كل منها نصابا تاما بدون زيادة لا يجب الضم؛ بل ينبغي أن يؤدي من كل واحد زكاته، فلو ضم حتى يؤدي كله من =

[۴] استعمالی رکشے پر زکوۃ کا حکم

۱۲۳۵- سوال: ایک شخص اپنے پاس جمع رقم کی زکوۃ ادا کیا کرتا تھا، اب اس نے اس رقم سے رکشہ خرید لیا ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اب اس رکشہ کی زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر رکشہ کرایے کے لیے ہے، یعنی اسے خود چلا رہا ہے، یا کرایہ پر دے رکھا ہے، تو اس کا جو کرایہ جمع ہوگا، اس پر شرائط کے موافق زکوۃ ادا کرنی لازم ہوگی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا ، ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا وإلا يؤدمن كل منهما ربع عشره (قوله: وعكسه) وهو ضم الفضة إلى الذهب، وكذا يصح العكس في قوله وقيمة العرض تضم إلى الثمنين عند الإمام كما مر عن الزاهدي، وصرح به في المحيط أيضا. . . (قوله: قيمة) أي من جهة القيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۰۳، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، قبل: مطلب في وجوب الزكاة في دين المرصد، ط: دار الفكر - بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب، ط: دار الفكر☆البحر الرائق: ۲/ ۳۰۱-۴۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: زكريا - ديوبند)

(۱) (ولا في ثياب البدن) المحتاج إليها لدفع الحر والبرد ابن ملك (وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها) وكذا الكتب وإن لم تكن لأهلها إذا لم تنو للتجارة، . . . وكذلك آلات المحترفين. (الدر المختار) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: وكذلك آلات المحترفين) أي سواء كانت مما لا تستهلك عينه في الانتفاع كالقدوم والمبرد أو تستهلك، لكن هذا منه ما لا يبقى أثر عينه، كصابون وجرض الغسال، ومنه ما يبقى كعصفر وزعفران لصباغ ودهن وعفص لدباغ فلا زكاة في الأولين؛ لأن ما يأخذه من الأجرة بمقابلة العمل. وفي الأخير الزكاة إذا حال عليه الحول لأن المأخوذ بمقابلة العين كما في الفتح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۵، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر - بيروت)

(ومنها [من شرائط الزكاة] فراغ المال) عن حاجته الأصلية فليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة، . . . وكذا كتب العلم إن كان من أهله وآلات المحترفين كذا في السراج الوهاج هذا في الآلات التي ينتفع بنفسها، ولا يبقى أثرها في المعمول، وأما إذا كان يبقى أثرها في المعمول كما لو اشترى الصباغ عصفرا أو زعفرانا ليصبغ ثياب الناس بأجر وحال عليه الحول كان عليه الزكاة إذا بلغ نصابا، وكذا كل من ابتاع عينا ليعمل به ويبقى أثره في المعمول كالعفص والدهن لدبغ الجلد فحال عليه الحول كان عليه الزكاة، وإن لم يبق لذلك العين أثر في المعمول كالصابون والحرض لا زكاة فيه كذا في الكفاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۲، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر) =

[۵] اولاد کو ہدیہ کیے ہوئے زیورات کی زکوٰۃ

۱۲۳۶- سوال: ایک عورت نے اپنے زیورات، اولاد کو، بہ طور ہدیہ دے دیے، ایک لڑکا- جو شادی شدہ ہے- وہ اپنے حصہ میں آئے ہوئے زیورات کی زکوٰۃ نکالتا ہے، لیکن دوسرا ایک لڑکا اور ایک لڑکی -جو بالغ تو ہیں، مگر ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی ہے- اپنے حصے کی زکاۃ ادا نہیں کرتے، کیا ان کے حصے میں آئے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؟ لڑکے کے حصے میں سوا چھ تولہ سونا اور لڑکی کے حصے میں چار تولہ سونا آیا ہے، ہم نے سنا ہے کہ سونے کی زکوٰۃ ساڑھے سات تولہ سونے پر آتی ہے، تو جب ان دونوں کے حصے میں آئے ہوئے زیورات نصاب کو نہیں پہنچے ہیں، تو زکوٰۃ ان پر واجب ہوگی؟ یا دونوں کے زیورات ملا کر کل سوا دس تولہ کی زکوٰۃ ان کی ماں پر واجب ہوگی؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

= "وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة " لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية أيضا وعلى هذا كتب العلم لأهلها وآلات المحترفين لما قلنا. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۹۶، كتاب الزكاة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت ☆ الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳هـ): ۱/ ۱۰۰، كتاب الزكاة، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي ☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۲۵۳، كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق - القاهرة ☆ العناية شرح الهداية- محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي (م: ۷۸۶هـ): ۲/ ۱۶۴، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ) مع حاشية الشرنبلالي: ۱/ ۱۷۳، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۲۲۲، كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

قال العيني: (وآلات المحترفين لما قلنا) ش: إشارة إلى قوله: لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية، وآلات المحترفين مثل قدور الطباخين والصباغين وقوارير العطارين، وآلات النجارين، وظروف الأمتعة، وفي "الذخيرة" لو اشترى جوالق بعشرة آلاف درهم يؤجرها فلا زكاة فيها. (البناية شرح الهداية-أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۳/ ۳۰۲، كتاب الزكاة، زكاة المدين، قبيل: زكاة المال المضمار والمفقود والمغصوب، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ سونا ہے۔[۱] اگر ماں نے اپنی اولاد کو سونے کا مالک بنا کر اس کا قبضہ بھی دے دیا ہے، تو ماں پر اب اس سونے کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔[۲]

اب جس لڑکے کو ساڑھے چھ تولہ اور لڑکی کو چار تولہ سونا دیا ہے، ان کی حالت دیکھی جائے گی، اگر ان کے پاس سال کے شروع اور آخر میں اس سونے کے ساتھ [حاجت اصلیہ سے زائد] کچھ رقم بھی موجود ہو، تو اس کو چاندی کے نصاب میں تبدیل کیا جائے گا اور اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے بہ قدر ہو جائے، تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔[۳]

---

(۱) عن السائب بن يزيد، أن عثمان بن عفان رضي الله عنه، كان يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين، فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم، فتؤدوا منها الزكاة. قال محمد: وبهذا نأخذ، من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ففيه زكاة، وتلك مائتا درهم، أو عشرون مثقالا ذهبا فصاعدا، وإن كان الذي بقي أقل من ذلك، بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني المعروف بـ 'موطأ الإمام محمد': ۱/ ۱۱۴، رقم الحديث: ۳۲۳، كتاب الزكاة، باب: زكاة المال، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف، : المكتبة العلمية)

نصاب الذهب عشرون مثقالا. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: عشرون مثقالا) فما دون ذلك لا زكاة فيه ولو كان نقصانا يسيرا يدخل بين الوزنين؛ لأنه وقع الشك في كمال النصاب فلا حكم بكماله مع الشك بحر عن البدائع. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۹۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) اس لیے کہ جب اس نے اپنی اولاد کو قبضہ دے دیا، تو اب اس کی ملکیت میں یہ سونا نہیں رہا:

ولا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة ويستوي فيه الأجنبي والولد إذا كان بالغا، هكذا في المحيط. والقبض الذي يتعلق به تمام الهبة وثبوت حكمها القبض بإذن المالك. (الفتاوى الهندية: ۴/ ۳۷۷، كتاب الهبة، الباب الثاني فيما يجوز من الهبة وما لا يجوز، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۵/ ۶۸۸، أول كتاب الهبة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) (وقيمة العرض) للتجارة (تضم إلى الثمنين) لأن الكل للتجارة وضعا وجعلا (و) يضم (الذهب إلى الفضة) وعكسه بجامع الثمنية (قيمة). (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويضم إلخ) أي عند الاجتماع. أما عند انفراد أحدهما فلا تعتبر القيمة إجماعا، بدائع؛ ... وفي البدائع أيضا أن ما ذكر من وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان أقل، فلو كان كل منها نصابا تاما بدون زيادة لا يجب الضم؛ بل ينبغي أن يؤدي من كل واحد زكاته، فلو ضم حتى يؤدي كله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا، ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا وإلا يؤد من كل منهما ربع عشره (قوله: وعكسه) وهو ضم الفضة إلى الذهب، وكذا يصح العكس =

اور اگر ماں نے اولاد کو ابھی اس سونے کا قبضہ نہیں دیا ہے، تو چوں کہ کل ملا کر سوا دس تولہ سونا اس کے پاس ہو جاتا ہے اور نصاب پورا ہو جاتا ہے، اس لیے زکوٰۃ ماں پر واجب ہوگی۔ اس میں پھر اگر قرض ہو تو اس کو منہا کر کے حساب کیا جائے گا۔ [1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] اولاد کو ہدیہ کیے ہوئے زیورات کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟

۱۲۳۷- سوال: باپ کے پاس پچیس تولہ سونا تھا، اس میں سے اپنے بڑے لڑکے کی شادی کے وقت نو تولہ سونا اس کو دیا، پھر دوسرے لڑکے کو چھ تولہ، پھر تیسرے لڑکے کو پانچ تولہ دیا، اور وہ سب اس پر راضی وخوش ہیں، بڑا لڑکا اور لڑکی جو بیرونِ ملک ہیں، ان کا حصہ ابھی باپ کے پاس ہی ہے، تو ایسی صورت میں سونا کی زکوٰۃ باپ پر واجب ہوگی؟ اگر زکاۃ باپ کے ذمہ ہے، تو یہ بھی وضاحت سامنے رہے کہ ان کے اوپر دس سے بارہ ہزار کا قرض بھی ہے۔ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہدیہ وبخشش صحیح ہونے کے لیے قبضہ دینا ضروری ہے، اولاد عاقل بالغ ہیں؛ لہٰذا جو لڑکا اور لڑکی بیرونِ ملک ہے، ان کو یا ان کے وکیل کو جب تک مالکانہ قبضہ نہیں دیا جائے گا، ہدیہ صحیح نہ ہوگا، اور جب ہدیہ صحیح نہ ہوگا، تو اس سونا کا مالک باپ ہی رہے گا، اور اس سونے کی زکوٰۃ باپ پر واجب ہوگی۔

پس سال گزر جانے پر اس سونے کی قیمت لگائیں، اور جو کچھ قرض ہو اس کو منہا کریں، اس کے بعد اگر نصاب باقی رہتا ہو، تو باقی کی رقم میں سے چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہوگا۔ [2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

=في قوله وقيمة العرض تضم إلى الثمنين عند الإمام كما مر عن الزاهدي، وصرح به في المحيط أيضا،... (قوله: قيمة) أي من جهة القيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۰۳، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، قبل: مطلب في وجوب الزكاة في دين المرصد، ط: دار الفكر)

(۱) "الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(۲) (وتتم) الهبة (بالقبض) الكامل. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: بالقبض الكامل) وكل الموهوب له رجلين بقبض الدار فقبضاها جاز خانية. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، ط: دار الفكر - بيروت)

"الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، =

[۷] نابالغ اولاد کو زیورات ہدیہ کرنے پر زکوۃ کا حکم

۱۲۳۸-سوال: ایک عورت نے حج میں جانے سے پہلے اپنے پاس موجود ۲۱ تولہ سونے میں سے پانچ تولہ رکھ کر باقی سونا - اس مقصد سے کہ زندگی کا کیا بھروسہ، نیز اس کی زکوۃ نہ دینی پڑے - اپنی تین نابالغ لڑکیوں کو ہدیہ کردیا اور اپنے رشتہ داروں کے سامنے اس کی وصیت کی اور ان کو اس پر گواہ بنایا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ عورت اپنی بچیوں کو ہدیہ کیے ہوئے زیورات خود پہن سکتی ہے یا نہیں؟ یا بچیوں سے اجازت لینا ضروری ہوگا؟ نیز اس طرح نابالغ کو ہدیہ کردینا زکوۃ سے چھٹکنے (بچنے) کی اسکیم (پلان) نہیں ہے؟ اس سلسلہ میں شریعت کی رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں جب زیورات بچیوں کو ہدیہ کردیا ہے اور اس پر گواہ بنالیا ہے تو یہ ہدیہ صحیح ہے۔[۱] پھر اس کا مدار نیت پر ہے اگر ہدیہ سے بچوں کے ساتھ صلہ رحمی کی نیت ہے تو اس پر ثواب ملے گا۔[۲] اور اگر محض زکوۃ سے بچنے کی نیت ہے تو کوئی ثواب نہ ملے گا۔[۳]

= کتاب الزکاۃ، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

"ومن کان علیه دین یحیط بماله فلا زکاة علیه"... "وإن کان ماله أکثر من دینه زکی الفاضل إذا بلغ نصابا" لفراغه عن الحاجة. (المصدر السابق: ۱/۱۸۶، کتاب الزکاة)

[۱] (وتتم) الهبة (بالقبض) الکامل. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۶۹۰، کتاب الهبة، ط: دار الفکر - بیروت)

(۲) علقمة بن وقاص اللیثي، یقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه علی المنبر قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: إنما الأعمال بالنیات، وإنما لکل امرئ مانوی، فمن کانت هجرته إلی دنیا یصیبها، أو إلی امرأة ینکحها، فهجرته إلی ماهاجر إلیه. (صحیح البخاري: ۱/۲، رقم الحدیث: ۱، باب بدء الوحي، کیف کان بدء الوحي إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم؟، ط: دیوبند ☆ الصحیح لمسلم: ۲/۱۴۰، رقم الحدیث: ۱۵۵-۱۹۰۷، کتاب الإمارة، باب قوله صلی الله علیه وسلم: "إنما الأعمال بالنیة"، وأنه یدخل فیه الغزو وغیره من الأعمال، ط: دیوبند)

(۳) بلکہ ایسا کرنا مکروہ ہوگا: قال الخصاف - رحمه الله تعالی - کره بعض أصحابنا - رحمهم الله تعالی - الحیلة في إسقاط الزکاة ورخص فیها بعضهم قال الشیخ الإمام الأجل شمس الأئمة الحلواني - رحمه الله تعالی - الذي کرهها محمد بن الحسن - رحمه الله - والذي رخص فیها أبو یوسف - رحمه الله تعالی - ... ومشایخنا رحمهم الله تعالی أخذوا بقول محمد - رحمه الله تعالی - دفعا للضرر عن الفقراء. (الفتاوی الهندیة: ۶/۳۹۱، کتاب الحیل، الفصل الثالث في مسائل الزکاة، ط: دار الفکر - بیروت)

اور جب ہدیہ صحیح ہوگیا، تو اب ان نابالغ کے زیورات کو استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔[1] وہ اجازت دیں، تب بھی جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ کسی پر احسان کے معاملہ میں نابالغ کی اجازت معتبر نہیں۔ (درمختار: ۵/ ۱۵۴)[2]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] جس کے پاس صرف پانچ تولہ سونا ہو، اس پر زکوۃ واجب نہیں

۱۲۳۹- سوال: ایک عورت کے پاس صرف پانچ تولہ سونا ہے؛ چاندی، نقد رقم اور زمین وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے، تو اس عورت پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ عورت اگر اپنے نابالغ لڑکے کو اپنا پورا (پانچ تولہ) سونا ہدیہ کردے، تو وہ مال دار کہلائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سونا اگر ساڑھے سات تولہ ہوگا، تو زکوۃ واجب ہوگی۔[3]

اس عورت کے پاس پانچ تولہ سونا ہے، اگر نقد رقم پانچ، دس، پندرہ روپیہ بھی ہے [جو عموماً ہوا ہی کرتا ہے]، تو وہ [اس نقد رقم کے عوض گویا] ایک تولہ چاندی کی مالک بن گئی، اب اس کے پاس سونا اور چاندی دونوں جمع ہوا، غریب کا نفع اس میں ہے کہ اس پانچ تولہ سونے کو چاندی کے نصاب کی جانب پھیرا جائے اور

---

(۱) ومنها [من حیل إسقاط الزکاة] أن یهبه لطفله قبل التمام بیوم. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدین: (قوله: ومنها إلخ) لکن لا یمکنه الرجوع في هذه الهبة، لکنها للذي رحم محرم منه، نعم إن احتاج إلیه فله الإنفاق منه علی نفسه بالمعروف، والله أعلم. (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۳۰۸، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، قبیل: باب العاشر في الزکاة، ط: دار الفکر)

[۲] وشرعا: (منع من نفاذ تصرف قولي) لا فعلي لأن الفعل بعد وقوعه لا یمکن رده فلا یتصور الحجر عنه. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدین: والحاصل أن المنع من ثبوت حکم التصرف فلا یفید الملك بالقبض، وفیه أنه لا یشمل سوی العقود الدائرة بین النفع والضر، مع أن القول قد یلغو أصلا کطلاق الصبي، وقد یصح کطلاق العبد فالمناسب في تعریفه ما في الإیضاح بقوله: وفي اصطلاح الفقهاء عبارة عن منع مخصوص بشخص مخصوص عن تصرف مخصوص أو عن نفاذه. وتفصیله أنه منع للرقیق عن نفاذ تصرفه الفعلي الضار وإقراره بالمال في الحال، وللصغیر والمجنون عن أصل التصرف القولي إن کان ضررا محضا وعن وصف نفاذه إن کان دائرا بین الضرر والنفع اهـ. (رد المحتار علی الدر المختار: ۶/ ۱۴۳، أول کتاب الحجر، ط: دار الفکر - بیروت)

[۳] (نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درهم کل عشرة) دراهم (وزن سبعة مثاقیل). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۹۵، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، ط: دار الفکر)

دیکھا جائے، اگر اس ایک تولہ چاندی کے ساتھ کل ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کو پہنچ جاتا ہے، تو اس پر زکوۃ واجب ہو جائے گی۔[۱] اور اگر اس کے پاس صرف سونا ہی سونا ہے، نقد رقم بالکل نہیں ہے، یا رقم تو تھی، مگر ابھی اس نے اپنے پاس نہیں رہنے دی، جو بھی [رقم] اس کے پاس آتی تھی، اس کو وہ فوراً ختم کر دیتی تھی، صدقہ وخیرات کر دیتی تھی، تو اس پر زکوۃ فرض نہیں ہوگی۔[۲]

چھوٹا لڑکا ہو یا بڑا؛ صرف پانچ تولہ سونا ہونے کی وجہ سے اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی؛ کیوں کہ وجوبِ زکاۃ کے لیے مطلوبہ نصاب موجود نہیں ہے۔[۳]

البتہ جس کے پاس چار پانچ تولہ ہوگا، اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہوگا، اسی طریقے سے [جاننے کے باوجود] اس شخص کو زکوۃ دینا بھی جائز نہیں ہوگا [کہ یہ تعاون علی الاثم ہے۔][۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وفي (وقيمة العرض) للتجارة (تضم إلى الثمنين) لأن الكل للتجارة وضعا وجعلا (و) يضم (الذهب إلى الفضة) وعكسه بجامع الثمنية (قيمة). (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويضم إلخ) أي عند الاجتماع. . . وفي البدائع أيضا أن ما ذكر من وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان أقل، فلو كان كل منها نصابا تاما بدون زيادة لا يجب الضم؛ بل ينبغي أن يؤدي من كل واحد زكاته، فلو ضم حتى يؤدي كله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا، ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا وإلا يؤد من كل منهما ربع عشره (قوله: وعكسه) وهو ضم الفضة إلى الذهب، وكذا يصح العكس في قوله وقيمة العرض تضم إلى الثمنين عند الإمام كما مر عن الزاهدي، وصرح به في المحيط أيضا. . . (قوله: قيمة) أي من جهة القيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۰۳، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، قبل: مطلب في وجوب الزكاة في دين المرصد، ط: دار الفكر - بيروت☆البحر الرائق: ۲/ ۲۰۱-۲۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) پچھلے صفحے کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) عن علي رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول هذا الحديث، قال: فإذا كانت لك مائتا درهم، وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء - يعني - في الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا، فإذا كان لك عشرون دينارا، وحال عليها الحول، ففيها نصف دينار، فما زاد، فبحساب ذلك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۲۱، رقم الحديث: ۱۵۷۳، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، ط: مكتبة فيصل ديوبند)

(۴) مطلب یہ کہ کمال نصاب نہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ زکوۃ واجب نہ ہوگی، تاہم جب اس کے پاس پانچ تولہ سونا موجود ہے، جو یوں ہی پڑا ہوا ہے، جس کی قیمت نصاب چاندی کو پہنچ جاتی ہے، تو اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہوگا، ممنوع ہوگا، اگر وہ سوال کرے، تو گنہ گار ہوگا، اور اس کے مطالبے پر کوئی اسے (اس کی حالت کو جاننے کے باجود) زکاۃ دے تو گویا اس کے ناجائز=

[۹] شادی میں بہو کو دیے گئے زیورات - جو عرصہ تک ساس کے قبضہ میں تھے - کی زکوۃ کا حکم

۱۲۴۰- سوال: شادی کے موقع سے مجھے جو زیورات چڑھائے [دیے] گئے تھے، وہ آج تک

= مطالبہ - جو کہ ممنوع ہے اور گناہ کے زمرے میں آتا ہے - پر تعاون کرنا ہے، جو جائز نہیں؛ کیوں کہ منع کر دینے اور نہ دینے کی صورت میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ وہ بلا ضرورت مانگنے سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلے، جب کہ دے دینے کی صورت میں اس کی عادت کو بگاڑتا ہے:

عن قبيصة بن مخارق الهلالي، قال: تحملت حمالة، فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أسأله فيها، فقال: أقم حتى تأتينا الصدقة، فنأمر لك بها، قال: ثم قال: "يا قبيصة إن المسألة لا تحل إلا لأحد ثلاثة رجل، تحمل حمالة، فحلت له المسألة حتى يصيبها، ثم يمسك، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله، فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش - أو قال سدادا من عيش - ورجل أصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوي الحجا من قومه: لقد أصابت فلانا فاقة، فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش - أو قال سدادا من عيش - فما سواهن من المسألة يا قبيصة سحتا يأكلها صاحبها سحتا". (الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۳۴، رقم الحديث: ۱۰۹-۱۰۴۴، كتاب الزكاة، باب من تحل له المسألة، ط: دار الفكر - بيروت)

في شرح ابن الملك قالوا: هذا بحث سؤال الزكاة، وأما سؤال صدقة التطوع فمن لا يقدر على كسب؛ لكونه زمنا أو ذا علة أخرى، جاز له السؤال بقدر قوت يومه ولا يدخر، وإن كان قادرا عليه فتركه لاشتغال العلم جازت له الزكاة وصدقة التطوع، فإن تركه لاشتغال صلاة التطوع وصيامه، لا تجوز له الزكاة، ويكره له صدقة التطوع، فإن جلس واحد أو جماعة في بقعة واشتغلوا بالطاعة ورياضة الأنفس وتصفية القلوب يستحب لواحد منهم أن يسأل صدقة التطوع وكسرات الخبز لهم واللباس لأجلهم. (مرقاة المفاتيح: ۴/ ۱۳۰۷-۱۳۰۸، رقم: ۱۸۳۶، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له المسألة ومن تحل له، ط: دار الفكر - بيروت)

(ولا) يحل أن (يسأل) من القوت (من له قوت يومه) بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويأثم معطيه إلخ) قال الأكمل في شرح المشارق. ـــــــ وأما الدفع إلى مثل هذا السائل عالما بحاله فحكمه في القياس الإثم به؛ لأنه إعانة على الحرام لكنه يجعل هبة وبالهبة للغني أو لمن لا يكون محتاجا إليه لا يكون آثما اهـ ـــــــ أي؛ لأن الصدقة على الغني هبة كما أن الهبة للفقير صدقة لكن فيه أن المراد بالغني من يملك نصابا أما الغني بقوت يومه فلا تكون الصدقة عليه هبة بل صدقة فما فر منه وقع فيه أفاده في النهر.... ـــــــ قال المقدسي في شرحه: وأنت خبير بأن الظاهر أن مرادهم أن الدفع إلى مثل هذا يدعو إلى السؤال على الوجه المذكور وبالمنع ربما يتوب عن مثل ذلك فليتأمل اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۵، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، قبيل: فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

میری ساس کے قبضہ میں تھے، ان دنوں ان کی طبیعت ناساز ہے، جس کی وجہ سے بقرعید کے بعد انہوں نے وہ زیورات میرے سپرد کیے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان زیورات کی گذشتہ سالوں کی زکوۃ میرے ذمہ آئے گی یا نہیں، اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے یہاں سسرال والوں کی طرف سے زیورات صرف عاریتاً (استعمال کے لیے) دیے جانے کا رواج ہے، اس میں بہو کو مالک نہیں بنایا جاتا ہے، لہٰذا گذشتہ سالوں کی زکوۃ آپ کے ذمہ نہیں ہے۔

البتہ شادی کے وقت اگر اس بات کی وضاحت کی گئی تھی کہ وہ آپ کو بہ طور ہدیہ دیے گئے ہیں، اور وہ نصاب کے بہ قدر ہیں، تو ان کی زکاۃ آپ کے ذمے ہوگی، جب کہ آپ کو قبضہ دے دیا گیا ہو۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] شادی کے موقع پر لڑکی کو دیے جانے والے سونے کی زکوۃ کا حکم

۱۲۴۱- سوال: شادی کے موقع پر لڑکے کی جانب سے لڑکی کو سات تولہ سونا دیا گیا تھا اور لڑکی اپنے والدین کے یہاں سے پانچ تولہ سونا لے کر آئی ہے، کل بارہ تولہ سونا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس پورے سونے کا مالک کون کہلائے گا؟ اور اس پورے سونے کی زکوۃ کے متعلق کیا حکم ہے؟ اگر سسرال والوں کی جانب سے دیے گئے سات تولے سونے کا مالک شوہر کو قرار دیا جائے، تو پھر دونوں میں ہر ایک کے پاس ساڑھے سات تولے سے کم سونا رہے گا، تو اس صورت میں کیا زکوۃ فرض ہو جائے گی؟

عام طور پر رواج یہی ہے کہ شادی کے موقع پر لڑکی کو جو سونا دیا جاتا ہے، وہ صرف پہننے کے لیے، یہی

[۱] لا خلاف في أن أصل النصاب وهو النصاب الموجود في أول الحول يشترط له الحول: لقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: "لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول"؛ ولأن كون المال ناميا شرط وجوب الزكاة لما ذكرنا، والنماء لا يحصل إلا بالاستنماء، ولا بد لذلك من مدة، وأقل مدة يستنمى المال فيها بالتجارة والإسامة عادة الحول. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۳، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية)

(وشرطه) أي شرط افتراض أدائها (حولان الحول) وهو في ملكه. (الدر المحتار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

"الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

وجہ ہے کہ شوہر اگر چاہے، تو اس کو بیچ بھی سکتا ہے اور اگر خدانہ خواستہ عورت کو طلاق ہوگئی، تو جہیز میں دی ہوئی تمام چیزیں شوہر کو واپس کرنی پڑتی ہے؛ لہٰذا اس صورت میں زکوۃ کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداو مصلیا:

شوہر کی طرف سے زیورات عورت کو صرف پہننے کے لیے ہی دیے جاتے ہیں، عورت کو مالک نہیں بنایا جاتا؛ لہٰذا مالک یا تو شوہر خود ہوگا یا اس کا باپ، جو عورت کے لیے اس کا خسر کہلائے گا، اس صورت میں جو بھی مالک ہو، اگر وہ ان زیورات سمیت مالک نصاب ہوگا، تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ [1]

لڑکی کے باپ نے اس کو جو کچھ زیورات دیے ہیں، اس کا حکم باپ کی نیت پر موقوف رہے گا۔ اگر باپ نے صرف پہننے کے لیے دیے ہیں، تو زکوۃ باپ پر واجب ہوگی اور اگر مالک بنادیا ہے، تو زکوۃ اس لڑکی پر واجب ہوگی؛ اور اگر باپ کے علاوہ کسی اور نے لڑکی کو بخشش دیا ہے، تو اس کی مالک لڑکی رہے گی۔

الغرض صورت مسئولہ میں زکوۃ کا حکم لینے والے اور دینے والے کی نیت پر موقوف رہے گا؛ البتہ بلا کسی نیت کے ہمارے یہاں جو لین دین کا رواج ہے، اس کی مالک عورت نہیں ہوگی؛ کیوں کہ وہ صرف استعمال کے لیے دیا جاتا ہے۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (وشرطه) أي شرط افتراض أدائها (حولان الحول) وهو في ملكه. (الدر المحتار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

"الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند☆العناية: ۱/ ۱۵۳، أول كتاب الزكاة☆البناية: ۳/ ۲۸۹، كتاب الزكاة، حكم الزكاة، وشروط وجوبها، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه. (صحيح البخاري: ۱/ ۲، رقم الحديث: ۱، كتاب الإيمان، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۴۰، رقم الحديث: ۱۵۵ - ۱۹۰۵، كتاب الإمارة، باب قوله - صلى الله عليه وسلم - إنما الأعمال بالنية، ط: ديوبند)

قاعدة: التعيين بالعرف كالتعيين بالنص (مج) [قواعد الفقه - محمد عميم الإحسان المجددي البركتي، ص: ۷۱، قاعدہ نمبر: ۸۸، ط: الصدف پبلشرز - كراتشي)

قاعدة: الثابت بالعرف كالثابت بالنص (سير) [حوالہ سابق، ص: ۷۴، قاعدہ نمبر: ۱۰۱]

[۱] شئے موہوب میں قبضہ نہ دیا ہو، تو اس پر زکوٰۃ کا حکم

۱۲۴۲- سوال: کچھ رقم میرے پاس جمع ہے، اس کو میں نے اپنے لڑکے کو ہدیہ کر دیا ہے، اس سے لڑکے کا قرض ادا کرنا ہے؛ لیکن حکومتی قانون کی وجہ سے رقم میرے پاس ہے، لڑکے کو ابھی نہیں دے سکتا، اس رقم پر سال گذر گیا ہے، تو اس کی زکوٰۃ مجھے ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ لڑکے کا جو قرض ہے، اس کو ابھی نہیں بھرا جا سکتا، کیوں کہ اس رقم کا فی الحال قانونی حساب سے میرے پاس رہنا ضروری ہے۔ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہدیہ کے تام ہونے کے لیے اس پر [جس کو ہدیہ دیا گیا ہے، اس کا] قبضہ ضروری ہے، جب تک آپ قبضہ نہیں دیں گے، وہ رقم آپ ہی کی شمار ہوگی، اس پر سال پورا ہونے سے اس کی زکوٰۃ آپ پر واجب ہوگی۔ اگر اس رقم پر سال پورا ہونے سے پہلے لڑکے کا قرض اس کے ذریعہ آپ ادا کر دیں گے، تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اگر سال پورا ہونے کے بعد ادا کریں گے، تو اس کی زکوٰۃ آپ پر واجب ہوگی۔[۱]

لڑکے کا قرض آپ اس رقم سے قانون کے موجب ادا نہیں کر سکتے، تو آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ کسی سے قرض لے کر لڑکے کا قرض ادا کر دیں، پھر بعد میں اپنا قرض ادا کر دیں، جب آپ پر قرض ہوگا، تو اس کی وجہ سے آپ پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] ولا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة ويستوي فيه الأجنبي والولد إذا كان بالغا، هكذا في المحيط. والقبض الذي يتعلق به تمام الهبة وثبوت حكمها القبض بإذن المالك. (الفتاوى الهندية: ۴/ ۳۷۷، كتاب الهبة، الباب الثاني فيما يجوز من الهبة وما لا يجوز، ط: دار الفكر - بيروت☆الدر المختار مع رد المحتار: ۵/ ۶۸۸، أول كتاب الهبة، ط: دار الفكر - بيروت)

(و) شرائط صحتها (في الموهوب أن يكون مقبوضا غير مشاع مميزا غير مشغول)... (وتتم) الهبة (بالقبض) الكامل. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/ ۶۸۸-۶۹۰، أول كتاب الهبة، ط: دار الفكر - بيروت☆ الفتاوى الهندية: ۴/ ۳۷۷، كتاب الهبة، الباب الثاني فيما يجوز من الهبة وما لا يجوز، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] (ومنها الغارم)، وهو من لزمه دين، ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

"الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند) =

[۱۲] آدھا تولہ سونا اور پانچ سو روپے ہوں، تو زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

۱۲۴۳- سوال: ایک شخص کے پاس آدھا تولہ سونا ہے، اور نقد پانچ سو روپے ہیں، اور کسی قسم کا قرض نہیں ہے، اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فی الحال آدھا تولہ سونے کی چاندی ۵۰ر تولہ آتی ہے، اور پانچ سو روپے کی چاندی ۳۰ر تولہ آتی ہے، تو کل ۸۰ر تولہ چاندی ہوگئی، [جو چاندی کے نصاب سے بھی زائد ہے] لہٰذا زکوۃ فرض ہوگئی۔ زکوۃ کی فرضیت کے لیے نصاب ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا ساڑھے باون تولہ چاندی۔[1]

اور اگر سونا چاندی دونوں ہوں تو قیمت لگا کر کسی ایک کا نصاب پورا ہوجاتا ہو، تو زکوۃ فرض ہوجاتی ہے۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

= (وشرطه) أي شرط افتراض أدائها (حولان الحول) وهو في ملكه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(فلا زكاة على مكاتب) لعدم الملك التام... (ومديون للعبد بقدر دينه) فيزكي الزائد إن بلغ نصابا. (الدر مع الرد: ۲/ ۲۶۳)

(۱) تجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم، وفي كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال... ثم في كل أربعين درهما درهم. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۸-۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، ط: دار الفكر - بيروت)

(نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درهم كل عشرة) دراهم (وزن سبعة مثاقيل). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۹۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر)

(۲) وفي (وقيمة العرض) للتجارة (تضم إلى الثمنين) لأن الكل للتجارة وضعا وجعلا (و) يضم (الذهب إلى الفضة) وعكسه بجامع الثمنية (قيمة). (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله ويضم إلخ) أي عند الاجتماع.... وفي البدائع أيضا أن ما ذكر من وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان أقل، فلو كان كل منها نصابا تاما بدون زيادة لا يجب الضم؛ بل ينبغي أن يؤدي من كل واحد زكاته، فلو ضم حتى يؤدي كله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا، ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا وإلا يؤد من كل منهما ربع عشره (قوله: وعكسه) وهو ضم الفضة إلى الذهب، وكذا يصح العكس في قوله وقيمة العرض تضم إلى الثمنين عند الإمام كما مر عن الزاهدي، وصرح به في المحيط أيضا... (قوله: قيمة) أي من جهة القيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۰۳، كتاب الزكاة، باب =

[۱۳] آدھا تولہ سونا اور تھوڑی چاندی ہو، تو زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

۱۲۴۴-سوال: ایک شخص کے پاس آدھا تولہ سونا ہے اور ۵-۶ آنہ چاندی ہے، تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آدھا تولہ سونے کی قیمت آج کے حساب سے سات سو روپے ہوتے ہیں، سات سو روپے کی چاندی (۱۶/روپے تولہ کے حساب سے) ۴۳/ یا ۴۴/تولہ آئے گی، اس کے بعد ۴-۶ آنہ چاندی ملائیں گے، تب بھی نصاب پورا نہیں ہوگا، لہٰذا صورت مسئول اگر اس کے علاوہ حاجت اصلیہ سے زائد اور کوئی دوسرا مال نہ ہو، تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔[1] ہاں! اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کے بہ قدر [ضرورت سے زائد مال] ہو جائے، تو سال گذرنے پر زکوۃ فرض ہوتی ہے۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] سود یا زکوۃ کی رقم کا دوسری رقم کے ساتھ خلط ملط کر لینا

۱۲۴۵-سوال: (ا) بینک میں رکھی ہوئی رقم کا سود، اگر حلال رقم کے ساتھ خلط ملط (گڈمڈ)

= زكاة المال، قبل: مطلب في وجوب الزكاة في دين المرصد، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/ ۴۰۱-۴۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: زكريا - ديوبند)

(۱) " الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما، وحال عليه الحول ". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(۲) ويضم الذهب إلى الفضة، والفضة إلى الذهب ويكمل أحد النصابين بالآخر عند علمائنا رحمهم الله، لحديث بكر بن عبد الله بن الأشج أنه قال: مضت السنة في ضم الذهب إلى الفضة في باب الزكاة، ولأن الذهب والفضة إن كانا مختلفين صورة فهما متفقان معنى من حيث إنه تعلق بهما وجوب الزكاة، وهو وصف لثمنيته، فجاء تكميل أحدهما بالآخر. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۴۱، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في بيان مال الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(و) يضم (الذهب إلى الفضة) ... والفضة إلى الذهب، ويكمل إحدى النصابين بالآخر ... وفي الينابيع: يريد به أن يقوم الذهب بالدراهم، وينظر إن بلغ نصابا بالدراهم تجب فيها الزكاة، وإلا فلا. (الفتاوى التاتارخانية: ۲/ ۱۵۸، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في زكاة المال، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۱۰۷، كتاب الزكاة، فصل في مقدار الواجب، ط: زكريا - ديوبند)

ہوجائے، تو اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

(۲) اسی طرح زکوٰۃ اور قربانی کی رقم دوسری رقموں کے ساتھ خلط ملط ہوجائے، تو شرعاً اس میں کوئی حرج ونقصان ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی حرج نہیں۔[1]

کوئی حرج نہیں؛ البتہ جب غرباء کو ادا کریں، تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں زکوٰۃ کی نیت کرنا ضروری ہے، مخلوط رقم کو زکوٰۃ کی نیت کے بغیر دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] زکوٰۃ میں قرض کو منہا کیا جائے گا

۱۲۴۶- سوال: زکوٰۃ، جو فرض ہے، اس میں قرض کو منہا کیا جائے گا یا نہیں؟ مثلاً پانچ ہزار روپے ہوں اور تین ہزار کا قرض ہو، تو پانچ ہزار کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا قرض منہا کر کے صرف دو ہزار کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مال قرض سے فاضل ہو؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں پانچ ہزار روپے میں تین ہزار قرض منہا کر کے باقی بچی ہوئی رقم (یعنی دو ہزار) اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جاتی ہو، تو صرف اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، پوری رقم پانچ ہزار پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) إن الدراهم لا تتعين بالتعيين. (رد المحتار علی الدر المختار: ۴/ ۳۶۴، کتاب الوقف، مطلب في وقف الدراهم والدنانير، ط: دار الفکر)

(۲) (وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما) ... (أو مقارنة بعزل ما وجب) كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۰-۲۶۸، کتاب الزکاة، باب المصرف، ط: دار الفکر-بیروت ☆ مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ص ۷۱۵، أول کتاب الزکاة، ط: دار الکتب العلمیة ☆ الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۷۰، کتاب الزکاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، ط: دار الفکر-بیروت)

(۳) "ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكاة عليه" ... "وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصابا" لفراغه عن الحاجة. (الهداية: ۱/ ۱۸۶، کتاب الزکاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

[۱۲] کرایہ پر دیے ہوئے مکان اور نئے تعمیر کردہ مکان میں زکوٰۃ کا حکم

۱۲۴۷- سوال: ہمارا ایک پرانہ مکان ہے، جس کو کرایہ پر دے رکھا ہے، اس کے کرایہ کی کچھ رقم جمع ہے، تو اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح ایک نیا مکان تعمیر ہو رہا ہے، جو تکمیل کے قریب ہے، اس میں ایک دوکان بھی بنائی گئی ہے، تو اس مکان پر زکوٰۃ آئے گی یا نہیں؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زکوٰۃ سونا، چاندی، کرنسی اور مال تجارت اور چراہ گاہ میں چرنے والے جانوروں پر لازم ہوتی ہے۔[۱]

سونے میں ساڑھے سات تولہ سونا اور چاندی میں ساڑھے باون تولہ چاندی زکوٰۃ کا نصاب ہے، اگر کسی کے پاس ڈیڑھ تولہ سونا اور دو تولہ چاندی ہو، لیکن دونوں کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جاتی ہو، تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔[۲]

جو مکان یا زمین تجارت کے لیے ہو، اور ان کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کے بہ قدر ہو جائے، تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔[۳]

البتہ اپنی رہائش کا مکان ہو یا کرایہ پر دے رکھا ہو، اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، خواہ مکان نیا ہو یا پرانا۔[۴] تاجر حضرات جو مکان اور بنگلوں کی تعمیر تجارت کی غرض سے کرتے ہیں، ان میں تجارت کی نیت

---

(۱) أموال الزكاة أنواع ثلاثة أحدها: الأثمان المطلقة وهي الذهب والفضة، والثاني: أموال التجارة وهي العروض المعدة للتجارة، والثالث: السوائم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود، الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۲/ ۱۶، كتاب الزكاة، فصل الأثمان المطلقة وهي الذهب والفضة، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) الزكاة واجبة في الذهب والفضة... إذا بلغت الفضة مائتي درهم والذهب عشرين مثقالا... ويضم الذهب إلى الفضة، والفضة إلى الذهب، ويكمل إحدى النصابين بالآخر عند علمائنا... يريد به أن يقوم الذهب بالدراهم وينظر إن بلغ نصابا بالدراهم، تجب فيها الزكاة، وإلا فلا. (الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۵۸- ۱۵۴، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في زكاة المال، ط: زكريا- ديوبند)

(۳) الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۹، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

(۴) " وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة" لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية أيضا. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن =

ہوتی ہے؛اس لیے زکوۃ فرض ہوتی ہے۔

کرایہ پر دیے ہوئے مکان کا کرایہ جمع ہو، (جیسا کہ سوال میں ہے) اور اس جمع شدہ رقم اور مال تجارت وغیرہ ملا کر نصاب کو پہنچ جائے ،تو اس پر زکوۃ فرض ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٧] بہ نیتِ تجارت خریدی ہوئی زمین پر زکوۃ کا وجوب

١٢٤٨- سوال: بکر نے ایک زمین بیس ہزار (٢٠،٠٠٠) روپئے میں اس نیت سے خریدی ہے کہ تین یا چار سال بعد جب بھی اُس زمین کی قیمت بڑھے گی، نفع کے ساتھ بیچ دوں گا،تو اس زمین کے بیچے جانے تک کے تمام سالوں کی زکوۃ اُس پر واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر وہ شئے، جو بہ غرضِ تجارت خریدی گئی ہو، اُس پر زکوۃ واجب ہوگی، لہٰذا زمین، مکان اور کار جیسی چیزیں اگر تجارت کی نیت سے خریدی جائیں، تو اُن میں ہر سال زکوۃ واجب ہوگی، اس لیے صورت مسئولہ میں بکر پر لازم ہے کہ وہ سالہائے گذشتہ کی زکوۃ ادا کرے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ٥٩٣هـ): ١/ ٩٦، كتاب الزكاة، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت ☆الاختيار لتعليل المختار- عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ٦٨٣هـ): ١/ ١٠٠، كتاب الزكاة، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي ☆تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق- عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ٧٤٣هـ): ١/ ٢٥٣، كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق- القاهرة☆العناية شرح الهداية- محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي (م: ٧٨٦هـ): ٢/ ١٦٤، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر☆درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى- خسرو (م: ٨٨٥هـ) مع حاشية الشرنبلالي: ١/ ١٧٣، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: دار إحياء الكتب العربية☆البحر الرائق شرح كنز الدقائق- زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ٩٧٠هـ): ٢/ ٢٢٢، كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆الدر المختار مع رد المحتار: ٢/ ٢٦٥- ٢٦٣، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر- بيروت)

(١) "الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما، وحال عليه الحول". (الهداية: ١/ ١٨٥، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند☆حاشیہ نمبر (٢) دیکھیں)

(٢) الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب كذا في الهداية.=

[۱۸] سونے کے ساتھ کچھ رقم ہو، تو چاندی کے نصاب کا اعتبار کیوں کیا جاتا ہے؟

[۱۹] تین چار تولہ سونا کے ساتھ گھر میں ضروری خرچ کی رقم ہو، تو زکوٰۃ واجب ہوگی؟

۱۲۴۹،۵۰ - سوال: بعد از تحیہ مسنونہ عرض این کہ حسب ذیل استفتاء کا جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۱) ایک آدمی کے پاس نصاب سے کم، صرف چار پانچ تولہ سونا ہے اور ساتھ میں سو دو سو روپے جمع ہیں، تو کیا یہ آدمی صاحب نصاب ہوگا اور زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی؟ واضح رہے کہ سونے کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے چاندی کا نصاب پورا ہو جاتا ہے، لیکن وجوب کی صورت میں سوال ہوتا ہے کہ نوٹ کا شمار چاندی میں کیسے کیا جائے، سونا میں ہونا چاہیے، اس وجہ سے کہ نوٹ رسید ہے سونے کی، تب تو سونے کا نصاب پورا نہ ہوگا اور زکوٰۃ واجب نہ ہونی چاہیے۔

نوٹ کی اس وقت شرعی حیثیت کیا ہے؟ براہ کرم واضح فرمائیں۔

(۲) اسی طرح ایک ملازمت پیشہ آدمی نصاب سے کم تین چار تولہ سونے کا یکم محرم کو مالک ہوا اور اسی دن اس کو پانچ سو روپے تنخواہ ملی، جو نفقہ کے لیے ہے اور مہینہ بھر میں ختم ہو جائے گی اور سونا اس کے پاس جمع رہے گا اور تنخواہ ہر ماہ ملتی رہے گی اور ختم ہوتی رہے گی اور اب آئندہ سال یکم محرم کو جس وقت تنخواہ ملے گی اور سال ختم ہوگا، اس وقت طرفین میں نصاب کامل ہو جائے گا، دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اس صورت میں اس پر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا؟ اور جو پیسے نفقہ کے لیے ہے، ان کا بھی شمار نصاب میں ہوگا، یا حاجت اصلیہ میں ہوگا؟ طحطاوی علی مراقی الفلاح اور شامی کی عبارتیں مختلف معلوم ہوتی ہیں؛ لہٰذا مفتی بہ قول سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

دونوں کتاب کی عبارت حسب ذیل ہیں:

(قوله وفسره ابن ملك) أي فسر المشغول بالحاجة الأصلية ... فإذا كان معه دراهم أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها إذا حال الحول، وهي عنده، لكن

= (الفتاوى الهندية: ١/ ١٧٩، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر ☆ الهداية: ١/ ١٩٥، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، فصل في العروض، ط: ياسر نديم - ديوبند)

اعترضه في البحر بقوله: ويخالفه ما في المعراج في فصل زكاة العروض أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، وكذا في البدائع في بحث النماء التقديري. اهـ. (رد المحتار: ۲/ ۷)[۱]

وقوله وكالنفقة لا زكاة فيها ولو حال عليها الحول قال فيه وهو مخالف لما في المعراج والبدائع أن الزكاة تجب في النقد كيف أمسكه للنفقة أو للنماء اهـ. (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۹۹)[۲]

فقط والسلام

العبد سلیمان بن اسماعیل لاجپوری کان اللہ لہ

۳؍ صفر المظفر ۱۴۰۴ھ چہار شنبہ

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) نوٹ حوالہ ہے، گاہک کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اس پر جتنے عدد لکھے گئے ہیں، ان کا عوض آپ کو مل جائے گا۔ اس نوٹ سے سونا اور چاندی؛ دونوں خریدا جا سکتا ہے۔[۳] لہٰذا روپیہ، سو دو سو، جو بھی ہو، ان سے چاندی کا حساب لگایا جائے گا، اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ سونا چاندی کا نصاب کامل نہ ہو، تو اس صورت میں ''انفع للفقراء'' کے تقاضے کے مطابق مالیت جس نصاب کو بھی پہنچ جائے، زکوۃ واجب ہو جائے گی؛ لہٰذا صورت مسئولہ (پانچ تولہ سونا اور سو دو سو روپے) میں چاندی کا نصاب متحقق ہو جاتا ہے؛ اس لیے زکوۃ فرض ہو جائے گی۔ (عالم گیری: ۱/ ۱۴۳)[۴]

(۲) اس مسئلے میں پائے جانے والے تعارض کو دور کرنے کے لیے علامہ شامیؒ نے اپنی عبارت "فالأولى التوفيق بحمل ما في البدائع وغيرها، على . . . الخ" سے جو تطبیق دی ہے، وہ قابل عمل ہونی چاہیے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً: یکم محرم کو دس ہزار روپے کاشت کار یہ سمجھ کر رکھے ہوا ہے کہ اس میں جس

---

[۱] رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۲، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر- بيروت.

[۲] حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح-أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ هـ) ص: ۷۱۵، كتاب الزكاة، مدخل، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

(۳) جن علماء نے کاغذی نوٹ کو قرض کی سند اور دستاویز مانا ہے ان کے نزدیک ان نوٹوں کے ذریعے سونا چاندی خریدنا جائز نہیں ہے۔ تفصیل ملاحظہ کریں: شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے فقہی مقالات: ۱/ ۲۱-۲۳، کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، ط: زمزم بک ڈپو- دیوبند۔

[۴] ولو ضم أحد النصابين إلى الأخرى حتى يؤدي كله من الذهب أو من الفضة لا بأس به لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء قدرا ورواجا. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، ط: دار الفكر- بيروت)

قدر ضرورت ہوگی، خرچ کرے گا، اب حولان حول کے بعد اس کے پاس مقدار نصاب باقی رہ گیا، تو جتنی مقدار باقی ہے، اس پر زکوۃ فرض ہوگی، اور اگر ملازم یکم محرم الحرام کو تین تولہ سونا اور پانچ سو روپے کا مالک ہے؛ لیکن درمیان سال مقروض ہوگیا، (اور اس کے پاس بہ ظاہر نصاب کے بہ قدر مال ہے؛ کیوں کہ تنخواہ سال کے آخری دن میں ملی ہے۔) تو حولان حول نہیں ہوا، مثلاً اختتامِ سال پر ۱۴۰۵ھ کی محرم الحرام کو تنخواہ ملی، مگر دودھ کا قرضہ یا دیگر قرضہ جات اس پر موجود ہیں، تو حولان حول مال نامی پر نہیں ہوا (پس زکوۃ فرض نہ ہوگی) اور اگر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی باقی رہ گیا، تو حولان حول پر حوائج اصلیہ ضروریہ پر زائد ہونے کی وجہ سے زکوۃ فرض ہوگی۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[1] خلاصہ یہ کہ اگر سال کے دونوں جانب نصاب موجود ہے اور اس ملازم پر کسی قسم کا کوئی بل ادا کرنا یا قرض دینا باقی نہیں ہے، یا کوئی قرض ہے؛ لیکن اسے منہا کرنے کے باوجود نصاب کے بہ قدر مال موجود رہتا ہے، تو اس پر زکاۃ واجب ہوگی، سال کے دونوں جانب نصاب کا موجود ہونا اس بات کی علامت ہے کہ مال حاجت اصلیہ سے زائد ہے، یہی صورت مراد ہے ''أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة '' جیسی عبارت میں، اور ''فإذا كان معه دراهم أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها الخ'' جیسی عبارت کا مصداق وہ صورت ہے جب کہ نصاب کے بہ قدر مال جانبین میں موجود ہو؛ لیکن اس پر کچھ قرض وغیرہ ہو، ایسی صورت میں، گرچہ مال بہ قدر نصاب موجود ہے، لیکن اسے (گذشتہ ایام کے) نفقے کے لیے روک رکھا ہے، لہٰذا اس پر زکاۃ نہیں ہوگی۔ تفصیل ملاحظہ کریں علامہ شامی کی زبانی:

فإذا كان معه دراهم أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها إذا حال الحول، وهي عنده، لكن اعترضه في البحر بقوله: ويخالفه ما في المعراج في فصل زكاة العروض أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، وكذا في البدائع في بحث النماء التقديري. اهـ.

قلت: وأقره في النهر والشرنبلالية وشرح المقدسي، وسيصرح به الشارح أيضا، ونحوه قوله في السراج سواء أمسكه للتجارة أو غيرها، وكذا قوله في التتارخانية: نوى التجارة أو لا. لكن حيث كان ما قاله ابن ملك موافقا لظاهر عبارات المتون كما علمت، وقال ح إنه الحق، فالأولى التوفيق بحمل ما في البدائع وغيرها، على ما إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول، وقد بقي معه منه نصاب، فإنه يزكي ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضا في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول، بخلاف ما إذا حال الحول، وهو مستحق الصرف إليها، لكن يحتاج إلى الفرق بين هذا، وبين ما حال الحول عليه، وهو محتاج منه إلى أداء دين كفارة أو نذر أو حج، فإنه محتاج إليها أيضا لبراءة ذمته. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۲، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۲۰] تیس سال سے بینک میں تھوڑی تھوڑی جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ کا حکم

۱۲۵۱- سوال: میرا ایک بھائی ہے وہ نوکری کرتا ہے اور ہر سال ۲۰/روپے بچا کر بینک میں جمع کرتا ہے، آج تیس سال ہو گئے اور ۲۰۰۷/روپے اس کے بینک میں جمع ہو گئے ہیں، اب تک اس نے ان پیسوں کی کچھ زکوٰۃ نہیں نکالی ہے، تو اس کے لیے زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ اس کو ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا تیس سال کی، جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نصاب کے بہ قدر مال تیس سال پہلے سے تھا، تو تیس سال کی زکوٰۃ نکالنا ضروری ہوگا، اگر نصاب اس وقت نہیں تھا، تو جب سے وہ نصاب کا مالک ہوا، اس وقت سے آنے والے تمام سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔[1]

ادا کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ جس سال وہ نصاب کا مالک ہوا، اس وقت اس کے پاس جتنی رقم ہے، اس کا چالیس واں حصہ (ڈھائی فی صد) شمار کرے، آئندہ سال اس میں مزید ایک سال کی تنخواہ جوڑ دے، اور پچھلے سال زکاۃ کے طور پر ادا کی گئی رقم کو منہا کر دے، اسی طرح تیسرے سال اور بعد کے سالوں کا حساب لگالے۔

مثلاً: نو سال کی مدت میں نصاب کے بہ قدر ۲۰۰۰/روپے جمع ہوئے، تو اس میں سے ڈھائی فی صد (۵۰/روپے) کو شمار کرے، دسویں سال اس کے پاس زکاۃ کی رقم منہا کرنے کے بعد، ۱۹۵۰/بچیں گے، اور تنخواہ کے ۲۴۰/روپے جمع ہوں گے، کل ۲۱۹۰/کی زکاۃ کا حساب لگائے، جو ۵۴/روپے ۷۵/

---

(۱) (و) اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي، ومتوسط، وضعيف؛ (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فورا؛ بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوي، كقرض (وبدل مال تجارة). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر)

(ولو كان الدين على مقر مليء أو) على (معسر أو مفلس) . . . (فوصل إلى ملكه لزم زكاة ما مضى). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷-۶۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

" الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما، وحال عليه الحول ". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

پیسے ہوتے ہیں، گیارہویں سال اس کے پاس گذشتہ سالوں کی (زکاۃ کی رقم وضع کرنے کے بعد) جمع رقم اور تنخواہ کی رقم، کل ۲۵.۲۵ ۲۳۷۵/ ہوتی ہے، اس کا حساب لگائے اور اسی طرح آئندہ سالوں کا حساب لگائے اور مکمل زکاۃ ادا کرے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] نقد رقم اور نصاب سے زائد سونے پر وجوب زکوۃ کا شرعی حکم

۱۲۵۲- سوال: ہمارے پاس حسب ذیل رقم موجود ہے:

۲۸۷۵/ دو ہزار آٹھ سو پچہتر روپیہ نقد موجود ہے۔

چھ سو تیس روپیہ (۶۳۰) تولہ کے ریٹ کا، اٹھارہ ہزار نو سو (۱۸۹۰۰) روپے کا تیس تولہ سونا موجود ہے۔

تو اس مال پر کتنی زکوۃ واجب ہوگی؟

الجواب حامداومصلیا:

نقد رقم اور سونے پر جب سال گذر جائے، تو اس کا چالیسواں حصہ زکوہ میں ادا کرنا فرض ہوگا۔[1]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] غیر موجود منتشر رقم پر وجوب زکوۃ کا شرعی حکم

۱۲۵۳- سوال: (۱) ایک کھیت کے مالک کے پاس سے ہم نے زمین کرایے پر ۳۲۴۰۰/ بتیس ہزار چار سو روپیہ میں لی ہے۔

(۲) زمین کے مالک کے پاس سے ہمیں ۱۲۲۱/ بارہ سو اکیس روپیہ لینا باقی ہے۔

---

[۱] (وشرطه) أي شرط افتراض أدائها (حولان الحول) وهو في ملكه. (الدر المحتار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر- بيروت)

وهو ربع عشر نصاب حولي. (حواله سابق: ۲/ ۲۵۷ بدائع الصنائع: ۲/ ۲۳، كتاب الزكاة، فصل صفة الواجب في أموال التجارة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆حاشية الطحطاوی على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۴، كتاب الزكاة، مدخل، ط: دار الكتب العلمية- بيروت لبنان)

"الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(۳) ہم نے ایک مکان بیچا ہے، جس کے ۱۴۰۰۰/ چودہ ہزار روپیہ لینا ابھی باقی ہے۔

(۴) کلفی کا ایک کارخانہ ہم نے بیچا ہے، جس کے ۱۰۰۰/ ایک ہزار روپیہ لینا باقی ہے۔

(۵) دوکانوں کا مال ہم نے بیچا ہے، جس کے ۶۰۶/ چھ سو چھ روپیہ لینا باقی ہے۔

(۶) ہم نے ایک آدمی کو ۵۵۰/ پانچ سو پچاس روپیہ بہ طور قرض دیے ہیں۔

(۷) حج ادا کرنے کے لیے ہم نے حج کا فارم بھی بھرا ہے، اس کی ٹکٹ کے ۲۰۰۰/ دو ہزار روپے ادا کیے ہیں۔

(۸) بیمہ کمپنی میں ۲۴۸۴/ دو ہزار چار سو چوراسی روپیہ ادا کیے ہیں۔

یہ رقم ہمارے پاس موجود نہیں ہے؛ تو کیا اس رقم کی ہم پر زکوۃ واجب ہوگی؟

الجواب حامداو مصلیا:

جو رقم آپ نے زمین کے کرایے کے لیے دی ہے، اس میں آپ کیا کرتے ہیں، وہ آپ نے تحریر نہیں کیا ہے، آئندہ اس کی تفصیل لکھیں۔

نمبر دو، تین، چار، پانچ، چھ اور آٹھ میں لکھی ہوئی رقم پر زکوہ واجب ہوگی، چالیسواں حصہ زکوۃ میں دینا پڑے گا، جوں جوں رقم آپ کے پاس آتی رہے، اس کی [سالہائے گذشتہ کی زکوۃ کے ساتھ] زکوۃ ادا کرتے رہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] غیر استعمالی برتن اور پندرہ تولہ زیورات پر زکوۃ کا شرعی حکم

۱۲۵۴- سوال: ایک شخص کے پاس پندرہ تولہ زیور ہے، تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں ہوگی؟ یہ زیورات سال میں ایک دو مرتبہ استعمال میں آتے ہیں۔

---

(۱) (و) اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي، ومتوسط، وضعيف؛ (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فورا؛ بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوي، كقرض (وبدل مال تجارة). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر)

(ولو كان الدين على مقر مليء أو) على (معسر أو مفلس)... (فوصل إلى ملكه لزم زكاة ما مضى). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷-۲۶۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

نیز اس کے پاس پیتل کے بالکل نئے برتن ہیں، ان کو محض شو کے لیے رکھا گیا ہے، جن کو سال بھر میں ایک مرتبہ بھی استعمال نہیں کیا جاتا تخمیناً تین ہزار کے ہوں گے، تو اس کو زکوۃ دینی پڑے گی یا نہیں؟

اس کے پاس دکان میں دس ہزار روپے کا سامان بھی ہے اور آٹھ ہزار کا وہ مقروض بھی ہے، اب قرض کے آٹھ ہزار وضع کر لینے کے بعد اس کے پاس صرف دو ہزار روپے بچتے ہیں، تو کیا اس پر زکوۃ واجب ہوگی؟

اگر کسی آدمی یا عورت نے بھول سے یہ سمجھ لیا کہ زیورات تو استعمال کی چیزوں میں سے ہیں؛ لہٰذا ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی؛ اس لیے اس نے زکاۃ ادا نہیں کی، اب معلوم ہوا کہ ان پر بھی زکاۃ ہے، تو کیا اس کے لیے سالہائے گذشتہ کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی؟ اگر ادا نہ کرے تو کیا وہ گنہ گار رہوں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

سونے چاندی کے زیورات ہوں یا ان کی ڈلی، استعمال میں آتے ہوں یا استعمال میں نہ آتے ہوں، ہر حال میں ان پر زکوۃ فرض ہے۔[1]

(۱) قال - رحمه الله - (ولو تبرا أو حليا أو آنية) أي ولو كانت الفضة أو الذهب حليا أو غيره تجب فيها الزكاة، وقال الشافعي: لا تجب الزكاة في حلي النساء وخاتم الفضة للرجال؛ لما روى جابر أنه - عليه الصلاة والسلام - قال "ليس في الحلي زكاة"، ولأنه مبتذل في مباح وليس بنام اهـ فشابه ثياب البذلة.

ولنا ما رواه حسين المعلم عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن امرأة أتت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وفي يدها ابنة لها وفي يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب، فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أتعطين زكاة هذا، قالت لا، قال أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة بسوارين من نار، فخلعتهما، وألقتهما إلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وقالت: هما لله ولرسوله. قال النووي إسناده حسن.

وقالت عائشة - رضي الله عنها - دخلت على رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فرأى في يدي فتخات من ورق، فقال ما هذا يا عائشة، فقلت صنعتهن أتزين لك بهن يا رسول الله فقال أتؤدين زكاتهن، قلت لا أو ما شاء الله، قال حسبك من النار. أخرجه الحاكم في المستدرك، وقال هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، وقالت أم سلمة كنت ألبس أوضاحا من ذهب فقلت يا رسول الله أكنز هو فقال ما بلغ أن تؤدي زكاته فزكي فليس بكنز. أخرجه الحاكم في المستدرك، وقال صحيح على شرط البخاري، ورواه أبو داود أيضا، وعموم قوله تعالى: [والذين يكنزون الذهب والفضة] [التوبة: ۳۴] الآية يتناول الحلي. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۱/ ۲۷۷، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

(وفي تبر الذهب والفضة) وهو غير المضروب منهما. مغرب (وحليهما) سواء كان مباح الاستعمال أو لا =

بازاری قیمت کے مطابق پندرہ تولہ سونے کے زیورات کی قیمت آٹھ ہزار روپیہ اور دکان کا مال دس ہزار روپیہ کا ہے؛ گویا اس کے پاس کل اٹھارہ ہزار ہوئے، قرض کی رقم آٹھ ہزار منہا (وضع) کرنے کے بعد دس ہزار اس کے پاس رہ گئے، [اگر روپیوں میں زکاۃ ادا کرنا چاہتا ہے تو] ان دس ہزار روپیوں کی زکوۃ ادا کرنا ضروری ہوگا۔[۲]

گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ ادا کرنا ضروری ہوگا۔[۳]

= (والآنية منهما الزكاة) لأنهما خلقا أثماناً، فتجب وكاتهما كيف كانا. (اللباب في شرح الكتاب - عبد الغني بن طالب بن حمادة بن إبراهيم الغنيمي الدمشقي الميداني الحنفي (م:۱۲۹۸هـ):۱/۱۴۸، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب، ت: محمد محيي الدين عبد الحميد، ط: المكتبة العلمية - بيروت - لبنان)

(واللازم)... (في مضروب كل) منهما (ومعموله ولو تبرا أو حليا مطلقا) مباح الاستعمال أو لا ولو للتجمل والنفقة، لأنهما خلقا أثمانا فيزكيهما كيف كانا (أو) في (عرض تجارة قيمته نصاب) الجملة صفة عرض وهو هنا ما ليس بنقد.... (ربع عشر). (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله مضروب كل منهما) أي ما جعل دراهم يتعامل بها أو دنانير ط (قوله: ومعموله) أي ما يعمل من نحو حلية سيف أو منطقة أو لجام أو سرج أو الكواكب في المصاحف والأواني وغيرها إذا كانت تخلص بالإذابة بحر (قوله: ولو تبرا) التبر: الذهب والفضة قبل أن يصاغا بحر عن ضياء الحلوم،... (قوله: أو حليا) بضم الحاء وكسرها وتشديد الياء جمع حلي بفتح الحاء وإسكان اللام: ما تتحلى به المرأة من ذهب أو فضة نهر... (قوله: أو لا) كخاتم الذهب للرجال والأواني مطلقا ولو من فضة (قوله: ولو للتجمل) أي التزين بهما في البيوت من غير استعمال ط (قوله والنفقة) فيه منافاة لقول ابن الملك: إذا كانت مشغولة بحوائجه فلا زكاة فيها كما قدمناه في أول كتاب الزكاة فارجع إليه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۹۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) "ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكاة عليه" وقال الشافعي رحمه الله تجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام ولنا أنه مشغول بحاجته الأصلية فاعتبر معدوما كظماء المستحق بالعطش وثياب البذلة والمهنة" وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصابا" لفراغه عن الحاجة. (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳هـ):۱/۹۵، أول كتاب الزكاة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

(۳) وأجمعوا أنه إذا دفن في الحرز من الدور ونحوها ونسيه ثم تذكر فإنه تجب عليه زكاة ما مضى، وكذلك إذا أودع رجلا معروفا ثم نسيه سنين ثم تذكر فإنه يجب بالإجماع. (تحفة الفقهاء - محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ):۱/۲۹۶، كتاب الزكاة، باب زكاة السوائم، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

گھریلو برتنوں اور فرنیچر پر کوئی زکوۃ فرض نہیں۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

[۲۴] سونے میں زکوۃ کا نصاب اور دو تین تولہ سونے پر زکوۃ کا حکم

۱۲۵۵- سوال: اگر کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا ہوتو ہی زکوۃ واجب ہوگی یا دو تین تولے پر بھی زکوۃ واجب ہوجائے گی؟ ہمارے یہاں یہ مسئلہ ہر خاص و عام کی زبان پر ہے کہ آج کل توسونے کا بھاؤ بہت زیادہ ہوگیا ہے، اس لیے دو تین تولے پر بھی زکوۃ فرض ہوجائے گی، توکیا دو تین تولہ سونے پر زکوۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

اگر کسی کے پاس صرف سونا ہو، تو ساڑھے سات تولہ پر نصاب مکمل ہوگا، اور اگر صرف چاندی ہو، تو ساڑھے باون تولہ پر وہ صاحب نصاب ہوگا، اور حولان حول کے بعد زکوۃ کی ادائیگی لازم ہوگی۔ [۲] ہاں!

---

(۱) "وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة " لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية أيضا. (الهداية في شرح بداية المبتدي:۱/۹۶، أول كتاب الزكاة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۲، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن علي رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول هذا الحديث، قال: فإذا كانت لك مائتا درهم، وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء - يعني - في الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا، فإذا كان لك عشرون دينارا، وحال عليها الحول، ففيها نصف دينار، فما زاد، فبحساب ذلك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۲۱، رقم الحديث: ۱۵۷۳، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، ط: مكتبة فيصل ديوبند)

عن السائب بن يزيد، أن عثمان بن عفان رضي الله عنه، كان يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين، فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم، فتؤدوا منها الزكاة. قال محمد: وبهذا نأخذ، من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ففيه زكاة، وتلك مائتا درهم، أو عشرون مثقالا ذهبا فصاعدا، وإن كان الذي بقي أقل من ذلك، بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني المعروف بـ 'موطأ الإمام محمد': ۱/ ۱۱۳، رقم الحديث: ۳۲۳، كتاب الزكاة، باب: زكاة المال، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف، : المكتبة العلمية)

نصاب الذهب عشرون مثقالا. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: عشرون مثقالا) فما دون ذلك لا زكاة فيه ولو كان نقصانا يسيرا يدخل بين الوزنين؛ لأنه وقع الشك في كمال النصاب فلا حكم بكماله مع الشك=

کسی کے پاس دو تولہ چاندی اور ایک تولہ سونا ہو، جس کی مجموعی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو، تو اس پر زکوۃ فرض ہوجائے گی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] مال مستفاد کو اصل مال کے ساتھ ملا کر زکوۃ نکالی جائے

۱۲۵۶- سوال: ایک آدمی صاحب نصاب ہے، اس کے پاس سونا، چاندی اور نقد رقم وغیرہ ہے جس کی ہر سال زکوۃ نکالتا ہے، اب ایسے شخص کے پاس (جس کی زکوۃ نکالنے کا وقت ماہ رمضان ہے، یعنی رمضان میں سال پورا ہوتا ہے) رمضان سے دو مہینہ پہلے ایک جائداد بیچنے کی وجہ سے تقریباً پچیس ہزار روپے آئے، تو اس رقم پر ایک سال کے گذرنے کے بعد زکوۃ نکالنی پڑے گی، یا دوسرے مال کی طرح رمضان میں ہی- جب کہ اس پر صرف دو مہینے گذرے ہیں- زکوۃ دینی ہوگی۔

= بحر عن البدائع. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۹۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر- بيروت ☆ الهداية: ۱/ ۱۷۸، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، ط: زكريا- ديوبند ☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ۷۱۷، كتاب الزكاة، مدخل، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) (و) يضم (الذهب إلى الفضة) وعكسه بجامع الثمنية (قيمة). (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله ويضم إلخ) أي عند الاجتماع... وفي البدائع أيضا أن ما ذكر من وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان أقل، فلو كان كل منها نصابا تاما بدون زيادة لا يجب الضم، بل ينبغي أن يؤدي من كل واحد زكاته، فلو ضم حتى يؤدي كله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا، ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا وإلا يؤد من كل منهما ربع عشره (قوله: وعكسه) وهو ضم الفضة إلى الذهب، وكذا يصح العكس في قوله وقيمة العرض تضم إلى الثمنين عند الإمام كما مر عن الزاهدي، وصرح به في المحيط أيضا... (قوله: قيمة) أي من جهة القيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۰۳، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، قبل: مطلب في وجوب الزكاة في دين المرصد، ط: دار الفكر- بيروت ☆البحر الرائق: ۲/ ۲۰۱-۲۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: زكريا- ديوبند ☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، ط: زكريا- ديوبند ☆المحيط البرهاني: ۲/ ۲۳۱، كتاب الزكاة، الفصل الثالث بيان مال الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆العناية شرح الهداية: ۲/ ۲۲۲، كتاب الزكاة، فصل في زكاة العروض، ط: دار الفكر ☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ۷۱۷، كتاب الزكاة، مدخل، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆تبيين الحقائق: ۱/ ۲۸۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: المطبعة الكبرى الاميرية، بولاق- القاهرة)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پہلے سے زکوۃ واجب ہے، اور نصاب کا مالک ہے، تو سال کے پورا ہونے کے درمیان، مال میں جو کچھ اضافہ ہو، اس کو سال کے آخری دن زکوۃ کے حساب میں شمار کر لینا ضروری ہے، چاہے دو مہینہ پہلے ہی اضافہ کیوں نہ ہوا ہو۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں جو رقم حاصل ہوئی ہے، اس پر ازسرِنو مستقل سال کے گذرنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا، اور سال رواں کے مال زکوۃ میں شمار کرنا ضروری ہوگا۔[1]

ہاں! جو آدمی پہلی مرتبہ نصاب کا مالک ہوا ہو، اس کی رقم پر حولانِ حول (سال گذرنا) شرط ہے۔[2]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] نصاب پر سال گذرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی

۱۲۵۷- سوال: میں کویت میں رہتا ہوں، دو سال ہوئے کویت سے یہاں آ گیا ہوں، میری ملازمت سرکاری ہے، جس کی وجہ سے وہاں کے قانون کے مطابق دو سال کی ملازمت کی رقم کویت میں میرے اکاؤنٹ میں جمع ہو گئی ہے، وہ رقم مؤرخہ: ۲۳/۱/ ۱۹۹۳ء میں جمع ہوئی ہے، رقم ابھی کویت ہی میں ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس رقم کی زکوۃ ابھی ادا کرنی ہوگی یا ایک سال بعد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ پہلے سے صاحب نصاب نہ ہوں، اور مؤرخہ: ۲۳/۱/ ۱۹۹۳ء کو آپ کے اکاؤنٹ میں جمع

---

(۱) ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه المستفاد من نمائه أو لا وبأي وجه استفاد ضمه سواء كان بميراث أو هبة أو غير ذلك، ولو كان من غير جنسه من كل وجه كالغنم مع الإبل فإنه لا يضم هكذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۵، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۰۷، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر)

(۲) ثم إنما يضم المستفاد عندنا إلى أصل المال إذا كان الأصل نصابا فأما إذا كان أقل من النصاب فإنه لا يضم إليه، وإن كان يتكامل به النصاب وينعقد الحول عليهما حال وجود المستفاد؛ لأنه إذا كان أقل من النصاب لم ينعقد الحول على الأصل فكيف ينعقد على المستفاد من طريق التبعية؟. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۴، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۲۰۷، كتاب الزكاة، فصل في زكاة الخيل، نصاب الفضة، ط: دار احياء التراث العربي)

کی گئی رقم نصاب کے برابر ہے، تو ایک سال ختم ہونے کے بعد زکوۃ ادا کرنا واجب ہوگا۔ (۱)

لیکن اگر آپ پہلے ہی سے نصاب کے مالک ہیں اور نصاب کے بقدر آپ کے پاس مال ہے، اور آپ مؤرخہ: ۲۳/۱/۱۹۹۳ء کے بعد زکوۃ دے رہے ہیں، تو ۱۹۹۳/۱/۲۳ کو جو رقم آپ کے کھاتے میں جمع ہوئی ہے، وہ دوسرے زکوۃ مال کے ساتھ ملائی جائے گی اور کل مال کی زکوۃ دینی ہوگی، اس پر از سر نو سال کا گذرنا شرط نہیں ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۲۷] تجارت میں حاصل ہونے والی منافع کی رقم پر سال کا گذرنا شرط نہیں

۱۲۵۸- سوال: تجارت میں نقد رقم زیادہ مدّت تک ایک جگہ جمع نہیں رہتی؛ بل کہ گھومتی رہتی ہے، اور اس کا نفع وقتاً فوقتاً حاصل ہوتا رہتا ہے، اب نفع پر سال مکمل ہوا یا نہیں، اس کا حساب بہت مشکل ہو جاتا ہے، تو اس صورت میں زکوۃ کی ادائیگی کا آسان طریقہ کیا ہے؟

---

(۱) لا خلاف في أن أصل النصاب وهو النصاب الموجود في أول الحول يشترط له الحول؛ لقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: "لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول"؛ ولأن كون المال ناميا شرط وجوب الزكاة لما ذكرنا، والنماء لا يحصل إلا بالاستنماء، ولا بد لذلك من مدة، وأقل مدة يستنمى المال فيها بالتجارة والإسامة عادة الحول. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۳، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) فأما المستفاد في خلال الحول فهل يشترط له حول على حدة، أو يضم إلى الأصل، فيزكى بحول الأصل؟... و المستفاد في الحول لا يخلو إما أن كان من جنس الأصل، وإما أن كان من خلاف جنسه.______ فإن كان من خلاف جنسه كالإبل مع البقر والبقر مع الغنم فإنه لا يضم إلى نصاب الأصل بل يستأنف له الحول بلا خلاف وإن كان من جنسه فأما إن كان متفرعا من الأصل أو حاصلا بسببه كالولد والربح، وأما لم يكن متفرعا من الأصل ولا حاصلا بسببه كالمشترى والموروث والموهوب والموصى به فإن كان متفرعا من الأصل أو حاصلا بسببه يضم إلى الأصل ويزكى بحول الأصل بالإجماع.______ وإن لم يكن متفرعا من الأصل ولا حاصلا بسببه فإنه يضم إلى الأصل عندنا.

....

ثم إنما يضم المستفاد عندنا إلى أصل المال إذا كان الأصل نصابا فأما إذا كان أقل من النصاب فإنه لا يضم إليه، وإن كان يتكامل به النصاب وينعقد الحول عليهما حال وجود المستفاد؛ لأنه إذا كان أقل من النصاب لم ينعقد الحول على الأصل فكيف ينعقد على المستفاد من طريق التبعية؟ (حوالہ سابق: ۲/ ۱۳)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت) کے بہ قدر رقم، شروع سال میں تھی، پھر تاجر تجارت کے ذریعے اس مال میں، پورے سال وقتاً فوقتاً جس قدر نفع حاصل کیا ہو، اصل نصاب کے ساتھ ان تمام (منافع) کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، دوران سال حاصل ہونے والے نفع پر سال کا گذرنا شرط نہیں ہے، اصل مال پر سال کا گذرنا وجوب زکوۃ کے لیے کافی ہے۔ مثلاً: ۱۴۰۹ھ کی پہلی رمضان کو، تاجر کے پاس ایک لاکھ ڈالر ہیں، اور ۱۴۱۰ھ کی پہلی رمضان المبارک کو سوا لاکھ یا اس سے زائد ڈالر ہیں، تو زکوۃ سوا لاکھ یا اس سے زائد پر فرض ہوگی، ہر مہینے کا نفع علاحدہ کرنا اور علاحدہ علاحدہ سال گذرنے کا اعتبار کرنا جائز نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

[۲۸] مقروض ہوجانے کی وجہ سے زکوۃ واجب نہ رہی، پھر صاحب نصاب بن گیا، تو ازسرنو سال گذرنے پر زکوۃ واجب ہوگی

۱۲۵۹- سوال: ایک آدمی کے پاس تھوڑا سونا تھا، جس کی وجہ سے زکوۃ فرض تھی، پھر اس آدمی پر اتنا قرضہ ہوگیا، کہ اگر سونا بیچ دیا جائے، تب بھی قرضہ باقی رہتا ہے، اس کے بعد صورت حال بدلی اور اس آدمی کے پاس اتنی رقم آگئی کہ قرضہ ادا کرنے کے بعد بھی رقم بچتی ہے اور سونا بھی ہے، تو اب پوچھنا یہ ہے کہ جب رقم آئی، اسی وقت زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی، یا سال پورا ہونے کے بعد زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنا قرضہ ہوگیا کہ اس پر زکوۃ واجب نہیں رہی، [یعنی ایک سال یا اس سے زائد عرصہ اس حال میں گذرا کہ وہ نصاب کے بہ قدر مال کا مالک نہیں تھا، یا مالک تو تھا؛ لیکن اس پر قرض کی مقدار اتنی زائد تھی کہ اس

(۱) ومن کان لہ نصاب، فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسہ، ضمہ إلی مالہ، وزکاہ، المستفاد من نمائہ أو لا، وبأي وجہ استفاد ضمہ، سواء کان بمیراث أو ھبۃ أو غیر ذلك، ولو کان من غیر جنسہ من کل وجہ کالغنم مع الإبل، فإنہ لا یضم ھکذا في الجوھرۃ النیرۃ. (الفتاوی الھندیۃ: ۱/ ۱۷۵، کتاب الزکاۃ، الباب الأول في تفسیرھا وصفتھا وشرائطھا، ط: دار الفکر- بیروت ☆ رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۳۰۷، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ط: دار الفکر- بیروت)

کومنہا کرنے کے بعد نصاب کے برابر اس کے پاس مال نہیں تھا] اس کے بعد اتنی رقم آئی کہ نصاب کا مالک ہوگیا، تو رقم آنے کے بعد ایک سال گزر جانے پر زکوۃ واجب ہوگی، اس سے پہلے زکوۃ ادا کرنا واجب نہیں ہوگا۔ (فتاوی عالمگیری)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] قابلِ زکوٰۃ اموال میں قرض کومنہا کیا جائے گا

۱۲۶۰- سوال: ایک شخص کے پاس اصل سرمایۂ تجارت، پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) روپے ہیں، وہ اپنی تجارت کو وسعت دینے کے لیے زائد رقم قرض کے طور پر لے کر تجارت کر رہا ہے، تو اب وہ زکوٰۃ نکالنے کے لیے اپنے مال کا حساب کس طرح کرے گا؟ کیا قرض کی وجہ سے اس کی زکوٰۃ میں تخفیف نہیں ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جتنا قرضہ لیا ہے، اتنی مقدار زکوۃ کے حساب میں کم کردے، مثلاً (۱۰۰۰۰) دس ہزار کا قرض لے کر وہ (۲۵۰۰۰) پچیس ہزار کا سامان تجارت لایا ہے، تو اس پر ۱۵۰۰۰ کے مال کی زکوۃ واجب ہوگی، قرض کی رقم ۱۰۰۰۰/ پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] قرض کو مالِ زکوٰۃ سے وضع کیا جائے گا

۱۲۶۱- سوال: میں ماہِ رمضان المبارک میں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، میرے پاس وہ رقم بھی موجود ہے، جو مجھے اپنی بہنوں کو بہ طور حق وراثت ادا کرنی ہے، اور میرے ذمہ وہ رقم قرض ہے، تو اس

---

[۱] وإذا كان النصاب كاملا في طرفي الحول فنقصانه فيما بين ذلك لا يسقط الزكاة كذا في الهداية. . . . قال أصحابنا - رحمهم الله تعالى -: كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة. . . ثم إنما يضم المستفاد عندنا إلى أصل المال إذا كان الأصل نصابا فأما إذا كان أقل فإنه لا يضم إليه، وإن كان يتكامل به النصاب وينعقد الحول عليهما حال وجود النصاب. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۵، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر ☆بدائع الصنائع: ۲/ ۱۳، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية ☆مجمع الأنهر: ۱/ ۲۰۷، كتاب الزكاة، فصل في زكاة الخيل، نصاب الفضة، ط: دار احياء التراث العربي)

(۲) "ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكاة عليه" . . . "وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصابا" لفراغه عن الحاجة. (الهداية: ۱/ ۱۸۶، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

کو مالِ زکوٰۃ سے کم کیا جائے گا یا اُس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہنوں کو جو رقم بہ طورِ حقِ وراثت ادا کرنی باقی ہے، وہ آپ کے ذمہ قرض ہے، لہٰذا قرض کی مقدار وضع (منہا) کرنے کے بعد بقیہ مال پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی، بہ شرطے کہ وضعِ دین کے بعد نصاب باقی ہو۔[1]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] گھریلوں اشیاء پر زکوٰۃ کا حکم

۱۲۶۲-سوال: کیا گھر کے اثاثوں یعنی کرسی ٹیبل، چارپائی، سلائی مشین وغیرہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رہائشی مکان، یا وہ مکانات جو کرایے پر دینے کے لیے بنائے گئے ہیں، یا کسبِ معاش کا جو سامان [ذریعہ وآلہ] ہے، جیسے: چکی، سلائی مشین، کاشت کاری کا ٹریکٹر، یا دو تین بیل گاڑیاں وغیرہ، ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔[2]

---

[۱] عن السائب بن يزيد، أن عثمان بن عفان رضي الله عنه، كان يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين، فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم، فتؤدوا منها الزكاة. قال محمد: وبهذا نأخذ، من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ففيه زكاة، وتلك مائتا درهم، أو عشرون مثقالا ذهبا فصاعدا، وإن كان الذي بقي أقل من ذلك، بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني المعروف بـ 'موطأ الإمام محمد': ۱/ ۱۱۴، رقم الحديث: ۳۲۳، كتاب الزكاة، باب: زكاة المال، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف، : المكتبة العلمية)

(۲) "وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة" لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية أيضا وعلى هذا كتب العلم لأهلها وآلات المحترفين لما قلنا. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۹۶، كتاب الزكاة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت ☆ الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳هـ): ۱/ ۱۰۰، كتاب الزكاة، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي ☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۲۵۳، كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية -بولاق- القاهرة ☆ العناية شرح الهداية- محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس =

البتہ اس سے جو آمدنی حاصل ہوگی اور وہ نصاب کے برابر ہوگی، تو سال مکمل ہونے پر زکوۃ اس پر واجب ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] مشینری پر زکوۃ کا حکم

۱۲۶۳- سوال: میرے پاس ایک چکی اور اس کے متعلقات ولوازمات ہیں، جن کی قیمت تقریباً دس ہزار روپیے ہوگی، وہ چکی فی الحال مستعمل ہے اور اس کی آمدنی کو میں گھر کی ضروریات میں خرچ کرتا ہوں اور جو رقم بچ جاتی ہے، تو حولان حول کے بعد میں اس کی زکوۃ ادا کر دیتا ہوں؛ لیکن مشینری اور اس کے متعلقات ولوازمات کی زکوۃ ادا نہیں کرتا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مشینری پر زکوۃ واجب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں مشینری [چکی] اور اس کے متعلقات ولوازمات وغیرہ پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔[2] البتہ اس کی جو آمدنی ہے، اس پر شرائط کے لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي (م:۷۸۶ھ): ۲/ ۱۶۴، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر☆درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م:۸۸۵ھ) مع حاشية الشرنبلالي: ۱/ ۱۷۳، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: دار إحياء الكتب العربية☆البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۲/ ۲۲۲، كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

قال العيني: (وآلات المحترفين لما قلنا) ش: إشارة إلى قوله: لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية، وآلات المحترفين مثل قدور الطباخين والصباغين وقوارير العطارين. وآلات النجارين، وظروف الأمتعة، وفي "الذخيرة" لو اشترى جوالق بعشرة آلاف درهم يؤجرها فلا زكاة فيها. (البناية شرح الهداية - أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۳/ ۳۰۲، كتاب الزكاة، زكاة المدين، قبيل: زكاة المال المضمار والمفقود والمغصوب، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) إذا آجر داره أو عبده بمائتي درهم لا تجب الزكاة مالم يحل الحول بعد القبض، في قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - فإن كانت الدار والعبد للتجارة، وقبض أربعين درهما بعد الحول، كان عليه درهم بحكم الحول الماضي قبل القبض؛ لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن مال التجارة في الصحيح من الرواية. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۱/ ۲۵۳، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) گذشتہ سوال کا حاشیہ نمبر ا ملاحظہ فرمائیں۔ (۳) گذشتہ سوال کا حاشیہ نمبر ا ملاحظہ فرمائیں۔

[۳۳] کسی کے پاس بارہ تولہ سونا ہو اور تین تولے کی قیمت کے برابر قرض ہو تو کتنی زکوۃ ادا کرے

۱۲۶۴- سوال: ایک شخص کے پاس بارہ تولہ سونا ہے اور اس کے ذمہ تین تولہ سونے کی قیمت کے برابر قرض ہے، تو اس کو کتنے تولے کی زکوۃ ادا کرنی پڑے گی؟ بارہ تولے کی یا نو تولے کی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرض منہا کرنے کے بعد، حاجت اصلیہ کے علاوہ جو کچھ بچ جائے، اور اس پر سال گذر جائے، اسی کی زکاۃ لازم ہوتی ہے، صورت مسئولہ میں صرف نو تولے کی زکوۃ ادا کرنی پڑے گی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۴] رکشا پر زکوۃ

۱۲۶۵- سوال: ایک رکشا میری ملکیت میں ہے، جسے چلا کر اپنی زندگی بسر کرتا ہوں، یومیہ ۵۰ / سے ۱۰۰ / روپیہ تک آمدنی ہے، تو کیا مجھ پر زکوۃ فرض ہے؟

---

(۱) عن علي رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول هذا الحديث، قال: فإذا كانت لك مائتا درهم، وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء - يعني - في الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا، فإذا كان لك عشرون دينارا، وحال عليها الحول، ففيها نصف دينار، فما زاد، فبحساب ذلك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۲۱، رقم الحديث: ۱۵۷۳، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، ط: مكتبة فيصل ديوبند)

عن السائب بن يزيد، أن عثمان بن عفان رضي الله عنه، كان يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين، فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم، فتؤدوا منها الزكاة. قال محمد: وبهذا نأخذ، من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ففيه زكاة، وتلك مائتا درهم، أو عشرون مثقالا ذهبا فصاعدا، وإن كان الذي بقي أقل من ذلك، بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني المعروف بـ 'موطأ الإمام محمد': ۱/ ۱۱۲، رقم الحديث: ۳۲۳، كتاب الزكاة، باب: زكاة المال، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف، : المكتبة العلمية)

وإن كان ماله أكثر من الدين زكى الفاضل إذا بلغ نصابا لفراغه عن الدين. (تبيين الحقائق: ۱/ ۲۵۵، كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق-القاهرة☆اللباب في شرح الكتاب: ۱/ ۱۳۷، كتاب الزكاة، ط: المكتبة العلمية-بيروت ☆الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۱۵، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: المطبعة الخيرية- بيروت ☆البناية: ۳/ ۳۰۱، كتاب الزكاة، باب زكاة المديون، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

رکشا پر تو زکوۃ واجب نہیں ہے۔[۱] لیکن رکشا کی آمدنی میں سے کل خرچہ نکال کر، اور اگر قرضہ ہو، تو اس کو ادا کرنے کے بعد، اتنی رقم آپ کے پاس جمع ہو جائے، جس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہو، اور اس پر ایک سال گذر جائے، مثلاً پہلی محرم کو اتنی رقم جمع ہوگئی، اب دوسرے سال پہلی محرم کو بھی اتنی ہی رقم یا اس سے زائد رقم موجود ہے، چاہے درمیان سال میں کمی بیشی ہوتی رہی ہو، تو آپ کی رقم پر زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر وہ رقم کسی نصاب کے برابر نہیں ہوئی، تو زکوۃ واجب نہ ہوگی۔[۲]

اگر رقم کم ہو؛ لیکن ساتھ میں سونے، چاندی کے زیورات ہوں، جن کا مجموعہ کسی نصاب کو پہنچ جائے،

---

(۱) (ولا في ثياب البدن) المحتاج إليها لدفع الحر والبرد ابن ملك (وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها) وكذا الكتب وإن لم تكن لأهلها إذا لم تنو للتجارة، . . . وكذلك آلات المحترفين. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: وكذلك آلات المحترفين) أي سواء كانت مما لا تستهلك عينه في الانتفاع كالقدوم والمبرد أو تستهلك، لكن هذا منه ما لا يبقى أثر عينه، كصابون وجرض الغسال، ومنه ما يبقى كعصفر وزعفران لصباغ ودهن وعفص لدباغ فلا زكاة في الأولين؛ لأن ما يأخذه من الأجرة بمقابلة العمل. وفي الأخير الزكاة إذا حال عليه الحول لأن المأخوذ بمقابلة العين كما في الفتح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۵، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن السائب بن يزيد، أن عثمان بن عفان رضي الله عنه، كان يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين، فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم، فتؤدوا منها الزكاة. قال محمد: وبهذا نأخذ، من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ففيه زكاة، وتلك مائتا درهم، أو عشرون مثقالا ذهبا فصاعدا، وإن كان الذي بقي أقل من ذلك، بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني المعروف بـ 'موطأ الإمام محمد': ۱/ ۱۱۴، رقم الحديث: ۳۲۳، كتاب الزكاة، باب: زكاة المال، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف، : المكتبة العلمية)

"الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

ومنها النصاب . . . ولكن هذا الشرط يعتبر في أول الحول وفي آخره لا في خلاله حتى لو انتقص النصاب في أثناء الحول ثم كمل في آخره تجب الزكاة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۵، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۲۰۸، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، ط: دار إحياء التراث العربي)

اوراس پر سال بھی گذر جائے، تو زکوۃ واجب ہوگی۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۳۵] نقود وشیئرز میں زکاۃ

۱۲۶۶-سوال: مرے پاس ۶/ تولہ سونا ہے، اور ایک ہزار نقد روپیہ ہے، اور ۶۰۰۰۰/ روپیہ کے شیئرز ہیں، سال گزر گیا ہے، تو ان تمام کی زکوۃ کس طرح نکالی جائے گی؟ سونے کی قیمت اور جمع شدہ شیئرز دونوں کی قیمت کو ملا کر زکوۃ ادا کی جائے گی، یا صرف پیسوں اور سونے کی زکوۃ تولہ کے اعتبار سے نکالی جائے گی یا کسی اور طریقہ سے؟

مذکورہ ملکیت کی صورت میں قربانی بھی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے پاس جو ایک ہزار روپے ہیں، ان کو چاندی کی جانب پھیرا جائے گا، اور ۶/ تولہ سونا ہے، اس کی قیمت نکال کو اس کو بھی چاندی کی جانب پھیرا جائے گا، مثال کے طور پر، ایک تولہ چاندی کے (۴۰)

---

(۳) (و) یضم (الذهب إلی الفضة) وعکسه بجامع الثمنیة (قیمة). (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدین: (قوله ویضم إلخ) أي عند الاجتماع. . . وفي البدائع أیضا أن ما ذکر من وجوب الضم إذا لم یکن کل واحد منهما نصابا بأن کان أقل، فلو کان کل منها نصابا تاما بدون زیادة لا یجب الضم؛ بل ینبغي أن یؤدي من کل واحد زکاته، فلو ضم حتی یؤدي کله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا، ولکن یجب أن یکون التقویم بما هو أنفع للفقراء رواجا وإلا یؤد من کل منهما ربع عشره (قوله: وعکسه) وهو ضم الفضة إلی الذهب، وکذا یصح العکس في قوله وقیمة العرض تضم إلی الثمنین عند الإمام کما مر عن الزاهدي، وصرح به في المحیط أیضا. . . (قوله: قیمة) أي من جهة القیمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقیل قیمتها مائة علیه زکاتها. (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۳۰۳، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، قبل: مطلب في وجوب الزکاة في دین المرصد، ط: دار الفکر - بیروت ☆البحر الرائق: ۲/ ۲۰۱-۲۰۰، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، ط: زکریا - دیوبند ☆الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۷۹، کتاب الزکاة، الباب الثالث في زکاة الذهب والفضة والعروض، ط: زکریا - دیوبند ☆المحیط البرهاني: ۲/ ۲۴۱، کتاب الزکاة، الفصل الثالث بیان مال الزکاة، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت ☆العنایة شرح الهدایة: ۲/ ۲۲۲، کتاب الزکاة، فصل في زکاة العروض، ط: دار الفکر ☆حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، ص: ۷۱۷، کتاب الزکاة، مدخل، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت ☆تبیین الحقائق: ۱/ ۲۸۰، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، ط: المطبعة الکبری الامیریة، بولاق - القاهرة)

روپے ہیں، تو ایک ہزار روپے کے ۲۵ رتولے چاندی ہوں گے۔

ارتولہ سونا کی قیمت پندرہ سو روپیہ ہے، تو ۶ رتولہ سونے کے نو ہزار روپے ہوئے، اور نو ہزار روپے کے ۲۲۵ رتولہ چاندی ہوں گے، اس طرح کل ملا کر ۲۵۰ رتولہ چاندی ہوا۔

انفع للفقراء کی خاطر سونے اور نقد پیسوں کو چاندی کی طرف پھیرا گیا ہے؛ اس لیے کہ اگر سونے کی طرف پھیرا جاتا، تو ساڑھے سات تولہ سونا نہ ہو پاتا، حالاں کہ مسئلہ یہ ہے کہ جہاں سونا اور چاندی دونوں جمع ہوں، تو انفع للفقراء کے تقاضے کے مطابق چاندی کی طرف پھیرا جائے گا۔[1]

شیئرز آمدنی کے لیے ہیں، تو آمدنی پر زکوۃ واجب ہوگی۔[2] اور اگر تجارت کے لیے ہیں، تو کل شیئرز

---

(۱) (و) يضم (الذهب إلى الفضة) وعكسه بجامع الثمنية (قيمة). (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويضم إلخ) أي عند الاجتماع. . . وفي البدائع أيضا أن ما ذكر من وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان أقل، فلو كان كل منهما نصابا تاما بدون زيادة لا يجب الضم؛ بل ينبغي أن يؤدي من كل واحد زكاته، فلو ضم حتى يؤدي كله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا، ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا وإلا يؤد من كل منهما ربع عشره (قوله: وعكسه) وهو ضم الفضة إلى الذهب، وكذا يصح العكس في قوله وقيمة العرض تضم إلى الثمنين عند الإمام كما مر عن الزاهدي، وصرح به في المحيط أيضا. . . (قوله: قيمة) أي من جهة القيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۰۳، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، قبل: مطلب في وجوب الزكاة في دين المرصد، ط: دار الفكر- بيروت☆البحر الرائق: ۲/ ۲۰۱-۲۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: زكريا- ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، ط: زكريا- ديوبند☆المحيط البرهاني: ۲/ ۲۳۱، كتاب الزكاة، الفصل الثالث بيان مال الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆العناية شرح الهداية: ۲/ ۲۲۲، كتاب الزكاة، فصل في زكاة العروض، ط: دار الفكر☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ۷۱۷، كتاب الزكاة، مدخل، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆تبيين الحقائق: ۱/ ۲۸۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: المطبعة الكبرى الاميرية، بولاق- القاهرة)

(۲) یعنی شیئرز کا اصل مقصد سالانہ منافع حاصل کرنا ہے، تو اس صورت میں زکاۃ، شیئرز کی مارکیٹ قیمت کے اس حصے پر واجب ہوگی، جو قابل زکاۃ اثاثوں کے مقابلے میں ہوگی، مثلاً: شیئرز کی مارکیٹ ویلیو سو روپیہ ہے، جس میں سے ساٹھ روپے بلڈنگ اور مشینری کے مقابل میں ہیں، اور چالیس روپے خام مال، تیار مال اور نقد روپے کے مقابلے میں ہیں، تو اس صورت میں چوں کہ ان شیئرز کے ۴۰ رروپے قابل زکاۃ حصوں کے مقابلے میں ہیں، اس لیے صرف چالیس روپے کی زکاۃ ڈھائی فی صد کے حساب سے ایک روپیہ ہوگی، اور ساٹھ روپے کی زکاۃ واجب نہ ہوگی۔ (دیکھیے، فقہی مقالات: ۱/ ۱۵۵، مضمون نمبر: ۴، شیئرز کی خرید و فروخت، شیئرز پر زکاۃ کا مسئلہ، ط: میمن اسلامک پبلیشرز، کراچی) =

کی قیمت پر یعنی ۶۰۰۰۰/ پر زکوۃ ہوگی۔[۱]

جس پر زکوۃ واجب ہے، اس پر قربانی بھی واجب ہوگی۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۶] بینک وغیرہ میں جمع شدہ رقم بہ قدرِ نصاب ہو، تو زکوۃ واجب ہوگی

۱۲۶۷- سوال: اگر کسی نے تدریجاً موقع بہ موقع بینک میں پیسے جمع کروائے اور چار پانچ سال کی مدت میں وہ رقم اتنی بڑھ گئی کہ اس سے چاندی کا نصاب پورا ہوجاتا ہے، اگر جمع کرانے والا ایسی حالت میں ہو کہ زمین کی پیداوار استعمال نہ کرتا ہو اور مشترکہ گھر میں بیک وقت ملازمت کی وجہ سے رہتا نہ ہو، تو کیا اس جمع شدہ رقم پر- جو نصاب کے بہ قدر ہے- زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ فتاویٰ دارالعلوم[۳] اور

= ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها ويؤاجرها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب في بيوت الغلة. (الفتاوى الهندية:۱/ ۱۸۰، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب كذا في الهداية. . . ولو أن نخاسا يشتري دواب أو يبيعها فاشترى جلاجل أو مقاود أو براقع فإن كان بيع هذه الأشياء مع الدواب ففيها الزكاة، وإن كانت هذه لحفظ الدواب بها فلا زكاة فيها كذا في الذخيرة. وكذلك العطار لو اشترى القوارير، ولو اشترى جوالق ليؤاجرها من الناس فلا زكاة فيها؛ لأنه اشتراها للغلة لا للمبايعة كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية:۱/ ۱۸۰-۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

(۲) وشرائطها [الأضحية]: الإسلام والإقامة واليسار الذي يتعلق به) وجوب (صدقة الفطر) [الدر المختار]

قال ابن عابدين: (قوله واليسار إلخ) بأن ملك مائتي درهم أو عرضا يساويها غير مسكنه وثياب اللبس أو متاع يحتاجه إلى أن يذبح الأضحية ولو له عقار يستغله فقيل تلزم لو قيمته نصابا. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۱۲، أول كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

(۳) سوال نمبر ۱: جو روپیہ ڈاک خانہ میں تین سال سے جمع ہوں، اس پر زکوۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال نمبر ۲: جو روپیہ کسی بینک کو بہ طور قرض دیا گیا ہے، اس پر زکوۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال نمبر ۳: جو روپیہ گورنمنٹ کو قرض دیا گیا ہے، اس پر زکوۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال نمبر ۴: جو روپیہ لین دین میں لگایا جاتا ہے اور قرض دیا جاتا ہے، اس پر زکوۃ کا حکم ہے؟

جواب: (۱ تا ۴) ان سب صورتوں میں زکوۃ کا حکم یہ ہے کہ بعد وصول ہونے کے سنین گزشتہ کی بھی زکوۃ دینی واجب ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۶/ ۳۳-۱۳۴، سوال نمبر: ۲۰۳-۲۰۶، کتاب الزکاۃ، سونا، چاندی اور نقد کی زکوۃ، ڈاک خانہ میں جمع شدہ روپے کی زکوۃ وغیرہ، ط: دارالعلوم-دیوبند)

فتاویٰ رحیمیہ [1] میں سرکاری بینک، پوسٹ آفس (ڈاک خانہ) وغیرہ میں جمع شدہ رقم پر زکوۃ کے وجوب کا فتویٰ دیا گیا ہے، وہ کیوں کر؟

الجواب حامدا و مصلیا:

مرد ہو یا عورت، اگر اس کے پاس ضرورت سے زائد مال، چاندی یا سونا میں سے کسی نصاب کو پہنچ جائے، اور اس پر سال گذر جائے، تو زکوۃ واجب ہوگی، خواہ وہ مال میراث میں آیا ہو یا ملازمت کی وجہ سے حاصل ہوا ہو یا کھیتی باڑی کی وجہ سے یا کسی اور ذریعہ سے ہو۔ [2]

فتاویٰ دار العلوم اور فتاویٰ رحیمیہ میں سرکاری بینک اور ڈاک خانے کی رقم پر وجوب زکوٰۃ کے سلسلے میں جو لکھا ہے، وہ بالکل درست ہے۔

اسی طرح کھیتی باڑی، ملازمت، ہدیہ اور تحفہ وتحائف کی مجموعی رقم، نصاب کے بہ قدر ہو جائے، اور

---

(۱) سوال: بینک میں رقم رکھی ہوئی ہے، ایک برس اس پر گذر گیا، تو زکوۃ ہے یا نہیں؟

جواب: اگر صاحب نصاب ہے، تو زکوۃ واجب ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۷۶/۷، کتاب الزکاۃ، بینک کی جمع شدہ رقم پر سال گذر جائے، تو کیا حکم ہے؟ ط: دار الاشاعت - کراچی)

[۲] "الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما و حال عليه الحول". (الهداية: ۱۸۵/۱، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(وسببه) أي سبب افتراضها (ملك نصاب حولي) نسبة للحول لحولانه عليه (تام) ... (فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد) ... (و) فارغ (عن حاجته الأصلية) لأن المشغول بها كالمعدوم... (نام ولو تقديرا) [الدر المختار على رد المحتار: ۲۵۹/۲ - ۲۶۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر]

أموال الزكاة أنواع ثلاثة أحدها: الأثمان المطلقة وهي الذهب والفضة، والثاني: أموال التجارة وهي العروض المعدة للتجارة، والثالث: السوائم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود، الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱۶/۲، كتاب الزكاة، فصل الأثمان المطلقة وهي الذهب والفضة، ط: دار الكتب العلمية)

الزكاة واجبة في الذهب والفضة... إذا بلغت الفضة مائتي درهم والذهب عشرين مثقالا... ويضم الذهب إلى الفضة، والفضة إلى الذهب، ويكمل إحدى النصابين بالآخر عند علمائنا... يريد به أن يقوم الذهب بالدراهم و ينظر إن بلغ نصابا بالدراهم، تجب فيها الزكاة، وإلا فلا. (الفتاوى التاتار خانية: ۱۵۸/۳ - ۱۵۴، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في زكاة المال، ط: زكريا - ديوبند)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱۷۹/۱، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

اس پر سال گذر جائے، تو زکوۃ واجب ہو جائے گی، ہاں اگر نصاب سے ذرا بھی کم ہو، تو وجوبِ زکوۃ کا حکم نہیں ہوگا۔ (۱)

اگر مختلف نوعیت کا نصاب ہو، یعنی سونا ایک تولہ اور ۳۰۰ / یا ۴۰۰ روپے ہوں، تو انفع للفقراء کے پیشِ نظر چاندی کے نصاب کی طرف پھیرا جائے گا، اگر سونا اور نقد رقم کا مجموعہ چاندی کے نصاب کو پہنچ جاتا ہے، تو زکوۃ واجب ہوگی۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۷] زکوۃ کے متعلق چند سوالات

۱۲۶۸- سوال: ہم فی الحال زمبابوے میں مقیم ہیں، ہمیں درج ذیل چند سوالات کے جواب مطلوب ہیں، مہربانی فرما کر جواب مرحمت فرمائیں۔

(۱) ہم لوگ انڈیا یا دوسرے ممالک سے سونا خرید کر زیورات بناتے ہیں اور قیمتِ خرید بہت زیادہ ہوتی ہے، جب کہ قیمتِ فروخت بہت کم ہوتی ہے، گو یا جس وقت ہم نے سونا لیا تھا، اس وقت اس کی قیمت زیادہ تھی، اب (استعمال کی وجہ سے) اس کی قیمت کم ہو گئی ہے، تو ہمیں زکوۃ دیتے وقت کون سی قیمت کا اعتبار کرنا چاہیے، قیمتِ خرید کا یا قیمتِ فروخت کا، نیز اس کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، تو ہمیں کس حساب سے زکوۃ ادا کرنی چاہیے؟

(۲) ہم گھر خریدنا چاہتے ہیں، جس کی شدید ضرورت ہے؛ لیکن ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں، جو اس کے لیے کافی ہو سکے، اگر بینک یا کسی دوسرے ذریعے سے قرض حاصل کرتے ہیں، تو رقم سود پر ملتی

---

(۱) "ليس فيما دون مائتي درهم صدقة" لقوله عليه الصلاة والسلام "ليس فيما دون خمس أواق صدقة" والأوقية أربعون درهما" فإذا كانت مائتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم" لأنه عليه الصلاة والسلام كتب إلى معاذ رضي الله عنه "أن خذ من كل مائتي درهم خمسة دراهم ومن كل عشرين مثقالا من ذهب نصف مثقال". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۱۰۳، باب زكاة المال، فصل في الفضة، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

(۲) "الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب" لقوله عليه الصلاة والسلام فيها" يقومها فيؤدي من كل مائتي درهم خمسة دراهم" ولأنها معدة للاستنماء بإعداد العبد فأشبه المعد بإعداد الشرع وتشترط نية التجارة ليثبت الإعداد. ثم قال: "يقومها بما هو أنفع للمساكين" احتياطا لحق الفقراء. (حوالہ سابق: ۱/ ۱۰۳، باب زكاة المال، فصل في العروض)

ہے، تو کیا اس صورت میں، شریعت کی رو سے، ہمارے لیے سود پر پیسہ حاصل کر کے مکان خرید نا جائز ہے ؟

(۳) ہم پر زمبابوے میں زکوۃ فرض ہوئی اور ہمیں اس کو انڈیا میں انڈین کرنسی میں بدل کر دینا ہو، تو کس طرح دیں گے؟ سوال کی وجہ یہ ہے کہ زمبابوے کا ڈالر انڈیا کے روپیہ سے نوگنا زیادہ ہے۔

(۴) ہم زکوۃ کے پیسے انڈین کرنسی میں تبدیل کر کے انڈیا بھیجنا چاہتے ہیں؛ لیکن قانون کے مطابق ہم وہ پیسے نہیں بھیج سکتے، تو کیا ہم غیر قانونی طور پر زیادہ نرخ پر، وہ پیسے بھیج سکتے ہیں؟ مثلا: قانونا بھیجا جائے، تو دوسو زمبابوے ڈالر کے، سرکاری نرخ کے مطابق، اٹھارہ سو ہندوستانی روپے ہوں گے، لیکن غیر قانونی طور پر بھیجا جائے، تو دوسو کے صرف نوسو ہندوستانی روپے ملیں گے۔ الغرض اس طرح بھیجنے میں جو کچھ کمی ونقصان آئے، کیا ہم اس کو زکوۃ میں منہا کر سکتے ہیں؟

(۵) کیا ہم للہ پیسے مذکورہ طریقہ سے بھیج سکتے ہیں؟

(۶) فی الحال سال کے شروع میں ہمارے پاس ۱۰۰۰/ڈالر ہے، اور سال کے اخیر میں وہ بڑھ کر ۵۰۰۰/ (پانچ ہزار) ہو جائیں، تو کیا ہم زکوۃ ۵۰۰۰ (ایک ہزار) کی زکوۃ دیں گے، یا ۱۰۰۰/کی، واضح رہے کہ ۵۰۰۰/ پر ابھی حولان حول نہیں ہوا ہے۔

(۷) سونا کا بھاؤ ایک حال پر نہیں رہتا، عموما خریدی مہنگی ہوتی ہے، اور بیچتے وقت اس کی قیمت (استعمال کی وجہ سے) کم ہو جاتی ہے، تو ہم کس کا اعتبار کر کے زکوۃ ادا کریں؟

(۸) ایک شخص قرض دار ہے، لیکن اس کے پاس تھوڑا سونا ہے، تو اب وہ زکوۃ کس طرح ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) زکوۃ کی ادائیگی کے وقت سنار کے پاس جا کر زیورات کی قیمت معلوم کی جائے، وہ جو قیمت بتلائے، اس کے مطابق زکوۃ ادا کی جائے۔[1]

---

(۱) وإن أدى القيمة تعتبر قيمتها يوم الوجوب. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۰، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

ولو ازدادت قيمتها قبل الحول تعتبر قيمتها وقت الوجوب بالإجماع. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۱۷۰، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في بيان زكاة عروض التجارة، ط: مكتبة زكريا-ديوبند)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا يوم الأداء. وفي السوائم يوم الأداء إجماعا، وهو الأصح، ويقوم في البلد =

(۲) اگر جان و مال کی حفاظت کے لیے مسلم علاقہ میں گھر ملتا ہو، تو سود پر رقم لے کر گھر خرید سکتے ہیں؛ لیکن اس کو گناہ سمجھ کر اللہ سے توبہ کرتے رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ دلوں کی بات جانتے ہیں۔[۲]

(۳) جتنے ڈالر پر زکوۃ فرض ہے، اس کا چالیسواں حصہ زکاۃ میں نکالنا ضروری ہے، خواہ وہ چالیسواں حصہ زمبابوے کے ڈالروں سے ادا کریں، یا اس چالیسواں حصہ کے مقابلے میں جو روپے گورنمنٹ کے نرخ کے مطابق ہندوستان میں ملے، ان سے ادائیگی کریں، دونوں صورتیں درست ہیں۔[۳]

(۴) اس طرح زکاۃ کی ادائیگی میں رقم کی ادائیگی میں جو کمی واقع ہو رہی ہے، اس کو زکوۃ سے منہا نہیں کیا جائے گا، بل کہ سرکاری نرخ کے مطابق جو رقم بنتی ہو، اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔[۴]

=الذي المال فيه ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه، فتح. (الدر المختار: ۲/۸۶-۲۸۵) ـــــــ وقال ابن عابدين: (قوله وهو الأصح) أي كون المعتبر في السوائم يوم الأداء إجماعا هو الأصح فإنه ذكر في البدائع أنه قيل إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل يوم الأداء. اهـ ـــــ وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح اهـ فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما، وعليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقا عليه عنده وعندهما (قوله: ويقوم في البلد الذي المال فيه) فلو بعث عبدا للتجارة في بلد آخر يقوم في البلد الذي فيه العبد بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

(۲) وفي القنية والبغية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (انتهى)

وفي حاشية الحموي: وذلك نحو أن يقترض عشرة دنانير مثلا ويجعل لربها شيئا معلوما في كل يوم ربحا. (الأشباه والنظائر: ۱/۳۲۷، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، ط: فقيه الأمة- ديوبند)

(۳) المال الذي تجب فيه الزكاة أدى زكاته من خلاف جنسه أدى قدر قيمة الواجب إجماعا. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۰، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

(۴) اصل میں جس قدر زکاۃ واجب ہو، اتنی مقدار کا مستحق زکوۃ کو مالک بنانا ضروری ہے، مذکورہ صورت میں زمبابوے کے اگر دو سو ڈالر واجب ہوئے، جو سرکاری نرخ کے حساب سے ہندوستانی اٹھارہ سو روپے کے برابر ہیں، اور غیر قانونی طور پر بھیجنے میں مستحق کو صرف نو سو روپے ملے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نو سو روپے ہی فقرا تک پہنچے، نہ کہ اٹھارہ سو، لہٰذا مزید نو سو ہندوستانی روپے بطور زکوۃ نکالنا ضروری ہوگا، اس کی مثال ہمارے یہاں منی آرڈر کے ذریعے پیسے بھیجنے کی ہے، کہ منی آرڈر کی فیس زکوۃ سے منہا نہیں کی جا سکتی، درج ذیل سوال و جواب سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

سوال: زکوۃ کا روپیہ اگر بذریعہ منی آرڈر روانہ کیا جاوے، تو فیس منی آرڈر اس میں سے دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بذریعہ منی آرڈر بھیجنا زکوۃ کے روپے کا، درست ہے، مگر فیس منی آرڈر علاحدہ اپنے پاس سے دینی چاہیے۔

استاذ گرامی، آفتاب فقہ دار العلوم دیوبند کے عظیم مفتی، حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے کی وضاحت کرتے =

(۵) اللہ میں کوئی خاص عدد متعین نہیں ہوتا۔ (۵)

(۶) ۵۰۰۰/ روپے، جو سال کے اخیر میں بچ گئے ہیں، ان پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (۶)

(۷) جس دن زکوۃ ادا کرنی ہو اس دن سنار کے پاس جا کر کر اندازہ لگا کر اس کے حساب سے ادا کی جائے گی۔ (۷)

(۸) سونا، چاندی اور ضرورت سے زائد نقود کا مجموعہ، دین کو منہا کر کے، اگر بہ قدر نصاب بچ جائے، تو زکوۃ واجب ہوگی، اور قرض کے بہ قدر مالیت منہا کرنے کے بعد باقی مال کا چالیسواں حصہ ادا کرنا لازم

= ہوئے لکھتے ہیں: ''اور یہ مسلّم ہے کہ فیس منی آرڈر، فقراء کو نہیں ملتی؛ اس لیے وہ زکوۃ میں شمار نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔'' (فتاویٰ دارالعلوم: ۶/ ۲۳۵-۲۳۴، متفرق مسائل زکوۃ، سوال نمبر: ۲۱۱، زکوۃ کی رقم بہ ذریعہ ڈاک بھیجنے میں فیس کہاں سے دی جائے، ط: زکریا- دیوبند)

ويقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه ، فتح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۸۶/۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان ''زامبیا کے ''کوچوں'' کو ہندوستان کے ''روپیوں'' میں تبدیل کر کے زکوۃ ادا کرنا''۔

(۵) يستحب أن يتصدق بما تيسر، ولا يستقله، ولا يمتنع من الصدقة به لقلته وحقارته، فإن قليل الخير كثير عند الله تعالى، وما قبله الله تعالى وبارك فيه، فليس هو بقليل، قال الله تعالى: ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره﴾ [الزلزال]، وفي الصحيحين عن عدي بن حاتم: اتقوا النار ولو بشق تمرة، وفي الصحيحين أيضا عن أبي هريرة: يا نساء المسلمات لا تحقرن جارة أن تهدي لجارتها ولو فرسن شاة، والفرسن من البعير والشاة كالحافر من غيرهما. وروى النسائي وابن خزيمة وابن حبان عن أبي هريرة: سبق درهم مائة ألف درهم، فقال رجل: وكيف ذاك يا رسول الله؟ قال: رجل له مال كثير أخذ من عرضه - جانبه - مائة ألف درهم تصدق بها، ورجل ليس له إلا درهمان، فأخذ أحدهما، فتصدق به. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۹۱۸/۲، الزكاة وأنواعها، الفصل الثالث: صدقة التطوع، سادسا: التصدق بما تيسر، ط: دار الفكر)

(۶) فأما المستفاد في خلال الحول فهل يشترط له حول على حدة، أو يضم إلى الأصل، فيزكى بحول الأصل؟... والمستفاد في الحول لا يخلو إما أن كان من جنس الأصل، وإما أن كان من خلاف جنسه.______ فإن كان من خلاف جنسه كالإبل مع البقر والبقر مع الغنم فإنه لا يضم إلى نصاب الأصل بل يستأنف له الحول بلا خلاف وإن كان من جنسه فأما إن كان متفرعا من الأصل أو حاصلا بسببه كالولد والربح، وأما لم يكن متفرعا من الأصل ولا حاصلا بسببه كالمشترى والموروث والموهوب والموصى به فإن كان متفرعا من الأصل أو حاصلا بسببه يضم إلى الأصل ويزكى بحول الأصل بالإجماع.______ وإن لم يكن متفرعا من الأصل ولا حاصلا بسببه فإنه يضم إلى الأصل عندنا. (بدائع الصنائع: ۱۴/۲، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية)

(۷) حاشیہ نمبر (۱) ملاحظہ کریں۔

ہوگا، اگر قرض وضع کرنے کے بعد نصاب کے بہ قدر مال نہ بچے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ مثلاً: سونے، چاندی اور نقود کا مجموعہ ۵۰۰۰ رہو، اور ۲۰۰۰ رقرض ہو، تو دو ہزار قرض منہا کر کے، صرف ۳۰۰۰ (تین ہزار) کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔"[1] [نوٹ: جس زمانے میں یہ فتویٰ لکھا گیا ہے، اس زمانے میں شاید دو ہزار روپے نصاب کے بہ قدر رہے ہوں گے، گرچہ یہ مثال ہے؛ لیکن اسی زمانے کے اعتبار سے ہے] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۸] کسی کے پاس سونے کے ساتھ کچھ نقد بھی ہو، تو زکوٰۃ دونوں پر ہوگی یا کسی ایک پر؟

۱۲۶۹- سوال: میرے پاس سات تولہ سونا ہے، اور تیس ہزار روپے نقد ہیں، تو دونوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا کسی ایک کی؟ اس باب میں حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

سونے کے نصاب سے آپ کے پاس نصف تولہ سونا کم ہے، لہٰذا سات تولہ سونے کی قیمت بازار سے معلوم کر کے اُس کی قیمت نقد میں ملا کر (سونے اور چاندی میں سے کسی بھی نصاب کے بہ قدر ہو، تو) دونوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، اور اگر آپ کے پاس چاندی کے بھی زیوارت ہوں، تو اس کی قیمت کو بھی شمار کیا جائے گا اور کل مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن السائب بن يزيد، أن عثمان بن عفان رضي الله عنه، كان يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين، فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم، فتؤدوا منها الزكاة. قال محمد: وبهذا نأخذ، من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ففيه زكاة، وتلك مائتا درهم، أو عشرون مثقالا ذهبا فصاعدا، وإن كان الذي بقي أقل من ذلك، بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني المعروف بـ 'موطأ الإمام محمد': ۱/ ۱۱۴، رقم الحديث: ۳۲۳، كتاب الزكاة، باب: زكاة المال، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف، : المكتبة العلمية)

"ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكاة عليه" وقال الشافعي رحمه الله تجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام ولنا أنه مشغول بحاجته الأصلية فاعتبر معدوما كظماء المستحق بالعطش وثياب البذلة والمهنة" وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصابا" لفراغه عن الحاجة. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۹۵، أول كتاب الزكاة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

(۲) (قوله: وتضم قيمة العروض إلى الثمنين والذهب إلى الفضة قيمة) أما الأول فلأن الوجوب في الكل باعتبار التجارة، وإن افترقت جهة الإعداد، وأما الثاني فللمجانسة من حيث الثمنية، ومن هذا الوجه صار سببا، وضم إحدى=

[۳۹] کرایہ پر دی ہوئی زمین میں، زکوٰۃ' زمین کی قیمت پر واجب ہوگی یا کرایہ پر؟

۱۲۷۰- سوال: (۱) ہم نے اپنے ایک رشتہ دار کے ساتھ حصہ داری میں پولٹری فارم (مرغیوں کے پالنے کا کام) شروع کیا ہے، جس کی زمین میری ملکیت میں ہے، اور میں اپنے حصہ دار سے اُس زمین کا سالانہ کرایہ وصول کرتا ہوں، دریافت یہ کرنا ہے کہ اُس میں زکاۃ، کرایہ پر واجب ہوگی یا زمین کی قیمت پر؟

(۲) پولٹری فارم میں مرغیوں کو رکھنے کے لیے جو تعمیری کام ہوا ہے، اُسے سات سال ہو چکے ہیں، تو زکوٰۃ میں اُس تعمیر کی قیمت کا حساب کیسے کیا جائے گا؟

(۳) اگر کسی کی دوکان ہے، تو دوکان کی عمارت کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا صرف دوکان کے مالِ تجارت پر؟

(۴) زکوٰۃ کی رقم میں حیلہ کر کے اُسے مسجد یا مدرسہ میں استعمال کرنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) پولٹری فارم کی زمین، آمدنی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ اموالِ تجارت میں نہیں ہے، البتہ اُس زمین کا جو سالانہ کرایہ ہے، مجموعۂ مال میں شمار کر کے اس کی زکوٰۃ حسب ضابطہ واجب ہوگی، اسی طرح ہر وہ چیز، جو آمدنی حاصل کرنے کا ذریعہ ہو، اور خود فروخت کے لیے نہ ہو، مثلاً: زمین، جس پر دوکان ہے، یا مشین، جس کے ذریعہ کام لیا جاتا ہو، تو اُن پر زکوٰۃ نہیں ہے، اگر ان اشیاء میں تجارت کی نیت کی ہے، تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اور پولٹری فارم کی زمین میں آپ کی نیت، اُسے بیچنے کی نہیں ہے؛ لہٰذا اُس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ [1]

(۲) پولٹری فارم کی تعمیر بھی آمدنی حاصل کرنے کے ذرائع میں داخل ہے، لہٰذا اُس پر بھی زکوٰۃ

=النقدين إلى الآخر قيمة مذهب الإمام، وعندهما الضم بالأجزاء، وهو رواية عنه، حتى إن من كان له مائة درهم وخمسة مثاقيل ذهب تبلغ قيمتها مائة درهم فعليه الزكاة عنده. (البحر الرائق: ۱/ ۲۰۰-۲۰۱، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: زكريا-ديوبند☆الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۲۳۴، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: زكريا- ديوبند☆الفتاوى التاتارخانية: ۲/ ۱۸۵، الفصل الثاني في زكاة المال، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب و الفضة، ط: زكريا-ديوبند☆بدائع الصنائع: ۲/ ۱۰۷، كتاب الزكاة، فصل في مقدار الواجب، ط: زكريا- ديوبند)

(۱) حاشیہ نمبر ۱ اور ۲ ایک ساتھ اگلے صفحہ پر =

واجب نہیں ہوگی۔ [۲]

(۳) دوکان کی عمارت بھی آمدنی حاصل کرنے کا ذرائع میں داخل ہے، اس پر بھی زکوۃ واجب نہیں۔ [۳]

(۴) بغیر کسی مجبوری کے حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۰] دانتوں میں استعمال شدہ سونے پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

۱۲۷۱-سوال: دانت بنوانے، دانتوں میں تار بندھوانے یا دانتوں کا خلا پُر کرنے کے لیے

(۱-۲) (ولا في ثياب البدن) المحتاج إليها لدفع الحر والبرد ابن ملك (وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها) وكذا الكتب وإن لم تكن لأهلها إذا لم تنو للتجارة، ... وكذلك آلات المحترفين. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: وكذلك آلات المحترفين) أي سواء كانت مما لا تستهلك عينه في الانتفاع كالقدوم والمبرد أو تستهلك، لكن هذا منه ما لا يبقى أثر عينه، كصابون وجرض الغسال، ومنه ما يبقى كعصفر وزعفران لصباغ ودهن وعفص لدباغ فلا زكاة في الأولين؛ لأن ما يأخذه من الأجرة بمقابلة العمل. وفي الأخير الزكاة إذا حال عليه الحول لأن المأخوذ بمقابلة العين كما في الفتح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۵، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) إذا آجر داره أو عبده بمائتي درهم لا تجب الزكاة ما لم يحل الحول بعد القبض، في قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - فإن كانت الدار والعبد للتجارة، وقبض أربعين درهما بعد الحول، كان عليه درهم بحكم الحول الماضي قبل القبض؛ لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن مال التجارة في الصحيح من الرواية. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۱/ ۲۵۳، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة، ط: زكريا - ديوبند)

(۴) مذهب علمائنا - رحمهم الله تعالى - أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة، والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى {وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث} [ص: ۴۴] وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي - عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام - عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۶/ ۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل، ط: دار الفكر)

استاذ گرامی، آفتاب فقہ، دار العلوم دیوبند کے عظیم مفتی، حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی - رحمہ اللہ - اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ زکوۃ کے مصارف متعین ہیں، حیلہ کے بعد جو اصل مستحق ہیں، وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔ (فتاوی دار العلوم: ۶/ ۱۹۹، حاشیہ نمبر: ۲، مسائل مصارف زکاۃ، حیلہ کے ذریعے زکاۃ کی رقم تبلیغ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ ط: زکریا - دیوبند) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

سونے کا استعمال کیا گیا ہو، تو اُس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

جس مرد یا عورت نے سونے کے دانت بنوائے ہوں، سونے کا تار لگوایا ہو، یا سونے کے ذریعے دانتوں کے درمیان کا خلا پُر کیا گیا ہو، اگر وہ پہلے سے نصاب کا مالک ہو، یا دانتوں میں لگے ہوئے سونے کو ملا کر وہ مالکِ نصاب بن جاتا ہو، تو اُس پر زکوۃ واجب ہوگی، ایسے شخص کے پاس اگر کچھ چاندی موجود ہے اور دانتوں میں لگے ہوئے سونے کی قیمت اُس چاندی کے ساتھ ملائی جائے، تو وہ نصاب تک پہنچ جاتی ہے، تب بھی اُس پر زکوۃ واجب ہوگی، اسی طرح صرف وہ سونا جو دانتوں میں لگا ہوا ہے، ساڑھے سات تولہ تک پہنچ جائے، تو اُس پر بھی زکوۃ واجب ہوگی، یعنی کسی نے تمام دانت سونے کے بنوا لیے ہوں اور وہ سونا ساڑھے سات تولہ کے برابر ہوگیا، تو اُس پر زکوۃ واجب ہوگی۔[1]

سونے کے دانت بنوانا حاجتِ اصلیّہ میں داخل نہیں ہے، حاجتِ اصلیّہ ایسی حاجت کو کہا جاتا ہے، جس کے بغیر انسان زندہ نہ رہ سکتا ہو، مثلاً کھانے اور پینے کا سامان، رہنے کے لیے گھر، گرمی، سردی اور بارش

---

(۱) عن علي رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول هذا الحديث، قال: فإذا كانت لك مائتا درهم، وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء - يعني - في الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا، فإذا كان لك عشرون دينارا، وحال عليها الحول، ففيها نصف دينار، فما زاد، فبحساب ذلك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۲۱، رقم الحديث: ۱۵۷۳، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، ط: مكتبة فيصل ديوبند)

نصاب الذهب عشرون مثقالا. (الدر مع الرد: ۲/ ۲۹۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر)

الزكاة واجبة في الذهب والفضة، مضروبة كانت أو غير مضروبة، نوى التجارة أو، لا إذا بلغت الفضة مائتي درهم، والذهب عشرين مثقالاً، وإذا نقص نقصاناً لا يسير أيدخل بين الوزنين لا تجب الزكاة إن كان كاملاً في حق غيره، هكذا ذكر القدوري في كتابه، وهذا لأن الزكاة إنما تجب على المال، فيعتبر كمال النصاب في حقه، فإذا كان ناقصاً في حقه لا تجب الزكاة. (المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في بيان مال الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۱۵۴، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: زكريا - ديوبند)

هذا إذا كان له فضة مفردة أو ذهب مفرد. ــــــ فأما إذا كان له الصنفان جميعا فإن لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان له عشرة مثاقيل ومائة درهم فإنه يضم أحدهما إلى الآخر في حق تكميل النصاب عندنا. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۰۶، كتاب الزكاة، فصل في مقدار الواجب، ط: زكريا - ديوبند)

سے بچنے کے لیے کپڑے وغیرہ حاجاتِ اصلیہ میں داخل ہوں گے۔ (رد المحتار: ۲/ ۲۶۲)[۲]

فقہاء کے اختلاف کے پیش نظر عبادات میں احتیاط کے پہلو پر عمل اولی ہے، لہذا دانتوں میں لگے ہوئے سونے پر زکوۃ واجب ہوگی۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۲] حوائج اصلیہ کی تشریح یوں کی گئی ہے:

(و) فارغ (عن حاجته الأصلية) لأن المشغول بها كالمعدوم. وفسره ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك تحقيقا كثيابه أو تقديرا كدينه. (الدر المختار)ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله وفسره ابن ملك) أي فسر المشغول بالحاجة الأصلية والأولى فسرها، وذلك حيث قال: وهي ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد أو تقديرا كالدين، فإن المديون محتاج إلى قضائه بما في يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذي هو كالهلاك وكآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها فإن الجهل عندهم كالهلاك، فإذا كان له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج صارت كالمعدومة، كما أن الماء المستحق بصرفه إلى العطش كان كالمعدوم وجاز عنده التيمم. اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۲، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) حاجت اصلیہ کی جو تشریح کی گئی ہے، اس کی روشنی میں دانتوں میں استعمال شدہ سونے پر زکوۃ واجب نہیں ہونی چاہیے، علمائے دیو بند کے متعدد فتاویٰ میں بھی یہی ہے کہ زکوۃ واجب نہ ہوگی، چند فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: اکثر لوگ، دانت سونے کے تاروں سے بندھوا لیتے ہیں، یا کھوکھلے دانت کے اندر سونا بھروا لیتے ہیں، سونے کی ناک بنوا کر چہرے پر لگاتے ہیں، اور یہ ناک بلا حرج جدا بھی ہوسکتی ہے، لیکن دانت میں سے اس طرح سونا جدا نہیں ہوسکتا، سوال یہ ہے کہ آیا صاحب نصاب پر اس سونے میں بھی زکوۃ ہوگی؟

جواب: في الدر المختار بعد عد الجزئيات المتعددة التي لا فيها الزكاة مانصه لعدم النمو في رد المحتار: لأنه غير متمكن من الزيادة، الخ. (۲/ ۱۴) اس تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ناک میں تو زکوۃ واجب ہے، اور جو سونا دانت میں لگا یا بھرا ہے، اس میں واجب نہیں۔ (امداد الفتاوی: ۲/ ۴۹، رقم المسئلۃ: ۷۷، کتاب الزکاۃ والصدقات، سونے کی ناک یا دانتوں پر زکوۃ۔ ط: زکریا - دیو بند)

استاذ محترم، فقیہ العصر، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

بعض حالات میں اور بعض خاص مصلحت کے پیش نظر سونے چاندی کے مصنوعی اعضاء کا استعمال کیا جاتا ہے، جیسے: ناک، دانت، کھوکھلے دانتوں کا سونے چاندی سے بھرنا، سونے کے تاروں سے دانت کو باندھنا وغیرہ، ان میں سے بعض کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ ان کو آسانی سے نکالا جاسکتا ہے اور ان کو رکھا ہی اس طرح جاتا ہے کہ ان کو لگایا اور نکالا جاسکے، جب کہ بعض اعضاء میں یہ دھاتیں اس طرح فٹ کی جاتی ہیں کہ ان کو آسانی سے نکالا نہیں جاسکتا، بل کہ وہ مستقل طور پر لگا دی جاتی ہیں۔

جو اعضاء نکالے جاسکتے ہیں، جیسے کہ ناک وغیرہ، ان میں تو زکوۃ واجب ہوگی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیورات میں زکوۃ=

[۴۱] حادثے کی بناء پر ملنے والے سرکاری معاوضہ پر سود وزکوٰۃ کا حکم

۱۲۷۲- سوال: (۱) ایک مرتبہ میرے ساتھ دوران سفر حادثہ پیش آیا، جس پر حکومت کی جانب سے ایک رقم بطور فکس ڈپوزٹ کے میرے نام بینک میں جمع کی گئی ہے، اپنے نام پر ہونے کے باوجود میں قانوناً سات سال تک اس رقم کو استعمال نہیں کرسکتا، سات سال کے بعد ہی میں اُس کا حق دار بنوں گا، سات سال تک ضرورت کے باوجود اُسے میں نہیں لے سکتا، بینک کی جانب سے اُس رقم پر ہر چھ مہینے یا سال کے ختم پر کچھ رقم دی جاتی ہے، جس کے بارے میں میرا غالب گمان یہی ہے کہ وہ سود ہی ہوگا، تو میرے لیے اُن پیسوں کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ چوں کہ آپ نے اپنی رضامندی سے بینک میں یہ رقم جمع نہیں کی؛ بل کہ بالجبر آپ کی رقم بینک میں لی گئی ہے؛ لہٰذا اُس پر ملنے والے پیسے آپ کے لیے لینا جائز ہے، کیا ازروئے شریعت میرے لیے اُس رقم کو لینا جائز ہے؟

(۲) بینک میں جمع شدہ اِس رقم کی وجہ سے مجھ پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ جب کہ میں صاحب نصاب نہیں ہوں؛ البتہ اللہ کے فضل سے گذر بسر بآسانی ہوجاتا ہے۔

(۳) اگر اِس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو اور اُس پر ملنے والے پیسے استعمال کرنا جائز نہ ہو، تو اُن پیسوں سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

=واجب قرار دی ہے۔ (ہاں، جو فقہاء زیورات میں زکوٰۃ کے عدم وجوب کے قائل ہیں، ان کے نزدیک مصنوعی اعضاء میں بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی) اور جو اس طرح نہ ہوں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مال نامی ہو، یعنی اس میں نشوونما اور بڑھوتری کی گنجائش ہو، اور موجودہ صورت میں ظاہر ہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں، دوسرے جب وہ انسان کے جسم کا ایک ایسا عضو بن جائے، جس کو الگ کیا جانا ممکن نہ ہو، تو اب وہ انسان کی بنیادی ضروریات (حاجات اصلیہ) میں داخل ہوگیا، اور ایسی چیزوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/ ۲۰۸-۲۰۹، زکوٰۃ، سونے چاندی کے مصنوعی اعضاء پر زکوٰۃ، ط: کتب خانہ نعیمیہ- دیوبند)

حضرت مفتی صاحب کے فتویٰ کو اس صورت پر محمول کیا جاسکتا ہے، کہ ایک آدمی نے ناک کی طرح مکمل دانت سونے کے بنوائے ہوں، اور ناک کی ہی طرح مصنوعی دانت کا نکالنا ممکن ہو، ایسی صورت میں اس کو نصاب میں شمار کیا جائے گا، اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، جیسا کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

مزید دیکھیے: کتاب المسائل: ۲/ ۱۳۶، دانتوں میں بندھے ہوئے سونے یا چاندی کے تاروں پر زکوٰۃ نہیں، (مستفاد، از: امداد الفتاویٰ: ۲/ ۴۹، ایضاح المسائل: ۱۰۹، مرغوب الفتاویٰ: ۳/ ۳۳۹)، ط: مرکز علمی برائے نشر وتحقیق، مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلیا:

(۱) صورتِ مذکورہ میں جب حکومت نے وہ رقم آپ کے قبضہ میں دیے بغیر اُسے بینک میں جمع کروا دیا ہے اور قانوناً آپ اُسے اٹھا بھی نہیں سکتے، تو اُس پر سود کے نام سے ملنے والی رقم آپ کے حق میں شرعی اعتبار سے سود شمار نہیں ہوگی، لہٰذا آپ کے لیے اُن پیسوں کا استعمال جائز ہے۔ (کفایت المفتی)[۱]

(۲) اس رقم پر فی الحال زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور نہ ہی ملنے پر گذرے ہوئے سالوں کی زکاۃ واجب ہوگی۔ (امداد الفتاویٰ: ۴۸/۲)[۲]

(۳) بینک کی جانب سے ملنے والے پیسوں کا استعمال جب آپ کے لیے درست ہے، تو آپ اس کے ذریعے زکوٰۃ بھی ادا کر سکتے ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] جس طرح پراویڈنٹ فنڈ پر ملنے والی اضافی رقم سود نہیں ہے، اسی طرح حادثے کی صورت میں سرکار کی جانب سے دی جانے والی اس رقم پر، ملنے والی اضافی رقم، کو سود نہیں کہا جا سکتا؛ کیوں کہ دونوں صورتوں میں رقم میں اضافہ، اصل رقم کے مالک کے قبضے میں آنے سے پہلے ہوتا ہے، اس لیے اضافہ اور اصل دونوں کو اصل ہی سمجھا جائے گا۔

بینک کے عام سود کی طرح یہ سود نہیں ہوگا؛ کیوں کہ بینک میں رقم اپنے قبضے سے نکال کر جمع کی جاتی ہے، جب کہ یہاں سرے سے اصل مال پر مالک کا قبضہ ہی نہیں ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ علیہ الرحمہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

پراویڈنٹ فنڈ میں نصف رقم عطیہ ہوتی ہے، اور نصف ملازم کی تنخواہ میں سے وضع کی ہوئی ہوتی ہے، چوں کہ وہ بھی ملازم کے قبضے میں آنے سے پہلے وضع کر لی جاتی ہے، اس لیے اس کا سود اور نصف رقم عطیہ کا سود، دونوں مل کر عطیہ کا حکم لے لیتی ہے، اور نصف رقم، وضع شدہ سے زائد جو رقم ملتی ہے، وہ سب عطیہ ہی قرار پاتی ہے۔ بینک کا سود اس سے مختلف ہے، دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ بینک میں اپنے قبضے سے نکال کر رقم جمع کی جاتی ہے؛ اس لیے اس کا سود حقیقۃً سود ہوتا ہے۔ (کفایت المفتی: ۹۵/۸، کتاب الربا، تیسرا باب پراویڈنٹ فنڈ اور بونس اور پنشن، پراویڈنٹ فنڈ اور بینک کے سود میں فرق، ط: زکریا - دیوبند)

[۲] کیوں کہ رقم (جو بینک میں جمع کی گئی ہے) حادثے سے متاثرہ شخص کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ملک میں نہیں آئی ہے، اور وجوب زکاۃ کے لیے ملک ضروری ہے، اس لیے اس رقم پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی:

وأما الشرائط التي ترجع إلى المال فمنها: الملك فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك وهذا؛ لأن في الزكاة تمليكا والتمليك في غير الملك لا يتصور. (بدائع الصنائع: ۹/۲، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(وسببه) أي سبب افتراضها (ملك نصاب حولي) [الدر المختار] ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ملك نصاب) فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك، ولا فيما أحرزه العدو بدارهم لأنهم ملكوه =

[۴۲] حج کی نیت سے جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

۱۲۷۳- سوال: ایک شخص نے حج کی نیت سے اپنے پاس تیس ہزار روپے جمع کیے ہیں، جن میں سے سات ہزار اُس کے قبضہ میں ہیں، اٹھارہ ہزار بہ طور امانت دوسرے شخص کے پاس رکھے ہوئے ہیں اور پانچ ہزار روپے بہ طور قرض دیے ہوئے ہیں، اِس نقد کے علاوہ اُس کے پاس تین تولہ سونا ہے، تو سال گزرنے پر اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ تیس ہزار روپے، جو اُس نے حج کی نیت سے جمع کیے ہیں ،حج کے لیے ناکافی ہیں، تو کیا بہ نیت حج پیسے جمع کرنے کی وجہ سے اُس پر حج فرض ہو جائے گا؟ نیز یہ شخص معذور ہونے کی وجہ سے چل نہیں سکتا، تو کیا وہ اپنی جگہ، ایسے شخص کو حج بدل میں بھیج سکتا ہے، جس پر حج فرض ہے، لیکن اس نے ادا نہیں کیا ہے، یا حج اُس پر فرض ہی نہیں ہے؛ اس لیے حج کو نہیں گیا ہے، حج کے

=بالإحراز عندنا خلافا للشافعي بدائع، ولا فيما دون النصاب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۵۹، كتاب الزكاة، قبيل: مطلب الفرق بين السبب والشرط والعلة، ط: دار الفكر - بيروت)

چوں کہ یہ دین نہیں ہے، کہ وصولی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکاۃ واجب ہو، بل کہ حکومت کی جانب سے ایک قسم کا تبرع ہے، جس پر قبضہ کے بعد ہی ملکیت ثابت ہوتی ہے، البتہ صورۃً دین ہے کہ سرکار نے وہ رقم بینک- جو مستقل ادارہ ہے- کو دی ہے، تاہم یہ دین قوی نہیں ہے، اس لیے قبضہ سے پہلے وجوب زکوۃ کی کوئی وجہ نہیں ہے: وجملة الكلام في الديون أنها على ثلاث مراتب في قول أبي حنيفة: دين قوي، ودين ضعيف، ودين وسط كذا قال عامة مشايخنا، أما القوي: فهو الذي وجب بدلا عن مال التجارة كثمن عرض التجارة من ثياب التجارة، وعبيد التجارة، أو غلة مال التجارة ولا خلاف في وجوب الزكاة فيه إلا أنه لا يخاطب بأداء شيء من زكاة ما مضى . . . ــــــــ وأما الدين الضعيف: فهو الذي وجب له بدلا عن شيء سواء وجب له بغير صنعه كالميراث، أو بصنعه كما لوصية، أو وجب بدلا عما ليس بمال كالمهر، وبدل الخلع، والصلح عن القصاص، وبدل الكتابة ولا زكاة فيه ما لم يقبض كله، ويحول عليه الحول بعد القبض.

وأما الدين الوسط فما وجب له بدلا عن مال ليس للتجارة كثمن عبد الخدمة، وثمن ثياب البذلة والمهنة وفيه روايتان عنه، ذكر في الأصل أنه تجب فيه الزكاة قبل القبض لكن لا يخاطب بالأداء ما لم يقبض مائتي درهم، فإذا قبض مائتي درهم زكى لما مضى، وروى ابن سماعة عن أبي يوسف عن أبي حنيفة أنه لا زكاة فيه حتى يقبض المائتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه.

وقال أبو يوسف ومحمد: الديون كلها سواء، وكلها قوية تجب الزكاة فيها قبل القبض إلا الدية على العاقلة ومال الكتابة فإنه لا تجب الزكاة فيها أصلا ما لم تقبض ويحول عليها الحول. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۰، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۰۵-۳۰۶، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر - بيروت)

بجائے عمرہ کروالے، تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلۂ مذکورہ میں اگر اس شخص پر کوئی دین نہیں ہے، تو مذکور رقم اور سونا کی وجہ سے زکوۃ ادا کرنی ضروری ہے، خواہ مال خود اُس کے قبضہ میں ہو یا بہ طورِ امانت یا بہ طور قرض کسی کو دے رکھا ہو۔ (البحر الرائق)[1]

حج کے لیے کافی ہو سکے، اتنی رقم نہیں ہے، نیز ضرورت سے زائد کوئی جائداد وغیرہ بھی نہیں ہے،[2] تو ایسے شخص پر صرف حج کی نیت سے کچھ مال جمع کرنے کی وجہ سے حج فرض نہیں ہوتا، جب کہ یہ جمع کردہ مال حج کے لیے ناکافی ہو۔[3]

---

[۱] في معراج الدراية في فصل زكاة العروض أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة اهـ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م:۹۷۰هـ):۲/ ۲۲۲، كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ رد المحتار على الدر المختار:۲/ ۲۶۲، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام-محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا-أو منلا أو المولى-خسرو (م:۸۸۵هـ):۱/ ۱۷۲، أول كتاب الزكاة، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۲) إذا كان له دار يسكنها وعبد يستخدمه وثياب يلبسها، ومتاع يحتاج إليه لا تثبت به الاستطاعة، وفي التجريد إن كان له دار لا يسكنها وعبد لا يستخدمه فعليه أن يبيعه ويحج به، وإن لم يكن له مسكن، ولا شيء من ذلك وعنده دراهم يبلغ بها الحج أو يبلغ ثمن مسكن وخادم وطعام وقوت فعليه الحج فإن جعلها في غير الحج أثم كذا في الخلاصة.ــــــــ وكذا من كان له ثياب لا يمتهنها كان عليه أن يبيع ويحج بثمنها إن كان بثمنها وفاء بالحج. (الفتاوى الهندية:۱/ ۲۱۷، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر)

(۳) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ. (۳-آل عمران:۹۷)

قال الله تعالى: ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا. قال أبو بكر: هذا ظاهر في إيجاب فرض الحج على شريطة وجود السبيل إليه، والذي يقتضيه من حكم السبيل أن كل من أمكنه الوصول إلى الحج لزمه ذلك إذ كانت استطاعة السبيل إليه هي إمكان الوصول إليه، كقوله تعالى فهل إلى خروج من سبيل يعني من وصول هل إلى مرد من سبيل يعني من وصول وقد جعل النبي صلى الله عليه وسلم من شرط استطاعة السبيل إليه وجود الزاد والراحلة.ــــــــ وروى... عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال من ملك زادا وراحلة يبلغه بيت الله ولم يحج فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا.ــــــــ وذلك أن الله تعالى يقول في كتابه ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا. (أحكام القرآن-أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م:۳۷۰هـ):۲/ ۳۰۷، ۳۰۸=

البتہ اگر حج کے لیے احرام باندھ لے،[۴] یا حج کی منت مانی ہو، تو حج فرض ہو جائے گا،[۵] لیکن اگر گنجائش ہے اور حج کرنے کی وجہ سے مزید تنگی کا اندیشہ نہ ہو، تو حج کرنا بہتر ہے۔

ایسا شخص جس پر حج فرض نہیں ہے، وہ اگر اپنی جانب سے کسی کو حج بدل کے لیے روانہ کرے، تو جائز ہے، پھر حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجنا، جس پر حج فرض ہو، اس کے باوجود اس نے حج نہ کیا ہو، مکروہ تحریمی ہے، اور ایسے شخص کو بھیجنا جس پر حج فرض نہیں ہے اور اس نے حج ادا نہیں کیا ہے، بلا کراہت جائز ہے۔[۶]

=باب فرض الحج، آل عمران: ۹۷، ت: محمد صادق القمحاوي، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك أو الإجارة دون الإعارة والإباحة سواء كانت الإباحة من جهة من لا منة له عليه كالوالدين والمولودين أو من غيرهم كالأجانب كذا في السراج الوهاج،... وتفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ما سوى مسكنه ولبسه وخدمه، وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلى مكة ذاهبا وجائيا راكبا لا ماشيا وسوى ما يقضي به ديونه ويمسك لنفقة عياله، ومرمة مسكنه ونحوه إلى وقت انصرافه كذا في محيط السرخسي ويعتبر في نفقته ونفقة عياله الوسط من غير تبذير، ولا تقتير كذا في التبيين والعيال من تلزمه نفقته كذا في البحر الرائق، ولا يترك نفقة لما بعد إيابه في ظاهر الرواية كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۷، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر)

(۴) لو أحرم على ظن أن عليه الحج، ثم ظهر عدمه، فأحصر وصرح اليزدوي وصاحب الكشف أنه لا قضاء عليه، لكن صرح السروجي في الغاية بأن الأصح وجوبه كما لو أفسده بلا إحصار أفاده القاري. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۹۲، كتاب الحج، باب الإحصار، ط: دار الفكر - بيروت)

(۵) الحج كما هو واجب بإيجاب الله تعالى ابتداء على من استجمع شرائط الوجوب وهو حجة الإسلام فقد يجب بإيجاب الله تعالى بناء على وجوب سبب الوجوب من العبد وهو بأن يقول: لله علي حجة وكذا لو قال: علي حجة سواء كان النذر مطلقا أو معلقا بشرط، بأن قال إن فعلت، كذا فلله علي أن أحج حتى يلزمه الوفاء إذا وجد الشرط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۶۲، كتاب المناسك، الباب السابع عشر في النذر بالحج، ط: دار الفكر - بيروت)

إذا نذر الحج فإنه يصير فرضا أيضا ومن فروعه ما في الخلاصة رجل قال لله علي مائة حجة لزمته كلها، ولو قال أنا أحج لا حج عليه، ولو قال إذا دخلت الدار فأنا أحج يلزمه عند الشرط. (البحر الرائق: ۲/ ۳۳۲، أول كتاب الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي * الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۷۳۵، كتاب الأيمان، ط: دار الفكر)

(۶) ثم قال في الفتح بعد ما أطال في الاستدلال: والذي يقتضيه النظر أن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم لأنه يتضيق عليه في أول سني الإمكان فيأثم بتركه، وكذا لو تنفل لنفسه ومع ذلك يصح لأن النهي ليس لعين الحج المفعول بل لغيره وهو الفوات، إذ الموت في سنة غير نادر. اهـ. قال في البحر: والحق أنها تنزيهية على الآمر لقولهم والأفضل إلخ تحريمية على الصرورة=

کسی شخص پر اگر حج فرض نہیں ہے اور اُس نے حج کی نیت کی ہے، پھر اُس نے بجائے حج کے عمرہ کرلیا یا کروالیا تو جائز ہے۔ (۷) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۳] اولاد کی کمائی سے زکوٰۃ وغیرہ کون ادا کرے؟

۱۲۷۴- سوال: میرے تمام لڑکے مختلف جگہ، سرکاری ملازمت کرتے ہیں اور خوش حال ہیں، ان کو جو تنخواہ ملتی ہے، یا کسی اور طریقے سے آمدنی حاصل ہوتی ہے، تو اس کی زکاۃ کون نکالے گا، میں یا میرے لڑکے، نیز صدقۂ فطر اور قربانی کون ادا کرے گا، میں یا وہ؟

= المأمور الذي اجتمعت فيه شروط الحج ولم يحج عن نفسه لأنه آثم بالتأخير اهـ. قلت: وهذا لا ينافي كلام الفتح لأنه في المأمور، ويحمل كلام الشارح على الآمر، فيوافق ما في البحر من أن الكراهة في حقه تنزيهية وإن كانت في حق المأمور تحريمية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۰۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة، ط: دار الفكر)

والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلا عن نفسه أن يحج رجلا قد حج عن نفسه، ومع هذا لو أحج رجلا لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا، وسقط الحج عن الآمر، كذا في المحيط، وفي الكرماني: الأفضل أن يكون عالما بطريق الحج وأفعاله، ويكون حرا عاقلا بالغا، كذا في غاية السروجي شرح الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۷، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر)

(العبادات ثلاثة أنواع): مالية محضة كالزكاة، وصدقة الفطر، وبدنية محضة كالصلاة والصوم، ومركبة منهما كالحج. والإنابة تجري في النوع الأول في حالتي الاختيار والاضطرار، ولا تجري في النوع الثاني، وتجري في النوع الثالث عند العجز، كذا في الكافي. (حوالہ سابق)

وإنما شرط عجز المنوب للحج الفرض لا للنفل، كذا في الكنز ففي الحج النفل تجوز النيابة حالة القدرة، لأن باب النفل أوسع، كذا في السراج الوهاج. (حوالہ سابق)

(۷) درج ذیل سوال وجواب سے اس پر روشنی پڑتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

سوال: ایک بیوہ عورت نے اس ارادے سے اپنا زیور اور کچھ رقم جمع کر کے رکھا تھا کہ زیور کو فروخت کر کے اور رقم مذکور کو ملا کر، جب اس قدر رقم ہو جائے، جو سفرِ حج کے لیے کافی ہو، تو سفرِ حج کروں گی، لیکن کل رقم اس مقدار کو نہ پہنچی، جو سفرِ حج کے لیے کافی ہو، اس لیے اس نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا اور اس رقم موجودہ میں سے اپنی ضرورت کے موقع پر کچھ خرچ بھی کرتی رہی، اب وہ بقایا رقم کو اور زیور کو فروخت کر کے اپنے کھانے پینے میں صرف کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: وہ روپیہ اس کی ملک ہے، جس کام میں چاہے خرچ کرے، اپنے کھانے پینے اور ہر کام اور ہر ضرورت میں خرچ کر سکتی ہے۔ (کفایت المفتی: ۴/ ۵۲-۳۵۱، چھٹا باب، حج نفل، حج کی نیت سے جمع کی ہوئی رقم کو خرچ کرنا جائز ہے، ط: زکریا- دیوبند)

الجواب حامداومصليا:

آپ کے لڑکے ملازمت کر کے جو کچھ کماتے ہیں، اس کے مالک وہی ہیں، [1] لہٰذا بہ قدر نصاب مال ہو، تو زکاۃ، صدقۂ فطر اور قربانی ان کے ذمہ ہی رہے گی اور ان ہی پر فرض ہوگی۔

البتہ وہ اپنی کمائی میں سے جو کچھ آپ کو دیں، وہ رقم آپ کی ہے، آپ اس کے مالک ہیں، اس کے بغیر ان کی ملکیت کے آپ مالک شمار نہیں ہوں گے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۴] والد کو آمدنی کا مالک بنائے، تو زکاۃ وغیرہ کی ذمہ داری والد پر ہوگی

گذشتہ سے پیوستہ

۱۲۷۵- سوال: میری تمام اولاد جو کچھ کماتی ہے، بالفرض وہ پوری کی پوری مجھے دے دے، پھر میں ان کو ان کی ضرورت کے مطابق خرچ کروں اور باقی پیسے اپنے پاس رکھوں، تو زکاۃ اور صدقۂ فطر وغیرہ

---

(۱) عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، أن رجلا أتى النبي - صلى الله عليه وسلم - فقال: إن لي مالا، وإن والدي يحتاج إلى مالي. قال: "أنت ومالك لوالدك، إن أولادكم من أطيب كسبكم، كلوا من كسب أولادكم. رواه أبو داود، وابن ماجه. ــــــــــ قال ابن الهمام: رواه عن النبي - صلى الله عليه وسلم - جماعة من الصحابة، وقد أخرج أصحاب السنن الأربعة، عن عائشة رضي الله عنها قال - صلى الله عليه وسلم -: "إن أطيب ما أكل الرجل من كسبه وإن ولده من كسبه". وحسنه الترمذي، فإن قيل: هذا يقتضي أن له ملكا ناجزا في ماله. قلنا: نعم لو لم يقيده حديث، رواه الحاكم وصححه والبيهقي عنها مرفوعا، (إن أولادكم هبة يهب لمن يشاء إناثا، ويهب لمن يشاء الذكور، وأموالهم لكم إذا احتجتم إليها): ومما يقطع بأن الحديث الأول موول، أنه تعالى ورث الأب من ابنه السدس مع ولد ولده، فلو كان الكل ملكه لم يكن لغيره شيء مع وجوده. (مرقاة المفاتيح: ۶/ ۹۷- ۲۱۹۶، كتاب النكاح، باب الاستبراء، ط: دار الفكر - بيروت)

(وإن زوج أمة أباه) والأولى وإن زوجها أبوه، لشموله ما إذا كانت الجارية لولده الصغير، فتزوجها الأب، فإن النكاح صحيح، ولا تصير أم ولد له، كما في الخانية، (جاز) النكاح؛ لأنها ملك الغير حقيقة، وقوله - صلى الله تعالى عليه وسلم - "أنت ومالك لأبيك" مجاز؛ لأن ثبوت الملك للأب متروك بالإجماع، كما في المستصفى. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۳۶۸، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، الإذن في العزل عن الأمة، ط: دار إحياء التراث العربي)

"الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، أول كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

کی ذمہ داری کس کی ہوگی؟ اور ادا نہ کرنے پر کون گنہ گار ہوگا؟

الجواب حامداو مصلیا:

اگر لڑکے اپنی تنخواہ کا آپ کو مالک بنا دیتے ہیں، اور آپ اپنی مرضی کے مطابق، حسبِ ضرورت خرچ کرتے ہیں، اگر رقم نصاب کے بہ قدر آپ کے پاس موجود ہے، تو آپ صاحب نصاب ہیں، سال گذرنے پر آپ کے ذمے زکوۃ کی ادائیگی لازم ہے۔ [1] نیز آپ کا اور آپ کے چھوٹے بچوں کا صدقۂ فطر بھی آپ پر واجب ہوگا اور قربانی وغیرہ کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ [2]

کمانے والے لڑکے اگر عاقل و بالغ ہیں، تو ان پر اس صورت میں زکوۃ واجب ہوگی، جب کہ وہ صاحب نصاب ہوں، اگر وہ صاحب نصاب نہیں ہیں، تو ان پر زکوۃ کا وجوب نہیں ہوگا۔ [3]

نیز ان کے پاس اگر صدقۂ فطر کا نصاب موجود ہو، تو صدقہ فطر واجب ہوگا اور قربانی لازم ہوگی، ورنہ نہیں۔ [4] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۵] کسی کے پاس دس تولہ سونا ہو اور تین تولے کی قیمت کے برابر قرض ہو

۱۲۷۶- سوال: ایک آدمی کے پاس دس تولہ سونا ہے؛ لیکن تین تولہ کی قیمت کے برابر اس پر دوسروں کا قرض بھی ہے، اور دوسری کوئی نقد رقم نہیں ہے، تو اس پر زکوۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(۲) وهي [صدقة الفطر] واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية كذا في الاختيار شرح المختار، ولا يعتبر فيه وصف النماء ويتعلق بهذا النصاب وجوب الأضحية، ووجوب نفقة الأقارب هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۱، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر، ط: دار الفكر)

وتجب عن نفسه وطفله الفقير كذا في الكافي.... ولا يؤدي عن زوجته، ولا عن أولاده الكبار، وإن كانوا في عياله، ولو أدى عنهم أو عن زوجته بغير أمرهم، أجزأهم استحسانا، كذا في الهداية. وعليه الفتوى، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۹۳-۱۹۲، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر، ط: دار الفكر- بيروت)

(۳) (ومنها كون المال نصابا) فلا تجب في أقل منه هكذا في العيني شرح الكنز. (حوالہ سابق: ۱/ ۱۷۲، کتاب الزکاۃ)

(۴) حاشیہ نمبر ۲، دیکھیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں اگر نقد رقم کچھ بھی نہیں ہے، تو اس پر زکوۃ فرض نہیں ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

[۴۶] ایضاً

۱۲۷۷- سوال: اگر مذکورہ بالا صورت میں زکوۃ فرض ہو، تو کتنے تولے کی زکوۃ دینی پڑے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت میں زکوۃ فرض نہیں ہے۔

البتہ دس تولہ سونا کے ساتھ کچھ رقم بھی اور تین تولہ سونا کے بہ قدر قرض ہو، تو ایسی صورت میں پورے

---

(۱) عن علي رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول هذا الحديث، قال: فإذا كانت لك مائتا درهم، وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء - يعني - في الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا، فإذا كان لك عشرون دينارا، وحال عليها الحول، ففيها نصف دينار، فما زاد، فبحساب ذلك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۲۱، رقم الحديث: ۱۵۷۳، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، ط: مكتبة فيصل ديوبند)

عن السائب بن يزيد، أن عثمان بن عفان رضي الله عنه، كان يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين، فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم، فتؤدوا منها الزكاة. قال محمد: وبهذا نأخذ، من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ففيه زكاة، وتلك مائتا درهم، أو عشرون مثقالا ذهبا فصاعدا، وإن كان الذي بقي أقل من ذلك، بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني المعروف بـ 'موطأ الإمام محمد': ۱/ ۱۱۴، رقم الحديث: ۳۲۳، كتاب الزكاة، باب: زكاة المال، ت: عبدالوهاب عبداللطيف، : المكتبة العلمية)

وإن كان ماله أكثر من الدين زكى الفاضل إذا بلغ نصابا لفراغه عن الدين، وإن كان له نصب يصرف الدين إلى أيسرها قضاء. مثاله: إذا كان له دراهم ودنانير، وعروض للتجارة وسوائم من الإبل، ومن البقر والغنم، وعليه دين فإن كان يستغرق الجميع فلا زكاة عليه، وإن لم يستغرق صرف إلى الدراهم والدنانير أولا إذ القضاء منهما أيسر؛ لأنه لا يحتاج إلى بيعهما؛ ولأنه لا تتعلق المصلحة بعينهما؛... الخ. (تبيين الحقائق: ۱/ ۲۵۵، كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق- القاهرة☆ اللباب في شرح الكتاب: ۱/ ۱۳۷، كتاب الزكاة، ط: المكتبة العلمية- بيروت ☆ الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۱۵، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: المطبعة الخيرية- بيروت ☆ البناية: ۳/ ۳۰۱، كتاب الزكاة، باب زكاة المديون، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

دس تولے کی بازاری قیمت معلوم کی جائے، اور قرض منہا کرنے کے بعد دیکھا جائے کہ سونا یا چاندی میں سے کسی کے نصاب کے بہ قدر ہے یا نہیں، اگر کسی بھی نصاب کو پہنچ جائے، تو قرض منہا کرنے کے بعد بچی ہوئی کل رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۷] زکوٰۃ مکان کی آمدنی پر ہے، قیمت پر نہیں

۱۲۷۸- سوال: ایک شخص کے پاس ایک مکان چالیس ہزار ڈالر کا ہے، اور اس نے وہ مکان ماہانہ ۵۰۰ر ڈالر کے کرایہ پر دیا ہے، تو اس مکان کی قیمت پر زکوٰۃ آئے گی، یا اس کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی، آمدنی میں مکان کی اصلاح ومرمت وغیرہ کے لیے ۲۰۰ر ڈالر منہا کر کے زکوٰۃ واجب ہوگی یا کل آمدنی پر؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان پر زکوٰۃ نہیں ہے؛ بل کہ اس کی آمدنی (کرایہ) پر زکوٰۃ واجب ہے، آمدنی ہر مہینے کیا ہے اور کیا خرچ ہوا، اس کے حساب کی ضرورت نہیں، جب سال پورا ہوگا تو جو بھی جمع رقم ہوگی [اگر وہ نصاب کے بہ

---

(۱) (و) يضم (الذهب إلى الفضة) وعكسه بجامع الثمنية (قيمة). (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويضم إلخ) أي عند الاجتماع. . . وفي البدائع أيضا أن ما ذكر من وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان أقل، فلو كان كل منها نصابا تاما بدون زيادة لا يجب الضم؛ بل ينبغي أن يؤدي من كل واحد زكاته، فلو ضم حتى يؤدي كله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا، ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا وإلا يؤد من كل منهما ربع عشره (قوله: وعكسه) وهو ضم الفضة إلى الذهب، وكذا يصح العكس في قوله وقيمة العرض تضم إلى الثمنين عند الإمام كما مر عن الزاهدي، وصرح به في المحيط أيضا. . . (قوله: قيمة) أي من جهة القيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۰۳، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، قبل: مطلب في وجوب الزكاة في دين المرصد، ط: دار الفكر- بيروت☆البحر الرائق: ۲/ ۴۰۱-۴۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: زكريا- ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، ط: زكريا- ديوبند☆المحيط البرهاني: ۲/ ۲۴۱، كتاب الزكاة، الفصل الثالث بيان مال الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆العناية شرح الهداية: ۲/ ۲۲۲، كتاب الزكاة، فصل في زكاة العروض، ط: دار الفكر☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۷، كتاب الزكاة، مدخل، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆تبيين الحقائق: ۱/ ۲۸۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: المطبعة الكبرى الاميرية، بولاق- القاهرة)

قدر ہے اور اس پر حولان حول ہو چکا ہے، تو] اس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں نکالنا واجب ہوگا۔ (عالم گیری، شامی)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۸] کمپنی کے شیئرز کی زکوۃ

۱۲۷۹- سوال: ایک عورت کے پاس مختلف کمپنیوں کے کچھ شیئرز ہیں، جن کو تجارت کی حیثیت سے خریدے ہیں، تو کیا ان شیئرز کی زکوۃ واجب ہوگی؟ اور اگر واجب ہوگی، تو کس حساب سے؟ قیمتِ خرید کے حساب سے، یا فی الحال بازار میں جو قیمت چل رہی ہے، اس کے حساب سے؟ فی الحال وہ شیئرز، بازار کی قیمت کے حساب سے ۳۸۰۰ روپے کے ہوتے ہیں، جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ شیئرز (اس کے دوسرے مال کے ساتھ) اگر نصاب کو پہنچ جاتے ہیں، تو ان میں زکوۃ واجب ہوگی۔ زکوۃ ان کی موجودہ بازار کی قیمت کے حساب سے ادا کرنی ہوگی۔

ابھی ان شیئرز کی قیمت ۳۸۰۰/ پہنچ گئی ہے، جو چاندی کے نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی (موجودہ) قیمت کے برابر ہے[1] اس لیے ان پر زکوۃ فرض ہوگئی ہے۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] إذا آجر داره أو عبده بمائتي درهم لا تجب الزكاة ما لم يحل الحول بعد القبض في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، فإن كانت الدار والعبد للتجارة وقبض أربعين درهما بعد الحول كان عليه درهم بحكم الحول الماضي قبل القبض، لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن مال التجارة في الصحيح من الرواية. (الفتاوى الخانية على هامش الهندية: ۱/ ۲۵۳، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة، ط: زكريا-ديوبند)

(فلا زكاة على مكاتب)... (ولا في ثياب البدن)... (وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها) [الدر المختار]

قال ابن عابدين: وقوله ونحوها: أي كثياب البدن الغير المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۵، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت)

ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها ويؤاجرها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب في بيوت الغلة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۰، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، ط: دار الفكر-بيروت)

[۱] ساڑھے باون تولہ چاندی کی مذکورہ قیمت فتویٰ لکھنے کے وقت کی ہے۔

(۲) الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب كذا في الهداية. ويقوم بالمضروبة كذا في التبيين وتعتبر القيمة عند حولان الحول بعد أن تكون قيمتها في ابتداء الحول مائتي درهم من الدراهم الغالب عليها الفضة كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في =

[۴۹] پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کا حکم

۱۲۸۰-سوال: پراویڈنٹ فنڈ کی رقم (یعنی وہ رقم جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کی جاتی ہے اور ملازمت کے خاتمہ پر اسے دی جاتی ہے) جب قبضہ میں آجائے، تو قبضہ میں آنے سے قبل، گذشتہ سالوں کی زکوۃ اس میں واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق مذکورہ جمع شدہ پراویڈنٹ فنڈ پر (گذشتہ سالوں کی) زکوۃ فرض نہیں ہے، جب رقم قبضہ میں آجائے، اس کے بعد اس پر زکوۃ کا حکم آتا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

وإن أدى القيمة تعتبر قيمتها يوم الوجوب. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۰، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

ولو ازدادت قيمتها قبل الحول تعتبر قيمتها وقت الوجوب بالإجماع. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۱۷۰، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في بيان زكاة عروض التجارة، ط: مكتبة زكريا- ديوبند)

(۱) پی-ایف، درحقیقت ایک قسم کا سرکاری تبرع ہے، جس پر قبضے کے بعد ہی ملکیت ثابت ہوتی ہے اور زکاۃ ملک میں آنے کے بعد ہی واجب ہوتی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ صورۃً دین ہے، تاہم یہ دین قوی نہیں ہے، کہ وصولی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکاۃ واجب ہو: وجملة الكلام في الديون أنها على ثلاث مراتب في قول أبي حنيفة: دين قوي، ودين ضعيف، ودين وسط كذا قال عامة مشايخنا، أما القوي: فهو الذي وجب بدلا عن مال التجارة كثمن عرض التجارة من ثياب التجارة، وعبيد التجارة، أو غلة مال التجارة ولا خلاف في وجوب الزكاة فيه إلا أنه لا يخاطب بأداء شيء من زكاة ما مضى . . . ـــــــــ وأما الدين الضعيف: فهو الذي وجب له بدلا عن شيء سواء وجب له بغير صنعه كالميراث، أو بصنعه كالوصية، أو وجب بدلا عما ليس بمال كالمهر، وبدل الخلع، والصلح عن القصاص، وبدل الكتابة ولا زكاة فيه ما لم يقبض كله، ويحول عليه الحول بعد القبض.

وأما الدين الوسط فما وجب له بدلا عن مال ليس للتجارة كثمن عبد الخدمة، وثمن ثياب البذلة والمهنة وفيه روايتان عنه، ذكر في الأصل أنه تجب فيه الزكاة قبل القبض لكن لا يخاطب بالأداء ما لم يقبض مائتي درهم، فإذا قبض مائتي درهم زكى لما مضى، وروى ابن سماعة عن أبي يوسف عن أبي حنيفة أنه لا زكاة فيه حتى يقبض المائتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه.

وقال أبو يوسف ومحمد: الديون كلها سواء، وكلها قوية تجب الزكاة فيها قبل القبض إلا الدية على العاقلة=

[۵۰] پراویڈنٹ فنڈ اور پینشن پر زکوٰۃ کا حکم

۱۲۸۱- سوال: یہاں امریکہ میں جو لوگ اپنا کام کرتے ہیں ان کو بھی کچھ رقم کمائی میں سے نکالنی ہوتی ہے اور وہ ۶۵ ؍سال کے بعد بطور پینشن ملتی ہے، اگر اس عرصہ میں اس کا انتقال ہوگیا، تو وہ رقم اس کی اولاد کو ملتی ہے اور یہ رقم سرکار کے پاس جمع رہتی ہے، تو اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اسی طرح جو لوگ دوسروں کے یہاں نوکری کرتے ہیں، ان کو بھی کچھ رقم جمع کروانی پڑتی ہے، اور وہ بھی ۶۵ ؍سال کے بعد اس کی فیملی کے حساب سے کچھ زیادتی کے ساتھ ملتی ہے، تو اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں جب کہ جمع شدہ رقم ۶۵ ؍سال کی عمر کے بعد ملتی ہے، یا مرنے کے بعد فیملی کو ان

=ومال الكتابة فإنه لا تجب الزكاة فيها أصلا ما لم تقبض ويحول عليها الحول. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۰، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۰۵- ۳۰۶، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر- بيروت)

فقہ اکیڈمی- انڈیا نے اس موضوع پر منعقد سمینار (۳-۶، جمادی الاولیٰ، ۱۴۱۳ھ= مطابق: ۳۰ ؍اکتوبر- ۲ ؍نومبر ۱۹۹۲ء، مقام اعظم گڑھ) میں درج ذیل فیصلہ کیا ہے:

پراویڈنٹ فنڈ (تنخواہ سے لازمی طور پر وضع ہونے والی رقم) جب تک اس پر قبضہ نہ ہوجائے، اس کی زکاۃ واجب نہ ہوگی، جب یہ رقم وصول ہوجائے اور بہ قدر نصاب ہو اور اس پر ایک سال گذر جائے، تو اس کی زکاۃ ادا کرنی ہوگی۔

بعض اوقات کچھ لوگ قانون انکم ٹیکس کی زد سے بچنے یا دیگر مصالح کی خاطر اختیاری طور پر اپنی تنخواہ سے کچھ زائد رقم وضع کرا کر پی ایف (P.F) جمع کراتے ہیں، یہ رقم اگر قدر نصاب کو پہنچ جائے، تو سال بہ سال زکاۃ ادا کرنی پڑے گی۔ اس اختیاری وضع کرائی ہوئی رقم کی حیثیت ودیعت کی ہے، اور مال ودیعت پر زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۶۱، عبادتی مسائل، پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی- انڈیا)

حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاج پوریؒ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں: جو ۹ ؍روپے لازماً کٹتے ہیں، اور اس پر جو مزید رقم ملے گی، یہ سب سرکاری انعام ہے، اس پر زکاۃ کا مسئلہ، ملنے اور قبضہ میں آنے کے بعد جاری ہوگا، ملنے سے پہلے نہیں، البتہ جو رقم ماہانہ (اکتالیس روپے) جمع کرنے کی آپ نے اپنی مرضی سے منظوری دی ہے، اس میں زکاۃ کا حکم جاری ہوگا؛ اگرچہ وہ قبضہ میں نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۷/ ۱۵۴، کتاب الزکاۃ، پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ نہیں ہے، اپنی مرضی سے رقم کٹوائے، تو اس پر زکاۃ ہے، ط: دار الاشاعت، کراچی، پاکستان)

کی تعداد کے لحاظ سے ملتی ہے، تو اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی؛[۱] کیوں کہ وہ ابھی ملک میں آئی ہی نہیں ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے، جب کہ تنخواہ سے لی ہوئی رقم جبری ہو، اپنے اختیار سے نہ کٹوائی ہو۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

[۵۱] سرکاری ملازم کی کٹی ہوئی تنخواہ- جو بینک میں جمع ہو- پر وجوب زکوٰۃ کا حکم

۱۲۸۲- سوال: حکومت کی جانب سے ملازم کی تنخواہ میں سے جو کچھ فی صد کاٹ لی جاتی ہے اور بینک میں جمع کی جاتی ہے، تا کہ ریٹائر ہونے کے بعد، اس میں مزید رقم ملا کر ایک بڑی رقم دی جا سکے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اُن پیسوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ نیز قربانی کے وجوب کے لیے زکوٰۃ واجب ہونا شرط ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو رقم آپ کے اختیار کے بغیر حکومت نے کاٹ تنخواہ سے کاٹ لی ہے، اور وہ آپ کے قبضے میں نہیں آئی ہے، اُس کی زکوٰۃ آپ پر لازم نہیں ہے۔[۳]

اگر آپ صاحبِ نصاب ہیں تو زکوٰۃ، قربانی اور صدقۃ الفطر تینوں واجب ہوں گے اور قربانی و صدقۃ الفطر کے وجوب کے لیے زکاۃ کا واجب ہونا شرط نہیں ہے، بل کہ کوئی بھی ایسا مال، [خواہ نامی ہو یا نہ ہو] جو حاجت اصلیہ سے زائد ہو اور بہ قدر نصاب ہو، وجوب قربانی کے لیے کافی ہے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (وسببه) أي سبب افتراضها (ملك نصاب حولي) [الدر المختار] ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ملك نصاب) فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك، ولا فيما أحرزه العدو بدارهم لأنهم ملكوه بالإحراز عندنا خلافا للشافعي، بدائع، ولا فيما دون النصاب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، قبيل: مطلب الفرق بين السبب والشرط والعلة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲-۳) تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیں عنوان: پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم۔

(۴) زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر و اضحیہ کے وجوب میں نصاب نامی اور غیر نامی کا فرق ہے، پس اگر کسی کے پاس ضرورت سے زائد کپڑے، برتن، بستر، وغیرہ ہوں اور ان سب کی قیمت نصاب (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی) کو پہنچ جائے، تو اس پر قربانی واجب ہوگی، مگر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی؛ کیوں کہ زکوٰۃ میں مال کا نامی ہونا شرط ہے؛ =

[۵۲] زکوٰۃ اور شیئرز کے چند مسائل

۱۲۸۳-سوال: (۱) ایک آدمی کے پاس تین تولہ سونا ہے، اور ۱۰۰۰/ سے ۱۵۰۰/روپے بھی ہیں، چاندی بالکل نہیں ہے، اور ان پر سال گزر گیا ہے، تو زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

وہ مال، جو اس نے اپنی لڑکی کو دے دیا ہے، اس کی زکاۃ کس پر واجب ہوگی؟

(۲) ایک آدمی کے پاس ۵۰۰۰۰/روپے ہیں، وہ روپے کاروبار میں استعمال ہوتے ہیں اور ہفتہ یا پندرہ دن میں واپس آتے ہیں، اس طرح سال میں یہ پیسے آتے جاتے رہتے ہیں، نیز اس آدمی پر ۱۵۰۰۰ قرض ہے، تو اس آدمی پر زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اور پورے ۵۰۰۰۰ ہزار پر ہوگی یا قرض وضع کرنے کے بعد، باقی رقم پر ہوگی؟

(۳) اس آدمی نے شیئرز خرید رکھا ہے، اور شیئرز کا ڈیویڈنڈ (Dividend) آتا ہے، اس نے لون (سودی قرض) بھی لے رکھا ہے، جس کا سود ادا کرنا پڑتا ہے، تو اس لون کے سود میں شیئرز کا ڈیویڈنڈ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

(۱) وجوب زکاۃ کے لیے نصاب یعنی ضرورت سے زائد، ساڑھے باون تولا چاندی، یا ساڑھے سات تولا سونا، یا اس کی قیمت کے بہ قدر مالیت کا ہونا ضروری ہے۔[۱] جو قرض کے علاوہ ہو۔[۲] اور اس پر سال بھی گذر گیا ہو۔[۳]

یا تھوڑا سونا اور تھوڑی چاندی ہو، یا تھوڑے پیسے اور تھوڑا سونا یا چاندی ہو اور ان کو ملانے سے کوئی

= وهي واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية كذا في الاختيار شرح المختار، ولا يعتبر فيه وصف النماء ويتعلق بهذا النصاب وجوب الأضحية، ووجوب نفقة الأقارب هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۱، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر، ط: دار الفكر)

ومنها كون النصاب ناميا. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۴، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

(۱-۳) (وسببه) أي سبب افتراضها (ملك نصاب حولي) نسبة للحول لحولانه عليه (تام)... (فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد)... (و) فارغ (عن حاجته الأصلية) لأن المشغول بها كالمعدوم... (نام ولو تقديرا) [الدر المختار على رد المحتار: ۲/۲۵۹-۲۶۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر]

بھی ایک نصاب بن جاتا ہو، تو زکاۃ واجب ہوگی۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۳۸۴☆ فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۵۰)[۴]

آپ کے سوال میں صراحت نہیں ہے کہ کتنی لڑکی کو کتنا سونا اور روپیہ دیا ہے؟ اور قبضہ دیا ہے یا نہیں؟ ان باتوں کو جانے بغیر حتمی جواب نہیں دیا جا سکتا، البتہ آپ یوں سمجھ لیں کہ: اگر آپ نے ہر لڑکی کو ایک تولا سونا اور ۲۰۰ روپے دیے ہوں، جن پر سال بھی گذر گیا ہو، اور لڑکی عاقل و بالغ بھی ہو، تو اس پر بھی زکاۃ فرض ہوجائے گی؛ اس لیے کہ مذکورہ رقم اور سونا کا مجموعہ، چاندی کے نصاب کو پہنچ جاتا ہے۔[۵]

(۲) شریعت کا قاعدہ ہے کہ قرض وضع کرنے کے بعد، بچی ہوئی رقم کسی بھی ایک نصاب کو پہنچ جائے، اور اس پر سال گذر جائے، تو زکاۃ فرض ہوجائے گی؛ لہٰذا مذکورہ سوال میں قرض وضع کرنے کے بعد

---

(۴) سونے کا نصاب زکاۃ ساڑھے سات تولہ ہے اور چاندی کا ساڑھے باون تولہ، چناں چہ اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو، اور ایک سال تک باقی رہے، تو سال گزرنے پر اس کی زکاۃ دینا فرض ہے، اور اگر اس سے کم ہو تو اس پر زکوۃ فرض نہیں، اور اگر اس سے زائد ہو، تب بھی زکوۃ فرض ہے۔

....

کسی کے پاس نہ تو پوری مقدار سونے کی ہے اور نہ پوری مقدار چاندی کی، بل کہ کچھ سونا، کچھ چاندی ہے، تو اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوجائے، تو زکاۃ فرض ہے، اور اگر دونوں چیزیں اتنی کم کم ہیں کہ دونوں کی قیمت ملا کر بھی مقدار نصاب کے برابر نہیں ہوتی، تو زکوۃ فرض نہیں۔ (جواہر الفقہ: ۳/ ۲۶-۲۲۵، احکام زکاۃ، ط: زکریا - دیوبند)

مزید دیکھیے: فتاویٰ رحیمیہ: ۷/ ۱۵۳، مسئلہ نمبر: ۱۵۷، ڈیڑھ تولہ سونا اور چار تولہ چاندی ہو، تو زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟، کتاب الزکاۃ، ط: دار الاشاعت - کراچی۔

(۵) (و) يضم (الذهب إلى الفضة) وعكسه بجامع الثمنية (قيمة). (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويضم إلخ) أي عند الاجتماع. . . . وفي البدائع أيضا أن ما ذكر من وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان أقل، فلو كان كل منهما نصابا تاما بدون زيادة لا يجب الضم؛ بل ينبغي أن يؤدي من كل واحد زكاته، فلو ضم حتى يؤدي كله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا ، ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا وإلا يؤد من كل منهما ربع عشره (قوله: وعكسه) وهو ضم الفضة إلى الذهب، وكذا يصح العكس في قوله وقيمة العرض تضم إلى الثمنين عند الإمام كما مر عن الزاهدي، وصرح به في المحيط أيضا . . . (قوله: قيمة) أي من جهة القيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۰۳، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، قبل: مطلب في وجوب الزكاة في دين المرصد، ط: دار الفكر - بيروت☆ البحر الرائق: ۲/ ۴۰۱-۴۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: زكريا - ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، ط: زكريا - ديوبند)

۳۵۰۰۰/ ہزار پر زکاۃ نکالنی پڑے گی۔ (عالمگیری، شامی)[۶]

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا حساب لکھنے والے اور اس معاملہ میں گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ ہیں (مسلم شریف: ۱/ ۲۷ ☆مشکوٰۃ المصابیح: ۲۴۴)[۷]

اس لیے سودی قرضہ لینا جائز نہیں، جس قدر جلد ممکن ہو، اس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے، تاکہ سودی قرض کی وعید سے حفاظت ہو۔

یہ بھی یاد رہے کہ ہر قسم کے شیئرز خریدنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ فکس ڈیویڈنڈ (متعین منافع) والے شیئرز؛ اس لیے کہ یہ بھی ایک طرح کا سود ہے، اسی طرح حرام کمائی کرنے والی اور حرام اشیاء تیار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا بھی جائز نہیں ہے؛ اگر ایسی کمپنی کے شیئرز خریدے گئے ہوں، تو جلد از جلد ان سے نجات حاصل کی جائے۔[۸]

اگر ایسی کمپنی کے شیئرز خریدے ہوں، جن کا کاروبار سود اور غرر وضرر پر مشتمل نہیں ہے، تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی جائز ہے اور اس کو اپنی ضرورت میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔[۹] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۶) (ومنها الفراغ عن الدين) قال أصحابنا - رحمهم الله تعالى -: كل دين له مطالب من جهة العباد، يمنع وجوب الزكاة، سواء كان الدين للعباد، كالقرض وثمن البيع وضمان المتلفات وأرش الجراحة، وسواء كان الدين من النقود، أو المكيل أو الموزون، أو الثياب أو الحيوان، وجب بخلع أو صلح عن دم عمد، وهو حال أو مؤجل أو لله - تعالى - كدين الزكاة، فإن كان زكاة سائمة، يمنع وجوب الزكاة، بلا خلاف بين أصحابنا - رحمهم الله تعالى - سواء كان ذلك في العين، بأن كان العين قائما أو في الذمة باستهلاك النصاب، وإن كان زكاة الأثمان، وزكاة عروض التجارة، ففيها خلاف بين أصحابنا فعند أبي حنيفة ومحمد - رحمهما الله تعالى - الجواب فيه كالجواب في السوائم. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۳-۱۷۲، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر - بيروت ☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۰، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

(۷) عن جابر - رضي الله عنه - قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (الصحيح لمسلم: ۲/ ۲۷، كتاب المساقات والمزارعة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ط: ديوبند)

(۸ و ۹) شیئرز اور ان کی خرید وفروخت کے موضوع پر اسلامک فقہ اکیڈمی کا سمینار جے پور میں مورخہ: ۲۷-۳۰/ جمادی الاولیٰ، ۱۴۱۷ھ، مطابق: ۱۱-۱۴/ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو منعقد ہوا تھا، جس کی بعض تجویز - جو ہمارے اس مسئلے سے متعلق ہے - درج ذیل ہے:

(۳) جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے مثلاً شراب وخنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی قرضے دینا وغیرہ، ان کے شیئرز کی =

[۵۳] ۶ ؍تولہ سونا اور نقد ۷۵۰۰ ؍روپے پر زکوۃ کا حکم

۱۲۸۴- سوال: ایک غریب عورت ہے، پچیس تیس سال سے ایک فیملی اس کی پرورش کر رہی ہے، اس عورت کو مختلف اوقات میں مختلف حضرات زکوٰۃ دیتے رہے، ابھی اس کے پاس ۶ ؍تولہ سونا اور ۷۵۰۰ ؍روپے نقد جمع ہے، وہ اس میں سے اپنی ضرورت پوری کرتی رہتی ہے، تو اس عورت پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ اگر فرض ہو، تو زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں اس عورت پر زکوٰۃ فرض ہے۔ ۶ ؍تولہ سونے کی قیمت بازار میں سنار کے پاس جو آتی ہو، اس میں نقد رقم ملا کر اس کا چالیس واں حصہ زکوٰۃ کے طور پر نکالنا ضروری ہوگا۔ مثلاً سونے کی قیمت ۸۰۰۰ ؍روپے ہوں، تو نقد رقم (۷۵۰۰) کو ملانے کے بعد، کل ۱۵۵۰۰ ؍کی زکوٰۃ نکالنا ضروری ہوگا؛ لہٰذا سال پورا ہونے پر (مثلاً: پہلی رمضان کو) جس قدر نقد رقم ہوگی، اس کو سونے کی قیمت کے ساتھ ملائی جائے گی اور کل کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۴] زکوٰۃ، سود اور شیئرز کے پندرہ مسائل

۱۲۸۵-۹۹- سوال: (۱) میں نے بچت کی نیت سے اور انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے ڈاک خانے میں سے ۱۵۰۰۰ ؍کے نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ (N.S.C) لیا ہے، جس کی رقم ساڑے چھ سال بعد

=خرید وفروخت ناجائز ہے۔

(۷) اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو، اور اس کی مقدار معلوم ہو، تو شیئر ہولڈر کے لیے منافع میں سے اس کے بقدر بلا نیت ثواب صدقہ کر دینا ضروری ہے۔

(۱۰) حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۱۳۵-۱۳۷، معاشی مسائل، شیئرز اور ان کی خرید وفروخت، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی-انڈیا)

(۱) وتضم قيمة العروض إلى الثمنين والذهب إلى الفضة قيمة كذا في الكنز. حتى لو ملك مائة درهم خمسة دنانير قيمتها مائة درهم تجب الزكاة عنده خلافا لهما، ولو ملك مائة درهم وعشرة دنانير أو مائة وخمسين درهما وخمسة دنانير أو خمسة عشر دينارا أو خمسين درهما تضم إجماعا كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، ط: دار الفكر-بيروت)

ڈبل ملے گی، تو کیا اسے سود مانا جائے گا؟ اور اگر وہ سود ہو، تو انکم ٹیکس میں دے سکتے ہیں؟

اور اس سال اس رقم پر - جس سے این ایس سی (نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ) خرید اگیا ہے - زکوۃ واجب ہوگی؟ یا جب ملے گی، تب واجب ہوگی۔

(۲) گذشتہ سال کا اور اس سال کا انکم ٹیکس تنخواہ سے کٹ گیا ہے، تو بینک سے ملنے والا سود، انکم ٹیکس کے بدلے میں لے کر استعمال کیا جاسکتا ہے، پروفیشنر ٹیکس بھی ہر مہینہ تنخواہ سے وضع کر لیا جاتا ہے، تو کیا اس میں بھی سود کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے؟

(۳) دوسرے آدمی کے بینک کی سود کی رقم انکم ٹیکس میں دی جاسکتی ہے؟

(۴) بینک سے ملنے والا گفٹ لینا کیسا ہے؟

(۵) ہر مہینے تنخواہ میں سے پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے جو کچھ رقم وضع کی جاتی ہے اور یہ فنڈ ملازمت کے خاتمے پر واپس دی جاتی ہے، تو اس پر موجودہ سال اور آئندہ سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی۔

(۶) ہماری کمپنی میں کام کرنے والوں کی ''کنزیومر سوسائٹی'' ہے، جس میں ہر ماہ ۱۵۰ ر روپئے وضع کیے جاتے ہیں، اس پر ہم کو لون دیا جاتا ہے، سال کی یہ رقم ۱۸۰۰ ہو جاتی ہے، کیا اس پر زکوۃ واجب ہوگی، یہ رقم ہم کو آخر میں یا سوسائٹی سے استعفاد دینے پر واپس ملتی ہے۔

(۷) (L.I.C) میں رقم جمع کیا ہے، تا کہ اکٹھا رقم حاصل ہو، جس میں ہر پانچ سال بعد کچھ رقم اور معاہدہ کے اختتام پر پوری رقم اضافے کے ساتھ ملے گی، تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی؟

(۸) سود کی رقم کا کسی کمیٹی یا اسکول میں ڈونیشن کے طور پر دینا، یا اسکول میں کمپاؤنڈ بنانا، یا حکومت سے کام کروانے کے لیے رشوت دینا جائز ہے یا نہیں؟

غریب مسلمان کو ضرورت کے وقت علاج و معالجہ کے لیے دینا، نیز غیر مسلم کو دوا وغیرہ کے لیے دینا کیسا ہے؟ اور کن کن کاموں میں سود کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے؟

(۹) ضرورت مند رشتہ دار یا دوست وغیرہ کو قرض کے طور پر دی ہوئی رقم پر زکوۃ کس کے ذمے واجب ہوگی؟ اور جب وہ رقم ملے گی، تب واجب ہوگی، یا فی الفور؟

اور قرض کی رقم جب وصول ہو اور اس وقت قرضہ ہو، تو کیا کیا جائے؟

(۱۰) فی الحال میرے پاس ساڑے تین تولہ سونا اور تقریبا دس تولہ چاندی ہے، اور تقریباً ۲۰۰۰/روپے کے ایسے برتن ہیں، جن کا سال میں ایک دو بار استعمال ہوتا ہے، اور بہت سے شوکیس میں رکھنے کے لیے ہی ہیں، جن کا استعمال کبھی نہیں ہوتا، اور پانچ گدے ہیں، جن کا استعمال اس سال نہیں ہوا، تو ان چیزوں پر اس سال زکوۃ واجب ہوگی؟ اور زکوۃ پورے سال میں رمضان المبارک کے پہلے دن واجب ہوگی؟

نوٹ: گذشتہ سال تک ہم مقروض تھے، اسی سال ہم دین سے فارغ ہوئے ہیں۔

(۱۱) اجتماعی نکاح کے وقت اگر کوئی دین دار آدمی، تمام دلہنوں کو مہر ادا کردے، تو اس کا اعتبار ہوگا یا خاوند کو ادا کرنی ہوگی؟

(۱۲) میرے والد کے ذمہ مہر کی رقم کی ادائیگی باقی ہے، اگر میں والد صاحب کو مہر کے پیسے دے دوں اور میرے والد میری والدہ کو دے دیں، تو مہر ادا ہو جائے گی، یا میرے والد کو کما کر ادا کرنی ہوگی؟

(۱۳) میرے دوست نے میرے نام پر شیئرز خریدے تھے، اس وقت اس کی قیمت ۲۲۰ روپے تھی، اور اب صرف ۳۰/روپے قیمت ہے، تو اس کی زکوۃ کس پر واجب ہوگی؟ اور قیمتِ خرید کا اعتبار ہوگا یا موجودہ قیمت کا؟

(۱۴) ہماری کمپنی نے مکان خریدنے کے لیے قرض دیا تھا، میں اس مکان کو کرائے پر دے دیا ہے، تو اس کی مالیت پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

(۱۵) فریج، الماری، گاڑی، صوفہ وغیرہ ادھار خریدا ہے، جس کی ادائیگی قسطوں پر ہوگی، تو ان قرضوں کی رقم، زکوۃ نکالنے میں وضع کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) N.S.C میں رکھی ہوئی رقم پر، اختتام مدت پر، جو زیادتی ملتی ہے، وہ سود ہے اور سود کے بڑے نقصانات ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے، اس لیے اس سے حد درجہ اجتناب چاہیے۔[1]

---

(۱) فأما الربا في اللغة: هو الزيادة. يقال: أربى فلان على فلان، أي زاد عليه. ويسمى المكان المرتفع ربوة؛ لزيادة فيه على سائر الأمكنة.

وفي الشريعة: الربا: هو الفضل الخالي عن العوض المشروط في البيع؛ لما بينا: أن البيع الحلال مقابلة مال =

اور سود کسی بھی قسم کا ہو، غریب و مسکین کو بغیر ثواب کی نیت کے دے دینا چاہیے، رفاہ عام، مثلاً عام

=متقوم بمال متقوم، فالفضل الخالي عن العوض إذا دخل في البيع كان ضد ما يقتضيه البيع، فكان حراما شرعا، واشتراطه في البيع مفسد للبيع، كاشتراط الخمر وغيرها.

والدليل على حرمة الربا: الكتاب والسنة. أما الكتاب فقوله تعالى: {وَحَرَّمَ الرِّبٰوا} [البقرة:٢٧٥]

وقد ذكر الله تعالى لآكل الربا خمسا من العقوبات:

(أحدها:) التخبط، قال الله تعالى: {لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ} [البقرة:٢٧٥] قيل: معناه ينتفخ بطنه يوم القيامة، بحيث لا تحمله قدماه، وكلما رام القيام يسقط فيكون بمنزلة الذي أصابه مس من الشيطان، فيصير كالمصروع الذي لا يقدر على أن يقوم. وقد ورد بنحوه أثر عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: يملأ بطنه نارا بقدر ما أكل من الربا. والمراد: أن يفتضح على رءوس الأشهاد. كما أشار إليه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في حديث آخر: أن لواء ينتصب يوم القيامة لآكلة الربا فيجتمعون تحته ثم يساقون إلى النار.

(والثاني): المحق، قال الله تعالى: {يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا} [البقرة:٢٧٦]. والمراد: الهلاك والاستيصال، وقيل: ذهاب البركة والاستمتاع، حتى لا ينتفع هو به ولا ولده بعده. ———— (والثالث): الحرب. قال الله تعالى: {فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ} [البقرة:٢٧٩]. والمعنى من القراءة بالمد: أعلموا الناس آكلة الربا أنكم حرب الله ورسوله بمنزلة قطاع الطريق. والقراءة بالقصر اعلموا أن آكلة الربا حرب الله ورسوله. ———— (والرابع): الكفر، قال الله تعالى: {وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ} [البقرة:٢٧٨]. وقال تعالى: {وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ} [البقرة:٢٧٦]. أي: كفار باستحلال الربا أثيم فاجر بأكل الربا. ———— (والخامس): الخلود في النار. قال الله تعالى: {وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ} [البقرة:٢٧٥]. ———— والسنة جاءت بتأييد ما قلنا: أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: آكل درهم واحد من الربا أشد من ثلاث وثلاثين زنية يزنيها الرجل. من نبت لحمه من حرام فالنار أولى به. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ٤٨٣ھ): ١٠/١٢-١٠٩، كتاب البيوع، أنواع الربا، ط: دار المعرفة - بيروت)

وهو في اللغة: الزيادة، ومنه الربوة للمكان الزائد على غيره في الارتفاع. ———— وفي الشرع: الزيادة المشروطة في العقد، وهذا إنما يكون عند المقابلة بالجنس. ———— وقيل: الربا في الشرع، عبارة عن عقد فاسد بصفة، سواء كان فيه زيادة أو لم يكن، فإن بيع الدراهم بالدنانير نسيئة ربا، ولا زيادة فيه.

والأصل في تحريمه قوله تعالى: {وأحل الله البيع وحرم الربو} [البقرة:٢٧٥] وقوله: {لا تأكلوا الربو} [آل عمران:١٣٠] والحديث المشهور، وهو قوله - عليه الصلاة والسلام -: الذهب بالذهب مثلا بمثل، وزنا بوزن، يدا بيد، والفضل ربا، والحنطة بالحنطة مثلا بمثل، كيلا بكيل، يدا بيد، والفضل ربا، والشعير بالشعير، مثلا بمثل، كيلا بكيل، يدا بيد، والفضل ربا، والتمر بالتمر، مثلا بمثل، كيلا بكيل، يدا بيد، والفضل ربا، والملح بالملح، مثلا بمثل، كيلا بكيل، يدا بيد، والفضل ربا. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ٦٨٣ھ): ٢/٣٠، كتاب البيوع، باب الربا، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)

راستہ، اس پر تعمیر کیے جانے والے بیت الخلاء، غسل خانے، اسکول کا کمپاؤنڈ وغیرہ میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، البتہ باقی رہنے والی عمارتوں میں استعمال نہ کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ اس کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں سے آہستہ آہستہ سود کی حرمت نکل جانے کا اندیشہ ہے۔ (۲)

سود کی رقم اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں، البتہ حکومت کے ٹیکسوں سے تنگ آگئے ہوں اور اس کی ادائیگی کے لیے سود کی رقم استعمال کرنے پر مجبور ہوں، تو سرکاری بینکوں سے ملنے والے سود کو، غیر واجبی (ظلمی) ٹیکسوں، مثلاً انکم ٹیکس میں دینے کی گنجائش ہے، بغیر مجبوری کے استعمال نہ کی جائے۔ (۳)

---

(۲) اسلامک فقہ اکیڈمی-انڈیا نے دوسرے فقہی سمینار (منعقدہ: ۸-۱۱ / جمادی الاولی، ۱۴۱۰ھ، مطابق: ۸ / ۱۱ / دسمبر ۱۹۸۹ء، دہلی) نے درج ذیل قرارداد پاس کی ہے:

۱-بینکوں سے ملنے والی سودی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے؛ بل کہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہیے:

۲-بینک کے سودی رقم کو بلا نیت ثواب فقراء و مساکین پر خرچ کر دیا جائے، اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے۔

۳-سودی رقم کو مساجد اور اس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

۴-اکثر شرکاء سمینار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء و مساکین تک محدود رکھنا چاہیے۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۱۴۱، معاشی مسائل، بینک انٹرسٹ، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی-انڈیا، سن طباعت: اپریل: ۲۰۰۹ء)

وفي منية المفتي: مات رجل ويعلم الوارث أن أباه كان يكسب من حيث لا يحل، ولكن لا يعلم الطلب بعينه ليرد عليه حل له الإرث، والأفضل أن يتورع ويتصدق بنية خصماء أبيه. اهـ وكذا لا يحل إذا علم عين الغصب مثلا وإن لم يعلم مالكه، لما في البزازية أخذه مورثه رشوة أو ظلما، إن علم ذلك بعينه لا يحل له أخذه، وإلا فله أخذه حكما أما في الديانة فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء اهـ.

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه، وإن كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام، ولا يعلم أربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما، والأحسن ديانة التنزه عنه. (رد المحتار على الدر المختار: ۵ / ۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: رد المشترى فاسدا إلى بائعه فلم يقبله، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ایک استفتاء کے جواب میں رقم طراز ہیں:

......بہتر یہ ہے کہ بینک یا ڈاک خانے میں کوئی رقم جمع ہی نہ کی جائے، اگر جمع کر دی ہے، تو فاضل رقم وہاں سے وصول کر کے غرباء کو دے دی جائے، اس نیت سے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے محفوظ رکھے، یہی احوط ہے، اگر سرکاری محکمہ سے سود کی رقم حاصل ہوئی، تو اس کو غیر واجبی ٹیکس میں ادا کرنا بھی درست ہے، بل کہ صدقہ سے مقدم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۶ / ۸۱ - ۳۸۲، کتاب البیوع، باب الربا، بینک کے سود کا مصرف، ط: دار المعارف-دیوبند)　=

مذکورہ امر میں مشغول اصل سرمایے پر زکوۃ واجب ہوگی، جب مذکورہ رقم قبضے میں آجائے، تو گذشتہ سال کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، وصول کرنے سے پہلے ادا کردینے سے بھی ادا ہوجائے گی۔ [۴]

= مزید دیکھیے: فتاویٰ رحیمیہ: ۹/ ۲۶۲، باب الربا، سودی رقم سے ٹیکس ادا کرنا، ط: دار الاشاعت- کراچی۔

---

(۲) انکم ٹیکس اور پروفیشنل ٹیکس میں دی ہوئی رقم کے بہ قدر، سرکاری بینکوں کے سود میں سے رقم وصول کرکے اپنے استعمال میں لانے کی گنجائش ہے۔ (امداد المفتیین) [۵]

(ويجب رد عين المغصوب) ما لم يتغير تغيرا فاحشا، مجتبى (في مكان غصبه) لتفاوت القيم باختلاف الأماكن (ويبرأ برده ولو بغير علم المالك)، في البزازية: غصب دراهم إنسان من كيسه، ثم ردها فيه بلا علمه برئ، وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرى كهبة، أو إيداع، أو شراء، وكذا لو أطعمه فأكله. (الدر المختار على رد المحتار: ۶/ ۱۸۲، كتاب الغصب، ط: دار الفكر- بيروت)

وشمل الرد حكما ما في جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدي مالكه برئ، وإن لم يوجد حقيقة القبض. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۱۸۲، كتاب الغصب، مطلب فيما لو هدم حائط، ط: دار الفكر- بيروت)

(۴) (ولو كان الدين على مقر مليء... فوصل إلى ملكه لزم زكاة ما مضى). [الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷- ۲۶۶، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر- بيروت]

[۵] سوال: گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنے پرائز بونڈ کے نوٹ جاری کیے ہیں، ان پر بہ حساب چھ فی صد سالانہ سود ملتا ہے، میں گورنمنٹ آف انڈیا کو تقریباً تین ہزار روپیہ سالانہ انکم ٹیکس دیتا ہوں، تو کیا میرے لیے جائز ہوگا کہ میں بونڈ خرید کر اس کا سود اس نیت سے لوں کہ مجھ سے گورنمنٹ یہ رقم انکم ٹیکس، جو شرعاً ایک ناجائز مطالبہ ہے، وصول کرچکی ہے، وہ میں واپس لے رہا ہوں۔

جواب: جس قدر روپیہ گورنمنٹ آپ سے بہ ذریعہ ٹیکس وصول کرتی ہے، اسی قدر روپیہ آپ گورنمنٹ بینک یا دوسرے سرکاری محکمات سے، جس طرح ممکن ہو وصول کرسکتے ہیں، گورنمنٹ اس کا نام سود رکھے یا کچھ اور، آپ اپنا جائز مطالبہ وصول کرنے کی نیت سے لیں، تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اور آپ کے حق میں سود نہیں ہوگا۔ ایسے مواقع میں فقہاء نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ اپنے حق کی مقدار چوری یا غصب کرکے بھی اگر کوئی شخص اپنے مدیون سے وصول کرلے، تو جائز ہے:

قال في الشامية في باب حد السرقة: فإذا ظفر بمال مديونه له الأخذ ديانة بل له الأخذ من خلاف الجنس على ما نذكره قريبا، انتهى. (شامي: ۳/ ۹۵، ط: دار الفكر) (امداد المفتیین ۲/ ۷۰۶، کتاب الربا والقمار، ط: دار الاشاعت- کراچی)

قاعدة: الضرر يدفع بقدر الإمكان (مج)________ قاعدة: الضرر يزال (شن) [قواعد الفقه- محمد عميم الإحسان المجددي البركتي، ص: ۸۸، قاعدہ نمبر: ۱۶۸ و ۱۶۹، ط: الصدف پبلشرز- كراتشي)

قاعدة: المظلوم له أن يدفع الظلم عن نفسه بما قدر عليه لكن ليس له أن يظلم غيره (سير) [حوالہ سابق، ص: ۱۲۴، قاعدہ نمبر: ۳۳۲]

---

(۳) سرکاری بینک کا سود اگر اپنا ہو، تو مجبوراً دینے کی گنجائش ہے، دوسرے کا نہ دیا جائے۔ [۶]

(۴) مذکورہ گفٹ لے کر کسی غریب مسلمان کو ثواب کی نیت کے بغیر دے دی جائے۔ [۷]

---

(۵) لازمی [جبری] پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جب آدمی کو حاصل ہو اور وہ زکوٰۃ کے نصاب کا مالک ہو اور اس پر اسلامی سال گذر جائے، ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ [۸]

گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ [۹]

---

(۶) حاشیہ نمبر ۳ دیکھیں۔

(۷) بینک میں سود یا ملنے والی کوئی شئے نہیں چھوڑنی چاہیے، کہ اس کا غلط استعمال ہوتا ہے۔

بینک سے ملنے والا انعام ایک قسم کا تبرع ہے؛ اس لیے اس کا استعمال جائز ہونا چاہیے، صاحب فتاویٰ دارالعلوم زکریا - ساؤتھ افریقہ، نے لکھا ہے کہ: بینک والوں کا انعام دینا اور اس کا لینا جائز ہے، اس عقد کو عقد تبرع کہتے ہیں، یعنی کسی کے ساتھ مشروط احسان کرنا، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے امداد الاحکام (۳۸۶/۳) میں اس کا جواز تحریر فرمایا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی رائے ورع و تقویٰ پر محمول ہوگی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۴۰۰/۵، سود کے احکام کا بیان، ط: مجلس البحوث والافتاء، ممبئی)

(۸ و ۹) فقہ اکیڈمی - انڈیا نے اس موضوع پر منعقد سمینار (۳-۶، جمادی الاولیٰ، ۱۴۱۳ھ = مطابق: ۳۰/ اکتوبر - ۲/ نومبر ۱۹۹۲ء، مقام: اعظم گڑھ) میں درج ذیل فیصلہ کیا ہے:

پراویڈنٹ فنڈ (تنخواہ سے لازمی طور پر وضع ہونے والی رقم) جب تک اس پر قبضہ نہ ہو جائے، اس کی زکاۃ واجب نہ ہوگی، جب یہ رقم وصول ہو جائے اور بہ قدر نصاب ہو اور اس پر ایک سال گذر جائے، تو اس کی زکاۃ ادا کرنی ہوگی۔

بعض اوقات کچھ لوگ قانون انکم ٹیکس کی زد سے بچنے یا دیگر مصالح کی خاطر اختیاری طور پر اپنی تنخواہ سے کچھ زائد رقم وضع کرا کر، پی-ایف (P.F) جمع کراتے ہیں، یہ رقم اگر قدر نصاب کو پہنچ جائے، تو سال بہ سال زکاۃ ادا کرنی پڑے گی۔ اس اختیاری وضع کرائی ہوئی رقم کی حیثیت ودیعت کی ہے، اور مال ودیعت پر زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۶۱، عبادتی مسائل، پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی - انڈیا)

حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں: جو ۹/ روپے لازماً کٹتے ہیں، اور اس پر جو مزید رقم ملے گی، یہ سب سرکاری انعام ہے، اس پر زکاۃ کا مسئلہ، ملنے اور قبضہ میں آنے کے بعد جاری ہوگا، ملنے سے پہلے نہیں، البتہ جو رقم ماہانہ (اکتالیس روپے) جمع کرنے کیا آپ نے اپنی مرضی سے منظوری دی ہے، اس میں زکاۃ کا حکم جاری ہوگا؛ اگرچہ وہ قبضہ میں نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۵۲/۷، کتاب الزکاۃ، پروویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ نہیں ہے، اپنی مرضی سے رقم کٹوائے، تو اس پر زکاۃ ہے، ط: دارالاشاعت، کراچی، پاکستان) =

---

(۶) مذکورہ سوسائٹی میں جمع رقم پر صاحب نصاب کے ذمہ ہر سال کی زکوۃ واجب ہوگی، رقم وصول ہونے کے بعد زکوۃ ادا کرے، تو ہر سال کی جمع رقم کے حساب کے مطابق، گذشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔ [۱۰]

(۷) L.I.C میں سرمایہ کاری جائز نہیں ہے؛ اس پر ملنے والی زیادتی سود ہے اور اصل سرمایہ پر ہر سال زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر رقم وصول کرنے کے بعد ادا کرے، تو گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔ [۱۱]

---

(۸) سود کی رقم کسی بھی غریب مسلمان کو ثواب کی نیت بغیر دیدی جائے، غریب مسلمان کی دوا، کپڑے یا کسی بھی ضرورت کے لیے دی جاسکتی ہے، رفاہ عام کے کاموں میں، مثلا: عام راستہ، اس پر تعمیر کیے جانے والے بیت الخلاء، غسل خانے، پانی کی ٹنکی وغیرہ میں استعمال کرنے کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن جیسا کہ جواب نمبر:۱ میں وضاحت کی گئی کہ ایسی چیزوں میں اس کا استعمال بہتر نہیں ہے، جو باقی رہنے والی ہو؛ اس لیے کہ اس کی وجہ سے سود کی حرمت دلوں سے نکل جانے کا اندیشہ ہے۔

اسکول کے کمپاؤنڈ میں بھی استعمال کی جاسکتی ہے، ڈونیشن کے طور پر اپنے نام سے دینا جائز نہیں

= وأما الشرائط التي ترجع إلى المال فمنها: الملك، فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك وهذا، لأن في الزكاة تمليكا والتمليك في غير الملك لا يتصور. (بدائع الصنائع:۲/۹، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(وسببه) أي سبب افتراضها (ملك نصاب حولي)[الدر المختار]ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ملك نصاب) فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك، ولا فيما أحرزه العدو بدارهم لأنهم ملكوه بالإحراز عندنا خلافا للشافعي بدائع، ولا فيما دون النصاب. (رد المحتار على الدر المختار:۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، قبيل: مطلب الفرق بين السبب والشرط والعلة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱۰-۱۱) اصل مال پر زکاۃ واجب ہوگی، اصل مال سے جو زائد رقم ہے، وہ سود ہے۔ اصل مال دین قوی ہے، جس میں سالہائے گذشتہ کی زکوۃ بھی واجب ہوتی ہے:

(ولو كان الدين على مقر مليء ...فوصل إلى ملكه لزم زكاة ما مضى).[الدر المختار مع رد المحتار:۲/۲۶۶-۲۶۷، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت]

ہے، اسی طرح سرکاری کام نکالنے کے لیے رشوت کے طور پر دینا بھی جائز نہیں ہے، غیر مسلم کو دوا وغیرہ کے طور پر نہ دی جائے، کہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں میں غربت کہیں زیادہ ہے۔[۱۲]

سود کی رقم ثواب کی نیت کے بغیر دے دی جائے، اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاک وحلال مال ہی قبول کرتے ہیں، حرام مال قبول نہیں کرتے، لہٰذا سود کی رقم میں ثواب کی نیت کرنے سے کفر کا اندیشہ ہے، البتہ اگر ثواب کی نیت کے بغیر دیدی جائے، تو شریعت کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائیں گے۔

---

(۹) قرض کے طور پر دی گئی رقم کی زکوۃ، مال دار قرض خواہ پر ہوگی، مقروض پر اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس کا مالک قرض خواہ (قرض دینے والا) ہے، مقروض نہیں۔[۱۳]

ہر سال کا حساب الگ الگ کیا جائے گا اور قرض دی ہوئی رقم، قرض خواہ کے جمع شدہ مال میں شمار ہوگی، اگر اس کے ذمہ بھی قرض ہو، تو جمع شدہ مال سے وضع کرنے کے بعد نصاب کے بہ قدر مال باقی رہے،

---

(۱۲) سوال: بینک سے جو سود ملتا ہے، وہ کس کو دیا جائے؟ ایک غیر مسلم ضرورت مند ہے، اس کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟
جواب: یہ رقم غریب، مسکین محتاج کو دی جا سکتی ہے، اور وہ اپنے کام میں لے سکتا ہے، غریب مسلمان کو فائدہ پہنچانا چاہیے، وہ بہ نسبت غیر مسلم کے زیادہ حق دار ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۹/ ۲۷۹، باب الربا، بینک کا سود غیر مسلم کو دینا، ط: دار الاشاعت-کراچی)

(۱۳) عن عبد اللہ بن مسعود، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إن اللہ قسم بینکم أخلاقکم، کما قسم بینکم أرزاقکم، ... ولا یکسب عبد مالا من حرام، فینفق منہ فیبارك لہ فیہ، ولا یتصدق بہ فیقبل منہ، ولا یترك خلف ظہرہ إلا کان زادہ إلی النار، إن اللہ عز وجل لا یمحو السیئ بالسیئ، ولکن یمحو السیئ بالحسن، إن الخبیث لا یمحو الخبیث. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۶/ ۱۸۹، رقم الحدیث: ۳۶۷۲، ط: الرسالة☆شرح السنة- محیي السنة، أبو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (م: ۵۱۶ھ): ۸/ ۱۰، رقم الحدیث: ۲۰۳۰، کتاب الحج، باب الکسب وطلب الحلال، ت: شعیب الأرنؤوط- محمد زهیر الشاویش، ط: المکتب الإسلامي -دمشق)

والمعنی أن التصدق بالمال الحرام سیئة، ولا یمحو اللہ الأعمال السیئات بالسیئات؛ بل قال بعض علمائنا: من تصدق بمال حرام، ورجا الثواب کفر، ولو عرف الفقیر ودعا لہ کفر. (مرقاة المفاتیح: ۵/ ۱۸۹۸، تحت رقم الحدیث: ۲۷۷۱، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، ط: دار الفکر- بیروت)

رجل دفع إلی فقیر من المال الحرام شیئا یرجو بہ الثواب یکفر. (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۲۹۲، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام، ط: دار الفکر)

تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

(۲) قرض کی رقم جب وصول ہوگی تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور گذشتہ سالوں کی بھی ادا کرنی ہوگی اور اگر وصول کرنے سے پہلے ادا کردے تب بھی ادا ہو جائے گی۔[۱۴]

---

(۱۰) آپ کی تحریر کردہ اشیاء میں سے سونے اور چاندی پر ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔[۱۵] گھر کے برتن اور گدے وجوبِ زکوٰۃ کے نصاب میں محسوب نہیں ہوں گے اور ان پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں ہوگی۔[۱۶] البتہ ضرورت سے زائد برتن، جو سال میں بالکل استعمال نہیں ہوتے، نیز شوکیش میں رکھے ہوئے شو کے برتن وغیرہ صدقۂ فطر اور قربانی کے نصاب میں شمار کیے جائیں گے۔[۱۷]

---

(۱۴) "الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند☆العناية: ۱/۱۵۳، أول كتاب الزكاة☆البناية: ۳/۲۸۹، كتاب الزكاة، حكم الزكاة، وشروط وجوبها، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

"ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكاة عليه"... "وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصابا" لفراغه عن الحاجة. (الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم-دیوبند)

(۱۵) أموال الزكاة أنواع ثلاثة أحدها: الأثمان المطلقة وهي الذهب والفضة، والثاني: أموال التجارة وهي العروض المعدة للتجارة، والثالث: السوائم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود، الكاساني (م: ۵۸۷هـ): ۲/۱۶، كتاب الزكاة، فصل الأثمان المطلقة وهي الذهب والفضة، ط: دار الكتب العلمية)

(۱۶) (وسببه) أي سبب افتراضها (ملك نصاب حولي) نسبة للحول لحولانه عليه (تام)... (فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد)... (و) فارغ (عن حاجته الأصلية) لأن المشغول بها كالمعدوم... (نام ولو تقديرا) [الدر المختار على رد المحتار: ۲/۲۵۹-۲۶۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر]

"وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة" لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية أيضا وعلى هذا كتب العلم لأهلها والات المحترفين لما قلنا. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۹۶، كتاب الزكاة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

ومنها كون النصاب ناميا. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۴، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

(۱۷) وهي واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية كذا في الاختيار شرح المختار، ولا يعتبر فيه وصف النماء ويتعلق بهذا النصاب وجوب الأضحية، ووجوب نفقة الأقارب هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۱، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر، ط: دار الفكر)

جب آپ نے قرض کی ادائیگی سے فراغت حاصل کی، اور زکوۃ کے نصاب کے بہ قدر مال کے مالک بنے، اس وقت سے ایک اسلامی سال مکمل گذر جائے، تب زکوۃ فرض ہوگی۔ [۱۸]

زکوۃ کے فرض ہونے میں ماہ رمضان کو کوئی دخل نہیں ہے؛ بل حولان حول کا اعتبار ہے، چاہے جب ہوجائے، لہٰذا اگر کوئی شخص یکم محرم الحرام کو نصاب کا مالک ہوا اور اس پر ایک سال گذر گئے، یعنی دوسرے سال کا ماہ محرم شروع ہوگیا، تو اس پر زکاۃ کی ادائیگی واجب ہوگی، بلا وجہ تاخیر کرنے سے گنہ گار ہوگا۔ [۱۹]

---

(۱۱) مہر دینے والے آدمی نے شوہر کی اجازت سے ان کی بیویوں کا مہر ادا کیا ہو، تو کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ ایک آدمی کا قرض اس کی اجازت سے دوسرا آدمی ادا کرسکتا ہے، مہر بھی شوہر کے ذمہ بیوی کا قرض ہے، لہٰذا دوسرا آدمی اس کی اجازت سے ادا کرسکتا ہے، مہر ذاتی کمائی سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔ [۲۰]

---

(۱۸) لا خلاف في أن أصل النصاب وهو النصاب الموجود في أول الحول يشترط له الحول: لقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: "لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول"؛ ولأن كون المال ناميا شرط وجوب الزكاة لما ذكرنا، والنماء لا يحصل إلا بالاستنماء، ولا بد لذلك من مدة، وأقل مدة يستنمى المال فيها بالتجارة والإسامة عادة الحول. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۳، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية)

(وشرطه) أي شرط افتراض أدائها (حولان الحول) وهو في ملكه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱۹) (وحولها) أي الزكاة (قمري) بحر عن القنية (لا شمسي). [الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۹۵ - ۲۹۴، كتاب الزكاة، قبيل: باب زكاة المال، ط: دار الفكر - بيروت]

وتجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتأخيره من غير عذر، وفي رواية الرازي على التراخي حتى يأثم عند الموت، والأول أصح كذا في التهذيب. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر - بيروت)

(وافتراضها عمري) أي على التراخي وصححه الباقاني وغيره (وقيل فوري) أي واجب على الفور (وعليه الفتوى) كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلا عذر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۱-۲۷۲، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

إذا لم يؤد الزكاة حتى مضى حولان فقد أساء وأثم. (بدائع الصنائع: ۲/ ۳، كتاب الزكاة، فصل كيفية فرضية الزكاة، ط: دار الكتب العلمية)

(۲۰) لو قضى دين الحي إن قضاه بغير أمره يكون متبرعا... وإن قضاه بأمره جاز. (البحر الرائق: ۲/ ۲۴۳، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا - ديوبند)

(۱۲) آپ والد صاحب کو بہ طور خدمت، کوئی رقم ہدیہ کردیں، اور اس رقم سے والد صاحب مہر ادا کریں، تو جائز ہے؛ کیوں کہ وہ رقم کے مالک ہیں، اور اس میں مکمل تصرف کا اختیار رکھتے ہیں۔

(۱۳) شیئرز پر زکاۃ ہے، بشرطے کہ شیئرز ہولڈر کے پاس نصاب کے بہ قدر مال ہو، شیئرز کی مالیت کو بھی اس میں شمار کیا جائے گا۔

اس لیے اگر آپ کو مالک بنانے کے لیے آپ کے نام پر شیئرز خریدے گئے ہیں، تو ان کی زکوٰۃ آپ پر واجب ہوگی، اور اگر صرف آپ کا نام استعمال کیا گیا ہو، اور اصل مالک آپ کا دوست ہو، تو شیئرز کی زکوٰۃ آپ کے دوست پر واجب ہوگی۔[۲۱]

---

(۲۱) وأما الشرائط التي ترجع إلى المال فمنها: الملك، فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك وهذا، لأن في الزكاة تمليكا، والتمليك في غير الملك لا يتصور. (بدائع الصنائع: ۲/ ۹، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲۲) وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء. وفي السوائم يوم الأداء إجماعا، وهو الأصح، ويقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه فتح. (الدر المختار) ــــــــــ وقال ابن عابدين: (قوله وهو الأصح) أي كون المعتبر في السوائم يوم الأداء إجماعا هو الأصح؛ فإنه ذكر في البدائع أنه قيل إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل يوم الأداء. اهـ. ــــ وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح اهـ فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما، وعليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقا عليه عنده وعندهما (قوله: ويقوم في البلد الذي المال فيه) فلو بعث عبدا للتجارة في بلد آخر يقوم في البلد الذي فيه العبد بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

(۲۳) (ومنها فراغ المال) عن حاجته الأصلية، فليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۲، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر)

ولو آجر عبده أو داره بنصاب إن لم يكونا للتجارة لا تجب ما لم يحل الحول بعد القبض في قوله. (البحر الرائق: ۲/ ۲۲۲، كتاب الزكاة، شروط الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

"وإن اشترى شيئا ونواه للتجارة كان للتجارة لاتصال النية بالعمل". (الهداية: ۱/ ۱۸۷، أول كتاب الزكاة، ط: ياسر نديم-ديوبند)

الزكاة واجبة في عروض التجارة. (حوالہ سابق: ۱/ ۱۹۵، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، فصل فی العروض)

مکان پر یا اس کی قیمت پر تو کسی حال میں زکاۃ نہیں، خواہ رہائشی ہو، یا نہ ہو، ہاں، اگر مکانات کی تجارت کی جاتی ہو، تو بہ حیثیت=

شیئرز کی زکوۃ میں ادائیگی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔[۲۲]

---

(۱۴) سکونت اختیار کرنے کے لیے، یا کرایہ پر دینے کے لیے خریدے ہوئے مکان پر زکوۃ واجب نہیں ہے، البتہ مکان خریدتے وقت بیچنے کی نیت ہو، تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔[۲۳]

(۱۵) اگر مذکورہ اشیاء قسط وار خریدی ہو اور قسط ایک سال یا زیادہ مدت کی ہو، تو ایک سال کی قسطوں کی رقم، جمع شدہ رقم سے وضع کی جائے گی، اس سے زیادہ قرض وضع نہیں کیا جائے گا۔[۲۴] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

=مال تجارت ہونے کے، ان کی قیمت پر زکاۃ ہوگی۔

اگر خود مکانوں کو بہ نیت تجارت خریدا گیا ہو، تو ان کی قیمت پر زکاۃ ہوگی، ورنہ نہیں۔ (کفایت المفتی: ۴/ ۲۶۴، مسئلہ نمبر: ۳۰۴، کتاب الزکاۃ والصدقات، رہائش سے زائد مکان پر بھی زکاۃ نہیں، ط: زکریا- دیوبند)

[۲۴] وعلى هذا يخرج مهر المرأة فإنه يمنع وجوب الزكاة عندنا معجلا كان أو مؤجلا؛ لأنها إذا طالبته يؤاخذ به، وقال بعض مشايخنا: إن المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۶، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة، الشرائط التي ترجع على من عليه المال، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(قوله المؤجل) وقيل المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة، بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء، منع، و إلا فلا؛ لأنه لا يعد دينا، بحر عن غاية البيان، و في القهستاني: و الصحيح أن المؤجل غير مانع، كما في الجواهر. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۳۹۱، كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية)

(فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد) سواء كان لله كزكاة وخراج أو للعبد، ولو كفالة أو مؤجلا، ولو صداق زوجته المؤجل للفراق. (الدر المختار) ——— (قوله أو مؤجلا إلخ) عزاه في المعراج إلى شرح الطحاوي، وقال: وعن أبي حنيفة لا يمنع. وقال الصدر الشهيد: لا رواية فيه، ولكل من المنع وعدمه وجه. زاد القهستاني عن الجواهر: والصحيح أنه غير مانع. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۱، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

صورت مسئولہ میں اصولاً تمام قسط کے قرضے کو اصل مال سے منہا کرنا چاہیے؛ لیکن ایسا فتویٰ صادر کیا جائے تو عملاً فقراء محروم ہو جائیں گے؛ کیوں کہ آج کل طویل مدتی قرضے انتہائی کم مقدار میں قابل ادا ہوتے ہیں، ایسی صورت میں مال داروں کو اس رقم کی زکوۃ میں چھوٹ دینا لازم آئے گا، جس میں وہ تصرف کرتے ہیں اور طویل مدت میں اسے ادا کرتے ہیں، استاذ گرامی، فقیہ العصر، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ رقم طراز ہیں:

سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کی طرف سے آج کل ترقیاتی اور صنعتی قرضے فراہم کیے جاتے ہیں، طویل مدت میں ان کی ادائیگی مطلوب ہوتی ہے، ان قرضوں کی مقدار تو بہت زیادہ ہوتی ہے؛ لیکن ہر سال ادا طلب قسم بہت معمولی ہوتی ہے، سوال یہ ہے=

[۵۵] کرایہ پر دیا ہوا مکان نصاب میں شمار ہوگا یا نہیں؟

گذشتہ سے پیوستہ

۱۳۰۰-سوال: ہماری کمپنی نے قرض سے گھر خرید کر دیا ہے، جس کی قیمت دو لاکھ تیس ہزار [230000] ہے، میرے والد کا ذاتی مکان ہے؛ میں اپنے والدین کے ہمراہ، فیملی کے ساتھ رہتا ہوں، اور کمپنی کا دیا ہوا مکان کرایہ پر دے رکھا ہے، ہماری کمپنی ہر ماہ کی تنخواہ میں سے مکان کی قسط وضع کر لیتی ہے، تو مجھ پر اس مکان کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ نیز صدقۂ فطر اور قربانی کا وجوب ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

مکان کی قابلِ ادا قسطوں میں سے ایک سال کی قسط کے بہ قدر، زکوۃ واجب ہونے والے اموال

= کہ ایسے قرضے پورے کے پورے منہا کر کے زکوۃ واجب ہوگی یا ہر سال کی مطلوبہ قسط ہی منہا کی جائے گی، اور باقی پورے مال کی زکاۃ ادا کرنی ہوگی؟

فقہاء احناف کے عام اصول کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ایسی صورت میں پورے قرض کو منہا کیا جائے، اس کے بعد جو رقم بچ جائے، اس میں زکاۃ واجب ہو؛ لیکن ایسے طویل مدتی دیون کو مستثنیٰ کرنے میں فقراء کو اپنے حق سے محروم ہونا پڑتا ہے، اور صاحب مال کو ایک ایسے مال کی زکاۃ سے چھوٹ مل جاتی ہے، جو اس کے تصرف میں ہے، اور جس کی ادائیگی میں اسے بہت مہلت حاصل ہے، اس لیے ان حالات میں سب سے متوازن، شریعت کی روح ومقصد سے ہم آہنگ اور معتدل رائے یہ ہے کہ ہر سال قرض کی جو قسط ادا کی جاتی ہے، صرف وہی مقدار زکاۃ سے مستثنیٰ ہوں گی، بقیہ پورے مال میں زکاۃ ادا کی جائے گی، اس سلسلے میں فقہاء کے یہاں ایک نظیر بھی موجود ہے، کہ دیر سے ادا کیا جانے والا مہر (مہر مؤجل) منہا کیے بغیر پورے مال میں زکاۃ واجب ہوگی، چناں چہ علامہ کاسانیؒ نقل کرتے ہیں: وقال بعض مشايخنا: إن المؤجل لا يمنع، لأنه غير مطالب به عادة. (ہمارے بعض مشائخ کہتے ہیں کہ ادھار مہر، زکاۃ کی ادائیگی کے لیے مانع نہیں؛ کیوں کہ عام طور سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا ہے۔)

خود امام ابوحنیفہؒ سے بھی اس طرح کے اقوال منقول ہیں کہ دین مؤجل یعنی دیر سے قابلِ ادائیگی قرضے زکاۃ واجب ہونے میں مانع نہیں ہیں، اور علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ یہی قول صحیح ہے۔ (دیکھیے: شامی: ۲/۲۶۱، اول کتاب الزکاۃ، ط: دار الفکر)

[جدید فقہی مسائل: ۱/ ۲۱۲-۲۱۳، زکاۃ طویل مدتی دیون کی زکاۃ، ط: نعیمیہ- دیوبند☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۳/ ۱۳۳، کتاب الزکاۃ، وجوب زکاۃ کا بیان، ترقیاتی قرضے مانع زکاۃ نہیں ہے، ط: مجلس البحوث والافتاء، ممبئی]

نوٹ: یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے، جب کہ طویل مدتی قرض ہو، اگر صرف دو تین سال کی مدت میں قرض کا ادا کیا جانا ضروری ہو، تب اس کے مجموعے کو اموال زکاۃ سے منہا کیا جانا چاہیے؛ کیوں کہ اس صورت میں فقراء کے حق کو ضائع کرنا لازم نہیں آتا، اس لیے عام اصول سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ———— ہاں اگر اس قرض کو دس گیارہ سال کی مدت میں ادا کرنا ہو، تب وہی حکم ہوگا، جو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

سے وضع کرنے کے بعد، اگر آپ صاحب نصاب باقی رہتے ہیں، تو آپ کو زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔ [1] اور صدقۂ فطر وقربانی واجب ہونے کے لیے کرایے پر دیا ہوا ضرورت سے زائد مکان بھی محسوب ہوگا۔ [2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) "ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكاة عليه" وقال الشافعي رحمه الله تجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام ولنا أنه مشغول بحاجته الأصلية فاعتبر معدوما كظماء المستحق بالعطش وثياب البذلة والمهنة" وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصابا" لفراغه عن الحاجة. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ):۱/ ۹۵، أول كتاب الزكاة،ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

اگر قابل ادا قسط، کئی سالوں پر محیط ہو، تب تو صرف ایک سال کی قسط کو اموال زکاۃ سے منہا کیا جائے گا، اور اگر ان قسطوں کی ادائگی کے لیے طویل مدت کی مہلت نہ ہو، تو مکمل قرض کو قابل زکوۃ اموال سے منہا کیا جائے گا، تفصیل کے لیے دیکھیے گذشتہ سوال کا حاشیہ نمبر ۲۴۔

(۲) وإذا كان دار لايسكنها ويؤاجرها أو لا يؤاجرها تعتبر قيمتها في الغناء، وكذا إذا سكنها وفضل شيء عن سكناه، تعتبر قيمة الفاضل في النصاب، ويتعلق بهذا النصاب أحكام وجوب صدقة الفطر والأضحية. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۴۵۴، كتاب الصوم، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر، ط: زكريا)

وهي [صدقة الفطر] واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية كذا في الاختيار شرح المختار، ولا يعتبر فيه وصف النماء ويتعلق بهذا النصاب وجوب الأضحية، ووجوب نفقة الأقارب هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۱، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر، ط: دار الفكر)

ويعتبر ما زاد على الدار الواحدة في الغنى. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۱۵، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا-ديوبند)

عن علی رضی اللہ عنہ ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ببعض أول هذا الحديث ، قال:فإذا كانت لك مائتا درهم، وحال عليها الحول ، ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء - يعنى - فى الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا، فإذا كان لك عشرون دينارا، وحال عليها الحول ، ففيها نصف دينار، فما زاد، فبحساب ذلك. (سنن ابی داود:۱/ ۲۲۱، حدیث نمبر:۱۵۷۳، کتاب الزکاۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ، ط: فیصل دیوبند)

باب الزكاة في الذهب والفضة والفلوس

[سونا، چاندی، اورنوٹ پرزکاۃ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الزكاة في الذهب والفضة والفلوس

[سونا، چاندی، اور نوٹ پر زکاۃ]

[۱] پورے سونے میں زکوۃ ہے یا نصاب سے زائد حصے میں؟

۱۳۰۱- سوال: سونا اگر ساڑھے سات تولہ سے زائد ہو تو زکوۃ اس زائد میں واجب ہوگی یا پورے سونے پر؟

الجواب حامدا ومصليا:

زکوۃ کا نصاب ساڑھے سات تولہ سونا ہے، جب زکوۃ فرض ہوگی، تو تمام سونے کا چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہوگا، ایک بھی تولے کی معاف نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم، وفي كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال ...ثم في كل أربعين درهما درهم. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۸-۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، ط: دار الفكر - بيروت)

وأما مقدار الواجب فيه فربع العشر بحديث عمرو بن حزم وحديث علي - رضي الله عنهما - لأن نصف مثقال من عشرين مثقالا ربع عشره. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۸- ۱۹، كتاب الزكاة، فصل مقدار الواجب في زكاة الذهب، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۲] قرض کی زکوٰۃ واجب ہے

۱۳۰۲- سوال: میرے پاس نقد چونتیس ہزار (۳۴۰۰۰) روپے ہیں اور اپنے ایک بیٹے کو میں نے چھبیس ہزار (۲۶۰۰۰) روپے سال گذشتہ قرض دیے ہیں، قرض کی اس رقم کی واپسی کی پوری امید ہے، تو مجھ پر اس قرض کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو رقم آپ نے بہ طور قرض دے رکھی ہے اور اس کی واپسی کی بھی امید ہے، تو وہ جب بھی حاصل ہوگی، اس پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (و) اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي، ومتوسط، وضعيف؛ (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فورا بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوي كقرض. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۰۵/۲، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر - بيروت)

وجملة الكلام في الديون أنها على ثلاث مراتب في قول أبي حنيفة: دين قوي، ودين ضعيف، ودين وسط كذا قال عامة مشايخنا أما القوي فهو الذي وجب بدلا عن مال التجارة كثمن عرض التجارة من ثياب التجارة، وعبيد التجارة، أو غلة مال التجارة ولا خلاف في وجوب الزكاة فيه إلا أنه لا يخاطب بأداء شيء من زكاة ما مضى ما لم يقبض أربعين درهما، فكلما قبض أربعين درهما أدى درهما واحدا ـــــــــ وعند أبي يوسف ومحمد كلما قبض شيئا يؤدي زكاته قل المقبوض أو كثر. (بدائع الصنائع: ۱۰/۲، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱۹۵/۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الحلي، ط: دار المعرفة - بيروت ☆تحفة الفقهاء-محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۱/ ۲۹۲ - ۲۹۳، كتاب الزكاة، باب زكاة السوائم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆البحر الرائق: ۲/ ۲۲۳، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱۹۵/۱، كتاب الزكاة، شرط وجوب الزكاة، قبيل: شرط صحة أداء الزكاة، ط: دار إحياء التراث العربي)

(ولو كان الدين على مقر مليء)... (فوصل إلى ملكه لزم زكاة ما مضى). [الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۶-۲۶۷، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

تاہم سہولت اس میں ہے کہ آپ ہر سال کی زکاۃ ادا کرتے رہیں، ورنہ قرض کی واپسی کے بعد ایک ساتھ گذرے ہوئے تمام سالوں کی زکاۃ ادا کرنے میں دشواری ہو سکتی ہے۔

[۳] بینک بیلنس کے ساتھ قرض ہو، تو زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

۱۳۰۳- سوال: ایک شخص ڈیڑھ دو ہزار ڈالر کا بینک بیلنس رکھتا ہے؛ لیکن اس کے ذمہ دس بارہ ہزار ڈالر کا قرض ہے اور وہ بینک کا بیلنس قرض میں دینے کا ارادہ رکھتا ہے، نیز اس نے ۸۰۰ رڈالر دوسرے کو قرض بھی دے رکھا ہے، تو ان ۸۰۰ رڈالر کی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب ہوگی یا نہیں، نیز اگر بینک بیلنس قرض میں دینے کا ارادہ نہ ہو، تو اس پر بھی زکوٰۃ آئے گی یا نہیں؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قرض، منہا کر کے [یعنی وضع کرنے کے بعد، مابقیہ رقم اگر نصاب کے بہ قدر ہو، تو اس کی] زکوٰۃ دینا فرض ہے، پس جب بینک بیلنس سے زیادہ قرض ہے، تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

۸۰۰ رڈالر کسی دوسرے پر قرض ہے، اور ایک ہزار ڈالر بینک میں ہے، گویا اس کے پاس اٹھارہ سو ڈالر ہوئے، حالاں کہ اس پر دس بارہ ہزار ڈالر قرض ہے، ایسی صورت میں اگر سونے چاندی یا اموال زکاۃ میں سے کچھ اور اس قدر نہ ہو، جو ساڑھے باون تولہ چاندی کے بہ قدر ہو جاتی ہو، تو وہ صاحب نصاب نہیں، لہٰذا اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) "ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكاة عليه" ... "وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصابا" لفراغه عن الحاجة والمراد به دين له مطالب من جهة العباد. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ):۱/ ۹۵، أول كتاب الزكاة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

(ومن كان عليه دين يحيط بماله) أو يبقى منه دون نصاب (فلا زكاة عليه)؛ لأنه مشغول بحاجته الأصلية فاعتبر معدوماً كالماء المستحق بالعيش. هداية. وإن كان ماله أكثر من الدين زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً) لفراغه عن الحاجة (ومن كان عليه دين يحيط بماله) أو يبقى منه دون نصاب (فلا زكاة عليه)؛ لأنه مشغول بحاجته الأصلية فاعتبر معدوماً كالماء المستحق بالعيش. هداية. وإن كان ماله أكثر من الدين زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً) لفراغه عن الحاجة. (اللباب في شرح الكتاب- عبد الغني بن طالب بن حمادة بن إبراهيم الغنيمي الدمشقي الميداني الحنفي (م: ۱۲۹۸هـ):۱/ ۱۳۷، أول كتاب الزكاة، ت: محمد محيي الدين عبد الحميد، ط: المكتبة العلمية-بيروت ☆البناية شرح الهداية- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ):۳/ ۳۰۱، كتاب الزكاة، زكاة المدين، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆الجوهرة النيرة-أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ):۱/ ۱۱۴، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: المطبعة الخيرية☆العناية شرح الهداية-أكمل=

[۴] زیور کی زکوٰۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

۱۳۰۴- سوال: اگر دو تولہ سونے کا زیور اور دس تولہ چاندی کا زیور ہو، تو چاندی کا نصاب بنانے کے لیے جو دو تولہ سونے کا زیور ہے، اس کی قیمت کس طرح لگائی جائے، کیا اس وقت بازار میں سونے کی جو قیمت ہے، اس کا اعتبار کیا جائے، یا جب اس نے خریدا تھا، اس وقت اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے، یا اس وقت اس زیور کو بازار میں لے جا کر معلوم کیا جائے کہ وہ کتنے کا بک سکتا ہے اس قیمت کا اعتبار کیا جائے؟ جو زیور گھر میں اس وقت ہے، بازار میں اگر لے جائیں، تو اس کی قیمت مشکل سے آدھی مل سکے گی، الغرض کس قیمت کا اعتبار کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت بازار میں مذکورہ زیور کی جو قیمت ہوگی، یعنی سنار جو قیمت بتلائے گا، اس کا اعتبار کیا جائے گا:
وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا يوم الأداء. وفي السوائم يوم الأداء إجماعا، وهو الأصح، ويقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه، فتح. (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] سونے چاندی میں بازاری قیمت کا اعتبار

۱۳۰۵- سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں:

= الدين، البابرتي (م:۷۸۶ھ): ۲/ ۱۶۰، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

رجل له ألف درهم وعليه ألف درهم، وله دار وخادم لغير التجارة وقيمته عشرة آلاف درهم فلا زكاة عليه؛ لأن الدين مصروف إلى المال الذي في يده، فإنه فاضل عن حاجته معد للتقلب والتصرف، فكان الدين مصروفا إليه، فأما الدار والخادم فمشغولتان بحاجته فلا يصرف الدين إليه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۳، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱] الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، ط: دار الفكر - بيروت.

وقال ابن عابدين: (قوله وهو الأصح) أي كون المعتبر في السوائم يوم الأداء إجماعا هو الأصح فإنه ذكر في البدائع أنه قيل إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل يوم الأداء. اهـ ـــــ وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح اهـ فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما، وعليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقا عليه عنده وعندهما (قوله: ويقوم في البلد الذي المال فيه) فلو بعث عبدا للتجارة في بلد آخر يقوم في البلد الذي فيه العبد بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

جب سونا خرید اگیا، اس وقت اس کی قیمت فی تولہ ۱۵۰/روپیہ تھی اوراب ایک تولہ کی قیمت دو ہزار روپیہ ہے، اب کس قیمت کا اعتبار کر کے زکوۃ نکالنی ہوگی اور ایک تولہ پر کتنی زکوۃ ہوگی؟

اور اس سونے میں ایک آنے کے برابر تانبا ملا ہوا ہے، تو تانبے کا وزن کم کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ زیورات کی بازار میں جو قیمت ہوگی، اس کے اعتبار سے زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔[۱]

رہ گئی بات تانبا کی، تو اس کی وجہ سے سونا کم کوالٹی [کیرٹ=Carat] کا شمار کیا جائے گا اور اس کی وجہ سے اس کا بھاؤ کم ہوگا۔[۲] اس لیے سونار سے معلوم کر کے اس کے حساب سے چالیسواں حصہ یا اس کی قیمت بہ طور زکوۃ نکالے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۲] پندرہ اور بیس تولہ کی زکوۃ کا حساب

۱۳۰۶- سوال: آج کے حساب سے پندرہ تولہ اور بیس تولہ کی زکوۃ کتنی ہوگی؟

ایم رحمن پٹیل لاجپوری

الجواب حامداً ومصلیاً:

بازار کے بھاؤ سے زکوۃ دینا چاہیے، آپ زیورات بازار میں لے جا کر کسی سونار کے پاس دکھائیں کہ اس کی کیا قیمت ہے؟ اگر بیس تولہ زیور ہے اور ایک تولہ کی قیمت مثلاً: پانچ سو پچیس روپیہ ہے، تو اس

---

[۱] (وجاز دفع القيمة في زكاة، وعشر، وخراج، وفطرة، ونذر، وكفارة غير الإعتاق) وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا يوم الأداء. وفي السوائم يوم الأداء إجماعا، وهو الأصح. (الدر المختار مع ردا المحتار: ۲/۸۶-۲۸۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

(۲) وغالب الفضة والذهب فضة وذهب. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: وغالب الفضة إلخ)؛ لأن الدراهم لا تخلو عن قليل غش؛ لأنها لا تنطبع إلا به فجعلت الغلبة فاصلة، نهر، ومثلها الذهب، (قوله: فضة وذهب) لف ونشر مرتب، أي فتجب زكاتهما لا زكاة العروض وإن أعدهما للتجارة كما أفاده في النهر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) وهو ربع عشر نصاب حولي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۵۷، أول كتاب الزكاة)

حساب سے بیس تولہ کی قیمت دس ہزار پانچ سو روپیہ ہوئی۔ اب آپ کو دس ہزار پانچ سو روپیہ کی زکوۃ ڈھائی فی صد کے حساب سے دینی ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] چاندی کا نصاب گرام کے اعتبار سے

۱۳۰۷- سوال: سونا چاندی کا نصاب آج کل کے حساب سے کتنے گرام ہوتا ہے؟ اور کتنے روپئے ہوتو نصاب مکمل ہوتا ہے؟

---

(۱) المال الذي تجب فيه الزكاة أدى زكاته من خلاف جنسه أدى قدر قيمة الواجب إجماعا. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۰، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، قبيل: مسائل شتى في الزكاة)

فأما إذا كان مال الزكاة من أموال الربا كالكيلي والوزني فإن أدى ربع عشر النصاب يجوز كيفما كان.

وإن أدى غيره فلا يخلو إما أن أدى زكاته من جنسه أو من خلاف جنسه فإن أدى من خلاف جنسه كما إذا أدى الفضة عن الذهب أو الحنطة عن الشعير فإنه يؤدي قدر قيمة الواجب بلا خلاف. (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰ھ): ۱/ ۳۰۹، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۲/ ۴۱، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى، ط: دار الكتب العلمية ☆تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق- فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۱/ ۲۷۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة)

(وجاز دفع القيمة في زكاة، وعشر، وخراج، وفطرة، ونذر، وكفارة غير الإعتاق) وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا يوم الأداء. وفي السوائم يوم الأداء إجماعا، وهو الأصح، ويقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه، فتح. (الدر المختار: ۲/ ۲۸۶-۲۸۵) ـــــــ وقال ابن عابدين: (قوله وهو الأصح) أي كون المعتبر في السوائم يوم الأداء إجماعا هو الأصح فإنه ذكر في البدائع أنه قيل إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل يوم الأداء. اهـ ـــــ وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح اهـ فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما، وعليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقا عليه عنده وعندهما (قوله: ويقوم في البلد الذي المال فيه) فلو بعث عبدا للتجارة في بلد آخر يقوم في البلد الذي فيه العبد بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

"ويجوز دفع القيم في الزكاة" عندنا وكذا في الكفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر. (الهداية: ۱/ ۱۹۲، كتاب الزكاة، فصل في الحيل، ط: مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۱، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی ساڑھے باون تولہ ہو، تو زکوۃ واجب ہوتی ہے، ایک تولہ تقریباً ساڑھے گیارہ گرام کے برابر ہوتا ہے، اس کے اعتبار سے حساب کرلیا جائے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] شوافع کے نزدیک استعمالی زیورات پر زکوۃ کا حکم

۱۳۰۸- سوال: شوافع کے نزدیک پہننے کے زیورات پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے، تو اس کی دلیل کیا ہے؟ اور قرآن شریف میں جو مستحقین بتلائے گئے ہیں، کیا ان تمام کو ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر سب کو دینا ضروری ہے تو سب کو ایک ساتھ دینا چاہیے یا الگ الگ؟ اگر کسی کو بعد میں دینا چاہے، تو دے سکتا ہے یا نہیں؟ جواب تفصیلاً دیجیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوافع کے یہاں عورت کے ان زیورات پر، جو عورت کے لیے مخصوص ہیں، جیسے ہار، پازیب، چوڑیاں وغیرہ، ان پر زکوۃ واجب نہیں ہے، جب کہ خود پہنتی ہوں، یا کسی کو پہننے کے لیے عاریت پر دے رکھا ہوں۔[2]

---

(۱) عن علي رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول هذا الحديث، قال: فإذا كانت لك مائتا درهم، وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء - يعني - في الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا، فإذا كان لك عشرون دينارا، وحال عليها الحول، ففيها نصف دينار، فما زاد، فبحساب ذلك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۲۱، رقم الحديث: ۱۵۷۳، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، ط: مكتبة فيصل ديوبند)

موجودہ گرام کے اعتبار سے چاندی کا نصاب، چھ سو بارہ گرام تین سو ساٹھ ملی گرام ہوتا ہے۔ (دیکھیے: الاوزان المحمودۃ، ص: ۱۰۴) جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے، جو موجودہ گرام سے ۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام ہوتا ہے، لیکن تولہ کے اعتبار سے اس کے دو طریقے ہیں: اگر ایک تولہ ۱۱/گرام ۶۶۴/ملی گرام ہو، تو ساڑھے باون تولہ چاندی کا نصاب ہوگا۔ اور اگر ایک تولہ برابر دس گرام ہو (جیسا کہ ناخواندہ حضرات اسی کو ایک تولہ سمجھتے ہیں) تو ۶۱/تولہ ۲/گرام ۳۶۰/ملی گرام چاندی کا نصاب بنے گا۔ (ایضاح المسائل، ص: ۱۰۲)

(۲) قال: (وليس في حلي المرأة زكاة إذا كان مما تلبسه أو تعيره) هذا ظاهر المذهب. وروي ذلك عن ابن عمر، وجابر، وأنس، وعائشة، وأسماء - رضي الله عنهم - وبه قال القاسم، والشعبي، وقتادة، ومحمد بن علي، وعمرة، ومالك، والشافعي، وأبو عبيد، وإسحاق، وأبو ثور. . . . ووجه الأول، ما روى عافية بن أيوب، عن الليث بن سعد، عن أبي الزبير، عن جابر، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: ليس في الحلي زكاة. ولأنه مرصد لاستعمال مباح، فلم تجب فيه الزكاة، كالعوامل، وثياب القنية. وأما الأحاديث الصحيحة التي احتجوا بها، فلا تتناول محل النزاع. (المغني لابن قدامة-أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (م: ۶۲۰ھ): ۳/ ۴۱، ۴۲، رقم المسئلة: ۱۸۸۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة، مسألة زكاة حلي المرأة، ط: مكتبة القاهرة)

مرد پر مرد کے لیے استعمال میں آنے والے مخصوص زیور پر زکوۃ نہیں ہے، جیسے تلوار کا زیور اور انگوٹھی کا زیور۔[۲]

عورت کے پاس اگر تلوار ہو، جس کے پٹے میں چاندی ہو، تو اس پر زکوۃ واجب ہے، یا مرد پازیب وہار وغیرہ رکھتا ہو، تو اس پر زکوۃ لازم نہیں ہے۔[۳] غرض یہ کہ عورت ومرد کے لیے حلال زیور پر زکوۃ نہیں ہے، خواہ اس کی قیمت جس قدر بھی ہو۔[۴]

استعمالی زیور پر زکوۃ واجب نہ ہونے کے سلسلے میں ان کا استدلال آثار صحابہ سے ہے، حضرت جابرؓ سے مروی ہے: عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: لیس في الحلي زکوۃ۔ (المغنی لابن قدامہ جلد ۳ صفحہ ۱۲)[۵]

کل اصناف کو دینا واجب ہے، اگر کل موجود نہ ہو، یا ان کو پہنچانا مشکل ہو تو بعض کو دے دینا کافی ہے، الگ الگ دینا جائز ہے، تقدیم وتاخیر بھی جائز ہے۔ (المغنی، جلد ۲، صفحہ ۲۶۹)[۶] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) قال: ولیس في حلیة سیف الرجل ومنطقته وخاتمه زکاة وجملة ذلك أن ما کان مباحا من الحلي، فلا زکاة فیه إذا کان معدا للاستعمال، سواء کان لرجل أو امرأة، لأنه مصروف عن جهة النماء إلی استعمال مباح. فأشبه ثیاب البذلة وعوامل الماشیة. (حوالہ سابق: ۳/ ۴۵، مسئلہ نمبر: ۱۸۹۳، مسألة لیس في حلیة سیف الرجل ومنطقته وخاتمه زکاة)

(۳) وإذا اتخذت المرأة حلیا لیس لها اتخاذه، کما إذا اتخذت حلیة الرجال کحلیة السیف والمنطقة، فهو محرم، وعلیها الزکاة، کما لو اتخذ الرجل حلي المرأة. . . ویباح للنساء من حلي الذهب والفضة والجواهر کل ما جرت عادتهن بلبسه، مثل السوار والخلخال والقرط والخاتم، وما یلبسنه علی وجوههن، وفي أعناقهن، وأیدیهن، وأرجلهن، وآذانهن وغیره، فأما ما لم تجر عادتهن بلبسه، کالمنطقة وشبهها من حلي الرجال، فهو محرم، وعلیها زکاته، کما لو اتخذ الرجل لنفسه حلي المرأة. (حوالہ سابق: ۳/ ۴۴-۴۵، مسئلہ نمبر: ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، فصل یباح للنساء من حلي الذهب والفضة والجواهر کل ما جرت عادتهن بلبسه)

(۴) وقلیل الحلي وکثیره سواء في الإباحة والزکاة. (حوالہ سابق: ۳/ ۴۳، مسئلہ نمبر: ۱۸۸۶)

(۵) حاشیہ نمبر (۱) دیکھیں۔

عن جابر بن عبد الله - رضي الله عنه - قال: "لیس في الحلي زکاة. (سنن الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۲/ ۵۰۰، رقم الحدیث: ۱۹۵۵، ت: شعیب الارنؤوط، حسن عبد المنعم شلبي، عبد اللطیف حرز الله، أحمد برهوم، ط: مؤسسة الرسالة - بیروت)

[۶] وقال عکرمة والشافعي: یجب أن یقسم زکاة کل صنف من ماله، علی الموجود من الأصناف الستة الذین سهمانهم ثابتة، قسمة علی السواء، ثم حصة کل صنف منهم، لا تصرف إلی أقل من ثلاثة منهم، إن وجد منهم ثلاثة أو أکثر فإن لم یجد إلا واحدا، صرف حصة ذلك الصنف إلیه. (المغني لابن قدامة ۲/ ۴۹۹، رقم المسئلة: ۱۷۹۳، کتاب الزکاة، باب زکاة الذهب و الفضة، مسألة مصارف الزکاة، فصل صرف الزکاة إلی غیر من ذکر الله تعالی، ط: مکتبة القاهرة)

عن سالم بن عبد الله، عن أبيه رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر.

(بخاری شریف: ۲۰۱/۱، حدیث: ۱۴۸۳، کتاب الزکاۃ، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء، وبالماء الجاری، ط: دیوبند)

باب في العشر والخراج

[عشر وخراج کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب في العشر والخراج

[عشر وخراج کا بیان]

[۱] زمین کی پیداوار کی زکوۃ

۱۳۰۹- سوال: ہمارے پاس پچیس بیگہ زمین ہے، جس میں گنّا اور کیلے سینچائی سے ہوتے ہیں اور باقی چیزیں: آم، چیکو وغیرہ بارش کے پانی سے ہوتے ہیں، تو زکوۃ کس کی کتنی دینی ہوگی؟ اور زکوۃ میں اصل پیداوار ہی دینا ہوگا یا اس کی قیمت بھی دے سکتے ہیں؟ اور زکوۃ کے حق دار کون ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنی پیداوار میں سے جو کچھ بہ طور زکوۃ دیا جاتا ہے، اس کو ''عشر'' یا ''خراج'' کہا جاتا ہے، بارش کے پانی سے جو کچھ کھیتی یا پھل ہوتے ہیں، اس کا دسواں حصہ دینا ہوگا اور ٹیوب ویل کے پانی سے یا نہر کے پانی سے- جو بہ ذریعۂ مشین پہنچایا جاتا ہو- اگر سینچائی کی جاتی ہو، تو پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا ہوگا۔[1]

---

(۱) عن سالم بن عبد الله، عن أبيه رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر. (صحيح البخاري: ۲۰۱/۱، رقم الحديث: ۱۴۸۳، كتاب الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء، وبالماء الجاري، ط: ديوبند)

(و) تجب في (مسقي سماء) أي مطر (وسيح) كنهر (بلا شرط نصاب) راجع للكل (و) بلا شرط (بقاء) وحولان حول... (و) يجب (نصفه في مسقي غرب) أي دلو كبير (ودالية) أي دولاب لكثرة المؤنة... (بلا رفع=

پس خرچ منہا کیے بغیر پیداوار میں سے دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرنے کو ''عشر'' کہا جاتا ہے، اورادا کرنے میں خواہ پیداوار ادا کی جائے یا اس کی قیمت؛ دونوں جائز ہے۔[۲]

عشر میں عبادت (بندگی) کا پہلو ہے؛ کیوں کہ زمین کی پیداوار کی زکوۃ ہے۔ اور ''خراج'' ایک ٹیکس ہے، جو مسلم حکومتوں نے غیر مسلموں کو اپنی حکومت میں پناہ دے کر ان کی زمینوں کی پیداوار پر لگایا تھا۔[۳]

=مؤن) أي كلف (الزرع) وبلا إخراج البذر. (الدر مع الرد: ۳۲۶-۳۲۸/۲، كتاب الزكاة، باب العشر)

قال ابن عابدين: (قوله: بلا رفع مؤن) أي يجب العشر في الأول ونصفه في الثاني بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر وكري الأنهار وأجرة الحافظ ونحو ذلك درر، قال في الفتح يعني لا يقال بعدم وجوب العشر في قدر الخارج الذي بمقابلة المؤنة بل يجب العشر في الكل؛ لأنه - عليه الصلاة والسلام - حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو رفعت المؤنة كان الواجب واحدا وهو العشر دائما في الباقي؛ لأنه لم ينزل إلى نصفه إلا للمؤنة والباقي بعد رفع المؤنة لا مؤنة فيه فكان الواجب دائما العشر لكن الواجب قد تفاوت شرعا فعلمنا أنه لم يعتبر شرعا عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوي للمؤنة أصلا اهـ وتمامه فيه. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۸/۲، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب مهم في حكم أراضي مصر والشام السلطانية، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) (وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة غير الإعتاق) وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا يوم الأداء. وفي السوائم يوم الأداء إجماعا، وهو الأصح، ويقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه فتح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۸۶/۲- ۲۸۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، ط: دار الفكر - بيروت ☆الفتاوى الهندية: ۱۸۱/۱، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، مسائل شتى، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) قال: "وكل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة وقسمت بين الغانمين فهي أرض عشر" لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة وكذا هو أخف حيث يتعلق بنفس الخارج.

"وكل أرض فتحت عنوة فأقر أهلها عليها فهي أرض خراج" وكذا إذا صالحهم لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على الكافر والخراج أليق به. (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۳۹۹/۲، كتاب السير، باب العشر والخراج، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۳۲/۶، كتاب السير، باب العشر والخراج، ط: دار الفكر ☆تحفة الفقهاء - محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۳۱۹/۱، كتاب الزكاة، باب العشر والخراج، ط: دار الكتب العلمية - بيروت) =

اگر آپ کی زمین وراثتی سلسلہ سے چلی آرہی ہو، تو اس میں عشر ادا کرنا بہتر ہے۔ اور یہ عشر نکالتے رہنا چاہیے؛ کیوں کہ اس کو ادا نہ کرنے کی نحوستیں ہم دیکھ ہی رہے ہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۸۹-۱۸۸، امداد الفتاویٰ: ۲/ ۶۰)[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] ہندوستانی زمین کی پیداوار میں عشر کا حکم

۱۳۱۰- سوال: ہماری زمینوں میں جو پیداوار؛ مثلاً: گیہوں، جوار اور جو وغیرہ ہوتے ہیں، ان میں شرعی طور پر جو عشر لازم آتا ہے، کیا اس کا نکالنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ دار العلوم میں، فتاویٰ شامی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہندوستانی زمین

= (أرض العرب)... (وما أسلم أهله) طوعا (أو فتح عنوة وقسم بين جيشنا والبصرة) أيضا بإجماع الصحابة (عشرية) لأنه أليق بالمسلم... (وما فتح عنوة و)... (أقر أهله عليه) أو نقل إليه كفار آخر (أو فتح صلحا خراجية) لأنه أليق بالكافر. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله لأنه أليق بالمسلم) أي لما فيه من معنى العبادة وكذا هو أخف حيث يتعلق بنفس الخارج، وهذا علة لما أسلم أهله أو قسم بين جيشنا،... (قوله لأنه أليق بالكافر) لأنه يشبه الجزية لما فيه من معنى العقوبة ولأن فيه تغليظا حيث يجب وإن لم يزرع بخلاف العشر لتعلقه بعين الخارج لا بالأرض. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۱۷۶-۱۷۷، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب فيما تصير به دار الإسلام دار حرب وبالعكس، ط: دار الفكر - بيروت)

[۴] شامی کی (مذکورہ) عبارت (وما أسلم أهله) طوعا (أو فتح) نقل کرنے کے بعد حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ نے لکھا ہے:

ان عبارات سے چند امور معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مسلمان کی اراضی کا اصل وظیفہ عشر ہے۔ دوم یہ کہ اگر بادشاہ عشر نہ لیوے، تو عشر ساقط نہیں ہوتا، بل کہ خود مالک زمین کو عشر نکالنا چاہیے اور فقراء کو دینا چاہیے۔ سوم یہ کہ عشر بھی زکاۃ ہے، پس جب کہ اصل وظیفہ مسلم کا عشر ہے، تو جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں، یا تو اصل میں عشری تھی کہ سلاطین اہل اسلام نے ان کو فتح کر کے مسلمانوں کو دیدی تھی یا ان کا حال سابق کچھ معلوم نہیں، ان دونوں صورتوں میں اس میں عشر لازم ہے۔ اگر درحقیقت کسی زمین میں عشر مقرر ہونا چاہیے [مگر] بادشاہ اسلام یا غیر نے عشر مقرر نہ کیا، اس سے عشر ساقط نہیں ہوتا، اور وہ زمین عشری ہونے سے خارج نہیں ہوتی، اور جب کہ عشر بہ منزلہ زکاۃ ہے، تو جیسا کہ زکاۃ اموال ہر جگہ واجب ہے، بلاد اسلام ہوں یا غیر، اسی طرح عشر بھی ہر جگہ لازم ہوگا، اور واضح ہو کہ زمین عشری سے اگر خراج لے لیا جاوے، تب بھی عند اللہ عشر ساقط نہیں ہوتا؛ لہٰذا صاحب زمین کو عشر نکال کر فقراء کو دینا چاہیے، الحاصل احوط یہی ہے کہ مسلمان اراضی کی پیداوار سے عشر ادا کریں۔ فقط۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۸۹-۱۸۸، کتاب الزکاۃ، چھٹا باب عشر، (پیداوار کی زکاۃ) یہاں کی زمین میں عشر ہے یا نہیں؟ سوال نمبر: ۳۰۹، مرتب: مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ، ط: زکریا - دیوبند☆ امداد الفتاویٰ: ۲/ ۵۹-۶۰، کتاب الزکاۃ والصدقات، فصل في العشر والخراج، اراضی ہند میں عشر وخراج کی تحقیق، سوال نمبر: ۹۷، ط: زکریا - دیوبند)

میں عشر واجب نہیں ہے ؛ البتہ اگر کوئی احتیاطاً عشر نکالے تو بہتر ہے ، واجب اور فرض نہیں ۔ (فتاوی دارالعلوم: ۶/ ۱۶۳)[1] فقط ، واللہ اعلم بالصواب ۔

[۳] پیداوار کی زکوۃ میں قرض منہا نہیں کیا جائے گا

۱۳۱۱- سوال: ایک شخص پر سات ہزار روپے کا قرض ہے اور اس کی کھیتی کی پیداوار پانچ ہزار روپے کی ہوئی ہے، تو کیا اس پیداوار کی زکوۃ اس کے ذمہ واجب ہے، یہاں ایک شخص کا یہ کہنا ہے کہ اس پر زکوۃ واجب ہے؛ کیوں کہ پیداوار کی زکوۃ میں قرض کو منہا نہیں کیا جاتا ہے، خواہ کتنا ہی قرض ہو، پیداوار میں سے بیسواں حصہ بہ طور زکوۃ نکالنا ضروری ہے، تو کیا یہ بات صحیح ہے؟ شریعت کی روشنی میں صحیح جواب عنایت فرمائیں۔

---

[۱] اب چند مدت ہوتی ہے کہ شامی جلد ثانی ، باب الرکاز میں یہ عبارت نظر پڑی ، جو ذیل میں درج ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ اراضی دار الحرب نہ عشری ہے ، نہ خراجی ، یہ مسئلہ فقہاء کے نزدیک متفق علیہ اور مسلم معلوم ہوتا ہے ، اس عبارت کے دیکھنے کے بعد اس کی اصل معلوم ہوئی ، جو حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ نے مالا بد منہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مسائل عشر اس کتاب میں اس وجہ سے نہیں لکھے گئے کہ یہاں کی زمینیں عشری نہیں ہیں ، یا یہاں کی زمینوں پر عشر نہیں ہے ، او کما قال ۔

الغرض تشریح شامی کے بعد اور تحقیق قاضی صاحب مرحوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب احقر یہ کہنے لگا کہ ہندوستان کی زمینیں عشری نہیں ہیں ، بایں ہمہ احتیاط عشر نکالنے میں ہے ، وہ عبارت یہ ہے:

[تنبيه] قال في فتح القدير: قيد بالخراجية والعشرية ليخرج الدار فإنه لا شيء فيها لكن ورد عليه الأرض التي لا وظيفة فيها كالمفازة إذ يقضي أنه لا شيء في المأخوذ منها وليس كذلك فالصواب أن لا يجعل ذلك لقصد الاحتراز بل للتنصيص على أن وظيفتها المستمرة لا تمنع مما يوجد فيهما. اهـ. . . وأقول: يمكن الجواب بأن المراد بالعشرية والخراجية ما تكون وظيفتها العشر أو الخراج سواء كانت بيد أحد أو لا فتشمل المفازة وغيرها بدليل ما قدمناه عن الخانية من أن أرض الجبل عشرية فيكون المراد الاحتراز بها عن دار الحرب, ويدل عليه أنه في متن درر البحار عبر بمعدن غير الحرب فعلم أن المراد معدن أرضنا ولهذا قال القهستاني بعد قوله في أرض خراج أو عشر: الأخصر في أرضنا سواء كانت جبلا أو سهلا مواتا أو ملكا. واحترز به عن داره وأرضه وأرض الحرب اهـ. ثم رأيت عين ما قلته في شرح الشيخ إسماعيل حيث قال: ويحتمل أن يكون احترازا عما وجد في دار الحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر الخ. . .(رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۱۹ - ۳۲۰، كتاب الزكاة، باب الركاز، ط: دار الفكر - بيروت)

(فتاوی دارالعلوم: ۶/ ۱۶۳ - ۱۶۴، کتاب الزکاۃ، الباب السادس فی العشر ، ط: دارالعلوم دیوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین دو قسم کی ہوتی ہے، عشری اور خراجی۔ (۱) اگر زمین عشری ہو اور آسمان کے پانی سے اس کی سینچائی کی گئی ہو، تو پیداوار کا دسواں حصہ نکالنا ضروری ہے اور اگر کنویں کے پانی سے سینچائی کی گئی ہو، تو پیداوار کا بیسواں حصہ نکالنا لازم ہے اور یہ (دسواں اور بیسواں حصہ) زکوۃ کے حکم میں ہے۔ (۲)

وجوب عشر و خراج میں دین مانع نہیں ہے؛ لہٰذا جس نے یہ بتایا ہے کہ زمین کی پیداوار پر ہر حال میں عشر یا خراج واجب ہوگا، خواہ کھیتی کرنے والا قرض دار ہی کیوں نہ ہو، اس کی بات درست ہے اور قرض دار کے ذمہ بھی اس زکوۃ کا ادا کرنا ضروری ہے، اس میں مال کی زکاۃ کی طرح قرض کو منہا نہیں کیا جائے گا۔ (۳)

اور خراجی زمین میں، خراج (محصول-ٹیکس) ادا کرنے سے ذمہ بری ہو جائے گا۔ (۴)

لیکن ہندوستان کی زمین کے عشری یا خراجی ہونے میں علماء کے مابین اختلاف ہے؛ لہٰذا اس سلسلے

---

(۱) الأرض نوعان: عشرية، و خراجية. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۲۷۰، كتاب الزكاة، فصل في العشر و الخراج، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) عن سالم بن عبد الله، عن أبيه رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء و العيون أو كان عثريا العشر، و ما سقي بالنضح نصف العشر. (صحيح البخاري: ۱/۲۰۱، رقم الحديث: ۱۴۸۳، كتاب الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء، و بالماء الجاري، ط: ديوبند)

(و) تجب في (مسقي سماء) أي مطر (وسيح) كنهر (بلا شرط نصاب) راجع للكل (و) بلا شرط (بقاء) و حولان حول... (و) يجب (نصفه في مسقي غرب) أي دلو كبير (ودالية) أي دولاب لكثرة المؤنة... (بلا رفع مؤن) أي كلف (الزرع) و بلا إخراج البذر. (الدر مع الرد: ۲/۳۲۶-۳۲۸، كتاب الزكاة، باب العشر)

قال ابن عابدين: (قوله: بلا رفع مؤن) أي يجب العشر في الأول و نصفه في الثاني بلا رفع أجرة العمال و نفقة البقر و كري الأنهار و أجرة الحافظ و نحو ذلك درر (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۲۸، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب مهم في حكم أراضي مصر و الشام السلطانية، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) ولا يمنع الدين وجوب عشر و خراج. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۶۱، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) وأما شرائط المحلية فأنواع منها أن تكون الأرض عشرية فإن كانت خراجية يجب فيها الخراج ولا يجب في الخارج منها العشر فالعشر مع الخراج لا يجتمعان في أرض واحدة عندنا. (بدائع الصنائع: ۲/۵۷، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية زكاة الزروع، الشرائط المحلية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

میں کوئی قطعی فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ہے، اگر آپ نے یا آپ کے باپ دادا نے وہ زمین غیر مسلم کے پاس سے خریدی ہے، تو وہ خراجی ہے۔ اسی طرح اگر وہ زمین کافر بادشاہ کی طرف سے دی گئی ہو، تو بھی خراجی ہے یا زمین وراثت میں آئی ہو اور آپ کے باپ دادا پہلے غیر مسلم تھے، پھر اسلام میں داخل ہوئے اور اس کا ثبوت موجود ہے، تو بھی زمین خراجی شمار ہوگی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] اجارہ کی زمین میں عشر کا حکم

۱۳۱۲- سوال: ہمارے گاؤں میں مسجد اور مدرسہ کی زمین کو اجارہ (ٹھیکہ) پر دینے کے لیے ہر سال نیلامی ہوتی ہے، اس مرتبہ ہم نے اس زمین کو اجارہ پر لیا ہے، تو اس میں جو پیداوار ہوگی، اس کی زکوٰۃ کا کیا مسئلہ ہے؟ ہم نے سنا ہے کہ دس من میں ایک من دینا لازم ہے، تو کیا اجارہ کی زمین میں بھی یہی حکم ہے؟ شریعت کی رو سے جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر زمین عشری ہو تو اس کے مالک پر (جب کہ وہ کھیتی کرے) عشر (دسواں حصہ) واجب ہے، بشرطے کہ آسمان کے پانی سے کھیتی پیدا ہوئی ہو، اور اگر نہر کے پانی سے (یا ٹیوب ویل کے پانی سے) سینچائی کی گئی ہو، تو پیداوار کا نصف عشر (بیسواں حصہ) لازم ہے۔ [2]

اگر کاشت حصہ داری میں کی گئی ہو، تو جو کچھ حصہ طے ہوا ہو، مثلاً نصفا نصفی، یا تہائی دو تہائی

---

(۱) ''ہندوستانی زمین کی پیداوار میں عشر کا حکم'' کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) عن سالم بن عبد الله، عن أبيه رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر. (صحيح البخاري: ۲۰۱/۱، رقم الحديث: ۱۴۸۳، كتاب الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء، وبالماء الجاري، ط: ديوبند)

(و) تجب في (مسقي سماء) أي مطر (وسيح) كنهر (بلا شرط نصاب) راجع للكل (و) بلا شرط (بقاء) وحولان حول ... (و) يجب (نصفه في مسقي غرب) أي دلو كبير (ودالية) أي دولاب لكثرة المؤنة ... (بلا رفع مؤن) أي كلف (الزرع) وبلا إخراج البذر. (الدر مع الرد: ۳۲۶-۳۲۸/۲، كتاب الزكاة، باب العشر)

قال ابن عابدين: (قوله: بلا رفع مؤن) أي يجب العشر في الأول ونصفه في الثاني بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر وكري الأنهار وأجرة الحافظ ونحو ذلك درر (رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۸/۲، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب مهم في حكم أراضي مصر والشام السلطانية، ط: دار الفكر - بيروت)

، ہرایک کو اپنے حصے میں سے (مذکورہ تفصیل کے مطابق) عشر یا نصف عشر نکالنا ہوگا۔[1] اور اگر زمین اجارہ (ٹھیکہ) پر لی ہو، توجس نے اجارہ پر لی ہے اور کھیتی کر رہا ہے، اس کے ذمہ عشر یا نصف عشر لازم ہوگا۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو دفعها مزارعة فأما على مذهبهما فالمزارعة جائزة و العشر يجب في الخارج و الخارج بينهما فيجب العشر عليهما. (بدائع الصنائع: ۵۶/۲، كتاب الزكاة، في بيان العشر والخراج، فصل شرائط فرضية زكاة الزروع، الشرائط الأهلية، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) دراصل اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اجارہ کی صورت میں عشر کس پر واجب ہوگا، زمین کے مالک پر یا مستاجر (کرایہ کے طور پر لینے والے) پر، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موجر (زمین کے مالک) پر عشر واجب ہے، جب کہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مستاجر پر عشر واجب ہوگا، اکابر احناف کے درمیان تصحیح میں اختلاف ہے، علامہ شامیؒ نے ایک فیصلہ کن بات لکھی ہے کہ: ''''اگر موجر کو اجرت مثل مل جاتی ہے، تب تو اسی پر عشر واجب ہوگا، ورنہ مستاجر پر عشر واجب ہوگا''۔ ان کے زمانے میں اوقاف کی جائداد کو اجرت مثل سے انتہائی کم پر بطور کرایہ لیا جاتا تھا، اس لیے انہوں نے ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے قول سے عدول نہ کیا جائے۔ ہمارے دیار میں بھی ایسا ہی ہے کہ زمین کا کرایہ برائے نام ملتا ہے، اس لیے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے اور عشر کو مستاجر پر واجب قرار دیا جائے، جیسا کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا ہے، ذیل کی تفصیلی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

والعشر على المؤجر كخراج موظف، وقالا على المستأجر، كمستعير مسلم: وفي الحاوي: وبقولهما نأخذ. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: والعشر على المؤجر) أي لو أجر الأرض العشرية فالعشر عليه من الأجرة كما في التتارخانية وعندهما على المستأجر... (قوله وبقولهما نأخذ) قلت: لكن أفتى بقول الإمام جماعة من المتأخرين كالخير الرملي في فتاواه وكذا تلميذ الشارح الشيخ إسماعيل الحائك مفتي دمشق وقال حتى تفسد الإجارة باشتراط خراجها أو عشرها على المستأجر كما في الأشباه، وكذا حامد أفندي العمادي وقال في فتاواه قلت: عبارة الحاوي القدسي لا تعارض عبارة غيره فإن قاضي خان من أهل الترجيح فإن من عادته تقديم الأظهر والأشهر وقد قدم قول الإمام فكان هو المعتمد وأفتى به غير واحد منهم زكريا أفندي شيخ الإسلام وعطاء الله أفندي شيخ الإسلام، وقد اقتصر عليه في الإسعاف والخصاف. اهـ.

قلت: لكن في زماننا عامة الأوقاف من القرى والمزارع لرضا المستأجر بتحمل غراماتها ومؤنها يستأجرها بدون أجر المثل بحيث لا تفي الأجرة، ولا أضعافها بالعشر أو خراج المقاسمة، فلا ينبغي العدول عن الإفتاء بقولهما في ذلك؛ لأنهم في زماننا يقدرون أجرة المثل بناء على أن الأجرة سالمة لجهة الوقف، ولا شيء عليه من عشر وغيره، أما لو اعتبر دفع العشر من جهة الوقف، وأن المستأجر ليس عليه سوى الأجرة، فإن أجرة المثل تزيد أضعافا كثيرة كما لا يخفى، فإن أمكن أخذ الأجرة كاملة يفتى بقول الإمام وإلا فبقولهما لما يلزم عليه من الضرر الواضح الذي لا يقول به أحد، والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۳۴/۲، كتاب الزكاة، باب العشر، قبيل: مطلب هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السلطانية. ط: دار الفكر - بيروت) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۵] زمین کی پیداوار پر عشر کون نکالے گا؟

۱۳۱۳- سوال: ہم نے ایک کاشت کار کی زمین زراعت کے لیے اجرت پر لی ہے اور ہم نے تین سال تک کی اجرت بھی طے کر دی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ ان تین سالوں میں اس زمین کی جو پیداوار ہوگی، اس کی زکوۃ کس کے ذمے ہوگی، اصل مالک کے یا ہمارے ذمے؟

الجواب حامداو مصليا:

اگر زمین کی اجرت مکمل طے کی ہوگی، تو زمین کے مالک پر عشر نکالنا ضروری ہوگا، ورنہ مستأجر کو عشر دینا پڑے گا۔ بس شرط یہ ہے کہ زمین عشری ہو۔ (شامی جلد ۲، صفحہ ۵۷)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] عشر نکالنے میں خرچ منہا نہیں کیا جائے گا

۱۳۱۴- سوال: کھیتی کی پیداوار میں عشر یعنی دس میں من میں سے ایک من نکالنا ہے، تو اس میں خرچ کو منہا کر کے نکالنا ہے یا اس کے بغیر؟ یعنی مثلاً اگر ۴۰۰۰ر کی پیداوار ہوئی اور اس پر خرچ ایک ہزار کا ہوا ہو، تو چار ہزار میں سے عشر نکالنا ہوگا یا تین ہزار میں سے؟

الجواب حامداًو مصلياً:

اگر آپ کی زمین عشری ہے- اس کے متعلق قریب کے علماء سے تحقیق کر لینی چاہیے- تو خرچ منہا کیے بغیر کل پیداوار میں سے دسواں حصہ دینا ہوگا، بشرطے کہ بارش کے پانی سے کھیتی ہوئی ہو، اور اگر ٹیوب ویل اور کنویں کے پانی سے سینچائی کی ہو، تو بیسواں حصہ دینا ضروری ہے، یعنی خرچ منہا کیے بغیر عشر نکالنا ہوگا؛ کیوں کہ شریعت نے عشر میں کمی بیشی، خرچ میں کمی بیشی کے اعتبار سے رکھی ہے۔[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] لو أجر الأرض العشرية فالعشر عليه من الأجرة كما في التتارخانية وعندهما على المستأجر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۳۴، كتاب الزكاة، باب العشر، قبيل: مطلب هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السلطانية. ط: دار الفكر - بيروت)

تفصیل کے لیے گذشتہ سوال بہ عنوان ''اجارہ کی زمین میں عشر کا حکم'' کا حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عن سالم بن عبد الله، عن أبيه رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۰۱، رقم الحديث: ۱۴۸۳، كتاب الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء، وبالماء الجاري، ط: ديوبند)

[۷] عشر نکالنے میں گھر کی ضرورت میں استعمال ہونے والے غلے اور دین کو وضع کیا جائے گا؟

۱۳۱۵- سوال: آج کل کھیتی کرنے میں اچھے خاصے اخراجات ہوتے ہیں، جس کے لیے قرض لینا پڑتا ہے، زمین میں جس قدر پیداوار ہوتی ہے، وہ ہماری ضرورت سے بس اسی قدر زائد ہوتی ہے کہ اس کو بیچ کو ہم قرض ادا کر سکیں اور بعض چھوٹی موٹی ضرورت پوری کر سکیں، تو کیا شرعاً اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ ایسی صورت میں ہم قرض کے بہ قدر پیداوار وضع کر لیں، اور مابقیہ پیداوار میں عشر نکالیں، کیا دین کو حوائج اصلیہ میں شمار کیا جائے گا اور اس کی وجہ سے ہم اس کے بہ قدر پیدار میں عشر نکالنے سے مستثنیٰ ہوں گے؟ یا اسے بھی کھیتی باڑی کا ہی خرچ شمار کیا جائے گا، اور اس کی وجہ سے عشر نکالنے میں کوئی رخصت نہیں ملے گی۔

نیز جس قدر پیداوار ہماری سال بھر کی ضرورت میں مستعمل ہوگی، اسے حوائج اصلیہ میں شمار کر کے عشر سے رخصت حاصل ہوگی یا نہیں؟ مثلاً: اگر پچاس من اناج ہوتا ہے، جس میں سے تیس من گھر کے استعمال کے لیے ہوتا ہے اور باقی بیس من کی قیمت قرض کی ادائگی سمیت دوسرے کاموں کے لیے ہوتی ہے، تو کیا کل پیداوار میں دسواں یا بیسواں حصہ واجب ہوگا، یا صرف قرض کے بہ قدر منہا ہوگا، یا قرض اور گھر کی ضرورت کے بہ قدر پیدارور منہا ہوگی اور مابقیہ میں عشر کا وجوب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر قسم کے خرچ اور قرض کو وضع کرنے سے پہلے، کل پیداوا میں سے حسب قاعدہ دسواں یا بیسواں

= (و) تجب في (مسقي سماء) أي مطر (وسيح) كنهر (بلا شرط نصاب) راجع للكل (و) بلا شرط (بقاء) وحولان حول... (و) يجب (نصفه في مسقي غرب) أي دلو كبير (ودالية) أي دولاب لكثرة المؤنة... (بلا رفع مؤن) أي كلف (الزرع) وبلا إخراج البذر. (الدر مع الرد: ۲/ ۳۲۸-۳۲۶، كتاب الزكاة، باب العشر)

قال ابن عابدين: (قوله: بلا رفع مؤن) أي يجب العشر في الأول ونصفه في الثاني بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر وكري الأنهار وأجرة الحافظ ونحو ذلك درر، قال في الفتح يعني لا يقال بعدم وجوب العشر في قدر الخارج الذي بمقابلة المؤنة بل يجب العشر في الكل؛ لأنه - عليه الصلاة والسلام - حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو رفعت المؤنة كان الواجب واحدا وهو العشر دائما في الباقي؛ لأنه لم ينزل إلى نصفه إلا للمؤنة والباقي بعد رفع المؤنة لا مؤنة فيه فكان الواجب دائما العشر لكن الواجب قد تفاوت شرعا فعلمنا أنه لم يعتبر شرعا عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوي للمؤنة أصلا اهـ وتمامه فيه (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۲۸، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب مهم في حكم أراضي مصر والشام السلطانية، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فتح القدير - ابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۲/ ۲۵۱، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار، ط: دار الفكر)

حصہ دینا پڑے گا، نہ تو کھیتی پر ہونے والے خرچ کو-خواہ قرض لے کر پورا کیا گیا ہو-وضع کیا جائے گا اور نہ ہی گھر میں سال بھر خرچ ہونے والے اناج کو منہا کیا جائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۸] زمین کی پیداوار سے عشر نکالنے کا طریقہ

۱۳۱۶-سوال: زمین کی پیداوار میں-اگر ضرورت سے زائد پیداوار ہو-تو پوری پیداوار سے عشر (دسواں حصہ) نکالا جائے گا، یا اپنی ضرورت سے زائد پیداوار سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عشری زمین کی جو بھی پیداوار ہو، اس پر ہونے والے خرچ کو وضع کیے بغیر پیداوار کا دسواں حصہ دینا ضروری ہے، جب کہ اس کی سینچائی بارش کے پانی سے ہوئی ہو اور بیسواں حصہ دینا ضروری ہے جب کہ اس کی سینچائی اپنے کنویں اور مشین کے پانی سے ہوئی ہو، اور مذکورہ تفصیل کے مطابق عشر یا نصف عشر پوری پیداوار سے دینا ضروری ہے، ایسا نہیں کیا جاسکتا کہ ضرورت کے بہ قدر پیداوار رکھ لیا جائے اور باقی ماندہ سے دسواں یا بیسواں حصہ نکالا جائے، نیز خرچ وغیرہ کچھ بھی وضع نہیں کیا جائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (بلا رفع مؤن) أي كلف (الزرع) وبلا إخراج البذر. (الدر مع الرد: ۳۲۶-۳۲۸/۲، كتاب الزكاة، باب العشر)

قال ابن عابدين: (قوله: بلا رفع مؤن) أي يجب العشر في الأول ونصفه في الثاني بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر وكري الأنهار وأجرة الحافظ ونحو ذلك درر. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۸/۲، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب مهم في حكم أراضي مصر والشام السلطانية، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فتح القدير - ابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۲۵۱/۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار، ط: دار الفكر)

ولا يمنع الدين وجوب عشر وخراج. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۶۱/۲، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) عن سالم بن عبد الله، عن أبيه رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر. (صحيح البخاري:......، رقم الحديث: ۱۴۸۳، كتاب الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء، وبالماء الجاري، ط: ديوبند)

(و) تجب في (مسقي سماء) أي مطر (وسيح) كنهر (بلا شرط نصاب) راجع للكل (و) بلا شرط (بقاء) وحولان حول... (و) يجب (نصفه في مسقي غرب) أي دلو كبير (ودالية) أي دولاب لكثرة المؤنة... (بلا رفع مؤن) أي كلف (الزرع) وبلا إخراج البذر. (الدر مع الرد: ۳۲۶-۳۲۸/۲، كتاب الزكاة، باب العشر)

قال ابن عابدين: (قوله: بلا رفع مؤن) أي يجب العشر في الأول ونصفه في الثاني بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر=

[۹] اگر پیداوار کی قیمت گھر میں خرچ ہو جائے؟

۱۳۱۷- سوال: کیلوں کی فصل ایک ساتھ تیار نہیں ہوتی ہے، بل کہ تھوڑی تھوڑی تیار ہوتی ہے اور اس سے رفتہ رفتہ آنے والی رقم تھوڑی تھوڑی، گھر کے خرچ، کھیتی کے خرچ اور قرض وغیرہ کی ادائیگی کے لیے استعمال ہو جاتی ہے اور کوئی خاص رقم نہیں بچتی، تو کیا اس صورت میں بھی کیلوں کی پیداوار پر عشر (دسواں حصہ) نکالنا پڑے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس طریقہ سے رقم آپ کے پاس آتی رہے، اس میں سے (حسب ضابطہ) دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرتے رہیں؛ تا کہ ایک ساتھ ادا کرنا دشوار معلوم نہ ہو۔[1] ہندوستان کی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کے سلسلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے؛ تاہم عشر ادا کرنا بہتر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] عشر کس پیداوار میں اور کس زمین میں واجب ہے؟

۱۳۱۸- سوال: میں اپنی زمین کی پیداوار کا عشر نکالنا چاہتا ہوں، تو عشر صرف اناج ہی میں ہے یا

= وكري الأنهار وأجرة الحافظ ونحو ذلك درر ، قال في الفتح يعني لا يقال بعدم وجوب العشر في قدر الخارج الذي بمقابلة المؤنة بل يجب العشر في الكل؛ لأنه - عليه الصلاة والسلام - حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو رفعت المؤنة كان الواجب واحدا وهو العشر دائما في الباقي؛ لأنه لم ينزل إلى نصفه إلا للمؤنة والباقي بعد رفع المؤنة لا مؤنة فيه فكان الواجب دائما العشر ، لكن الواجب قد تفاوت شرعا فعلمنا أنه لم يعتبر شرعا عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوي للمؤنة أصلا اهـ وتمامه فيه(رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۸/۲، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب مهم في حكم أراضي مصر والشام السلطانية، ط:دار الفكر - بيروت ☆ فتح القدير -ابن الهمام(م:۸۶۱هـ): ۲۵۱/۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار، ط:دار الفكر)

ولا يمنع الدين وجوب عشر وخراج. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۶۱/۲، أول كتاب الزكاة، ط:دار الفكر -بيروت)

(۱) وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۸۵/۲-۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، ط:دار الفكر -بيروت)

(وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) ولو حكما أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۸۹/۳-۱۸۷)

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے فتاویٰ رحیمیہ: ۱۶۳/۷ تا ۱۶۶، کتاب الزکاۃ، باب العشر والخراج، ط:دار الاشاعت، پاکستان۔

ہر پیداوار میں، عشری زمین کسے کہتے ہیں؟ اس کی بھی وضاحت مطلوب ہے، انکلیشور کے مضافات کی زمین عشری کہلائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

زمین کی پیداوار سے دسواں حصہ نکالنے کو عشر کہتے ہیں، جو [عشری] زمین کی ہر طرح کی پیداوار میں واجب ہے۔[1] انکلیشور کی زمین عشری نہیں ہے، ملاقات ہوگی، تو مزید تفصیل عرض کروں گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن سالم بن عبد الله، عن أبيه رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر. (صحيح البخاري: ۲۰۱/۲، رقم الحديث: ۱۴۸۳، كتاب الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء، وبالماء الجاري، ط: ديوبند)

عشری زمین کی ہر طرح کی پیدوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہے، بس شرط یہ ہے کہ ایسی پیداوار ہو، جن کی کھیتی مقصود ہو:

وأن يكون الخارج منها مما يقصد بزراعته نماء الأرض هكذا في البحر الرائق. فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب والطرفاء والسعف؛ لأن الأراضي لا تستنمي بهذه الأشياء بل تفسدها... ويجب العشر عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - في كل ما تخرجه الأرض من الحنطة والشعير والدخن والأرز، وأصناف الحبوب والبقول والرياحين والأوراد والرطاب وقصب السكر والذريرة والبطيخ والقثاء والخيار والباذنجان والعصفر، وأشباه ذلك مما له ثمرة باقية أو غير باقية قل أو كثر هكذا في فتاوى قاضي خان سواء يسقى بماء السماء أو سيحا يقع في الوسق أو لا يقع هكذا في شرح الطحاوي ويجب في الكتان وبذره؛ لأن كل واحد منهما مقصود كذا في شرح المجمع. ويجب في الجوز واللوز والكمون والكزبرة هكذا في المضمرات. ———— ويجب العشر في العسل إذا كان في أرض العشر. (الفتاوى الهندية: ۱۸۶/۱، كتاب الزكاة، الباب السادس في زكاة الزرع والثمار، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) اب چند مدت ہوتی ہے کہ شامی جلد ثانی، باب الرکاز میں یہ عبارت نظر پڑی، جو ذیل میں درج ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ اراضی دار الحرب نہ عشری ہے، نہ خراجی، یہ مسئلہ فقہاء کے نزدیک متفق علیہ اور مسلم معلوم ہوتا ہے، اس عبارت کے دیکھنے کے بعد اس کی اصل معلوم ہوئی، جو حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ نے مالا بدمنہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مسائل عشر اس کتاب میں اس وجہ سے نہیں لکھے گئے کہ یہاں کی زمینیں عشری نہیں ہیں، یا یہاں کی زمینوں پر عشر نہیں ہے، او کما قال۔

الغرض تشریح شامی کے بعد اور تحقیق قاضی صاحب مرحوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب احقر یہ کہنے لگا کہ ہندوستان کی زمینیں عشری نہیں ہیں، بایں ہمہ احتیاط عشر نکالنے میں ہے۔...... (فتاوی دار العلوم: ۶/ ۹۳ - ۱۹۲، کتاب الزکاۃ، الباب السادس فی العشر، ط: دار العلوم دیو بند)

[۱۱] لیموں کی کھیتی پر عشر کا حکم

۱۳۱۹- سوال: ہمارے قصبہ میں تالاب کے کنارے میرا ایک گھر ہے، اس کے آس پاس آدھ بیگہ زمین ہے، اس گھر میں کوئی رہتا نہیں ہے، جس کی بناء پر اس میں دیمک لگ گئی ہے، جس کی صفائی کے لیے ماہانہ ۱۵۰/(ایک سو پچاس) روپے تنخواہ پر ایک آدمی متعین کیا ہے، جو زمین خالی ہے، اس میں وہ آدمی ہمارے خرچہ سے لیموں کی کھیتی کرتا ہے، تقریباً ۴۵-۴۷ درخت ہیں، پانی کے لیے بھی پورا انتظام ہے، لیموں کی آمدنی دو تین دن میں تین سے پانچ روپیہ تک ہوتی ہے، اب اس کی زکوۃ (عشر) کتنی اور کب نکالنی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ زمین اگر آپ کے پاس مسلمانوں سے نسل درنسل چلی آرہی ہو، کہ اگلے سب مالکان مسلمان ہوں، کوئی غیر مسلم نہ ہو، اور زمین کی سیرابی کے لیے کا پانی کا انتظام خود کا ہو، کنواں اپنی ملکیت کا ہو، تو جو کچھ کھیتی ہو، اس کا بیسواں حصہ غریبوں کو دے دیں، یعنی ۲۰/لیموں میں ایک لیموں دینا ضروری ہوگا۔[۱]

اور اگر زمین کسی بھی زمانہ میں کسی غیر مسلم کے پاس سے حاصل کی گئی ہو، تو عشر واجب نہیں ہوگا، تاہم ہندوستانی زمین میں عشر (حسب ضابطہ، دسواں یا بیسواں حصہ) ادا کر دینے میں احتیاط ہے۔[۲]

مذکورہ صورت میں پانی کے انتظام کا صرفہ، نوکر کی تنخواہ اور دوسرے کسی خرچ کو وضع کیے بغیر، کل کھیتی کا بیسواں حصہ ادا کرنا ہوگا۔ (شامی۔جلد ۲ صفحہ ۳۲۸)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن سالم بن عبد الله، عن أبيه رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر. (صحيح البخاري: ۱/۲۰۱، رقم الحديث: ۱۴۸۳، كتاب الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء، وبالماء الجاري، ط: ديوبند)

(۲) ...... تشریح شامی کے بعد اور تحقیق قاضی صاحب مرحوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب احقر (مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مفتی اعظم: دار العلوم-دیوبند) یہ کہنے لگا کہ ہندوستان کی زمینیں عشری نہیں ہیں، با ایں ہمہ احتیاط عشر نکالنے میں ہے۔...... (فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۱۶۳-۱۶۲، کتاب الزکاۃ، الباب السادس فی العشر، ط: دار العلوم دیوبند)

[۳] (و) تجب في (مسقي سماء) أي مطر (وسيح) كنهر (بلا شرط نصاب) راجع للكل (و) بلا شرط (بقاء) وحولان حول ... (و) يجب (نصفه في مسقي غرب) أي دلو كبير (ودالية) أي دولاب لكثرة المؤنة ... (بلا رفع مؤن) أي كلف (الزرع) وبلا إخراج البذر. (الدر مع الرد: ۲/ ۳۲۶-۳۲۸، كتاب الزكاة، باب العشر) =

[۱۴] ہندوستانی کھیتی پر زکوۃ کا حکم

۱۳۲۰- سوال: کھیتی کی پیداوار پر کتنی زکوۃ نکالنی ہوگی؟ کیا اس میں سے خرچ کم کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کی زمین کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، اس سلسلے میں دو قول ہے:

(۱) ہندوستان کی زمین خراجی ہے؛ اس لیے سرکاری ٹیکس ادا کرنا کافی ہوگا۔ (۲) ہندوستان کی زمین عشری ہے؛ اس لیے اگر اس کو آسمان کے پانی سے سیراب کیا ہے، تو خرچ اور اجرت نکالے بغیر، عشر (دسواں حصہ) نکالنا ہوگا، اور اگر کنویں وغیرہ کے پانی سے سیراب کیا ہے، تو بغیر خرچ واجرت نکالے نصف عشر (بیسواں حصہ) نکالنا ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قال ابن عابدين: (قوله: بلا رفع مؤن) أي يجب العشر في الأول ونصفه في الثاني بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر وكري الأنهار وأجرة الحافظ ونحو ذلك درر (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۲۸، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب مهم في حكم أراضي مصر والشام السلطانية، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) اراضیٔ ہند کے سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں، اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں، إرثاً او شراءاً و هلم جراً، وہ زمینیں عشری ہیں اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگیا تھا، وہ عشری نہ رہی۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/ ۵۹)

تفصیلی تخریج کے لیے اسی باب کے اس طرح کے دوسرے سوالات کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

زیاد بن الحارث الصدائی، قال: أتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعته، فذکر حدیثا طویلا، قال: فأتاہ رجل، فقال: أعطنی من الصدقة، فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن اللہ تعالی لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات، حتی حکم فیها هو، فجزأها ثمانیة أجزاء، فإن کنت من تلك الأجزاء أعطیتك حقك. (ابوداود: ۱/ ۲۳۰، حدیث نمبر: ۱۶۳۰، کتاب الزکاۃ، باب من یعطی من الصدقة، وحد الغنی، ط: دیوبند)

باب اداء الزکاۃ

[زکاۃ کی ادائیگی کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اداء الزکاۃ
[زکاۃ کی ادائیگی کا بیان]

[۱] شوہر کے مال سے عورت کا اپنی زکوٰۃ تھوڑا تھوڑا کر کے نکالنا

۱۳۲۱- سوال: عورت کو بہ طور جہیز، والدین کی جانب سے شادی کے وقت جو "زیور" ملتے ہیں، ہمارے عرف میں اسے لڑکی کی ملک سمجھا جاتا ہے، لڑکی کا یہ زیور اتنی مقدار میں ہے، جس پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، مگر اس کے پاس زکوٰۃ ادا کرنے کو پیسے نہیں ہیں، اور شوہر کی آمدنی بھی قلیل ہے، وہ نہ تو خود اس زیورات کی زکوٰۃ نکالتا ہے اور نہ عورت کو اتنا جیب خرچ دیتا ہے، جس میں سے وہ اپنی زکوٰۃ ادا کر سکے، البتہ اس نے یہ کہہ رکھا ہے کہ تم کو ہم نے اس کا مالک بنا دیا ہے کہ ہمارے گھر کے مال میں سے سائلین اور فقراء کو روٹی، سالن یا کبھی کوئی کپڑا یا کبھی کبھی روپیہ دو روپیہ اپنے زیور کی زکوٰۃ میں دے سکتی ہو، تو اگر عورت روز مرہ کی اس داد و دہش کو اپنے زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت سے دیا کرے اور اس کا حساب رکھے اور اس طرح سال بھر میں جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، اتنی مقدار کسی طرح ادا کر دیا کرے، تو کیا اس کے زیور کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا اس کو پوری زکوٰۃ بیک وقت نکالنی ضروری ہے؟ جوابات مدلل مطلوب ہیں امید ہے کہ زحمت گوارہ فرما کر مدلل جوابات سے نوازیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پوری زکوٰۃ ایک وقت نکالنا ضروری نہیں، جس وقت جو کچھ زکوٰۃ کی نیت سے ادا کرے، اس کی قیمت تحریر کرلے، مقدار معین کورقم پہنچ جائے گی، تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] زکوٰۃ تھوڑی تھوڑی کر کے ایک مدت تک دیتے رہنا

۱۳۲۲- سوال: کیا زکوٰۃ ایک ہی وقت میں ادا کردینا ضروری ہے یا ایک مدت تک تھوڑی تھوڑی کر کے بھی ادا کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زکوٰۃ فرض ہوجائے، تو لازماً اس کا ادا کرنا ضروری ہے، اس میں سستی وکاہلی نہیں کرنی چاہیے، البتہ ایک ساتھ، ایک ہی وقت میں ادا کرنا ضروری نہیں، تھوڑا تھوڑ کر کے، جہاں مناسب ہو، دے سکتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) (وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما) ... (أو مقارنة بعزل ما وجب) كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷-۲۶۸، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت)

البتہ مستحب یہ ہے کہ اتنی مقدار ایک فقیر ومحتاج کو دیا جائے، کہ اس کے ایک دن کی کھانے پینے کی ضرورت پوری ہوسکے: يندب دفع ما يغنيه يومه عن السؤال، واعتبار حاله من حاجة وعيال. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: واعتبار حاله إلخ) أشار إلى أنه ليس المراد دفع ما يغنيه في ذلك عن سؤال القوت فقط، بل عن سؤال جميع ما يحتاجه فيه لنفسه وعياله، وأصل العبارة للشرنبلالي حيث قال قوله وندب دفع ما يغنيه عن سؤال ظاهرة تعلق الإغناء بسؤال القوت، والأوجه أن ينظر إلى ما يقتضيه الحال في كل فقير من عيال وحاجة أخرى كدهن وثوب وكراء منزل وغير ذلك كما في الفتح اهـ وتمامه فيها فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۵، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر)

(۲) (وافتراضها عمري) أي على التراخي وصححه الباقاني وغيره (وقيل فوري) أي واجب على الفور (وعليه الفتوى) كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلاعذر. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله وافتراضها عمري) قال في البدائع وعليه عامة المشايخ، ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب، ويتعين ذلك الوقت للوجوب، وإذا لم يؤد إلى آخر عمره يتضيق عليه الوجوب، حتى لو لم يؤد حتى مات يأثم واستدل الجصاص له بمن عليه الزكاة إذا هلك نصابه بعد تمام الحول والتمكن من الأداء أنه لا يضمن، ولو كانت على الفور يضمن كمن أخر صوم شهر رمضان عن وقته فإن عليه القضاء. (قوله وصححه الباقاني وغيره) نقل تصحيحه في التتارخانية=

البتہ مختلف اوقات میں زکاۃ دے، تو ہر مرتبہ زکاۃ کی ادائیگی کی نیت کرے، الا یہ کہ یک بارگی پوری زکاۃ، بہ نیت زکاۃ، نکال کر علاحدہ کر لے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] وکیلِ زکوٰۃ کے لیے زکوۃ وصدقات کی رقم زیادہ مدت تک اپنے پاس روکے رکھنا

۱۳۲۳- سوال: زکوۃ وصدقات کی رقم مال داروں نے ادارے کو دی ہے؛ تاکہ ادارے کے ذمے داران اسے مسکین وحاجت مند میں تقسیم کردیں، مگر انہوں نے ۶/۶ سال تک اپنے پاس جمع رکھی ہے، کیا زکوۃ کی رقم اتنی مدت تک روکے رکھنا صحیح ہے؟ کیا اس قدر تاخیر سے زکوۃ ادا کی جائے، تو ادا ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی مسکین آدمی کو زکوۃ کی رقم کا مالک بنادینا ضروری ہے۔[۲] جب تک ادارہ میں آئی ہوئی رقم

= أيضا.... (قوله فيأثم بتأخيرها إلخ) ظاهره الإثم بالتأخير ولو قل كيوم أو يومين لأنهم فسروا الفور بأول أوقات الإمكان. وقد يقال المراد أن لا يؤخر إلى العام القابل لما في البدائع عن المنتقى بالنون إذا لم يؤد حتى مضى حولان فقد أساء وأثم اهـ فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۷۲-۲۷۱، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

[۱] (وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما)... (أو مقارنة بعزل ما وجب) كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۸-۲۷۰، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت)

فإذا نوى أن يؤدي الزكاة، ولم يعزل شيئا فجعل يتصدق شيئا فشيئا إلى آخر السنة، ولم تحضره النية لم يجز عن الزكاة كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر-بيروت)

والأصل اقترانها بالأداء كسائر العبادات إلا أن الدفع يتفرق فيحرج باستحضار النية عند كل دفع فاكتفى بوجودها حالة العزل دفعا للحرج. (البحر الرائق: ۲/ ۳۶۸، كتاب الزكاة، ط: زكريا-ديوبند)

(۲)... الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالى {وآتوا الزكاة} [البقرة: ۴۳] يقتضي التمليك، ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة، ولو كساه تجزيه لوجود التمليك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۲۵۱-۵۲، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر-بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب-ديوبند)

مسکین کے ہاتھ میں نہ پہونچ جائے، اس وقت تک زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔[۱] اسی وجہ سے جہاں تک ہو سکے، زکوۃ کی رقم کو حق داروں تک جلدی پہونچا دینا چاہیے۔ ایک سال تک تو ٹھیک ہے؛ لیکن چھ سال تک رقم کو روکے رکھنا درست نہیں ہے۔[۲] البتہ چھ سال کے بعد ادا کرنے سے بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔[۳]

بہتر یہ ہے کہ ایسی زائد رقم کا حیلہ کرلیا جائے، جس کی شکل یہ ہے کہ کسی مسکین کو مالک بنا کر اس کے ہاتھ میں رقم دی جائے، اور ترغیب دیتے ہوئے کہا جائے کہ اس رقم کو اپنی طرف سے ادارہ میں دے دو، تمہیں پوری رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا، نیز اس کو بھی کچھ رقم دے کر خوش کر دیا جائے، ادارہ کا ہی کوئی ہو، تو بہتر ہے۔ (درمختار)[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] سال ختم ہونے کے باوجود زکوۃ کی رقم بچ جائے، تو اس کا کیا کرنا چاہیے

۱۳۲۴- سوال: نوجوانوں کی ایک انجمن میں گاؤں کے کچھ لوگوں نے اپنی اپنی زکوۃ کی رقم دی ہے؛ لیکن وہ زکوۃ کی رقم سال بھر میں ختم نہیں ہوئی ہے، تو زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور زکوۃ کی جو رقم سال پورا ہونے کے بعد بچ جاتی ہو، اس رقم کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نوجوانوں کی انجمن کے کارکنان کی ذمہ داری یہ ہے کہ زکوۃ کی اس رقم کو اس کے مستحقین تک پہنچا دیں، ان کو جمع نہ رکھیں اور سستی اور لاپرواہی سے کام نہ لیں؛ کیوں کہ وہ جب تک مستحقین تک زکوۃ نہیں پہنچائیں

---

(۱) ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة، ط: بيروت)

(۲) إذا لم يؤد الزكاة حتى مضى حولان فقد أساء وأثم. (بدائع الصنائع: ۲/۳، كتاب الزكاة، فصل كيفية فرضية الزكاة، ط: دار الكتب العلمية)

(۳) ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب، ويتعين ذلك الوقت للوجوب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

[۴] ... الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)
وحيلة التكفين بها [الزكاة] التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

گے، زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (۱)

البتہ رقم پر سال گذر جائے، اس کے بعد رقم مستحقین تک پہنچائی جائے، تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی، ادائیگی زکوٰۃ میں کوئی نقص لازم نہیں آئے گا۔

نوجوانوں کے لیے لازم تھا کہ وہ اپنی وکالت کا حق صحیح طور پر ادا کرتے اور زکاۃ کی رقم جلد از جلد اس کے مستحقین تک پہنچا دیتے، اگر بلا عذر ادائیگی میں تاخیر کی ہے، تو وہ گنہ گار ہوں گے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] صدقہ کی نیت سے الگ کردہ پیسوں پر زکوٰۃ کا حکم

۱۳۲۵- سوال: میں اپنی تجارت میں سے تھوڑے تھوڑے پیسے دینی کاموں میں خرچ کرنے کے لیے (مثلاً: مدرسہ، مسجد، یا کسی غریب کو دینے کے لیے) الگ کرتا رہتا ہوں، تو کیا ان الگ کردہ پیسوں پر جب سال گذر جائے، تو زکوٰۃ واجب ہوگی؟ جب کہ میں نے یہ پیسے صرف مذکورہ کام میں خرچ کی نیت سے ہی الگ کیے ہیں، نہ کہ کسی اور کام میں خرچ کرنے کے لیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو رقم مال دار کی ملکیت میں ہو اور اس پر سال گذر جائے، تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، مذکورہ رقم آپ نے الگ نکالی ہے؛ لیکن اس کو نہ خرچ کیا ہے اور نہ خرچ کرنے کا کسی کو وکیل بنایا ہے، [لہٰذا وہ رقم آپ کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی] اس رقم کو الگ نکالنے سے آپ مذکورہ مد (کھاتے) میں خرچ کرنے کے مکلف

---

(۱) ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۰، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) (وافتراضها عمري) أي على التراخي وصححه الباقاني وغيره (وقيل فوري) أي واجب على الفور (وعليه الفتوى) كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلا عذر. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله وافتراضها عمري) قال في البدائع وعليه عامة المشايخ، ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب، ويتعين ذلك الوقت للوجوب، وإذا لم يؤد إلى آخر عمره يتضيق عليه الوجوب، حتى لو لم يؤد حتى مات يأثم... (قوله وصححه الباقاني وغيره) نقل تصحيحه في التتارخانية أيضا.... (قوله فيأثم بتأخيرها إلخ) ظاهره الإثم بالتأخير ولو قل كيوم أو يومين لأنهم فسروا الفور بأول أوقات الإمكان. وقد يقال المراد أن لا يؤخر إلى العام القابل لما في البدائع عن المنتقى بالنون إذا لم يؤد حتى مضى حولان فقد أساء وأثم اهـ فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۷۱-۲۷۲، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

نہیں، آپ نیت بدلنا چاہیں، تو بدل سکتے ہیں؛ کیوں کہ آپ نے صرف دل سے نفل خیرات کی نیت کی ہے، منت نہیں مانی ہے (جس کا تعلق زبان سے ہے) لہٰذا مذکورہ رقم پر زکوۃ ادا کرنا ضروری ہے، اگر دوسرے کسی کو اس رقم کے خرچ کا وکیل بنایا ہوتا، تو پھر اس کی زکوۃ واجب نہ ہوتی۔ اسی مذکورہ رقم سے بھی آپ اس کی زکوۃ نکال سکتے ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] زکوۃ کی رقم کو ایک سال سے زائد عرصہ تک روکے رکھنا

۱۳۲۶- سوال: ہمارے یہاں ایک تنظیم ہے، جو نادار، محتاج اور ضرورت مند کے علاج و دوا وغیرہ اخراجات کے لیے رمضان جیسے مواقع میں زکوۃ کی رقم کا چندہ جمع کرتی ہے، اس رقم کو تین چار مہینے تک نادار اور محتاج لوگوں پر خرچ کیا جاتا ہے، اگر یہ رقم اتنی مقدار میں جمع ہو جائے کہ دوسرے سال تک چلتی رہے، تو ادائیگی میں اس تاخیر کی وجہ سے اس تنظیم کے منتظمین گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

زکوۃ، مستحق کے قبضہ میں آنے کے بعد ہی ادا ہوتی ہے،[2] اس لیے اُس کی ادائیگی میں بلا وجہ تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔[3]

---

(۱) أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، وكذا في البدائع في بحث النماء التقديري. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۲، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر- بيروت)

(وشرطه) أي شرط افتراض أدائها (حولان الحول) وهو في ملكه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر- بيروت)

إن الدراهم لا تتعين بالتعيين. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۳۶۴، كتاب الوقف، مطلب في وقف الدراهم والدنانير، ط: دار الفكر)

(۲) ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۰، كتاب الزكاة)

(۳) وتجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتأخيره من غير عذر، وفي رواية الرازي على التراخي حتى يأثم عند الموت، والأول أصح كذا في التهذيب. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر- بيروت)

(وافتراضها عمري) أي على التراخي وصححه الباقاني وغيره (وقيل فوري) أي واجب على الفور (وعليه الفتوى) كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلا عذر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۱-۲۷۲، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

اگر بلا وجہ ایک سال سے زیادہ تاخیر ہوگی، تو ادائیگی کا وکیل بننے والا شخص گنہگار ہوگا،[1] سوال میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق اگر محتاج لوگوں کی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں اگر تین یا چار مہینے لگ جاتے ہوں، تو اُس میں کوئی حرج نہیں، لیکن ایک سال سے زائد عرصہ تک نہ روکی جائے، اس دشواری کو دور کرنے کی آسان شکل یہ ہے کہ جن لوگوں نے زکوٰۃ کی رقم پہلے سے دے رکھی ہے، اُن کی رقم علاحدہ رکھی جائے، تاکہ اُسے پہلے خرچ کیا جاسکے، اور بعد میں دینے والوں کی رقم بھی علاحدہ رکھیں، کہ اُسے بعد میں خرچ کریں۔

بہتر تو یہی ہے کہ جب زکوٰۃ کی رقم مذکورہ تنظیم جیسے کسی بھی ادارے میں آئے، تو اُس کا اولاً حیلہ کرلیا جائے، کہ کسی سمجھدار محتاج شخص کو یہ رقم دیتے ہوئے کہا جائے کہ اگر آپ اپنی یہ رقم اِدارے میں دیں گے، تو اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا، پھر یہ شخص وہ رقم اِدارے کو دے دے، تو پھر روکے رکھنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ (درمختار مع الشامی: ۲/۲۷۱)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] ایک سال سے زائد رقم روکے رکھنے والے اِدارے میں زکوٰۃ کی رقم جمع کرنا

۱۳۲۷- سوال: اگر کوئی ادارہ زکوٰۃ اور چرمِ قربانی کی رقم ایک سال سے زائد عرصہ تک روکے رکھتا ہو، نیز یہ بات زکوٰۃ کی رقم اور چرمِ قربانی کی رقم جمع کروانے والے کو معلوم ہو، تو اُس کے لیے مذکورہ اِدارے میں رقم جمع کروانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مذکورہ اِدارہ جان بوجھ کر اِس رقم کو روکے رکھتا ہو، اور حیلہ بھی نہ کرتا ہو، تو اُس

---

(۱) إذا لم يؤد الزكاة حتى مضى حولان فقد أساء وأثم. (بدائع الصنائع: ۲/۳، كتاب الزكاة، فصل كيفية فرضية الزكاة، ط: دار الكتب العلمية)

[۲] ... الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

وحيلة التكفين بها [الزكاة] التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

میں زیادہ رقم جمع کروانا مناسب نہیں ہے،[۱] ورنہ زکوۃ ادا نہیں ہوگی،[۲] چرم قربانی کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] زکوۃ کی رقم کئی سال تک جمع کر کے پھر ادا کرنا

۱۳۲۸- سوال: ایک شخص ہر سال زکوۃ نکالتا رہتا ہے، لیکن پوری زکوۃ نہیں نکالتا؛ بل کہ کچھ نکال کر باقی رقم جمع رکھتا ہے، ایسا ہی ہر سال کرتا ہے، سود کی جو رقم اس کے پاس آتی ہے، اس کو بھی جمع کرتا ہے، خود نہیں کھاتا، پھر وہ زکوۃ اور سود کی جمع شدہ رقم جب پانچ دس سال میں کافی مقدار میں ہو جاتی ہے، تو اسے کسی اسپتال، یا مدرسہ، یا اسکول میں استعمال کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ جمع کرنے والی صورت بہتر ہے یا ہر سال پوری زکوۃ نکال دینا اور سود کے پیسے آتے ہی بلا نیت ثواب صدقہ کر دینا بہتر ہے؟ جواب عطا فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، زکوۃ ہر سال پوری نکال دینی چاہیے۔[۳] زکوۃ کی رقم سے مسجد، مدرسہ، اسکول وغیرہ تعمیر کرنا درست نہیں، تعمیرات میں زکوۃ استعمال کرنے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔[۴]

---

[۱] (وكره إعطاء فقير نصابا) أو أكثر (إلا إذا كان) المدفوع إليه (مديونا أو) كان (صاحب عيال) بحيث (لو فرقه عليهم لا يخص كلا) أو لا يفضل بعد دينه (نصاب) فلا يكره فتح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۵۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) جب بھی ادارے کے ذمہ دار مستحقین تک پہنچا دیں گے، زکاۃ ادا ہو جائے گی، البتہ سال بھر سے زیادہ روکے رکھنے کی وجہ سے زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کا گناہ ہوگا:

ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب، ويتعين ذلك الوقت للوجوب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

إذا لم يؤد الزكاة حتى مضى حولان فقد أساء وأثم. (بدائع الصنائع: ۲/ ۳، كتاب الزكاة، فصل كيفية فرضية الزكاة، ط: دار الكتب العلمية)

(۳) وتجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتأخيره من غير عذر، وفي رواية الرازي على التراخي حتى يأثم عند الموت، والأول أصح كذا في التهذيب. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر - بيروت)

[۴] (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه). (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما=

اسی طرح سود کی رقم بھی جمع نہیں رکھنی چاہیے، بل کہ جہاں تک ہوسکے، غریبوں کو دے کر اس کو جلد ختم کر دینا چاہیے۔[1] اس سے مدرسہ، ہاسٹل وغیرہ کی تعمیر ٹھیک نہیں، یعنی گنجائش ہے، مگر بہتر نہیں۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

=لا تمليك فيه زيلعي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر- بيروت ☆تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ولا يصرف في بناء مسجد، وقنطرة، ولا يقضي بها دين ميت، ولا يعتق عبداً، ولا يكفن ميتا. (المحيط البرهاني -ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

(۱) والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/ ۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، ط: دار الفكر- بيروت)

وعلى هذا لو مات مسلم وترك ثمن خمر باعه مسلم لا يحل لورثته كما بسطه الزيلعي. (الدر المختار) ــــو في حاشية ابن عابدين (م: ۱۲۵۲ھ): وقال في النهاية: قال بعض مشايخنا: كسب المغنية كالمغصوب لم يحل أخذه، وعلى هذا قالوا لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئا وهو أولى بهم ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر)

(۲) اسلامک فقہ اکیڈمی- انڈیا نے دوسرے فقہی سمینار (منعقدہ: ۸-۱۱/ رجمادی الاولی، ۱۴۱۰ھ، مطابق: ۸/ ۱۱/ دسمبر ۱۹۸۹ء، دہلی) میں درج ذیل قرارداد پاس کی ہے:

۱- بینکوں سے ملنے والی سودی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے؛ بل کہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہیے:

۲- بینک کے سودی رقم کو بلا نیت ثواب فقراء و مساکین پر خرچ کر دیا جائے، اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے۔

۳- سودی رقم کو مساجد اور اس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

۴- اکثر شرکاء سمینار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء و مساکین تک محدود رکھنا چاہیے۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۱۴۱، معاشی مسائل، بینک انٹرسٹ، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی- انڈیا، سن طباعت: اپریل: ۲۰۰۹ء)

[۹] ادارہ کے منتظمین کا اس سال کی زکوٰۃ دوسرے سال استعمال کرنا

۱۳۲۹- سوال: ہمارا ایک ادارہ ہے، جس میں مختلف قسم کی عصری تعلیم کا نظم ہے، اس میں غریبوں کو ڈرائیونگ، ٹیلرنگ، وغیرہ سکھایا جاتا ہے، اس ادارہ میں مختلف طرح کے ہنر سیکھنے اور تعلیم حاصل کرنے والوں کو ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے، اس میں جو غریب و مستحق ہوتے ہیں، ان کے کھانے پینے اور وظیفہ میں زکوٰۃ کے پیسے پوری امانت داری سے خرچ کیے جاتے ہیں؛ لیکن سوال یہ ہے کہ کبھی زکوٰۃ کی رقم ان غرباء و مستحقین پر خرچ کرنے کے بعد بھی بچ جاتی ہے اور جس سال وہ رقم آئی تھی اسی سال خرچ نہیں ہو پاتی ہے، تو اس طرح دوسرے سال تک زکوٰۃ کی رقم باقی رہنے سے زکوٰۃ کی ادائیگی وغیرہ میں کوئی نقصان تو نہ ہوگا؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ دہندہ نے ادارے کے منتظمین کو زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر کی رقم دے کر غرباء اور مستحقین تک پہنچانے کا وکیل بنایا ہے، اب ان منتظمین کی ذمہ داری ہے کہ جو واقعی مستحق ہیں، ان تک زکوٰۃ کی یہ رقم امانت داری سے پہنچادیں، آپ کی تحریر کے بہ موجب اہل انتظام اس رقم کو صحیح طریقہ سے مستحقین کے درمیان تقسیم کرتے ہیں، یہ اچھی بات ہے، لیکن ان کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے، ہر سال کی زکوٰۃ اسی سال غرباء و مستحقین تک پہنچا کر ختم کردیں، دوسرے سال کے لیے باقی نہ رکھیں، باقی ماندہ رقم کا ان کو کوئی اور انتظام کرنا چاہیے؛ لیکن اگر رقم بچ جاتی ہے، تو اس سے منتظمین گنہ گار نہ ہوں گے؛ کیوں کہ بعض مرتبہ آمدنی، اخراجات سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ بات منتظمین کو ابتداءً معلوم نہیں ہوتی کہ اس سال آمدنی کتنی ہوگی، اس لیے رقم کبھی بچ جاتی ہے، جس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔

جب بھی مستحقین تک زکوٰۃ کی رقم پہنچ جائے گی، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اصحاب مال کی ذمہ داری تو اس وقت ادا ہو جاتی ہے، جب وہ منتظمین کو یہ رقم دے کر وکیل بناتے ہیں، وکیل کو دینے سے ان کی ذمہ داری ادا ہو جاتی ہے، البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں کامل ذمہ اس وقت ادا ہوتا ہے، جب وکیل اس رقم کو مستحق پر خرچ کردے، جب تک وکیل مستحق پر رقم خرچ نہ کرے، زکوٰۃ کی ادائیگی شمار نہ ہوگی۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) إذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع مالم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت) =

= ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: ولا يخرج عن العهدة بالعزل) فلو ضاعت لا تسقط عنه الزكاة ولو مات كانت ميراثا عنه، بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي لأن يده كيد الفقراء بحر عن المحيط. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

نوٹ: تعلیمی ادارے میں زکاۃ کی رقم جب منتظم کے پاس جمع ہوتی ہے تو کیا منتظم زکاۃ دہندہ کا وکیل ہوتا ہے کہ جب تک اسے مستحقین تک نہ پہنچادے، زکاۃ دینے والا بری الذمہ نہیں ہوتا اور اس کی زکاۃ ادا نہیں ہوتی، یا وہ ادارے میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کا وکیل ہوتا ہے کہ اس منتظم کا قبضہ درحقیقت مستحقین زکاۃ کا قبضہ ہے، جس کی وجہ سے فوراً زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ادارے کا منتظم، زکاۃ دینے والے کا وکیل ہے، اور وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ ہے، گویا زکاۃ ابھی صاحب مال کے پاس ہی ہے، جب تک اسے وکیل مستحق تک نہیں پہنچا دیتا، زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ایک فتویٰ سے اس کی تائید ہوتی ہے، جو درج ذیل ہے:

سوال: ہمارے یہاں ایک قومی ادارہ ہے، جو غریب، یتیم، بیواؤں کی امداد کے لیے قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی خدمات ماشاء اللہ انجام بھی دیتا ہے، اس کی نوعیت یہ ہے کہ ہر سال رمضان المبارک میں زکاۃ، فطرہ اور عید الاضحی کے موقع پر چرم قربانی جمع کرتا ہے اور سال بھر ماہانہ یتیم، بیواؤں کو ایک مقدار مقرر دی جاتی ہے۔ فی الوقت ادارے کے پاس جمع شدہ کئی سال کی کچھ رقم موجود ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح رقم زکاۃ، فطرہ کی جمع کر کے رکھنا درست ہے یا سال بھر مکمل جتنی رقم جمع ہو، صرف کر دی جائے، حکم شریعت سے آگاہ فرمائیں۔

جواب: زکاۃ، فطرہ دینے والوں نے ادارے کے ذمہ داروں کو وکیل بنایا ہے، کہ ان کی زکاۃ و فطرہ کو صحیح جگہ پر صرف کر دیں، جب تک وہ صرف نہیں کریں گے، زکاۃ، فطرہ کی ادائیگی نہیں ہوگی، ذمہ بری نہیں ہوگا، واجب باقی رہے گا۔ ایسی رقم پر سال بھر گذر جانا اچھا نہیں ہے، اور واجب میں اتنی دیر نہ کی جائے، درمیان میں حوادث کا بھی احتمال رہتا ہے، گذشتہ رقم، جو کچھ باقی ہو، اس کو حسب ضرورت غرباء اور مستحق کو دے دے، فقط، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۵۱۵، کتاب الزکاۃ، باب اداء الزکاۃ، ادارے میں زکاۃ کی رقم سال بھر سے زیادہ پڑے رہنا، سوال نمبر: ۴۶۱۶، ط: دار المعارف - دیوبند)

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے اس مسئلے پر تفصیلی بحث فرمائی ہے اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحقیقات کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: میں اس مسئلے میں اسی فیصلے کو تسلیم کرتا ہوں، جو فیصلہ ان سب اکابر کا ہے، یعنی: موجودہ زمانے کے مہتممان مدارس یا ان کے مامور کردہ حضرات، جو چندہ یا زکاۃ وصول کرتے ہیں، وہ بہ حیثیت وکیلِ فقراء کے وصول ہوتی ہے اور ان کے قبضے میں پہنچتے ہی معطیین زکاۃ کی زکاۃ ادا ہو جاتی ہے۔ (جواہر الفقہ: ۳/ ۳۲۱، رسالۃ اماطۃ التشکیک فی اناطۃ الزکاۃ بالتملیک، ط: زکریا - دیوبند)

اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ منتظم ادارہ، معطیین کا وکیل نہیں بل کہ فقراء و مستحقین کا وکیل ہوتا ہے۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ منتظم، زکاۃ دہندہ اور فقراء؛ ہر دو کے وکیل ہیں، یہی رائے حضرت مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ، استاذ =

[۱۰] زکوۃ کی رقم کو سال بھر روکے رکھنے کا حکم

۱۳۳۰- سوال: ایک کمیٹی غرباء کی امداد کے لیے لوگوں سے زکوۃ وصدقات وخیرات وصول کرتی ہے، سوال یہ ہے کہ زکوۃ کی رقم کی ادائیگی کتنی مدت کے اندر کردینا ضروری ہے؟ یہ کمیٹی اسپتال کے غرباء کو دوائیاں فراہم کرتی ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ زکوۃ کی رقم اور دوائیاں آدھے سال تک باقی رہتی ہیں، اور کبھی تو دوسرے سال تک جمع رہتی ہیں۔

الجواب حامداو مصلیا:

صاحب نصاب پر حولان حول کے بعد زکوۃ ادا کرنا فرض ہے۔[۱]

زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں؛ اس لیے مال دار آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سال پورا ہوتے ہی اپنی زکوۃ ادا کردے، بلا وجہ تاخیر کرنے سے گنہ گار ہوگا۔[۲]

=گرامی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی ہے اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے فتاویٰ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ان کا یہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

''مہتمم مدرسہ کو ارباب اموال نے صراحۃً وکیل بنایا ہے کہ ہمارا مال حسب صواب دید مصارف میں صرف کردیں، غرباء کا بھی وکیل ہے، اس طرح کا طلبہ نے جب اس کے اہتمام کو تسلیم کرلیا تو گویا یہ کہہ دیا کہ آپ ہمارے واسطے ارباب اموال سے زکاۃ وغیرہ وصول کرکے ہماری ضروریات (کھانا، کپڑا وغیرہ میں) صرف کردیں، الخ...... (فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۵۱۴، کتاب الزکاۃ، مہتمم مدرسہ طلبہ کا وکیل ہے یا معطی کا، سوال نمبر: ۴۶۱۴، ط: اشرفی بک ڈپو- دیوبند)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کی ایک تحریر اس بابت صریح ہے کہ اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال کے، زکاۃ دہندہ اور مستحقین وآخذین ہر دو کے وکیل ہیں، وہ فرماتے ہیں: عاجز کے نزدیک مدارس کا روپیہ وقف نہیں، مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال کے معطیین اور آخذین ہر دو کی طرف سے وکلاء ہیں، لہٰذا نہ اس میں زکاۃ واجب ہوگی اور نہ معطیین واپس لے سکتے ہیں۔ (فتاویٰ اشرفیہ موسوم بہ فتاویٰ امدادیہ قدیم: ۴/ ۲۱۸، بہ حوالہ: نظام الفتاویٰ: ۱/ ۴۲۱، مدارس عربیہ میں آمدہ رقوم اور ان پر زکاۃ کا شرعی حکم، ط: ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی)

اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صورت مسئولہ میں منتظم ادارہ کو زکاۃ حوالے کرنے سے ادا ہوجائے گی، خواہ ابھی زکاۃ مستحقین کو نہ پہنچی ہو۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۱) "الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/ ۱۸۵، أول كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(۲) (وافتراضها عمري) أي على التراخي وصححه الباقاني وغيره (وقيل فوري) أي واجب على الفور (وعليه=

لیکن زندگی میں جب بھی وہ ادا کرے گا، زکوۃ ادا ہو جائے گی، اور ادا ہی کہلائے گی، بصفت قضاء کے ساتھ متصف نہیں ہوگی۔ (۳)

جب کمیٹی کے کارکنان لوگوں کی زکوۃ ادا کرنے کے لیے وکیل بنے ہیں یا ان کو وکیل بنایا گیا ہے، تو ان کی ذمہ داری ہے کہ زکوۃ کی رقم کو اس کے مستحقین تک پہنچانے کی کوشش کریں؛ لیکن اس کے مستحقین تک پہنچانے کے بعد جو رقم بچ جائے اور اس کو ذمہ داران دوسرے سال کے بجٹ میں خرچ کریں تو گنہ گار نہیں ہوں گے؛ لیکن مالک خود اپنی زکوۃ ادا کرنے میں ڈھیل کرے، یہاں تک کہ سال پورا ہو جائے، تو وہ گنہ گار ہوگا۔ (شامی: ۲/۱۷) [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] زکوۃ میں قطعی نیت ضروری ہے، زکوۃ کہہ کر دینا ضروری نہیں

۱۳۳۱- سوال: ۱- ایک ضرورت مند شخص میرے پاس قرض لینے آیا، میں نے اس کو اس نیت سے پیسے دیے کہ اگر اس کے پاس دینے کا انتظام ہو گیا، تو یہ قرض ہے اور اگر انتظام نہ ہو سکا، تو یہ زکوۃ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح زکوۃ دینا شرعاً جائز ہے؟ اگر وہ نہ دے سکا تو میرے ذمہ عائد ہونے والی زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

= الفتوى) كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلاعذر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۲-۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

(۳) ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب، ويتعين ذلك الوقت للوجوب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

[۴] (وافتراضها عمري) أي على التراخي وصححه الباقاني وغيره (وقيل فوري) أي واجب على الفور (وعليه الفتوى) كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلاعذر. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله وافتراضها عمري) قال في البدائع وعليه عامة المشايخ، ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب، ويتعين ذلك الوقت للوجوب، وإذا لم يؤد إلى آخر عمره يتضيق عليه الوجوب، حتى لو لم يؤد حتى مات يأثم... (قوله وصححه الباقاني وغيره) نقل تصحيحه في التتارخانية أيضا.... (قوله فيأثم بتأخيرها إلخ) ظاهره الإثم بالتأخير ولو قل كيوم أو يومين لأنهم فسروا الفور بأول أوقات الإمكان. وقد يقال المراد أن لا يؤخر إلى العام القابل لما في البدائع عن المنتقى بالنون إذا لم يؤد حتى مضى حولان فقد أساء وأثم اهـ فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۷۲-۲۷۱، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

۲- اگر کسی قرضہ مانگنے والے شخص کو زکاۃ دینا ہو، تو کیا اس کو بتانا ضروری ہے کہ یہ زکاۃ ہے، اگر ایسا کہا کہ یہ میری جانب سے ہدیہ اور بخشش ہے، تو کیا اس صورت میں زکاۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ ایک اہم عبادت ہے؛ اس کی ادائیگی کے وقت نیت کرنا ضروری ہے، بغیر نیت کے زکوۃ ادا نہ ہوگی اور نیت قطعیت کے ساتھ ضروری ہے، تردد والی نیت کافی نہیں؛ کیوں کہ نیت میں تردد کا ہونا نیت کی قطعیت کے منافی ہے۔[1]

قرض مانگنے والا شخص زیادہ غیرت مند ہے، جو مستحق زکاۃ ہونے کے باوجود زکاۃ لینے پر راضی نہیں ہے، اور آپ زکاۃ کی نیت سے دے رہے ہیں، تو دل میں ادائیگی زکاۃ کی نیت کے ساتھ آپ اس کو زبانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں یہ ہدیہ اور بخشش دے رہا ہوں، اس طرح بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما) ... (أو مقارنة بعزل ما وجب) كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷-۲۶۸، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۰، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر- بيروت ☆ الفتاوى التارخانية: ۳/ ۱۹۲، كتاب الزكاة، الفصل السابع في أداء الزكاة، والنية فيه، ط: زكريا-ديوبند)

إذا كان في وقت التصدق بحال لو سئل عما إذا تؤدي يمكنه أن يجيب من غير فكرة فذلك يكون نية منه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى التارخانية: ۳/ ۱۹۲، كتاب الزكاة، الفصل السابع في أداء الزكاة، والنية فيه، ط: زكريا-ديوبند)

الرابع أن لا يأتي بمناف بين النية، والمنوي... ومن المنافي التردد وعدم الجزم في أصلها وفي الملتقط، وعن محمد رحمه الله فيمن اشترى خادما للخدمة، وهو ينوي إن أصاب ربحا باعه لا زكاة عليه. (الاشباہ والنظائر-زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بـ 'ابن نجيم المصري' (م: ۹۷۰ھ) ص: ۲۰۲-۲۰۳، الكلام على النية، ط: مكتبة فقيه الأمة-ديوبند)

(۲) ولم يشترط المصنف-رحمه الله- علم الآخذ بما يأخذه أنه زكاة؛ للإشارة إلى أنه ليس بشرط، وفيه اختلاف والأصح كما في المبتغى والقنية: أن من أعطى مسكينا دراهم، وسماها هبة، أو قرضا، ونوى الزكاة، فإنها تجزئه. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۲/ ۲۲۸، كتاب الزكاة، شروط أداء الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا =

[۱۲] زکوۃ کی رقم بستی کے مستحقین کو نہ دے کر دوسری جگہ دینا

۱۳۳۲- سوال: اگر خود کے شہر میں مستحقین زکوۃ کافی مقدار میں ہوں تو باہر والوں کو زکوۃ دینے کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ اپنے رشتہ داروں میں جو فقیر ہوں، اولاً ان کو دیں، یا رشتہ داروں کے علاوہ بستی میں جو فقیر ہوں، ان کو دیں، لیکن اگر کوئی حولان حول سے قبل (پیشگی) زکاۃ ادا کرے، یا اپنی بستی سے باہر دوسرے شہر میں رشتہ دار رہتے ہوں، یا بستی کے علاوہ دوسری جگہ دینے میں دین کا مفاد وابستہ ہو، جیسے مدارس اور دینی ادارے، یا دین کی خدمت کرنے والے مستحق دین داروں کو دیا جائے، جو اس کے بستی کے نہیں ہیں، تو بھی بلا کراہت جائز ہے۔

لیکن کسی معقول و مذکورہ وجوہات کے بغیر بستی سے باہر زکوۃ دینا، جب کہ خود اس (زکاۃ دہندہ) کی بستی میں مستحق موجود ہوں، مکروہ ہوگا۔ (طحطاوی: ۳۹۵- عالم گیری: ۱/۱۵۱)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة، فإنها تجزئه اهـ. (درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱/ ۱۷۴، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۱۹۶، كتاب الزكاة، شرط صحة أداء الزكاة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۸، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

[۱] ويكره نقل الزكاة من بلد إلى بلد، إلا أن ينقلها الإنسان إلى قرابته، أو إلى قوم هم أحوج إليها من أهل بلده، ولو نقل إلى غيرهم أجزأه، وإن كان مكروها. وإنما يكره نقل الزكاة إذا كان الإخراج في حينها، بأن أخرجها بعد الحول أما إذا كان الإخراج قبل حينها، فلا بأس بالنقل.

والأفضل في الزكاة والفطر والنذر، الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأعمام والعمات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأخوال والخالات، ثم إلى أولادهم ثم إلى ذوي الأرحام ثم إلى الجيران، ثم إلى أهل حرفته، ثم إلى أهل مصره أو قريته كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر☆حاشية الطحطاوي على الدر: ۱/ ۴۳۰، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: رشيديه- پاكستان ☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۳۳۳، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، ط: فقيه الأمة- ديوبند)

[۱۳] زکوۃ کی ادائیگی میں غرباء کا خیال رکھنا ضروری ہے

۱۳۳۳- سوال: رمضان المبارک کا مہینہ آرہا ہے؛ مدرسہ، مکتب، دارالعلوم، دینی وعصری ادارے، اور امدادی رقم تقسیم کرنے والی کمیٹیاں مختلف شہروں اور دیہاتوں میں اپنے سفیر بھیج کر چندہ وصول جمع کرتی ہے، اس چندہ میں عام طور پر زکوۃ کی رقم ہوتی ہے، لہٰذا رقم بہت کم ہوتی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ زکوۃ کے اصل حق دار تو غرباء ہیں اور مشاہدہ ہے کہ ہر بستی میں جو صاحب نصاب حضرات ہوتے ہیں، وہ اپنی زکوۃ اپنی بستی کے مدرسے اور مکتب میں دیتے ہیں، پھر بعد میں دوسرے مکاتب ومدارس میں بھیجتے ہیں اور بستی کے غرباء کو بہت کم مقدار میں زکوۃ کی رقم ملتی ہے۔ الغرض کہنے کا منشاء یہ ہے کہ زکوۃ اسلام کا ایک اہم رکن ہے، جس کے حق دار صرف غرباء ہیں، مدارس والے زکوۃ اڑا لے جاتے ہیں، اور اصل مستحقین کو برائے نام ملتی ہے، تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غرباء کا خیال رکھنا ضروری ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن أبي هريرة - رضي الله تعالى عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والذي بعثني بالحق لا يعذب الله يوم القيامة من رحم اليتيم، ولان له في الكلام، ورحم يتمه وضعفه، ولم يتطاول على جاره بفضل ما آتاه الله، وقال: يا أمة محمد، والذي بعثني بالحق لا يقبل الله يوم القيامة صدقة من رجل وله قرابة محتاجون إلى صدقته، ويصرفها إلى غيرهم، والذي نفسي بيده لا ينظر الله إليه يوم القيامة. (المعجم الأسط: ۸/ ۳۴۶، رقم الحديث: ۸۸۲۸، باب الميم، من اسمه: مقدام، ط: دار الحرمين - القاهرة)

(و) كره (نقلها إلا إلى قرابة) بل في الظهيرية لا تقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج حتى يبدأ بهم فيسد حاجتهم (أو أحوج) أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين (أو من دار الحرب إلى دار الإسلام أو إلى طالب علم) وفي المعراج التصدق على العالم الفقير أفضل (أو إلى الزهاد أو كانت معجلة) قبل تمام الحول فلا يكره خلاصة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۵۴-۳۵۳، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

البتہ واضح رہے کہ مدارس میں بھی نادار طلبہ کے لیے ہی زکوۃ اکٹھا کی جاتی ہے، اس لیے یہ کہنا کہ زکوۃ، اصل حق دار کو نہیں مل پاتی اور مدارس والے اڑا لے جاتے ہیں، غلط فہمی پر مبنی ہے، یہ صحیح ہے کہ مزکی (زکوۃ دہندہ) کی زکوۃ کا ترجیحی بنیاد پر حق دار اس کے غریب رشتے دار ہیں، اس لیے ان کو ایسے موقع پر ضرور یاد رکھنا چاہیے، لیکن دینی مصلحت کی بنیاد پر اگر کوئی مدارس میں زکوۃ دینے کو افضل سمجھتا ہے، تو یہ غلط نہیں؛ بل کہ فقہاء کی تصریح کے عین مطابق ہے۔ (دیکھیے: سوال سابق "زکوۃ کی رقم بستی کے مستحقین کو نہ دے کر دوسری جگہ دینا" کا حاشیہ) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۱۴] مکاتب اور دار العلوم میں زکوۃ کی رقم استعمال کرنا

۱۳۳۴-سوال: موجودہ زمانے میں مدارس، مکاتب اور رفاہی و امدادی کمیٹیوں کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، جس کے نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے خطیر رقم کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے لیے زکوۃ کی رقم وغیرہ حاصل کی جاتی ہے۔

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ زکوۃ کی رقم غرباء کو ضرور ملنی چاہیے، تو اس کے لیے اسلام میں کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں تک ممکن ہو، مکاتب میں زکوۃ کے پیسے استعمال نہ کیے جائیں، بچوں کو تعلیم یافتہ بنانے کی ذمہ داری اس کے والدین اور پوری امت اسلمہ کی ہے؛ اس کے لیے للہ رقم نکالنا فرض کفایہ ہے۔

مکاتب میں تو حیلہ کے بغیر زکوۃ کی رقم استعمال بھی نہیں ہوسکتی، دار العلوم- جہاں طلبہ کے کھانے پینے وغیرہ کا انتظام رہتا ہے اور اس میں غریب طلبہ کھاتے ہیں- میں زکوۃ کی رقم غریب طلبہ پر خرچ ہوتی ہے، لیکن مکاتب میں اساتذۂ کرام کی تنخواہ وغیرہ میں خرچ کے لیے حیلہ کرنا اور غرباء کا حق مارنا مناسب نہیں ہے۔[1]

ہاں کوئی بستی ایسی ہو، جہاں للہ رقم سے مکتب چلانے کی کوئی شکل نہ ہو، وہاں کے باشندگان کی مالی حالت اس کی اجازت نہ دیتی ہو، اور دوسرے حضرات للہ رقم سے تعاون نہ کرتے ہوں، تو حیلہ کر کے زکوۃ کی رقم استعمال کرنا جائز ہے، کیوں کہ تعلیم- جس پر ایمان اور دین کی حفاظت کا مدار ہے- اہم ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) جواب کا حاصل یہ ہے اگر زکاۃ دہندہ اسلامی تعلیم کے مطابق زکاۃ نکالے، اپنے غریب رشتے داروں کا خیال رکھے اور دین کی نشر و اشاعت کی خاطر مدارس کی ہر طرح سے مدد کرے، تو ان شاء اللہ ضرورت مند مسلمان کی بھی ضرورت پوری ہوگی اور مدارس و مکاتب کا نظام بھی استحکام کے ساتھ رواں دواں رہے گا۔

(۲) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (۹-التوبۃ:۶۰)

مذهب علمائنا - رحمهم الله تعالى - أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة، و الأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى {وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث} [ص: ۴۴] وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي - عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام - عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة =

[۱۵] مستحق زکوۃ کو مالک بنائے بغیر اس کے کام میں زکوۃ کی رقم ادا کرنا

۱۳۳۵- سوال: ہندوستان کے کئی دیہاتوں میں بہت سے مسلمان بھائی غریب ہوتے ہیں، ان کی مالی حالت بہت ہی خراب ہوتی ہے، ان دیہاتوں میں واٹرورکس نامی ادارہ، وہاں کے باشندگان کو ماہانہ فیس لے کر پانی کی ضروریات پوری کرتا ہے، اسی کے مطابق فیس ادا کر کے بجلی کی بھی سہولیات ملتی ہیں، وہاں کے غریب مسلمان اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے پانی اور بجلی کا فیس ادا نہیں کر سکتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زکوۃ کی رقم سے مذکور دونوں فیس کی ادائیگی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور زکوۃ کی رقم سے ادائیگی ممکن ہے تو زکوۃ کی رقم پہلے ان کے ہاتھ میں دے کر ان کو مالک بنانا پڑے گا یا ہم براہ راست اس محکمہ کے ذمہ داروں کو جا کر ادا کردیں، اور ان کے نام کی رسید کٹوادیں تو زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ جائز شکل کون سی ہے؟ ہماری طرف سے ڈائریکٹ فیس ادا کرنے کی وجہ سے ان کے استعمال کر لینے کا کوئی خطرہ نہیں رہتا ہے، ورنہ اگر ہم ان کے ہاتھ میں پیسے دے دیں، تو وہ اس کا کسی دوسری جگہ استعمال کرلیں گے اور فیس جوں کی توں باقی رہ جائے گی۔

ابراہیم سعید [یو-کے]

الجواب حامداومصلیا:

زکوۃ کی ادائیگی کے لیے مستحق شخص کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں ان کو مالک بنائے بغیر ڈائریکٹ ان کے نام کی رسید کٹوا لینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔[1] آپ کی تحریر کے مطابق کہ: "اگر ہم

=المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي:۶/ ۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل، ط: دار الفكر)

استاذ گرامی، آفتاب فقہ، دارالعلوم دیوبند کے عظیم مفتی، حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی- رحمہ اللہ- اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ زکوۃ کے مصارف متعین ہیں، حیلہ کے بعد جو اصل مستحق ہیں، وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم:۶/ ۱۹۹، حاشیہ نمبر:۲، مسائل مصارف زکاۃ، حیلہ کے ذریعے زکاۃ کی رقم تبلیغ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ ط: زکریا- دیوبند)

(۱) لأن الزكاة يجب فيها تمليك المال. اهـ... قال في الكشف الكبير في بحث القدرة الميسرة: الزكاة لا تتأدى إلا بتمليك عين متقومة حتى لو أسكن الفقير داره سنة بنية الزكاة لا يجزئه؛ لأن المنفعة ليست بعين متقومة. اهـ. (البحر الرائق:۲/ ۲۵۲ - ۲۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: زكريا- ديوبند☆ المحيط البرهاني:۳/ ۲۱۴، كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية☆الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۲۹۱، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا- ديوبند ☆تبيين الحقائق:۲/ ۱۱، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ان کے ہاتھ میں پیسے دے دیں، تو وہ اس کا کسی دوسری جگہ استعمال کرلیں گے اور فیس جوں کی توں باقی رہ جائے گی۔" اگر واقعۃً یہ بات صحیح ہے، تو یہ صورت اپنانے سے بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

اولاً بجلی اور پانی کی فیس کی ادائیگی کے لیے ان مستحقینِ زکوۃ کو بہ طور قرض رقم دیں اور اس سے یہ تاکید کریں کہ "فیس کی ادائیگی کی رسید میرے حوالہ کریں"۔

قرض کے نام کی رقم، زکوۃ کی نیت سے مستحق کو دے کر فوراً ہی اس کے پاس سے قرض کی وصول یابی کا مطالبہ کریں، اس حیلہ سے فیس بھی ادا ہو جائے گی اور آپ کی زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۲) خلاصہ یہ کہ حیلے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اولاً ان کو قرض دیا جائے اور جب وہ فیس کی ادائیگی کی رسید دکھا دیں، تو ان کو قرض کے برابر رقم کا مالک بنا کر فوراً ہی وصول کرلیا جائے:

وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه، . . . وحيلة التكفين بها [الزكاة] التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ان کو زکاۃ کی رقم، بہ نیت زکاۃ یہ کہہ کر دیں کہ میں تمہیں قرض دے رہا ہوں، تاکہ تم اس سے بجلی اور پانی کا بل ادا کر سکو، جاؤ، بل ادا کر دو اور اس کی رسید ہمیں دکھاؤ، جب وہ رسید دکھا دیں۔ تو آپ کا مطلوب حاصل، کہ بل کی ادائیگی ہو گئی اور ساتھ ہی ساتھ زکاۃ بھی ادا ہو گئی، کیوں کہ زکاۃ کی ادائیگی کی درستگی کے لیے ضروری نہیں ہے کہ جن کو زکاۃ دی گئی ہے، ان کو بتایا جائے کہ رقم، زکاۃ کی ہے، بل کہ بہ نیت زکاۃ، قرض کی صراحت کے ساتھ دی گئی رقم سے بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے:

ولم يشترط المصنف - رحمه الله - علم الآخذ بما يأخذه أنه زكاة؛ للإشارة إلى أنه ليس بشرط، وفيه اختلاف والأصح كما في المبتغى والقنية: أن من أعطى مسكينا دراهم، وسماها هبة، أو قرضا، ونوى الزكاة، فإنها تجزئه. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۲/ ۲۲۸، كتاب الزكاة، شروط أداء الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة، فإنها تجزئه اهـ. (درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵ھ): ۱/ ۱۷۲، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۱۹۶، كتاب الزكاة، شرط صحة أداء الزكاة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۸، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

[۱۶] قبضہ دینے سے پہلے طالب علم کی زکوۃ کو کاٹ لینا

۱۳۳۶-سوال: ممبران سورت سوسائٹی نے دو تین سال سے یہ قاعدہ بنا رکھا ہے کہ ہر اسکالر کو ''وہورا سماج''- جوان کا ماہ نامہ ہے- کا خریدار بنا لازم اور ضروری ہے اور مذکورہ قاعدے کے تحت وہ طلبہ کی طے شدہ سالانہ رقم [۲۴۰؍روپے، جو زکوۃ کے مد سے ہوتی ہے] سے اس کا چندہ [پانچ روپیہ] وضع کر لیتے ہیں، تو ان کا قبل القبض چندہ وضع کر لینے سے کیا زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا ہو جائے گی؟ اور ان کا اپنے فائدہ کی خاطر اس طرح کا قاعدہ بنانا شرعا کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصليا:

ارباب سوسائٹی [زکوۃ کی رقم سے] ماہانہ وظیفہ مقرر کرنے کے بعد طالب علم کی رضامندی اور تملیک کے بغیر ''وہورا سماج'' نامی رسالے کی رقم وصول کریں گے تو اس سے زکوۃ دہندہ کی زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اور ارباب سوسائٹی زکوۃ کی رقم کو برباد کرنے کے ذمے دار ہوں گے اور اللہ تعالی اس سلسلے میں باز پرس فرمائیں گے۔ (۱)

البتہ منتظمین دوسری کوئی شکل اختیار کریں، جو جواز کا درجہ رکھتی ہو، مثلا: زکوۃ دہندہ کو بتا دیا جائے کہ آپ کی زکوۃ کی بعض رقم سے ہم ماہنامہ بھیجیں گے، اگر وہ منظور کر لیں، تو اسکالر کے لیے سالانہ دوسو پینتیس (۲۳۵) روپیہ اور سال بھر کا پانچ روپیہ کے عوض پرچہ منظور کیا جائے اور اسکالر کو بتایا جائے کہ آپ

---

(۱)(هي) ... (تمليك) ... (جزء مال) خرج المنفعة، ... (عينه الشارع) وهو ربع عشر نصاب حولي خرج النافلة والفطرة (من مسلم فقير) ... وهذا معنى قول الكنز تمليك المال: أي المعهود إخراجه شرعا (مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه) ... (لله تعالى). [الدر المختار مع رد المحتار: ۲۵۶/۲-۲۵۸، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت)

عن عبد الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول، فالإمام راع وهو مسئول، والرجل راع على أهله وهو مسئول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول. (صحيح البخاري: ۷۷۹/۲، رقم الحديث: ۵۱۸۸، كتاب النكاح، باب: قوا أنفسكم وأهليكم نارا، ط: البدر- ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱۲۲/۲، رقم الحديث: ۲۰-(۱۸۲۹)، كتاب الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل، وعقوبة الجائر، والحث على الرفق بالرعية، والنهي عن إدخال المشقة عليهم، ط: ديوبند)

إذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع ما لم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه. (الفتاوى الهندية: ۱۹۰/۱، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر-بيروت)

کے نام فلاں صاحب کی جانب سے پرچہ جاری کردیا گیا ہے، جس کی قیمت سالانہ پانچ روپے ہوگی اور وہ کمیٹی کے لوگوں نے دینا منظور کیا ہے، نیز دوسو پینتیس روپے نقد مل جائیں گے؛ لہٰذا اس حساب سے جناب کا وظیفہ دوسو چالیس روپے مبلغ منظور ہوا۔

یا کوئی اور اس کا متبادل تلاش کریں، لہٰذا ذمہ دار حضرات، علماء کرام سے مزید رجوع فرمالیں۔ (۱)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] مستحق شخص کا زکوۃ کی رقم لے کر اپنے غیر مسلم نوکر کو تنخواہ دینا

۱۳۳۷-سوال: اگر زکوۃ کا مستحق شخص بیمار ہوجائے اور اس کی خدمت کوئی غیر مسلم شخص کرے، تو وہ مستحق شخص زکوۃ کے پیسوں سے خدمت کرنے والے غیر مسلم کی مزدوری ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس کی وجہ سے زکوۃ دہندہ کی زکوۃ پر کوئی اثر پڑے گا؟

الجواب حامداو مصلیا:

غریب شخص زکاۃ کی رقم حاصل کرنے کے بعد اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، اس کے لیے غیر مسلم کو ہدیہ دینا، اس کی دعوت کرنا یا اس کو اپنی خدمت کی مزدوری دینا؛ سب کچھ جائز ہے، (۲) تبدل ملک سے احکام

---

(۱) یہ صورت وکالۃً زکوۃ ادا کرنے کی ہے، جس کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں:

ويجوز التوكيل بالبياعات والأشربة والإجارات والنكاح والطلاق والعتاق والخلع والصلح والإعارة والاستعارة والهبة والصدقة والإيداع وقبض الحقوق والخصومات وتقاضي الديون والرهن والارتهان كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۳/ ۵۶۴، كتاب الوكالة، الباب الأول في معنى الوكالة وركنها وشرطها وألفاظها وحكمها وصفتها، ط: دار الفكر)

(۲) عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: كان في بريرة ثلاث سنن: عتقت فخيرت، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الولاء لمن أعتق، ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبرمة على النار، فقرب إليه خبز وأدم من أدم البيت، فقال: ألم أر البرمة، فقيل: لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: هو عليها صدقة، ولنا هدية. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۶۳، رقم الحديث: ۵۰۹۷، كتاب النكاح، باب الحرة تحت العبد، ط: ديوبند، وانظر رقم: ۱۴۹۳، كتاب الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۹۴، رقم الحديث: ۸-۱۱ (۱۵۰۴)، كتاب الطلاق، باب إنما الولاء لمن أعتق، ط: ديوبند)

(فقال-صلى الله عليه وسلم-: "ألم أر برمة فيها لحم") الاستفهام للتقرير (قالوا: بلى، ولكن ذلك لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: "هو") أي اللحم "عليها" أي على بريرة (صدقة ولنا هدية) قال الطيبي: =

بدل جاتے ہیں، جب مستحق شخص نے اس پر قبضہ کرلیا اور زکاۃ دینے والے کی زکاۃ کی ادائیگی کا عمل مکمل ہوگیا، تو اب اس مال میں زکاۃ کی حیثیت باقی نہیں رہی۔ (۱) واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] زکوۃ کی رقم مستحق کو دینے کے بعد واپس لے کر کسی کے پاس جمع کردینا

۱۳۳۸- سوال: ایک شخص نے زکوۃ کے مستحق ایک آدمی کو زکوۃ کی کچھ رقم دی، اس شخص نے اس رقم کو قبول کرکے اس پر اپنا قبضہ بھی کرلیا، قبضے کے بعد زکوۃ دینے والے نے اس رقم کو واپس لے لیا اور یہ کہا کہ یہ پیسے تمہارے ہیں، البتہ اس پیسوں کو میں فلاں شخص کو دیتا ہوں وہ ہر مہینے تم کو تمہاری ضرورت کے بہ قدر مخصوص رقم دیتا رہے گا، مثلاً: پندرہ روپے، تو زکوۃ دینے والا شخص اگر اس طرح کرے تو کیا یہ جائز ہے؟ اور جس شخص کو زکوۃ کی رقم دی گئی ہے، اس کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصليا:

رقم پر قبضہ کرلینے کے بعد مستحق شخص اس کا مالک بن جائے گا اور جب مستحق شخص اس کا مالک بن گیا، تو اب اس کی رضامندی کے بغیر زکوۃ دینے والے شخص کا اس سے رقم لے کر، کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھوانا، اور یہ کہنا کہ تم اس فلاں غریب شخص کو ماہانہ پندرہ روپے دیتے رہنا، جائز نہیں ہے، البتہ غریب آدمی اپنی مجبوری کی وجہ سے صبر کرلے اور ماہانہ پندرہ روپے لینے پر اپنی رضامندی ظاہر کردے، تو اس مال دار کی زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ (۲)

= إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۴/ ۱۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) ... أن تبدل الملك كتبدل العين. (البحر الرائق: ۲/ ۲۶۴، كتاب الزكاة، باب دفع الزكاة إلى الأب والجد أو الولد وولد، ط: دار الكتاب الإسلامي-بيروت)

(۲) (هي) ... (تمليك) ... (جزء مال) خرج المنفعة، ... (عينه الشارع) وهو ربع عشر نصاب حولي خرج النافلة والفطرة (من مسلم فقير) ... وهذا معنى قول الكنز تمليك المال: أي المعهود إخراجه شرعا (مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه) ... (لله تعالى). [الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۵۶-۲۵۸، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ العناية: ۲/ ۲۶۷، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۱۶، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي - بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۱۹۲، أول كتاب الزكاة، ط: دار احياء التراث العربي ☆ حاشية الطحطاوي: ۱/ ۷۱۴، كتاب الزكاة، مدخل، ط: دار الكتب العلمية ☆ تبيين الحقائق: ۱/ ۲۵۲، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الاميرية-بولاق، القاهرة)

البتہ ایسا کرنے کی ایک جائز شکل یہ ہے کہ زکوۃ دہندہ، زکوۃ کی نیت سے غریب کو پیسے دینے کے لیے کسی آدمی کو وکیل بنادے اور اس وکیل کو یہ کہہ دے کہ ہر ماہ میری طرف سے فلاں غریب آدمی کو زکوۃ کے پیسے ادا کرتے رہنا، تو زکوۃ ادا ہو جائے گی اور غریب کی رضامندی بھی ضروری نہیں۔ [۱] واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] زکوۃ، صدقۂ فطر اور سود وغیرہ کی رقم کو غریبوں کے علاج میں استعمال کرنا

۱۳۳۹- سوال: ہم اپنی سوسائٹی کے ماتحت مذہبی، للہ، خدمت کے لیے، ایک ساروجنک [عوامی] دواخانہ شروع کرنا چاہتے ہیں، ان شاء اللہ العزیز جلد ہی اس کا افتتاح عمل میں آئے گا، اس کے متعلق ایک استفتاء آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، درخواست ہے کہ جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔

اس دواخانے میں غریبوں کو دوائیوں کے علاوہ دیگر سہولیات بھی فراہم کی جائیں گی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس میں زکوۃ، صدقۂ فطر، للہ، بینکوں کا سود اور قربانی کے چمڑوں کی رقم استعمال کر سکتے ہیں اور ان رقموں سے دواخانہ کی تعمیر کر سکتے ہیں؟ عبدالعزیز مسلم ویلفیئر سوسائٹی

الجواب حامداومصلیا:

مسلم ویلفیئر سوسائٹی نے مسلم اور غیر مسلم ؛ ہر ایک کو سہولیات فراہم کرنے کے لیے جو دواخانہ شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے، وہ بہت ہی مبارک اور لائق تحسین قدم ہے، اللہ رب العزت کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین)

البتہ ارکان سوسائٹی کو جان لینا چاہیے کہ زکوۃ، صدقات واجبہ، صدقۂ فطر، چرم قربانی کی آنے والی رقم اور سود کے پیسوں کا مستحق کوئی غریب مسلمان ہی ہے، نیز اس رقم کا یا رقم سے خریدی ہوئی چیز کا کسی غریب کو مالک بنانا ضروری ہے۔ [۲]

---

(۱) ویجوز التوكيل بالبياعات والأشربة والإجارات والنكاح والطلاق والعتاق والخلع والصلح والإعارة والاستعارة والهبة والصدقة والإيداع وقبض الحقوق والخصومات وتقاضي الديون والرهن والارتهان كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۳/ ۵۶۴، كتاب الوكالة، الباب الأول في معنى الوكالة وركنها وشرطها وألفاظها وحكمها وصفتها، ط: دار الفكر)

(۲) ... الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالى {وآتوا الزكاة} [البقرة: ۴۳] يقتضي التمليك، ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة، ولو كساه تجزيه لوجود التمليك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۲۵۱-۵۲، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ الدر المختار مع =

جب اس دواخانہ سے مال دار وغریب؛ ہر ایک فائدہ اٹھائیں گے، تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔ ایسا کیا جاسکتا ہے کہ زکاۃ کی رقم سے دوائیں خریدی جائیں اور اس دوا کے ضرورت مند، غریب کو، اس کا مالک بنادیا جائے، تعمیری کام میں زکاۃ کی رقم استعمال نہیں کی جاسکتی۔[1]

سود کے متعلق قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں جو سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس کے پیش نظر مال داروں کے لیے اس سے ہر حال میں اجتناب لازم ہے؛ اور غرباء کو بلا نیت ثواب دی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی مال

= ردالمحتار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت☆البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب - ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا - ديوبند)

(۱) (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه). (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه زيلعي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت ☆تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ولا يصرف في بناء مسجد، وقنطرة، ولا يقضي بها دين ميت، ولا يعتق عبداً، ولا يكفن ميتا. (المحيط البرهاني - ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبدالكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا - ديوبند)

سودی رقم غرباء ومساکین ہی کو دینا ضروری ہے یا رفاہ عام میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلے میں اسلامک فقہ اکیڈمی - انڈیا نے دوسرے فقہی سمینار (منعقدہ: ۸-۱۱/ جمادی الاولی، ۱۴۱۰ھ، مطابق: ۸/ ۱۱/ دسمبر ۱۹۸۹ء، دہلی) میں درج ذیل فیصلہ کیا ہے:

۱- بینکوں سے ملنے والی سودی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے؛ بل کہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہیے:

۲- بینک کے سودی رقم کو بلا نیت ثواب فقراء و مساکین پر خرچ کر دیا جائے، اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے۔

۳- سودی رقم کو مساجد اور اس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

۴- اکثر شرکاء سمینار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء و مساکین تک محدود رکھنا چاہیے۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۱۳۱، معاشی مسائل، بینک انٹرسٹ، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی - انڈیا، سن طباعت: اپریل: ۲۰۰۹ء)

دار وغریب؛ ہرایک کوسود کی رقم دیتا ہے، تو وہ درحقیقت سود کو فروغ دے کر اللہ کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہے۔[1]

الغرض مذکورہ دواخانے کے تعمیری کام کے لیے زکاۃ اور سودی رقم کے علاوہ صرف للہ رقم استعمال کریں، نیز اس زکاۃ کی رقم سے دوائیاں خرید کر غرباء کو دیں، مال داروں کو دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] زکوۃ وصدقات سے چلنے والے دواخانے سے مال داروں کے فائدہ اٹھانے کا حیلہ

گذشتہ سے پیوستہ

۱۳۴۰- سوال: ویسے تو یہ دواخانہ [جس کا ذکر گذشتہ سوال میں ہوا] غریبوں اور حاجت مندوں کے لیے ہے؛ البتہ اگر کوئی صاحب حیثیت شخص اس سے فائدہ اٹھائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جمع ہونے والی زکاۃ وصدقات واجبہ کی رقم سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکے، اس کا انتظام کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

گاؤں سے قریب ہونے کی بناء پر اس دواخانے سے ہرایک فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، تو اب فائدہ اٹھانے والا ہر شخص زکوۃ، صدقہ، فطرہ اور سود کی رقم استعمال کرنے والا نہ بنے، اس کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

عبدالعزیز (مسلم ویلفیر سوسائٹی)

الجواب حامداومصلیا:

زکاۃ کی رقم سے لی گئی دوا اور انجکشن کا آپ کسی غریب کو مالک بنا سکتے ہیں،[2] لیکن ڈاکٹر کی تنخواہ اور

---

(۱) اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (۲-البقرۃ:۲۷۵-۲۷۹)

عن جابر -رضي الله عنه- قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (الصحيح لمسلم: ۲/ ۲۷، رقم الحديث: ۱۰۶-۱۵۹۸، كتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ط: ديوبند)

(۲) سوال سابق کا پہلا حاشیہ دیکھیں۔

عملہ (اسٹاف) کا کسی بھی طریقہ کا خرچ زکوۃ وغیرہ کی رقم سے ادا کرنا جائز نہیں، اس کی وجہ سے زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔[1]

جب اس دواخانے سے مال دار بھی فائدہ اٹھائیں گے اور غیر مسلم بھی دوا لینے کے لیے آئیں گے، تو زکوۃ اور بلا زکوۃ والی دواؤں کا الگ الگ رکھنا دشوار ہوگا۔

اس لیے زکوۃ اور صدقہ وغیرہ کی رقم کا اس دواخانے کے تعمیری کام میں استعمال کرنا تو بالکل جائز نہیں۔ میرے نزدیک اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ للہ رقم مسلم اور غیر مسلم ہر ایک کے پاس سے لے کر اس کا تعمیری کام شروع کر دیا جائے، اور اس دواخانے سے جو بھی بیمار دوا لے جائیں، ان کو بل دیا جائے، اگر علاج کے لیے آنے والا غریب ہو، تو وہ اس بل کو ویلفیئر سوسائٹی میں پیش کرے اور اس کو بل کے مطابق دوا اور پرہیز والی غذا کے مطابق روپے دیے جائیں، ایسی صورت میں زکوۃ بلا شبہ ادا ہو جائے گی؛ کیوں کہ زکاۃ حق دار کو پہنچ رہی ہے۔[2]

صاحب مال بھی اس دواخانے سے علاج کرائیں، ان کو بھی بل دیا جائے، جسے وہ دواخانے کو ادا کر کے دوا لے جائیں، دوا وغیرہ کے مناسب دام [نو پروفٹ، نو لاس-No profit No Lass-] رکھے

---

(۱) ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة، ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه، وإلا فلا، وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة كذا في معراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (۹-التوبة: ۶۰)

زياد بن الحارث الصدائي، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعته، فذكر حديثا طويلا، قال: فأتاه رجل، فقال: أعطني من الصدقة، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تعالى لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات، حتى حكم فيها هو، فجزأها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك. (سنن أبي داود: ۱/۲۳۰، رقم الحديث: ۱۶۳۰، كتاب الزكاة، باب من يعطي من الصدقة، وحد الغنى، ط: ديوبند)

قوله [تعالى]: إنما الصدقات للفقراء الآية تدل على أنه لا حق في الصدقات لأحد إلا لهذه الأصناف الثمانية، وذلك مجمع عليه، وأيضا فلفظة (إنما) تفيد الحصر ويدل عليه وجوه. (مفاتيح الغيب = التفسير الكبير - أبو عبد الله محمد بن عمر، التيمي الرازي الملقب بـ'فخر الدين الرازي' خطيب الري (م: ۶۰۶هـ): ۱۶/۸۰، سورة التوبة: ۹، آية: ۶۰، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

جائیں، تاکہ بازار کے ڈاکٹر کی دوا اور عام علاج کے مقابلے میں یہاں علاج سستے ہوں اور ہر خاص وعام اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۲۱] ویلفیئر دواخانے میں ہر ایک کے لیے فیس رکھنے کا شرعی حکم

گذشتہ سے پیوستہ

۱۳۴۱-سوال: کیا ہم ایسا انتظام کر سکتے ہیں کہ للہ کا ایک باکس (Box) رکھ دیں، صاحب حیثیت افراد دواخانے سے فائدہ اٹھانے کے بعد دوا کے زائد پیسے للہ رقم کے باکس میں ڈال دیا کریں، کیا یہ جائز ہے؟

مثلاً: دواخانے میں (دو روپے کی) دوا کی فیس پچاس پیسہ رکھیں، صاحب مال شخص جائے، تو اسے بھی حسب قانون دوا صرف پچاس پیسہ ہی میں ملے، اور ڈاکٹر کے معائنہ کا خرچ اور دوا کی اضافی رقم (ڈیڑھ روپیہ) دواخانے میں رکھے ہوئے باکس (Box) کے اندر ڈال دے۔ کیا یہ صورت جواز کی ہے؟

واضح رہے کہ میری نیت اس دواخانے سے لوگوں کے پاس سے غلط فائدہ اٹھانے کی ہے اور نہ ہی ان کو دھوکہ دینے کی؛ بل کہ نیت صرف اس قدر ہے کہ دوسرے دواخانے میں جانے کے مقابلہ میں اپنے دواخانے میں آئیں۔ عبدالعزیز (مسلم ویلفیئر سوسائٹی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی نیت اچھی ہے کہ اس دواخانے سے ہر طبقے کے لوگ استفادہ کریں اور ہر ایک کو سہولت فراہم کی جائے، یہ ارادہ بہت ہی مبارک ہے؛ لیکن اس میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کی جو شرطیں ہیں، وہ آپ کے اس طریقے میں نہیں پائی جاتیں، کیوں کہ زکاۃ کا، مستحق زکاۃ کو مالک بنانا شرط ہے۔[۱]

نیز غیر مستحق کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی، مذکورہ صورت میں مستحق زکوۃ کو، زکوۃ کا

---

(۱)... الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالى {وآتوا الزكاة} [البقرة:۴۳] يقتضي التمليك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م:۷۴۳هـ): ۱/۲۵۱-۲۵۲، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

مالک نہیں بنایا جارہا ہے، اور غیر مستحق کو زکاۃ کی رقم سے دوا دیے جانے کی تجویز ہے، جو درست نہیں۔ [۱]

یہ بات بھی یاد رہے کہ نبوت سے جس قدر زمانہ دور ہوتا جارہا ہے، اسی کے بقدر امانتوں میں خیانتیں بھی ہورہی ہیں، اس لیے ہر مال دار پچاس پیسہ فیس ادا کرنے کے ساتھ ایک روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ باکس میں ڈال جائے، یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔

الغرض شرعی نقطۂ نظر سے زکوۃ اور صدقہ کی رقم کا استعمال دواخانے میں مذکورہ طریقے سے کرنا جائز نہیں ہوگا، ہاں اگر غریبوں کا حساب الگ ہو، اور ان کو زکاۃ کی رقم سے دوا دی جائے اور مال داروں کا حساب الگ ہو، اور ان کو فیس لے کر دوا دی جائے، تو جائز ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] زکوۃ، صدقات اور سود کی رقم دواخانے میں استعمال کرنے کا شرعی حکم

گزشتہ سے پیوستہ

۱۳۴۲- سوال: ہم بارڈولی کے مسلمانوں نے ایک سارو جنک [عوامی] دواخانہ شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے، جس میں غریب اور حاجت مند مسلمان اور غیر مسلم ہر ایک سے معمولی فیس لے کر ان کو دوائی کی سہولیات دینے کا ارادہ ہے؛ لیکن دواخانے کی تعمیر اور اس کے اتنے وسیع نظام کو چلانے کے لیے وافر مقدار میں رقم کی ضرورت پڑے گی، جس کے لیے ہم نے زکوۃ، صدقہ، فطرہ اور سود کی رقم لینے کا ارادہ کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ رفاہ عام کے کام کے لیے- جس میں غریب مسلمان کے ساتھ ساتھ غیر مسلم لوگ بھی فائدہ اٹھائیں گے- سود کی رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ اس [زکاۃ و خیرات سے چلنے والے] دواخانہ سے اگر کوئی مال دار مسلمان فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کو دوسرے دواخانوں اور دوسرے ڈاکٹروں کے برابر فیس لے کر دوا دی جاسکتی ہے؟ دواخانہ کی معمولی فیس فی الحال دوا کے ساتھ ہم نے آٹھ آنے یا بارہ آنے اور انجکشن کی فیس ایک روپیہ رکھنے کا ارادہ کیا ہے، دواخانہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ غریب طبقے کو کم پیسوں میں مناسب علاج مل جائے اور ان کی

---

(۱) زياد بن الحارث الصدائي، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعته، فذكر حديثا طويلا، قال: فأتاه رجل، فقال: أعطني من الصدقة، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تعالى لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات، حتى حكم فيها هو، فجزأها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۳۰، رقم الحديث: ۱۶۳۰، كتاب الزكاة، باب من يعطي من الصدقة، وحد الغنى، ط: ديوبند)

خدمت ہو جائے، تجارت اور نفع کمانا کوئی مقصد نہیں۔ احمد اسماعیل واڑی والا، بارڈولی

الجواب حامداو مصلیا:

میں نے اس سوال کا جواب ویلفیئر سوسائٹی کے سیکریٹری کو تفصیل سے لکھ دیا ہے۔

صدقات واجبہ اور زکوۃ کی رقم کا تعمیرات میں استعمال کرنا جائز نہیں۔[۱] زکاۃ اور سود کی رقم سے ڈاکٹر اور نرس کی تنخواہیں کس طرح دی جاسکتی ہے، جائز نہیں، اس رقم کو استعمال کرنے کے لیے غریب سے حیلہ کروائیں، یا اس رقم سے خریدی گئی دوائیاں اور انجکشن الگ سے رکھے جائیں اور صرف مستحقین زکاۃ کو دی جائیں۔[۲]

چندے کی رقم [صدقۂ غیر واجبہ] دیتے ہوئے کسی نے اگر غریب طبقے کی امداد کی صراحت کی ہوگی، تو اس سے مال دار کو فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس میں چندہ دینے والے کی شرط کی خلاف ورزی ہوگی۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] زکوۃ کی رقم سے دوائیاں خرید کر غرباء میں تقسیم کرنا

۱۳۴۳-سوال: ویلفیئر سوسائٹی کو ملنے والی زکوۃ کی رقم سے دوائیاں خرید کر غریبوں کو دی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

---

(۱)(لا) یصرف (إلی بناء) نحو (مسجد و) لا إلی (کفن میت وقضاء دینه). (الدر المختار)—— قال ابن عابدین: (قوله: نحو مسجد) کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکري الأنهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیك فیه زیلعي .(رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۳۴۴، کتاب الزکاة، باب المصرف، ط: دار الفکر-بیروت ☆تبیین الحقائق: ۲/ ۱۸، أول کتاب الزکاة، ط: دار الکتب العلمیة-بیروت)

(۲) ولو نوی الزکاة بما یدفع المعلم إلی الخلیفة، ولم یستأجره إن کان الخلیفة بحال لو لم یدفعه یعلم الصبیان أیضا أجزأه، وإلا فلا، وکذا ما یدفعه إلی الخدم من الرجال والنساء في الأعیاد وغیرها بنیة الزکاة کذا في معراج الدرایة. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۹۰، کتاب الزکاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفکر-بیروت)

(۳)... الوکیل إنما یستفید التصرف من الموکل وقد أمره بالدفع إلی فلان فلا یملك الدفع إلی غیره کما لو أوصی لزید بکذا لیس للوصي الدفع إلی غیره فتأمل.(رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۲۶۹، کتاب الزکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاء، ط: دار الفکر-بیروت)

مزید تفصیل کے لیے اس سلسلے کے سابقہ سوالات دیکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص پر زکوۃ واجب ہے، وہ اپنے مال سے چالیسواں حصہ نکال کر مستحقین کو اس کا مالک بنادے۔[1] خواہ بہ ذات خود مستحقین تک اس کو پہنچا کر مالک بنادے، یا مالک بنانے کے لیے وہ کسی کو اپنا وکیل بنادے؛ کیوں کہ وکیل کا تصرف درحقیقت مؤکل کا تصرف ہوتا ہے۔[2] گویا ویلفیئر سوسائٹی کے ارکان کا تصرف آپ کی جانب سے شمار ہوگا، آپ خود ان کے لیے دوائیاں اور کپڑے وغیرہ خرید کر ان کو مالک بناسکتے ہیں، تو ویلفیئر سوسائٹی کے کارکنان بھی اس رقم سے دوائی، کپڑا اور اناج وغیرہ خرید کر کسی کو اس کا مالک بنادیں، تو آپ کی زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱)... الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالى {وآتوا الزكاة} [البقرة: ۴۳] يقتضي التمليك، ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة، ولو كساه تجزيه لوجود التمليك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۵۲-۲۵۱، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت☆البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب-ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۳۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا- ديوبند☆مجمع الأنهر: ۱/ ۲۸۴-۲۸۵، أول كتاب الزكاة، ط: فقيه الأمة- ديوبند ☆العناية شرح الهداية: ۲/ ۲۶۷، كتاب الزكاة، من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، ط: دار الفكر- بيروت ☆در الحكام شرح غرر الأحكام: ۱/ ۱۷۱، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: دار إحياء الكتب العربية-بيروت)

(۲) ويجوز التوكيل بالبياعات والأشربة والإجارات والنكاح والطلاق والعتاق والخلع والصلح والإعارة والاستعارة والهبة والصدقة والإيداع وقبض الحقوق والخصومات وتقاضي الديون والرهن والارتهان كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۳/ ۵۶۳، كتاب الوكالة، الباب الأول في معنى الوكالة وركنها وشرطها وألفاظها وحكمها وصفتها، ط: دار الفكر)

وللوكيل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه إلا إذا قال ربها: ضعها حيث شئت. (الدر المختار)

وفي الشامية: ... الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر - بيروت☆ المبسوط: ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة-بيروت ☆البحر الرائق: ۲/ ۲۲۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا-ديوبند)

لو أمر غيره بالدفع عنه جاز. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۷۰، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۲۷، كتاب الزكاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، ط: زكريا-ديوبند)

[۲۴] مستحق شخص کا زکوۃ لے کر کسی دوسرے مستحق کو دینے کا شرعی حکم

۱۳۴۴- سوال: ایک عالم ہیں، جو کسی جگہ ملازمت کرتے ہیں، ان کی تنخواہ (مسجد اور مدرسہ دونوں کی ملا کر) ۱۴۰۰/روپے ہیں، وہ عالم صاحب اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، گاؤں والوں کے کھیتوں میں جب اناج تیار ہوتا ہے، تو خوشی کے طور پر تھوڑی بہت وہ لوگ مدد کر دیتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود بھی ان کو اپنا گھر چلانے میں دقت رہتی ہے، اتنی ساری تکلیف برداشت کرتے ہوئے، اللہ رب العزت کی ذات پر مکمل بھروسہ کر کے اپنا گھر چلایا کرتے ہیں، ان کا دوسرا کوئی کاروبار ہو سکے، (گاؤں کی موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے) اس کا بھی امکان نہیں ہے، خود بھی کوئی دوسرا ہنر سیکھنے سے مجبور ہیں؛ کیوں کہ فرصت میسر نہیں۔

البتہ رمضان میں لوگ ان کو زکوۃ اور صدقۂ فطر وغیرہ دیتے ہیں، تو وہ اپنی عالمیت کے لحاظ کرتے ہوئے، زکوۃ اور صدقۂ فطر کی رقم اپنی ضرورت میں استعمال نہیں کرتے؛ ان رقموں کو لے کر اپنے گاؤں میں موجود مستحق رشتہ داروں کو بھیج دیتے ہیں اور صدقہ و زکاۃ کے طور پر ملنے والے اناج وغیرہ کا بازار میں وزن کروانے کے بعد، اپنے گھر میں استعمال کر لیتے ہیں اور اس کی بازاری قیمت اپنے مستحق رشتہ داروں کو بھیج دیتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور عالم صاحب کو رکھنے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ اور یہ زکوۃ اور صدقہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

مولوی عبد اللہ اسماعیل خان پوری

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عالم صاحب مقروض ہیں تو وہ زکوۃ لے سکتے ہیں۔[1]

---

(۱) مستحق زکاۃ ہونے کے لیے مقروض ہونا شرط نہیں ہے؛ بل کہ اتنا ضروری ہے کہ حاجت اصلیہ کے علاوہ کسی بھی طرح کے مال سے نصاب کا مالک نہ ہو، لہٰذا امام صاحب اگر ایسے ہیں، تو ان کے لیے زکاۃ لینا جائز ہے:

فإن كان له فضل عن ذلك تبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۷، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر)

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۹-التوبة: ۶۰)

زياد بن الحارث الصدائي، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعته، فذكر حديثا طويلا، قال: فأتاه رجل، فقال: أعطني من الصدقة، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تعالى لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات، حتى حكم فيها هو، فجزأها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك. (سنن أبي داود: =

اپنی طبیعت کو چھوڑ دیں، شرعی طور پر جائز ہے، لینے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ دین نام ہے آسانی کا؛ نظام دنیا یہی ہے کہ اس میں کوئی غریب ہے تو کوئی امیر۔[۲]

اگر یہ عالم صاحب مستحق زکوۃ نہیں ہیں، تو وہ دینے والوں سے یہ کہہ دیں کہ میں زکوۃ کا مستحق نہیں ہوں، البتہ میرے رشتہ دار اور متعلقین غریب ہیں؛ اس لیے اگر آپ چاہیں، تو ان زکوۃ وصدقات کو میرے رشتہ داروں تک پہنچانے کا مجھے وکیل بنادیں، میں وکیل بن کر اس زکوۃ اور صدقہ کی رقم کو ان کے مستحقین تک پہنچادوں گا۔[۳]

جب وہ وکیل بن گئے، تو اب اس رقم کو وہ ان کے مستحقین تک پہنچادیں گے، تو ذمہ داری سے سبک دوش ہوجائیں گے اور ان کی زکوۃ وصدقات بھی ادا ہوجائیں گی؛ البتہ جو اناج ان کے پاس آیا ہے، وہی اناج مستحقین تک پہنچانا پڑے گا، دینے والوں کی اجازت کے بغیر بیچنا یا کسی مستحق کو مالک بنائے بغیر بیچنا جائز نہیں۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= ۱/ ۴۳۰، رقم الحديث: ۱۹۳۰، كتاب الزكاة، باب من يعطي من الصدقة، وحد الغنى، ط: ديوبند)

مصرف الزكاة... (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

(ومنها الغارم)، وهو من لزمه دين، ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه،... والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الدين يسر، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه، فسددوا وقاربوا، وأبشروا، واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶، رقم الحديث: ۳۹، كتاب الإيمان، باب: الدين يسر، وقول النبي صلى الله عليه وسلم: أحب الدين إلى الله الحنيفية السمحة، ط: البدر - ديوبند)

(۳) ويجوز التوكيل بالبياعات والأشربة والإجارات والنكاح والطلاق والعتاق والخلع والصلح والإعارة والاستعارة والهبة والصدقة والإيداع وقبض الحقوق والخصومات وتقاضي الديون والرهن والارتهان كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۳/ ۵۶۴، كتاب الوكالة، الباب الأول في معنى الوكالة وركنها وشرطها وألفاظها وحكمها وصفتها، ط: دار الفكر)

(۴) الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة)

[۲۵] زکوۃ کی رقم سے حاجت مندوں کا قرض ادا کرنا

۱۳۴۵-سوال: ایک سوسائٹی غریب و نادار کی امداد کے لیے لوگوں سے صدقات وخیرات اور زکاۃ کی رقم چندہ کرتی ہے، کیا وہ انجمن زکوۃ کی رقم سے حاجت مندوں کا قرض ادا کرسکتی ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

زکوۃ کی ادائیگی کی صحت کے لیے کسی غریب، حاجت منداور مستحق کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے۔[1] اس لیے سوسائٹی کے کارکنان اگر کسی غریب کو مالک بنائے بغیر از خود اس کی طرف سے زکوۃ ادا کریں، تو تملیک کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ جس آدمی کا قرض ادا کرنا مقصود ہے، اس کو سوسائٹی کے کارکنان کے سامنے بلایا جائے اور زکوۃ کی رقم کا اس کو مالک بنایا جائے، پھر اسی مجلس میں سوسائٹی کا سکریٹری اس سے رقم لے لے اور وکیل بن کے اس کا قرض ادا کردے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ... الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالى {وآتوا الزكاة} [البقرة: ۴۳] يقتضي التمليك، ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة، ولو كساه تجزيه لوجود التمليك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۵۲-۲۵۱، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

إذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع ما لم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه نحو الأب والوصي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) وكذلك يقضي دين مغرم بأمره ويجوز ذلك إذا كان المديون فقيرا؛ لأنه يملكه أولا، ثم يقضي دينه بأمره بملكه. ألا ترى أن من أمر إنسانا بقضاء دينه كان له أن يرجع عليه إذا قضاه ولا يكون ذلك إلا بعد التمليك منه. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة - بيروت)

ويجوز التوكيل بالبياعات والأشربة والإجارات والنكاح والطلاق والعتاق والخلع والصلح والإعارة والاستعارة والهبة والصدقة والإيداع وقبض الحقوق والخصومات وتقاضي الديون والرهن والارتهان كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۳/ ۵۶۴، كتاب الوكالة، الباب الأول في معنى الوكالة وركنها وشرطها وألفاظها وحكمها وصفتها، ط: دار الفكر)

[۲۶] زکوۃ کی رقم سے کسی غریب کو کوئی چیز خرید کر دینا

۱۳۴۶- سوال: زکوۃ کی رقم نہ دے کر اس سے ضروریات زندگی کی اشیاء خریدی جائیں اور ان کا مستحقین کو مالک بنادیا جائے، تو زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

اس سے زکوۃ ادا ہوجائے گی۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] ایک ہی شخص کو نصاب کے بہ قدر زکوۃ کا مال دے دینا

۱۳۴۷- سوال: زید ہر سال پندرہ سو روپے زکوۃ نکالتا ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر وہ کسی ایک ہی آدمی کو دے دے، تو اس کی زکوۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

اصل میں عمر، زید کا دوست ہے، صاحب حیثیت تھا، خود بھی زکوۃ نکالتا تھا؛ لیکن کسی حادثے کی وجہ سے اس کی تمام دولت ضائع ہوگئی۔ زید خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ عمر زکوۃ کا مستحق ہے؛ اس لیے زید اپنی زکوۃ کی مکمل رقم، پندرہ سو روپے عمر کو دینا چاہتا ہے، تاکہ وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے اور اس رقم کے ذریعہ وہ یکسوئی کے ساتھ کاروبار کر سکے، تو کیا زید اپنی زکوۃ کی مکمل رقم پندرہ سو روپے عمر کو دے سکتا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر عمر کے ذمہ پندرہ سو روپے کی رقم کے برابر قرض ہے، تو زید کے لیے عمر کو اپنی زکوۃ کی مکمل رقم پندرہ سو روپے (۱۵۰۰) دینا جائز ہے، تاکہ اس کے ذریعے عمر اپنا قرض ادا کر سکے۔[۲]

---

(۱) ویجزئه أن یعطي من الواجب جنسا آخر من المكیل والموزون أو العروض أو غیر ذلك بقیمته. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۲/ ۲۰۳، کتاب الزکاة، باب العشر، ط: دار المعرفة-بیروت)

(۲) ... هذا إذا لم یکن الفقیر مدیونا فإن کان مدیونا فدفع إلیه مقدار ما لو قضی به دینه لا یبقی له شيء أو یبقی دون المائتین لا بأس به، وکذا لو کان معیلا جاز أن یعطی له مقدار ما لو وزع علی عیاله یصیب کل واحد منهم دون المائتین کذا في فتاوی قاضي خان وندب الإغناء عن السؤال في ذلك الیوم کذا في التبیین. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۸۸، کتاب الزکاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفکر-بیروت)

قوله تعالی: (والغارمین) هم الذین رکبهم الدین ولا وفاء عندهم به. (الجامع لأحکام القرآن = تفسیر =

اور اگر قرض نہ ہو، تو کسی غریب کو نصاب، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت (جو آج کے حساب سے سات سو روپے ہوتے ہیں) سے زیادہ زکوٰۃ کی رقم دے دینا جائز نہیں ہے، دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔[1] اسی طرح عمر کو لینا بھی جائز نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= القرطبي- أبو عبد الله محمد بن أحمد ، شمس الدين القرطبي (م :۶۷۱ھ):۸/ ۱۸۳،التوبة:۶۰،ت : أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش ،ط:دار الكتب المصرية-القاهرة)

وَالْغَارِمِينَ وهم المديونون بالاتفاق. (التفسير المظهري-محمد ثناء الله المظهري (م:۱۲۲۵ھ): ۴/ ۲۳۴، التوبة:۶۰،ت:غلام نبي التونسي، ط:مكتبة الرشدية-الباكستان)

ومديون لا يملك نصابا فاضلا عن دينه. (الدر المختار مع رد المحتار:۲/ ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب المصرف)

بل کہ دوسرے غرباء کے مقابلے میں مدیون کو زکوٰۃ دینا، تا کہ وہ قرض کے بوجھ سے نکل سکے، اولیٰ اور افضل ہے:

وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولى منه للفقير. (الدر المختار)ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أولى منه للفقير) أي أولى من الدفع للفقير الغير المديون لزيادة احتياجه. (رد المحتار على الدر المختار:۲/ ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،ص:۷۱۹، كتاب الزكاة، باب المصرف،ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆تبيين الحقائق:۲/ ۱۲۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط:دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) کسی غیر مقروض کو یک مشت اتنی زکوٰۃ دینا کہ صاحب نصاب ہو جائے، گرچہ مکروہ ہے، تاہم دینے والے کی زکوٰۃ کا ادا نہ ہونا قابل غور ہے: درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ويكره أن يدفع إلى رجل مائتي درهم فصاعدا، وإن دفعه جاز كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية:۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)

مولانا یوسف لدھیانویؒ کا اس سلسلے کا ایک فتویٰ دیکھیں:

سوال: ایک مسئلہ آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں زکوٰۃ کسی ایک شخص کو دے دیتا ہوں، اور اس کی رقم تقریباً ہزاروں روپے ہوتی ہے، یہ میں اس وجہ سے کرتا ہوں کہ کسی مستحق کا کام پورا ہو جائے، کیا ایسی صورت میں یہ زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

جواب: زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، مگر کسی کو اتنی رقم دے دینا کہ وہ صاحب نصاب ہو جائے، مکروہ ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۵/ ۱۲۳، زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ، یک مشت کسی ایک کو زکوٰۃ بہ قدر نصاب دینا، ط: مکتبہ لدھیانوی-کراچی)

(۲) اگر کوئی شخص ایک دن کے نان ونفقہ کا مالک ہو تو اس کے لیے سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی اسے زکاۃ کی رقم دے -در آں حالیکہ حاجت اصلیہ سے زائد، نامی یا غیر نامی کسی بھی نصاب کا مالک نہ ہو- تو اس کے لیے زکوٰۃ کی رقم لینے کی اجازت ہے:

(قوله والفقير من له أدنى شيء) وهو ما دون النصاب، أو قدر نصاب غير نام، وهو مستغرق في الحاجة، =

[۲۸] صدقے کے پیسے دینے کے بجائے خرید کر کوئی دوسری شئے دینا

۱۳۴۸- سوال: مستحق کو صدقے کے پیسے دینے کے بجائے ان پیسوں سے کوئی کپڑا یا کپڑے کے علاوہ دوسری چیز خرید کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

حاجی ابراہیم حاجی محمد

الجواب حامداو مصلیا:

صدقے کی رقم بھی دے سکتے ہیں اور اس سے خرید کر کوئی دوسری ضرورت کی شئے بھی دے سکتے ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] وکیل کا غیر مستحق کو زکوٰۃ دینا

۱۳۴۹- سوال: صاحب نصاب نے زکوٰۃ کی رقم کسی مدرسے میں دی، اگر مدرسے والوں نے وہ رقم کسی غیر مستحق زکوۃ کو دے دی، تو زکوۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

مدرسہ میں زکوۃ کی رقم دینے کے بعد، بغیر کسی حیلہ کے، اگر وہ رقم غیر مستحق کو دے دی گئی، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (درمختار)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= ... ويجوز صرف الزكاة لمن لا تحل له المسألة، بعد كونه فقيرا، ولا يخرجه عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية إذا كانت مستغرقة بالحاجة. (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد، المعروف بـ'ابن الهمام'(م: ۸۶۱هـ): ۲/۲۶۱، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۷، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) ويجزئه أن يعطي من الواجب جنسا آخر من المكيل والموزون أو العروض أو غير ذلك بقيمته. (المبسوط للسرخسي: ۲/۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۱، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، مسائل شتى، ط: دار الفكر ☆ تحفة الملوك: ۱/۱۲۵، فصل في الميت: ط: دار البشائر الإسلامية - بيروت)

[۲] وفي الشامية: ... الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر - بيروت ☆ المبسوط: ۲/۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، =

[۳۰] زکوۃ کی رقم سے شیئرز خرید کر اس کا نفع غریبوں میں تقسیم کرنا

۱۳۵۰- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میرے پاس ایک لاکھ روپئے زکوۃ کے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ان ایک لاکھ روپئے سے بینک کے شیئرز خرید لوں اور اس کی آمدنی ان غریبوں میں تقسیم کروں، جو مستحق زکوۃ ہیں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نصاب کے بہ قدر کسی کے پاس مال ہو اور اس پر سال گذر جائے، تو بہ عجلت ممکنہ اس کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہے، بلا وجہ تاخیر کرنے سے گنہ گار ہوگا۔[۱]

ادائیگی زکوۃ کے لیے رقم کا دیگر مال سے صرف علاحدہ کر لینا کافی نہیں ہے، جب تک غریبوں کے ہاتھ میں نہ پہونچ جائے اور ان کو مالک نہ بنا دیا جائے، اس وقت تک زکوۃ ادا نہیں ہوتی اور فرض ذمہ میں باقی رہتا ہے۔[۲]

زکوۃ کی رقم سے بینک کے شیئرز خریدنے اور اس کی آمدنی کو غرباء کے درمیان تقسیم کرنے میں تین

=ط: دار المعرفة-بيروت ☆البحر الرائق: ۴۲۶/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا-ديوبند)

ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۷۰/۲، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) (وافتراضها عمري) أي على التراخي وصححه الباقاني وغيره (وقيل فوري) أي واجب على الفور (وعليه الفتوى) كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلاعذر. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله وافتراضها عمري) قال في البدائع: وعليه عامة المشايخ، ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب، ويتعين ذلك الوقت للوجوب، وإذا لم يؤد إلى آخر عمره يتضيق عليه الوجوب، حتى لو لم يؤد حتى مات يأثم... (قوله وصححه الباقاني وغيره) نقل تصحيحه في التتارخانية أيضا.... (قوله فيأثم بتأخيرها إلخ) ظاهره الإثم بالتأخير ولو قل كيوم أو يومين لأنهم فسروا الفور بأول أوقات الإمكان. وقد يقال المراد أن لا يؤخر إلى العام القابل لما في البدائع عن المنتقى بالنون إذا لم يؤد حتى مضى حولان فقد أساء وأثم اهـ فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۷۱-۲۷۲، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

(۲) ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۷۰/۲، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت)

خرابیاں لازم آتی ہیں: (۱) زکوۃ کی عدم ادائیگی[۳] (۲) بینک کا تعاون،[۴] اور (۳) بینک سے ملنے والے سود کے لیے رقم کا بینک میں جمع کرنا۔[۵] یہ تینوں کام گناہ کے کام ہیں؛ لہٰذا ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

---

[۳] یہ صورت درحقیقت استثمار زکوۃ (اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری) کی ہے، اس سلسلے میں اسلامک فقہ اکیڈمی-انڈیا کا تیرہواں فقہی سمینار، جامعہ سید احمد شہید، کٹولی میں (بہ تاریخ ۱۸-۲۱ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ = موافق: ۱۳-۱۶ / اپریل ۲۰۰۱ء) منعقد ہو چکا ہے، اس ناچیز کو بھی اس میں شرکت کی سعادت حاصل رہی ہے، افسوس کہ وہ سمینار حضرت قاضیؒ کی زندگی کا آخری فقہی سمینار ثابت ہوا، اس سمینار کی بعض تجویز اس مسئلے سے متعلق ہے، ملاحظہ فرمائیں:

☆ فقراء و مساکین کو زکاۃ کا جو مال دے دیا، انھیں اس مال پر تمام مالکانہ حقوق حاصل ہوجاتے ہیں؛ اس لیے اگر کسی فقیر و مسکین یا چند فقراء نے زکاۃ لینے کے بعد اس کو استثمار یا تجارت وغیرہ میں لگا دیا، تاکہ زکاۃ کی اس رقم سے آئندہ بھی فائدہ پہنچتا رہے، تو ایسا کرنا جائز ہے، اس سے زکاۃ ادا ہوجائے گی۔

☆ زکوۃ دینے والا شخص یا زکوۃ دینے والوں کی جماعت کی طرف سے زکوۃ میں نکالی ہوئی رقوم کو کسی نفع بخش کاروبار میں لگا دینا، تاکہ مستقبل میں اس کا نفع فقراء و مساکین اور دیگر مستحقین زکاۃ پر تقسیم کی جاتی رہے، جائز نہیں، اس طرح زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔
(نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۶۹-۷۰، عباداتی مسائل، اموال زکاۃ کی سرمایہ کاری، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی-انڈیا)

جب جائز کاروبار میں غریب کو مالک بنائے بغیر زکوۃ کی سرمایہ کاری جائز نہیں، کہ اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی، تو بھلا، ناجائز [بہ قول مفتی صاحبؒ] شیئرز خریدنے اور اس کی آمدنی غرباء میں تقسیم کرنے سے کیسے زکاۃ ادا ہوگی۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۴] بینک کا نظام سود پر مبنی ہے؛ اس لیے اس میں کسی بھی طرح کا تعاون آیت قرآنی " وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾ (۵-المائدۃ: ۲) " کے تحت ناجائز ہے۔

[۵] حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۔ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳﴾ (۵-المائدۃ: ۳)

سود کی رقم غرباء و مساکین ہی کو دینا ضروری ہے یا رفاہ عام میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلے میں اسلامک فقہ اکیڈمی-انڈیا نے دوسرے فقہی سمینار (منعقدہ: ۸-۱۱ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ، مطابق: ۸ / ۱۱ / دسمبر ۱۹۸۹ء، دہلی) میں درج ذیل فیصلہ کیا ہے:

۱- بینکوں سے ملنے والی سودی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے؛ بلکہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہیے:

۲- بینک کے سودی رقم کو بلا نیت ثواب فقراء و مساکین پر خرچ کر دیا جائے، اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے۔

۳- سودی رقم کو مساجد اور اس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

۴- اکثر شرکاء سمینار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء و مساکین تک محدود رکھنا چاہیے۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۱۲۱، معاشی مسائل، بینک انٹرسٹ، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی-انڈیا، سن طباعت: اپریل ۲۰۰۹ء)

بینک میں حفاظت کی غرض سے یا کسی قانونی رکاوٹ کی بناپر پیسے رکھنے پڑیں، تو اس کا سود لے کر غریبوں کو بلانیت ثواب دینے کا حکم ہے۔[۶] لیکن سود حاصل کرنے کے لیے بینک میں پیسے رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔[۷] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] زکوۃ کے پیسوں سے دینی کتابیں خریدنا کیسا ہے

۱۳۵۱- سوال: زکوۃ کے پیسوں سے مدرسے کی دینی کتابیں خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کے پیسوں سے مدرسے کی کتابیں اگر غریب طلبہ کو دینے کی غرض سے خریدی جائیں، تو جائز ہے، کہ اس میں تملیک کی شرط پائی جاتی ہے، جو ادائے زکوۃ کے لیے شرط ہے۔

البتہ طلبہ کو [عاریتاً] دے کر واپس لینے کی نیت ہو یا وقف کرنی ہو، تو اس میں زکوۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔[۸] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۶) اَلَّذِیْنَ یَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۔ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۔ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۔ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ۔ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۔ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۝ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ۔ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۔ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۝ (۲-البقرۃ:۲۷۵-۲۷۹)

(۷) عن جابر -رضي الله عنه- قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (الصحيح لمسلم: ۲/۲۷، رقم الحديث: ۱۰۶-۱۵۹۸، كتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ط: مختار اینڈ کمپنی- دیوبند)

(۸) لأن الزكاة يجب فيها تمليك المال. اهـ... قال في الكشف الكبير في بحث القدرة الميسرة: الزكاة لا تتأدى إلا بتمليك عين متقومة حتى لو أسكن الفقير داره سنة بنية الزكاة لا يجزئه؛ لأن المنفعة ليست بعين متقومة. اهـ. (البحر الرائق: ۲/ ۲۵۲-۲۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: زكريا-ديوبند☆ المحيط البرهاني: ۳/ ۲۱۳، كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۲۹۱، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا-ديوبند ☆تبيين الحقائق: ۲/ ۱۱، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

"ويجوز دفع القيم في الزكاة" عندنا وكذا في الكفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر. (الهداية: ۱/ ۱۹۲، كتاب الزكاة، فصل في الحيل، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی- دیوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۱، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

[۳۲] زکوۃ کی رقم سے کتابیں چھپوانا

۱۳۵۲-سوال: کیا زکوۃ کی رقم کو اسلامی کتابیں چھپوانے میں لگا سکتے ہیں، اگر لگا سکتے ہیں تو ایسی کتابیں سب میں تقسیم کریں یا صرف غریبوں میں؟۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی زکوۃ کی رقم سے کتاب چھپوا سکتے ہیں؛ لیکن کتاب کا غریب کو مالک بنانا ضروری ہے، جتنی قیمت کی کتاب ہوگی، اس قدر زکوۃ ادا ہوگی۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] زکوۃ کی ادائیگی کے وکیل کا حکم

۱۳۵۳-سوال: جب کوئی شخص اپنی زکوۃ کی رقم دوسرے شخص کو مستحقین تک پہونچانے کی غرض سے دے، تو اس کی کیا ذمہ داری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کوئی شخص اپنی زکوۃ کی رقم دوسرے شخص کو مستحقین تک پہونچانے کے لیے دے، تو زکوۃ کی رقم پر قبضہ کرنے والے کی پوری ذمہ داری ہے کہ مکمل حفاظت کے ساتھ مستحقین تک اس رقم کو پہنچا دے، اگر اس نے حفاظت میں کوتاہی کی اور رقم ضائع ہوگئی، تو وہ ضامن ہوگا۔ (۲) اسی طرح اپنے کام میں اگر زکوۃ کی رقم کو

(۱) ويجزئه أن يعطي من الواجب جنسا آخر من المكيل والموزون أو العروض أو غير ذلك بقيمته. (المبسوط للسرخسي: ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۵، كتاب الزكاة، فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۱، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، مسائل شتى، ط: دار الفكر ☆ تحفة الملوك: ۱/ ۱۲۵، فصل في الميت: ط: دار البشائر الإسلامية- بيروت)

(۲) المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفائه وقبض العين من جهة الوكالة في حكم الوديعة في يده فإذا تلف بلا تعد ولا تقصير لا يلزم الضمان. (مجلة الأحكام العدلية- لجنة مكونة من عدة علماء وفقهاء في الخلافة العثمانية، ص: ۲۸۴، المادة: ۱۴۶۳، الكتاب الحادي عشر في الوكالة، الباب الثالث: في بيان أحكام الوكالة، الفصل الأول: في بيان أحكام الوكالة العمومية، ت: نجيب هواويني، ط: نور محمد، كارخانه تجارت كتب، آرام باغ، كراتشي)

خرچ کردیا، اور دوسری رقم سے زکوۃ ادا کی، تو ادائیگی زکوۃ میں متبرع ہوگا اور مالک کے مال کا ضامن ہوگا۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۴] غیر مستحق کے لیے زکوۃ بھیجی گئی ہو، تو کیا وہ کسی مستحق کو بہ ذات خود دے سکتا ہے؟

۱۳۵۴- سوال: ایک آدمی نے بیرون ملک سے اپنے ملک میں رشتہ داروں کے لیے زکوۃ کی رقم بھیجی ہے، زکوۃ بھیجنے والے شخص کو معلوم نہیں ہے کہ جس کے لیے زکوۃ کی رقم بھیجی ہے، وہ زکوۃ کا مستحق نہیں ہے، تو جس کے لیے رقم بھیجی گئی ہے، وہ آدمی زکوۃ بھیجنے والے کی اجازت کے بغیر کسی مستحق زکوۃ کو، مالک کی جانب سے زکوۃ دے دے، تو زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک آدمی کو زکوۃ کا مستحق سمجھ کر، اس کے لیے زکوۃ کے پیسے بھیجے گئے ہیں؛ لیکن حقیقت میں وہ مستحق نہیں ہے اور رقم بھیجنے والے نے اس کو کسی خاص آدمی کو دینے کا وکیل بھی نہیں بنایا ہے، گویا اسی کو رقم بھیجی ہے، تو ایسی صورت میں بھیجنے والے کی جانب سے کسی مستحق کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی، البتہ

---

[۱] إذا هلكت الوديعة أو طرأ نقصان على قيمتها في حال تعدي المستودع أو تقصيره يلزم الضمان. ـــــ مثلا إذا صرف المستودع النقود المودعة عنده في أمور نفسه واستهلكها أو دفعها لغيره وجعله يستهلكها يضمن. وفي هذه الصورة إذا صرف النقود التي هي أمانة عنده على ذلك الوجه ثم وضع محلها من مال نفسه وضاعت بدون تعديه وتقصيره لا يخلص من الضمان. (حوالہ سابق، ص: ۱۵۰، مادہ: ۷۸۷، الكتاب السادس في الأمانات، الباب الثاني في الوديعة، الفصل الثاني: في أحكام الوديعة وضمانها)

ولو خلط زكاة موكليه ضمن وكان متبرعا إلا إذا وكله الفقراء. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله ضمن وكان متبرعا) لأنه ملكه بالخلط وصار مؤديا مال نفسه. قال في التتارخانية: إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان اهـ. الخ (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء)

البتہ اگر اپنی جیب خاص سے مصرف میں خرچ کردے، تاکہ پھر زکوۃ کی جمع شدہ رقم سے اتنی مقدار لے لے گا، تو درست ہے، زکوۃ ادا ہو جائے گی: ـــــ ولو تصدق بدراهم نفسه أجزأ إن كان على نية الرجوع وكانت دراهم الموكل قائمة. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله ولو تصدق إلخ) أي الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم الموكل صح. بخلاف ما إذا أنفقها أولا على نفسه مثلا ثم دفع من ماله فهو متبرع. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

مالک سے اجازت لے لینا بہتر ہے۔[۱]

لیکن اگر کسی خاص آدمی کو زکوۃ دینے کا ذمہ دار (وکیل) بنایا ہو، تو اس کے علاوہ دوسرے آدمی کو مالک کی اجازت کے بغیر زکوۃ دینا جائز نہیں ہے، اگر زکوۃ دے گا، تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] زکوۃ کی ادائیگی کی نیت کب کرنی چاہیے؟

۱۳۵۵- سوال: وکالۃً زکوۃ کی ادائیگی کی صورت میں نیت کب کرنی چاہیے؟ جب وکیل مستحقین کو زکوۃ ادا کرے، اس وقت نیت کرنی چاہیے، یا اس شخص (وکیل کو) کو دیتے وقت، جو مستحقین کو دے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مزکی (زکوۃ دہندہ) بہ ذات خود مستحقین کو دیتا ہے، تو دیتے وقت زکوۃ کی نیت ضروری ہے، اور اگر دوسرے کو مستحقین تک پہونچانے کے لیے وکیل بناتا ہے، تو وکیل کو دیتے وقت بھی نیت کر لینا کافی ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) اصل یہ ہے کہ اگر دینے والے نے غور وفکر کے بعد مصرف سمجھ کر، (غیر مستحق کو) زکوۃ دی ہے، تو اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی، اعادے کی ضرورت نہیں، لیکن جس کو زکوۃ دی گئی ہے، اگر وہ زکوۃ کا مستحق نہیں ہے، تو جب اس کو معلوم ہو جائے کہ یہ زکوۃ کی رقم ہے، تو اس پر بھیجنے والے کی طرف واپس کرنا لازم ہوگا:

(دفع بتحر) لمن يظنه مصرفا (فبان أنه عبده أو مكاتبه أو حربي ولو مستأمنا أعادها . . . وإن بان غناه أو كونه ذميا أو أنه أبوه أو ابنه أو امرأته أو هاشمي لا) يعيد لأنه أتى بما في وسعه. (الدر المختار)ـــــــــــ قال ابن عابدين عن القهستاني: وهل يطيب له؟ فيه خلاف، وإذا لم يطب قيل يتصدق وقيل يرد على المعطي. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۳-۳۵۴، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر-بيروت)

احسن الفتاویٰ (۴/ ۲۸۰) میں اس موقع پر لوٹانے کو لازم قرار دیا ہے۔

(۲) وللوكيل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه إلا إذا قال: ربها ضعها حيث شئت. (الدر المختار)ـــــــ وفي الشامية: الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر - بيروت☆ المبسوط: ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة- بيروت☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا- ديوبند)

(۳) (وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما) كما لو دفع بلا نية ثم نوى والمال قائم في يد الفقير، أو نوى عند الدفع للوكيل ثم دفع الوكيل بلا نية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۸، كتاب =

[۳۶] زکوۃ کی رقم روپیوں کی شکل میں دینا ضروری نہیں

۱۳۵۶- سوال: کیا زکوۃ کی رقم کو روپیوں کی شکل میں ہی دینا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روپے کی زکوۃ روپے کی شکل میں ہی دینا ضروری نہیں ہے، اگر اس رقم سے کوئی دوسری چیز خرید کر دے دی جائے، یا اس رقم کے برابر کوئی سامان اپنے پاس سے ادا کر دیا جائے، تب بھی جائز ہے، زکوۃ ادا ہو جائے گی۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۷] زکوۃ کی ادائیگی کے لیے وکیل بنانا جائز ہے

۱۳۵۷- سوال: زکاۃ کی ادائیگی کے لیے کیا کسی کو بطور واسطہ اپنا سکتے ہیں (وکیل بنا سکتے ہیں) تاکہ وہ مستحقین تک زکوۃ پہنچا دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادائیگی زکوۃ کے لیے کسی کو واسطہ (وکیل) بنا سکتے ہیں۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

اگر کسی نے زکوۃ کی رقم علاحدہ کرتے وقت نیت کر لی، اور بعد میں اسی سے دیتا رہا تو بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی:

والأصل اقترانها بالأداء كسائر العبادات إلا أن الدفع يتفرق فيحرج باستحضار النية عند كل دفع فاكتفى بوجودها حالة العزل دفعا للحرج. (البحر الرائق: ۲/ ۳۶۸، كتاب الزكاة، ط: زكريا - ديوبند)

(۱) ويجزئه أن يعطي من الواجب جنسا آخر من المكيل والموزون أو العروض أو غير ذلك بقيمته. (المبسوط للسرخسي: ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۵، كتاب الزكاة، فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۱، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، مسائل شتى، ط: دار الفكر ☆ تحفة الملوك: ۱/ ۱۲۵، فصل في الميت: ط: دار البشائر الإسلامية - بيروت)

(۲) ويجوز التوكيل بالبياعات والأشربة والإجارات والنكاح والطلاق والعتاق والخلع والصلح والإعارة والاستعارة والهبة والصدقة والإيداع وقبض الحقوق والخصومات وتقاضي الديون والرهن والارتهان كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۳/ ۵۶۴، كتاب الوكالة، الباب الأول في معنى الوكالة وركنها وشرطها وألفاظها وحكمها وصفتها، ط: دار الفكر)

لو أمر غيره بالدفع عنه جاز. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۷۰، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر ☆ =

[۳۸] زکوۃ کی رقم سے غریبوں کے لیے مکانات تعمیر کروانا

۱۳۵۸- سوال: کیا زکوۃ کی رقم سے ہم غریبوں کے لیے مکانات بنا سکتے ہیں؟

الجواب حامداو مصليا:

زکوۃ کی رقم سے مکان بنا کر غریب کو مالک بنا دینا جائز ہے۔[۱] اگر وکیل کو اجازت ہو، تو وکیل کے لیے بھی مکان کی تعمیر کر کے دینا جائز ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۹] زکوۃ کی رقم سے سامان خرید کر غریب کو دینا

۱۳۵۹- سوال: کیا ہم زکوۃ کی رقم سے کوئی سامان خرید کر غریب کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دے سکتے ہیں۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۲۷، كتاب الزكاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

لو أمر غيره بأداء الزكاة في حالة الحياة جاز. (المحيط البرهاني: ۳/ ۲۲۰، كتاب الزكاة، الفصل الحادي عشر الأسباب المسقطة للزكاة، ط: إدارة القرآن- بيروت)

(۱) ويشترط أن يكون الصرف (تمليكا) لا إباحة كما مر (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه). (الدر المختار مع الرد: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر- بيروت☆تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) لو أمر غيره بالدفع عنه جاز. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۷۰، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۲۷، كتاب الزكاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، ط: زكريا- ديوبند) ــــــــــ وفي الشامية: . . . الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر- بيروت☆ المبسوط: ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة- بيروت☆البحر الرائق: ۲/ ۲۲۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا- ديوبند)

(۳) ويجزئه أن يعطي من الواجب جنسا آخر من المكيل والموزون أو العروض أو غير ذلك بقيمته. (المبسوط للسرخسي: ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة- بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۵، كتاب الزكاة، فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر- بيروت☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۱، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، مسائل شتى، ط: دار الفكر☆ تحفة الملوك: ۱/ ۱۲۵، فصل في الميت: ط: دار البشائر الإسلامية- بيروت)

[۴۰] غریب کے لیے مکان یا سامان خریدنے میں زکوٰۃ کی کتنی رقم لگا سکتے ہیں؟

۱۳۶۰- سوال: اگر ہم مستحقین کو دینے کے لیے زکاۃ کی رقم سے مکان تعمیر کریں یا کوئی سامان خریدیں، تو کتنی مقدار رقم اس میں لگا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس قدر چاہیں، لگا سکتے ہیں، ویسے ایک مفلس کو یک بارگی اس قدر زکوٰۃ دے دینا کہ وہ، صاحب نصاب ہوجائے، مکروہ ہے، تاہم زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؛ لیکن ضرورت مند کو خواہ کتنی ہی رقم کا مکان دے دے، اس کی وجہ سے وہ صاحب نصاب نہیں ہوگا، کیوں کہ مکان ضرورت زندگی میں سے ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۱] زکوٰۃ کی رقم سے غریب بچوں کی فیس ادا کرنا

۱۳۶۱- سوال: کیا ہم زکوٰۃ کے پیسوں سے غریب کے بچوں کی، بغیر ان کو اطلاع دیے ہوئے، اسکول یا مدرسہ کی فیس ادا کر سکتے ہیں، کیا اس طرح کرنے سے ہماری زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کے لیے زکوٰۃ کا مستحق کو مالک بنانا ضروری ہے۔[۲]

---

(۱) (وكره إعطاء فقير نصابا) أو أكثر (إلا إذا كان) المدفوع إليه (مديونا أو) كان (صاحب عيال) بحيث (لو فرقه عليهم لا يخص كلا) أو لا يفضل بعد دينه (نصاب) فلا يكره فتح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۵۳، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۲۱، كتاب الزكاة، الفصل الثامن المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا ديوبند)

ويكره أن يدفع إلى رجل مائتي درهم فصاعدا، وإن دفعه جاز كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)

حضرت مفتی صاحبؒ کے ایک فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''بہ یک وقت نصاب سے زیادہ کسی مستحق کو دینے سے، مزکی کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جو قابل غور ہے، یہاں جو بیان کیا گیا ہے، کتب فقہ وفتاویٰ میں ایسا ہی ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۲) ... الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالى {وآتوا الزكاة} [البقرة: ۴۳] يقتضي التمليك، ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة، ولو كساه تجزيه لوجود التمليك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي =

اس لیے بچوں (۱) کو یا ان کے والی کو زکوۃ کا مالک بنانا ضروری ہے۔ (۲) ان کو دے کر تاکید کی جائے کہ وہ اس سے فیس ادا کر دے۔

یا ان کی خواہش پر، ان کا وکیل بن کر خود فیس ادا کر دے اور فیس کی ادائیگی میں جو قرض ہوا ہے، زکوۃ کی رقم ان کو دے کر اپنا قرض وصول کر لے۔ (۳)

غریب کی اجازت کے بغیر اس کی فیس ادا کرنے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=(م: ۷۴۳ھ): ۱/ ۵۲-۲۵۱، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت ☆البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۱) بچوں سے مراد 'مراہق' یعنی قریب البلوغ ہے؛ اس لیے کہ غیر مراہق بچوں کو زکاۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی، الا یہ کہ اس کی جانب سے اس کا ولی یا وصی قبضہ کرے:

وفي "التمليك" إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون وصبي غير مراهق إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب والوصي وغيرهما ويصرف إلى مراهق يعقل الأخذ كما في المحيط قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) إذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع ما لم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه نحو الأب والوصي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) وأما إذا قضى دين حي فقير فإذا قضى بغير أمره يكون متبرعا ولا يقع عن الزكاة وإن قضى بأمره فإنه يقع عن الزكاة ويصير وكيلا في قبض الصدقة عن الفقير والصرف إلى قضاء دينه فقد وجد التمليك من الفقير فيجوز. (تحفة الفقهاء - محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰ھ): ۱/ ۳۰۷، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة - بيروت)

وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه ... وحيلة التكفين بها [الزكاة] التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

لأن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۴) لو قضى دين الحي إن قضاه بغير أمره يكون متبرعا، ولا يجزئه عن الزكاة. (البحر الرائق: ۲/ ۴۲۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا - ديوبند

[۴۲] زکوۃ کی رقم سے غریب کی نابالغ اولاد کے لیے کپڑے خریدنا

۱۳۶۲- سوال: زکوۃ کی رقم سے کسی غریب مستحق کی نابالغ اولاد کو کپڑے خرید کر دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب کی نابالغ اولاد کو زکوۃ کی رقم کے کپڑے خرید کر دے سکتے ہیں۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۳] زکوۃ کے وکیل کی بد دیانتی سے موکل کو باخبر کرنا

۱۳۶۳- سوال: فی الحال میرے ۶ ر بھائی بیرون ملک میں ہیں، اور وہاں کی شہریت ان کو حاصل ہو چکی ہے، جن میں سے ۵ ر انگلینڈ میں اور ایک کینیڈا میں ہیں، میں اپنے ۷ ر بھائیوں میں اکیلا ہندوستان میں ہوں۔

میرے مرحوم والدین نے ان کو کھیت اور زیورات بیچ کر پردیس بھیجا تھا، والدین کے انتقال پر تقریباً ۲۰ ر سال کا عرصہ بیت گیا ہے، فی الحال میں اور میرے اہل خانہ (یعنی ۳ ر لڑکیاں اور ایک لڑکا) کو ساڈ گاؤں میں زندگی کی گاڑی کسی طرح چلا رہے ہیں، میرے تمام بھائی ماہ رمضان المبارک میں، زکوۃ کے ذریعے میری مدد کرتے ہیں۔

گزشتہ سال میرے بڑے بھائی نے دوسرے بھائیوں کے پاس سے زکوۃ کی رقم میرے پاس

---

[۱] نابالغ اولاد سے مراد "مراہق" یعنی قریب البلوغ ہے؛ اس لیے کہ غیر مراہق، ناسمجھ کو زکاۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی؛ کیوں کہ اس میں تملیک کی شرط نہیں پائی جائے ہوگی، الا یہ کہ اس کی جانب سے اس کا ولی یا وصی قبضہ کرے:

وفي "التمليك" إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون وصبي غير مراهق إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب والوصي وغيرهما ويصرف إلى مراهق يعقل الأخذ كما في المحيط قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر - بيروت)

دفع الزكاة إلى صبيان أقاربه برسم عيد أو إلى مبشر أو مهدي الباكورة جاز إلا إذا نص على التعويض. ـــــ

قال ابن عابدين: (قوله: إلى صبيان أقاربه) أي العقلاء وإلا فلا يصح إلا بالدفع إلى ولي الصغير. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۶، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة و العشر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۴۲۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا ديوبند)

بھیجنے کے لیے وہیں اکٹھا کر لی، اور میرے او پر وہ رقم نہ بھیج کر، کوساڈ میں رہنے والے میرے ماموں زاد بھائی کے پاس رمضان میں بھیجی تھی، تا کہ وہ اس میں سے ہر مہینہ ۵۰۰ ر روپیہ مجھے دیتے رہیں۔

رمضان المبارک میں سحری و افطاری کی ضرورت کے باوجود مکمل رقم میں استعمال نہیں کرسکتا، میرے ماموں زاد بھائی سے اس رقم کے لیتے وقت مجھے یہ احساس ہوتا ہے گویا میں بھیک مانگ رہا ہوں؛ کیوں کہ وہ مجھے سو آدمیوں کی موجودگی میں یہ رقم دیتے ہیں۔

یہ رقم فی الحال مجھ کو تین مہینے سے نہیں مل رہی ہے؛ اس لیے کہ لندن میں قیام پذیر ہمارے بھائی کے مکان کا تعمیری کام یہاں جاری ہے، اور میرے ماموں زاد بھائی کہتے ہیں کہ زکوۃ والی تمہاری رقم میں نے تمہارے بھائی کے مکان کے خرچے میں صرف کر دی ہے، تو اپنے بھائی کو خط لکھ، اب میں تیرے پیسے کے معاملہ میں پڑنا نہیں چاہتا، میں نے اپنے بڑے بھائی کو خط لکھا، تو معلوم ہوا کہ ان کے روپے ابھی بھی ماموں زاد بھائی کے پاس جمع ہیں، اور میرے بھائی نے خط کے جواب میں انہیں ہدایت کی تھی کہ اس میں سے رقم مجھے دی جائے، اس کے باوجود وہ رقم مجھ کو نہیں مل رہی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا میں اس معاملے کی پوری تفصیل اپنے دوسرے بھائیوں کو دے سکتا ہوں یا نہیں؟ اور اس طرح زکوۃ کی رقم بھجوانے سے میرے دوسرے بھائیوں کی زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زکوۃ کی جو رقم آپ کے ماموں زاد بھائی کے پاس ہے، اس کو تعمیری کام کاج میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔[1] زکوۃ کی رقم جب تک مستحق کو نہ پہنچ جائے، اس وقت تک زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔ (درمختار)[2]

بڑے بھائی نے اگر غلط نیت سے زکوۃ کی اس رقم کا اس طرح انتظام کیا ہو اور آپ کو پریشان کرنا مقصود ہو، تو یہ نامناسب ہے، جو بھی ہو، دوسرے بھائیوں کو اس کی حقیقت سے آگاہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ رقم سب کی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱)... الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر - بيروت ☆ المبسوط: ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا - ديوبند)

[۲] ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة)

[۴۴] زکوۃ کی رقم سے ان حضرات کی تنخواہ ادا کرنا، جو اپنا سارا وقت زکوۃ کی رقم غریبوں تک پہنچانے میں لگاتے ہیں

۱۳۶۴-سوال: کیا ہم زکوۃ کی رقم سے ان لوگوں کی تنخواہ ادا کر سکتے ہیں، جو اپنا سارا وقت ہمارے لیے اس رقم کو غریبوں تک پہونچانے میں خرچ کر دیتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة، ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه، وإلا فلا، وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة كذا في معراج الدراية.
(الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ نے اس مسئلے کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے، اقتباس طویل ہے، تاہم بہت مفید ہے، ملاحظہ فرمائیں:

تیسرا مصرف الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا، یہاں عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں، جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوۃ وعشر وغیرہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں، یہ لوگ چوں کہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لیے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے، قرآن کریم کی اس آیت نے مصارف زکوۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوۃ سے دیا جائے گا۔

اس میں اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے زکوۃ وصدقات وصول کرنے کا فریضہ براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا ہے، جس کا ذکر اسی سورت میں آگے آنے والی اس آیت میں ہے (آیت) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً، یعنی وصول کریں آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ، ...... اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے امیر پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ زکوۃ صدقات وصول کرے، اور یہ ظاہر ہے کہ امیر خود اس کام کو پورے ملک میں بغیر اعوان اور مددگاروں کے نہیں کر سکتا، انہی اعوان اور مددگاروں کا ذکر مذکور الصدر آیت میں وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ ________ انہی آیات کی تعمیل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کرام کو صدقات وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر مختلف خطوں میں بھیجا ہے، اور آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق زکوۃ ہی کی حاصل شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے، ان میں وہ حضرات صحابہ بھی شامل ہیں جو اغنیاء تھے۔

....

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ عاملین صدقہ کو جو رقم مد زکوۃ سے دی جاتی ہے وہ بحیثیت صدقہ نہیں؛ بل کہ ان کی خدمت کا معاوضہ ہے، اسی لیے باوجود غنی اور مال دار ہونے کے بھی وہ اس رقم کے مستحق ہیں، اور زکوۃ سے ان کو دینا جائز ہے، اور مصارف زکوۃ کی آٹھ مدات میں سے صرف ایک یہی مد ایسی ہے، جس میں رقم زکوۃ بہ طور معاوضہ خدمت دی جاتی ہے، اور نہ زکوۃ نام ہی اس عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضہ خدمت کے دیا جائے، اور اگر کسی غریب فقیر کو کوئی خدمت لے کر مال زکوۃ دیا گیا تو زکوۃ ادا نہیں=

= ہوئی۔ــــــــ اسی لیے یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ مال زکوۃ کو معاوضہ خدمت میں کیسے دیا گیا، دوسرے یہ کہ مال دار کے لیے اصلی حیثیت کو سمجھ لیا جائے، وہ یہ ہے کہ یہ حضرات فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ وکیل کا قبضہ اصل موکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کسی کو وکیل مختار بنادے، اور قرض دار یہ قرض وکیل کو سپرد کردے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرض دار بری ہوجاتا ہے، تو جب رقم زکوۃ عاملین صدقہ نے فقراء وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کرلی، تو ان کی زکاۃ ادا ہوگئی، اب یہ پوری رقم ان فقراء کی ملک ہے جن کی طرف سے بطور وکیل انہوں نے وصول کی ہے اب جو رقم بطور حق الخدمت کے ان کو دی جاتی ہے، وہ مال داروں کی طرف سے نہیں؛ بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی، اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے، ان کو یہ بھی حق ہے کہ جب اپنا کام ان لوگوں سے لیتے ہیں تو اپنی رقم میں سے ان کو معاوضہ خدمت دے دیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل مختار بنایا نہیں، یہ ان کے وکیل کیسے بن گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ، جس کو امیر کہا جاتا ہے، وہ قدرتی طور پر منجانب اللہ پورے ملک کے فقراء غرباء کا وکیل ہوتا ہے، کیوں کہ ان سب کی ضروریات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، امیر مملکت جس جس کو صدقات کی وصول یابی پر عامل بنادے، وہ سب ان کے نائب کی حیثیت سے فقراء کے وکیل ہوجاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ عاملین صدقہ کو جو کچھ دیا گیا، وہ در حقیقت زکاۃ نہیں دی گئی، بلکہ زکاۃ جن فقراء کا حق ہے، ان کی طرف سے معاوضہ خدمت دیا گیا، جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنادے اور اس کا حق الخدمت زکاۃ کے حاصل شدہ مال سے ادا کردے، تو یہاں نہ تو دینے والا بطور زکاۃ کے دے رہا ہے اور نہ لینے والا زکاۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔

تفصیل مذکور سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آج کل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات زکوۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لیے وصول کرتے ہیں، ان کا وہ حکم نہیں جو عاملین صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے کہ زکاۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جاسکے، بلکہ ان کو مدارس اور انجمن کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے، زکاۃ کی رقم سے ان کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی، وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں؛ بل کہ اصحاب زکاۃ مال داروں کے وکیل ہیں، ان کی طرف سے مال زکاۃ کو مصرف پر لگانے کا ان کو اختیار دیا گیا ہے، اسی لیے ان کے قبضہ ہوجانے کے بعد بھی زکاۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی، جب تک یہ حضرات اس کو مصرف پر خرچ نہ کردیں۔

فقراء کا وکیل نہ ہونا اس لیے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر کسی فقیر نے ان کو اپنا وکیل بنایا نہیں، اور امیر المومنین کی ولایت عامہ کی بناء پر جو خود بخود وکالت فقراء حاصل ہوتی ہے، وہ بھی ان کو حاصل نہیں، اس لیے بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو اصحاب زکاۃ کا وکیل قرار دیا جائے اور جب تک یہ اس مال کو مصرف پر خرچ نہ کردیں، ان کا قبضہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ زکاۃ کی رقم خود مال والے کے پاس رکھی ہو۔

اس معاملہ میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے، بہت سے ادارے زکاۃ کا فنڈ وصول کرکے اس کو سالہا سال رکھے رہتے ہیں، اور اصحاب زکاۃ سمجھتے ہیں کہ ہماری زکاۃ ادا ہوگئی، حالاں کہ ان کی زکاۃ اس وقت ادا ہوگی، جب ان کی رقم مصارف زکاۃ میں صرف

[۴۵] مرحوم کی جانب سے زکوۃ ادا کرنا

۱۳۶۵- سوال: مرحوم کے ذمے زکوۃ کی ادائیگی باقی رہ گئی ہو، تو ان کے نام سے زکوۃ کی رقم لکھوا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرحوم کے ذمے زکوۃ کی رقم باقی رہ گئی ہو اور مرحوم نے اس کی ادائیگی کی وصیت کی ہو، اور اس کے مال متروکہ کے تہائی حصے سے ادا ہو سکتی ہو، تو ادا کرنا واجب ہوگا، اور مرحوم کا نام لکھوانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ بل کہ ان کے نام سے ہی لکھوانا بہتر ہے، اگرچہ ادائیگی کا دار ومدار نیت ہی پر ہے۔[۱]

اگر مرحوم نے وصیت نہ کی ہو، یا تہائی میں سے ادائیگی نہ ہو سکتی ہو، تو وارث پر مرحوم کے [تہائی سے زیادہ] مال سے ادا کرنا واجب نہیں ہے، صرف تہائی مال میں وصیت نافذ کی جائے گی، ہاں! اگر وارث اپنی خوشی سے ادا کرنا چاہے، تو ادا کر سکتا ہے، مرحوم کا نام لکھوائے، تب بھی اس کا مطلب یہی ہوگا کہ مرحوم کے ثواب کے واسطے دے رہا ہے۔ (شامی، ج:۶، ص:۸۶)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

ہو جائے۔ اسی طرح بہت سے لوگ ناواقفیت سے ان لوگوں کو عاملین صدقہ کے حکم میں داخل سمجھ کر زکاۃ ہی کی رقم سے ان کی تنخواہ دیتے ہیں، یہ نہ دینے والوں کے لیے جائز ہے نہ لینے والوں کے لیے۔ (معارف القرآن: ۴/ ۹۹-۳۹۷، التوبۃ: ۶۰، ط: دار الکتاب- دیوبند)

(۱) وإذا مات من عليه زكاة أو فطرة أو كفارة أو نذر أو حج أو صيام أو صلوات ولم يوص بذلك لم تؤخذ من تركته عندنا إلا أن يتبرع ورثته بذلك وهم من أهل التبرع، فإن امتنعوا لم يجبروا عليه، وإن أوصى بذلك يجوز وينفذ من ثلث ماله. (الجوهرة النيرة- أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِي اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/ ۱۳۵، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، قبيل: كتاب الصوم، ط: المطبعة الخيرية)

[۲] (ثم) تقدم (ديونه التي لها مطالب من جهة العباد) ويقدم دين الصحة على دين المرض ... (وأما دين الله تعالى فإن أوصى به وجب تنفيذه من ثلث الباقي وإلا لا). [الدر المختار] ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله وأما دين الله تعالى إلخ) ... وذلك كالزكاة والكفارات ونحوها، قال الزيلعي: فإنها تسقط بالموت، فلا يلزم الورثة أداؤها، إلا إذا أوصى بها؛ أو تبرعوا بها هم من عندهم، ... (قوله من ثلث الباقي) أي الفاضل عن الحقوق المتقدمة، وعن دين العباد فإنه يقدم لو اجتمع مع دين الله تعالى؛ لأنه تعالى هو الغني، ونحن الفقراء، كما في الدر المنتقى. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۷۶۰، أول كتاب الفرائض، ط: دار الفكر- بيروت)

[۴۶] کسی کے ذمہ زکوٰۃ باقی ہو، اور انتقال ہوجائے، تو اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہیں؟

۱۳۶۶- سوال: ایک صاحب نصاب کے ذمے زکوۃ کی ادائیگی باقی تھی کہ اس کا انتقال ہوگیا، تو کیا اس کے مال متروکہ میں سے زکوۃ نکالی جائے گی، واضح رہے کہ اس کے ورثاء میں صرف چھوٹے بچے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی کا انتقال ہوجائے اور اس کے ذمے زکوۃ کی ادائیگی باقی ہو، تو اس کے مال میں سے زکوۃ ادا کرنا وارثوں پر ضروری نہیں ہے، اگر وارث تبرع کریں اور وہ اس کے اہل ہوں، تو اچھی بات ہے۔ [مذکورہ صورت میں اگر زکوۃ کی ادائیگی کی وصیت نہ کی گئی ہو، تو چھوٹے ورثاء (جو تبرع کے اہل نہیں ہیں) کی طرف سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جائے گی، اگر وہ اجازت دیں، تو بھی اعتبار نہیں ہوگا۔]

ہاں اگر میت نے وصیت کی ہو، تو اس کے مال کے تہائی حصے سے [حسب ضابطہ] ادا کی جائے گی، تہائی مال سے زکوۃ ادا ہوجائے، تو ٹھیک ہے، ورنہ اس سے زائد سے ادا کرنا ورثاء پر واجب نہیں ہے۔ (شامی)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۷] زکوۃ کی رقم سے امام صاحب کو تنخواہ دینا

۱۳۶۷- سوال: ایک مسجد غیر آباد ہے، اس میں نماز نہیں ہورہی ہے، مسجد کے پاس کوئی محلہ نہیں ہے، اس مسجد کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، تو ایسی مسجد میں کسی مستحق زکوۃ کو مقرر کرکے، زکوۃ کی رقم میں سے تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو کیا بلا عوض امامت کی ذمہ داری سونپ کر زکوۃ کی رقم سے اس کی نصرت کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تنخواہ میں زکوۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ کام کی اجرت میں زکوۃ دینا ناجائز ہے، ہاں اگر

---

[۱] ولو مات فأداها وارثه جاز. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: جاز) في الجوهرة: إذا مات من عليه زكاة أو فطرة أو كفارة أو نذر لم تؤخذ من تركته عندنا إلا أن يتبرع ورثته بذلك وهم من أهل التبرع ولم يجبروا عليه وإن أوصى تنفذ من الثلث. اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ۳۵۹/۲، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: دار الفكر-بيروت)

کوئی آدمی اپنی خوشی سے للہ خدمت کرنے پر رضا مند ہو، اور مستحق زکوٰۃ ہو، تو اس کی زکوٰۃ سے مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

لیکن پہلے سے یہ کہنا کہ للہ کام کرو، ہم تمہیں کچھ دیں گے اور نیت پہلے سے زکوۃ کی رقم دینے کی ہو، تو اگر چہ زکوۃ ادا ہو جائے گی، مگر یہ مناسب نہیں ہے، کہ اس میں عوض کا شبہ پیدا ہوتا ہے، ہاں تنخواہ کی ایک مناسب مقدار متعین کر کے کہا جائے کہ ہم تمہاری دوسرے طریقے سے بھی امداد کریں گے اور پھر زکوۃ کے پیسے دے جائیں، تو مضائقہ نہیں؛ لیکن کام کی مزدوری میں اپنی زکوٰۃ کی رقم مذکورہ طریقے سے دینا مناسب نہیں۔ (درمختار)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۸] صدقات کے ایک مد کی رقم دوسرے مد میں بہ طور قرض لینا

۱۳۶۸- سوال: مکتب و مدرسہ میں زکوٰۃ، للہ وغیرہ مختلف مد (کھاتا) کی رقم ہوتی ہے، اس میں ایک مد کی رقم دوسرے مد میں بہ طور قرض اس نیت سے استعمال کر سکتے ہیں کہ جب اس مد میں رقم آجائے گی تو جہاں سے رقم قرض لی تھی، وہاں بھرپائی کر دی جائے گی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ایک مد سے دوسرے مد کے لیے رقم قرض لینا جائز ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ بخاری شریف کی شرح میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ زکوٰۃ کی رقم قرض لے کر بیت المال کے دوسرے مدوں میں استعمال فرمایا کرتے تھے، پھر جب زکوٰۃ کی رقم آجاتی، تو جس مد میں سے رقم قرض لی تھی، اس کی

---

(۱) بہ شرطے کہ زکوٰۃ نہ دینے کی صورت میں بھی خدمت کرتا رہے، اور اگر زکوٰۃ نہ دینے کی صورت میں خدمت ترک کردے، تو دینا جائز نہیں ہوگا، کہ یہ بدلۂ عمل اور عوض ہے، جو زکوٰۃ کی رقم سے جائز نہیں: ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة، ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه، وإلا فلا، وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة كذا في معراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لو لم يعطه وإلا لا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۵۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

بھرپائی کردیتے تھے۔ (فیض الباری: ۳/ ۴۲)[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۴۹] ادارے کے مکان کی تعمیر کے لیے زکوۃ کی رقم بہ طور قرض لینا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۳۶۹- سوال: ادارے کا مکان تعمیر ہورہا ہے، اس کے لیے رقم کی ضرورت ہے، تو کیا دو چار مہینوں کے لیے زکوۃ کی رقم قرض کے طور پر استعمال کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی رقم ادارے کے دوسرے کاموں میں قرض کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، ایسا کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔ (☆☆) اگر ایسا کرلیا ہو، تو زکوۃ کی رقم کے مالک کو اطلاع دینا ضروری ہوگا،

---

[۱] عن الأعرج، عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالصدقة، فقيل منع ابن جميل، وخالد بن الوليد، وعباس بن عبد المطلب، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: " ما ينقم ابن جميل إلا أنه كان فقيرا، فأغناه الله ورسوله، وأما خالد: فإنكم تظلمون خالدا، قد احتبس أدراعه وأعتده في سبيل الله، وأما العباس بن عبد المطلب، فعم رسول الله صلى الله عليه وسلم فهي عليه صدقة ومثلها معها ". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۹۸، رقم الحديث: ۱۴۶۸، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى: {وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله}، ط: ديوبند)

اس حدیث کی تشریح میں ہے: قوله: (وأما العباس) قيل: إن العباس إنما أنكر الزكاة؛ لأنه أحسّ ترفعًا في كلام عمر. أما عمر فإنه كان عمر، لكنّ العباس كان عمّ رسول الله صلى الله عليه وسلّم وإنما عم الرجل صنو أبيه، فكره منه الكلام. ـــــ وحينئذٍ معنى قوله: (ومثلها معها) إنكم تزعمون أنه ينكر الزكاةَ، وأنا ضامن له أنه يعطي لكم زكاته مرّتين. وقيل: إنه لم ينكر الزكاةَ، ولكنه صلى الله عليه وسلّم كان يستوفي منه الزكاة لسنتين، فأنكرها، لأن زكاته كانت دينًا على بيت المال، ثم طلب عمر منه الزكاة. ثم إنهم قالوا: إن النبي صلى الله عليه وسلّم كان يستقرض منه زكاته، ويصرِفها في المصارف الأخرى التي كانت على بيت المال. فإذا جاء فيه مالٌ كان يؤدي منه عما صرَفه من الزكاة. ولذا أفتيتُ لأصحاب المدارس أن يصرفوا مالَ الزكاة الذي عندهم في غير مصارفها دَينًا عليهم، فإذا جاء عندهم مالٌ في ذلك المصرف يؤدُّوه عما صَرَفوه من مال الزكاة. (فيض الباري: ۳/ ۲۱۰، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى: {وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله}، ط: دار إحياء التراث العربي)

(☆☆) ''صدقات کے ایک مد کی رقم دوسرے مد میں بہ طور قرض لینا'' کے تحت ذکر کیے گئے سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ نے فیض الباری کے حوالے سے، ایک مد کی رقم دوسرے مد میں بہ طور قرض استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، حضرت تھانویؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں: =

[اگر وہ ضامن بنائے، تو ضمان ادا کرنا ضروری ہوگا، لہٰذا] ان کی اجازت وحکم سے دوسری رقم زکوۃ میں ادا کی جائے گی، ان کی اجازت کے بغیر دی گئی رقم معطی کی جانب سے تبرع ہوگی، جس کا وہ مطالبہ نہیں کرسکتا۔ (عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۴۸۱)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۰] زکوۃ اور صدقات کی رقم بہ طور قرض دینا

۱۳۰۷- سوال: ایک شخص کے پاس اپنی اور دوسرے کی زکوۃ اور صدقات کی رقم جمع ہے، اب اس نے جمع شدہ زکوۃ کی رقم سے کچھ روپے ایک غریب انسان کو بغیر سوال کیے دیے اور واپس لینے کی نیت بھی نہیں تھی۔

لیکن اس غریب انسان نے کچھ مدت بعد وہ روپے دینے والے کو لوٹا دیے اور کہا کہ تم نے مجھے (غریبی کی) جس حالت کی بناء پر روپئے دیے تھے، اب وہ حالت باقی نہیں رہی؛ اس لیے میں تمھیں وہ روپئے واپس لوٹاتا ہوں، تو اب اس کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ وصدقات -خواہ اپنی ہو یا دوسرے کی- جمع کرکے رکھنے کے لیے نہیں ہے۔[2] اسی طرح

= باذن معطین [قرض دینا] درست ہے، کیوں کہ اموال مذکورہ ہنوز ان کی ملک سے خارج نہیں ہوئے، رہی یہ بات کہ صورت مسئولہ میں اذن معطین دلالۃً ہے یا نہیں؟ یہ ایک واقعہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ [اذن] ہے؛ کیوں کہ چندہ دینے والے جب چندہ دیتے ہیں، تو عادت یہی ہے کہ وہ اس سے اپنا تعلق تصرف منقطع کردیتے ہیں، اور متولی کو ہر مناسب تصرف کا اختیار دیتے ہیں، اس لیے صورت مسئولہ میں تصرف مذکور جائز ہے۔ (امداد الفتاوی: ۲/۱۶-۱۷، کتاب الزکاۃ والصدقات، مد زکوۃ سے مدرسے کی دیگر مد میں قرض لینے یا صرف کرنے کا حکم، ط: زکریا-دیوبند)

اور فیض الباری میں ہے:

ولذا أفتيتُ لأصحاب المدارس أن يصرفوا مالَ الزكاة الذي عندهم في غير مصارفها دَيْنا عليهم، فإذا جاء عندهم مالٌ في ذلك المصرف يؤدُّوه عما صَرَفُوه من مال الزكاة. (فيض الباري: ۳/۲۱۰، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى: {وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله}، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۱) العالم إذا سأل للفقراء أشياء واختلط بعضها ببعض يصير ضامنا لجميع ذلك وإذا أدى صار مؤديا من مال نفسه ويصير ضامنا لهم ولا يجزيهم عن زكاتهم فيجب أن يستأذن الفقير ليأذن له بالقبض فيصير خالطا ماله بماله، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۲/۴۸۱، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، ط: زكريا)

(۲) وتجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتأخيره من غير عذر، وفي رواية الرازي على التراخي حتى يأثم عند الموت، والأول أصح كذا في التهذيب. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر-بيروت)

دوسرے کو قرضہ کے طور پر دینے کے لیے بھی نہیں ہے، اگر زکوۃ کی رقم دوسرے نے دی ہے، تو آپ اس میں وکیل ہیں، اس کو دوسرے کو قرضہ کے طور پر دینا جائز نہیں ہے، امانت میں خیانت ہے۔[۱]

زکوۃ ایک عبادت ہے، لہٰذا اس میں نیت ضروری ہے اور لازم ہے کہ محتاج و مسکین کو زکوۃ دیتے وقت یا زکوۃ کے پیسے الگ کرتے وقت زکوۃ کی نیت کرے کہ یہ زکوۃ کی رقم ہے۔[۲]

بہ نیت زکوۃ، رقم دینے سے مسکین اس کا مالک بن گیا، وہ جس طرح چاہے، خرچ کرے، اس کو حق ہے۔[۳] اگر آپ نے وہ رقم زکوۃ کی نیت سے دی تھی، تو واپس لینا جائز نہیں ہے۔ وہ رقم انہیں واپس

---

(۱)... الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر - بيروت☆ المبسوط: ۲/۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة- بيروت☆ البحر الرائق: ۲/۴۲۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا - ديوبند)

''صدقات کے ایک مد کی رقم دوسرے مد میں بہ طور قرض لینا'' کے تحت ذکر کیے گئے سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ نے علامہ کشمیریؒ کے حوالے سے، ایک مد کی رقم دوسرے مد میں بہ طور قرض استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، حضرت تھانوی کے فتویٰ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ (دیکھیے: امداد الفتاویٰ: ۲/۱۶-۱۷، کتاب الزکاۃ والصدقات، مد زکوۃ سے مدرسے کی دیگر مد میں قرض لینے یا صرف کرنے کا حکم، ط: زکریا - دیوبند)

تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ''صدقات کے ایک مد کی رقم دوسرے مد میں بہ طور قرض لینا'' اور ''ادارے کے مکان کی تعمیر کے لیے زکوۃ کی رقم بہ طور قرض لینا''

(۲) (وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما)... (أو مقارنة بعزل ما وجب) كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۶۷-۲۶۸، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

فإذا نوى أن يؤدي الزكاة، ولم يعزل شيئا فجعل يتصدق شيئا فشيئا إلى آخر السنة، ولم تحضره النية لم يجز عن الزكاة كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر - بيروت)

والأصل اقترانها بالأداء كسائر العبادات إلا أن الدفع يتفرق فيحرج باستحضار النية عند كل دفع فاكتفى بوجودها حالة العزل دفعا للحرج. (البحر الرائق: ۲/۳۶۸، كتاب الزكاة، ط: زكريا - ديوبند☆ مراقي الفلاح، ص: ۷۱۵، كتاب الزكاة)

(۳) قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ. (مرقاة المفاتيح - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۴/۱۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر - بيروت)

کردیں؛ لیکن پھر بھی وہ رقم نہ لے، تو اس صورت میں اس کی اجازت سے کسی اور مستحق زکوۃ کو وہ رقم دے دی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۷/ ۱۸۹)[۱]

اور اگر قرض کے طور پر دی تھی، تو پھر آپ اس کو واپس لے سکتے ہیں۔

آپ نے وہ رقم زکوۃ کی نیت سے دی ہے، تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے آپ کو وہ پیسے ہدیے کے طور پر دیے ہیں؛ اس لیے میں واپس نہیں لے سکتا- یہ رقم نہ لینے کا حیلہ ہے- کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: جو شخص ہدیہ دینے کے بعد واپس لے، تو وہ اس کتے کی طرح ہے، جو قے کرتا ہے، پھر اس کو چاٹتا ہے۔ (بخاری شریف)[۲]

زکوۃ دیتے وقت یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوۃ کا پیسہ ہے؛ بل کہ سامنے والے کا مستحق ہونا ضروری ہے۔[۳] رہی نیت، تو وہ دل کا فعل ہے، دل میں نیت کا ہونا زکوۃ کی ادائیگی کے لیے کافی ہے،

---

[۱] اگر مناسب ہو، تو مقروض (بکر) سے صاف کہہ دیا جائے کہ میں نے رقم دیتے وقت ہی زکوۃ کی نیت کرلی تھی، لہٰذا رقم واپس نہ کرو، اور اس کے باوجود بھی واپس کرنے پر مصر ہو، تو کہہ دیا جائے کہ تم جسے چاہو، دے دو، اور اگر اس کے باوجود بھی وہ شخص یعنی بکر رقم واپس کردے، تو چوں کہ معطی یعنی زید کی نیت کے مطابق اسی وقت زکوۃ ادا ہوگئی ہے، لہٰذا اس کی اجازت لے کر وہ رقم صدقہ کردی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۷/ ۱۸۹، کتاب الزکاۃ، ایک شخص نے قرض مانگا، زکوۃ کی نیت سے قرض دیا، بعد میں مقروض نے رقم واپس کردی، تو اس رقم کا کیا حکم ہے؟ سوال نمبر: ۲۲۴ و ۲۲۵، ط: دارالاشاعت- کراچی)

[۲] عن ابن عباس -رضي الله عنهما- قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ليس لنا مثل السوء، الذي يعود في هبته كالكلب يرجع في قيئه. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۵۷، رقم الحديث: ۲۶۲۲، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب: لا يحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته، ط: البدر- ديوبند)

(۳) ولم يشترط المصنف - رحمه الله - علم الآخذ بما يأخذه أنه زكاة، للإشارة إلى أنه ليس بشرط، وفيه اختلاف والأصح كما في المبتغى والقنية: أن من أعطى مسكينا دراهم، وسماها هبة، أو قرضا، ونوى الزكاة، فإنها تجزئه. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۲/ ۲۲۸، كتاب الزكاة، شروط أداء الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة، فإنها تجزئه اهـ. (درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى- خسرو (م: ۸۸۵ھ): ۱/ ۱۷۴، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۱۹۶، كتاب الزكاة، شرط صحة أداء الزكاة، ط: دار إحياء التراث =

زبان سے تلفظ ضروری نہیں ہے۔[1] اس لیے ہدیہ کہہ کر فقیر کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

[۵۱] زکوٰۃ و سود کی رقم دیتے وقت نیت کافی ہے

[۵۲] رشوت کا استعمال ذاتی ضروریات میں

[۵۳] سود کی رقم بالارادہ حاصل کر کے غریبوں کو دینا

[۵۴] پی ایف سے ملنے والی رقم کا استعمال جائز ہے؟

۷۴-۱۳۷۰-سوال: (۱) سود یا زکوٰۃ کے پیسے کسی مستحق شخص کو سود یا زکوٰۃ کی صراحت کیے بغیر دینا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس کو بتلانا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے یا سود کی ہے؟

(۲) رشوت کے پیسے دلال وغیرہ زبردستی جیب میں یا ٹیبل پر رکھ دیتے ہیں یا گھر آ کر دے جاتے ہیں، تو ایسے پیسے ہم اپنے ذاتی استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح کسی بیمار کو ثواب کی نیت سے دوا کے لیے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) ایک شخص نے کچھ رقم ایک ہندو شخص کو سود پر دے رکھا ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ حاصل شدہ سود، کسی اجنبی کو ثواب کی نیت کے بغیر دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کو بتلانا ضروری ہے کہ یہ سود کے پیسے ہیں؟

=العربي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۶۸، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

(۱) فهي، في اللغة، القصد..... وفي الشرع، كما في التلويح: قصد الطاعة و التقرب إلى الله تعالى في إيجاد الفعل. ... وعرفها القاضي البيضاوي: بأنها شرعا الإرادة المتوجهة نحو الفعل ابتغاء لوجه الله تعالى، وامتثالا لحكمه. ولغة: انبعاث القلب نحو ما يراه موافقا لغرض من جلب نفع أو دفع ضر حالا أو مآلا. (الاشباه و النظائر - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ) ص: ۲۴، ۲۵، القاعده الثانية: الأمور بمقاصدها، في بيان حقيقة النية، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

النية بالقلب ولا يقوم اللسان مقامه إلا عند التعذر كما في الشرح. (حوالہ سابق ص: ۳۹، الفن الثاني، كتاب الصلاة)

(۲) حاشیہ نمبر ۷ دیکھیں۔

(۴) سرکاری پراویڈنٹ فنڈ (P.F) کی سود کی رقم کے سلسلے میں میں نے پڑھا ہے کہ جائز ہے، تو کیا P.F سے ملنے والی رقم ہم اپنی ذات پر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) اسلامی تعلیمات میں یہ بات ملحوظ ہے کہ امیر وغریب اور حاکم ومحکوم ہر ایک کی عزت محفوظ رہے؛ زکوۃ کا نظام اس لیے ہے کہ مال دار، غریبوں پر حکومت نہ کرے، ان کو ذلیل ورسوا نہ کرے اور ہر ایک کی ضرورت کی تکمیل ہو۔

زکوۃ عبادت ہے، جس کی ادائیگی کی صحت کے لیے نیت ضروری ہے۔[۱] اور نیت کا تعلق دل سے ہے لہٰذا دل میں نیت کرنا ضروری ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔[۲] بل کہ اگر کسی شریف محتاج، زکوۃ کے مستحق - جو زکوۃ لینے سے یک گونہ انکار کرتا ہو - کو زکوۃ کی رقم دیتے وقت، دل سے زکوۃ کا ارادہ کرے اور زبان سے بخشش کی صراحت کرے، تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی، زبان سے زکوۃ کا تلفظ کرنا ضروری

---

[۱] (وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما) ... (أو مقارنة بعزل ما وجب) كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۷-۲۶۸، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

فإذا نوى أن يؤدي الزكاة، ولم يعزل شيئا فجعل يتصدق شيئا فشيئا إلى آخر السنة، ولم تحضره النية لم يجز عن الزكاة كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر - بيروت)

والأصل اقترانها بالأداء كسائر العبادات إلا أن الدفع يتفرق فيحرج باستحضار النية عند كل دفع فاكتفى بوجودها حالة العزل دفعا للحرج. (البحر الرائق: ۲/ ۳۶۸، كتاب الزكاة، ط: زكريا - ديوبند☆مراقي الفلاح: ص۷۱۵، كتاب الزكاة)

(۲) فهي، في اللغة، القصد.... وفي الشرع، كما في التلويح: قصد الطاعة والتقرب إلى الله تعالى في إيجاد الفعل. ... وعرفها القاضي البيضاوي: بأنها شرعا الإرادة المتوجهة نحو الفعل ابتغاء لوجه الله تعالى، وامتثالا لحكمه. ولغة: انبعاث القلب نحو ما يراه موافقا لغرض من جلب نفع أو دفع ضر حالا أو مآلا. (الاشباه والنظائر - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ) ص: ۲۴، ۲۵، القاعده الثانية: الأمور بمقاصدها، في بيان حقيقة النية، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

النية بالقلب ولا يقوم اللسان مقامه إلا عند التعذر كما في الشرح. (حوالہ سابق ص: ۳۹، الفن الثانی، کتاب الصلاۃ)

نہیں ہے، اسی طرح اس کو بتلانا بھی ضروری نہیں ہے۔ [۳]

البتہ آپ کو اتنا جاننا ضروری ہے کہ آپ جس کو زکوۃ ادا کر رہے ہیں، وہ مستحق زکوۃ ہے، کیوں کہ اگر آپ نے جان بوجھ کر غیر مستحق کو زکوۃ دے دی، تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔ [۴]

---

(۲) جب غیر قانونی طور پر کوئی کام نکالنے کے لیے رشوت کے طور پر دیتا ہے، تو اس رقم کا لینا اور

---

(۳) ولم يشترط المصنف - رحمه الله - علم الآخذ بما يأخذه أنه زكاة؛ للإشارة إلى أنه ليس بشرط، وفيه اختلاف والأصح كما في المبتغى والقنية: أن من أعطى مسكينا دراهم، وسماها هبة، أو قرضا، ونوى الزكاة، فإنها تجزئه. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۲/ ۲۲۸، كتاب الزكاة، شروط أداء الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة، فإنها تجزئه اهـ. (درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵ھ): ۱/ ۱۷۳، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۱۹۶، كتاب الزكاة، شرط صحة أداء الزكاة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۸، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

(۴) ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا من أي مال كان، لأن الغنى الشرعي مقدر به والشرط أن يكون فاضلا من الحاجة الأصلية. (الهداية) ـــــــــ قال العيني (م: ۸۵۵ھ): م: (ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا من أي مال كان) ش: يعني سواء كان من النقدين أو من العروض أو من السوائم م: (لأن الغنى الشرعي مقدر به) ش: أي بالنصاب م: (والشرط أن يكون فاضلا عن الحاجة الأصلية) ش: أي شرط عدم جواز دفع الزكاة إليه أن يكون النصاب فاضلا عن الحاجة الأصلية. (البناية شرح الهداية: ۳/ ۴۷۶-۴۷۷، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، الحكم لو دفع الزكاة لغير مستحقيها وهو لا يعلم، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

تجب [صدقة الفطر] ... (على كل) حر (مسلم) ... (ذى نصاب فاضل عن حاجته الأصلية) كدينه وحوائج عياله (وإن لم ينم) ... وبه، أى بهذا النصاب (تحرم الصدقة) ... وتجب الأضحية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۵۸-۳۶۰، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۱/ ۱۹۳، كتاب الزكاة، باب على من تجب زكاة الفطر، ط: دار إحياء الكتب العربية)

اپنی ضرورت میں استعمال جائز نہیں ہے۔[۵] ہاں البتہ وہ بہ خوشی کام مکمل ہوجانے کے بعد دیتا ہے، تو جائز ہے۔[۶] اگر رضامندی سے نہیں دیتا، تو ناجائز ہے، مالک کو اس کی رقم واپس کردیں۔[۷] اور جس رشوت کی رقم

---

(۵) عن عبد الله بن عمرو، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. (سنن أبي داود، ص: ۵۰۴، رقم الحديث: ۳۵۸۰، كتاب الأقضية، باب في كراهية الرشوة، ط: ديوبند☆سنن الترمذي: ۱/ ۲۴۸، رقم الحديث: ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، أبواب الأحكام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، ط: ديوبند☆سنن ابن ماجه، ص: ۱۶۷، رقم الحديث: ۲۳۱۳، باب التغليظ في الحيف والرشوة، كتاب الأحكام، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، قال: كنت آخذا بزمام ناقة رسول الله صلى الله عليه وسلم في أوسط أيام التشريق، أذود عنه الناس، فقال: "يا أيها الناس، هل تدرون في أي يوم أنتم؟ وفي أي شهر أنتم؟ وفي أي بلد أنتم؟" قالوا: في يوم حرام، وشهر حرام، وبلد حرام، قال: "فإن دماءكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا، إلى يوم تلقونه"، ثم قال: "اسمعوا مني تعيشوا، ألا لا تظلموا، ألا لا تظلموا، ألا لا تظلموا، إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه، ... إلى آخر الحديث. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۴/ ۲۹۹، رقم الحديث: ۲۰۶۹۵، مسند البصريين، حديث عم أبي حرة الرقاشي، ط: الرسالة)

(وعن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما... قال: لعن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - الراشي والمرتشي): أي: معطي الرشوة وآخذها، وهي الوصلة إلى الحاجة بالمصانعة، وأصله من الرشاء الذي يتوصل به إلى الماء، قيل: الرشوة ما يعطى لإبطال حق، أو لإحقاق باطل، أما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق، أو ليدفع به عن نفسه ظلما فلا بأس به، وكذا الآخذ إذا أخذ ليسعى في إصابة صاحب الحق فلا بأس به، لكن هذا ينبغي أن يكون في غير القضاة والولاة؛ لأن السعي في إصابة الحق إلى مستحقه، ودفع الظالم عن المظلوم واجب عليهم، فلا يجوز لهم الأخذ عليه، كذا ذكره ابن الملك. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي، القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۶/ ۲۴۳۷، رقم الحديث: ۳۷۵۳، كتاب الإمارة والقضاء، باب رزق الولاة وهداياهم، ط: دار الفكر، بيروت - لبنان)

(۶) ولو قضى حاجته بلا شرط ولا طمع فأهدى إليه بعد ذلك فهو حلال لا بأس به وما نقل عن ابن مسعود من كراهته فورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/ ۳۶۲، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، ط: دار الفكر - بيروت)

(۷) والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/ ۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما)

وفي القنية الرشوة يجب ردها ولا تملك وفيها دفع للقاضي أو لغيره سحتا لإصلاح المهم فأصلح ثم ندم يرد ما دفع إليه اهـ. (المصدر السابق: ۵/ ۳۶۲، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية)

کا علم نہ ہو کہ کس نے دیا ہے اور کیوں دیا ہے، اس کو بلا نیت ثواب، کسی غریب کی مدد کے لیے یا دوا دارو کے لیے دینا جائز ہے۔ کسی قسم کی زبردستی کے بغیر کوئی رقم آپ کو دے اور آپ کا دل گواہی دے کہ اس نے بہ خوشی بہ طور بخشش، میرے کام سے خوش ہو کر دیا ہے، تو اس کے استعمال کی اجازت ہے۔ (۸)

---

(۳) سود کے بارے میں بہت سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ (۹) دار الحرب میں بھی امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک سود لینا حرام ہے، جائز نہیں ہے۔ (۱۰)

---

(۸) وفي الفتح: ثم الرشوة أربعة أقسام: منها ما هو حرام على الآخذ والمعطي، وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة. ـــــــ الثاني: ارتشاء القاضي ليحكم، وهو كذلك ولو القضاء بحق؛ لأنه واجب عليه. ـــــــ الثالث: أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع، وهو حرام على الآخذ فقط . . . وفي الأقضية قسم الهدية وجعل هذا من أقسامها فقال: حلال من الجانبين كالإهداء للتودد، وحرام منهما كالإهداء ليعينه على الظلم وحرام على الآخذ فقط، وهو أن يهدى ليكف عنه الظلم، والحيلة أن يستأجره إلخ قال: أي في الأقضية هذا إذا كان فيه شرط أما إذا كان بلا شرط لكن يعلم يقينا أنه إنما يهدي ليعينه عند السلطان فمشايخنا على أنه لا بأس به. . . الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب، اهـ ما في الفتح ملخصا. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/ ۳۶۲، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية)

(۹) اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۝ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ۝ (۲-البقرۃ: ۲۷۵، ۲۷۶)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ۝ (۲-البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (۳-آل عمران: ۱۳۰)

عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود، عن أبيه، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله وشاهده وكاتبه. (سنن أبي داود، ص: ۱/ ۴۷۳، كتاب البيوع، باب في أكل الربا وموكله، ط: فيصل ديوبند)

(۱۰) قال: ولا بين المسلم والحربي في دار الحرب، خلافا لأبي يوسف والشافعي. (الهداية) ـــــــ قال العيني: م: (قال) ش: أي القدوري - رحمه الله - م: (ولا بين المسلم والحربي في دار الحرب) ش: أي ولا ربا أيضا بين المسلم الذي دخل دار الحرب بأمان وباع درهما بدرهمين، وكذا إذا باع خمرا أو خنزيرا أو ميتة أو قامرهم وأخذ المال كل ذلك يحل له إذا كان في دار الحرب عند أبي حنيفة ومحمد م: (خلافا لأبي يوسف والشافعي) ش: ومالك وأحمد. (البناية شرح الهداية- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۸/ ۲۹۹، كتاب البيوع، باب الربا، ط: دار الكتب العلمية)

(۴) سرکاری P.F میں جو پیسے سرکار یا کمپنی نے آپ کے اختیار کے بغیر جبراً وضع کرلیا ہے اور آپ کو ریٹائر ہونے کی وجہ سے ملتے ہیں، اس کا لینا جائز ہے، اس کو حکومت کی جانب سے ہدیہ تسلیم کیا گیا ہے؛ کیوں کہ آپ کی تنخواہ سے رقم کے وضع ہونے میں آپ کی مرضی کو دخل نہیں تھا، اس لیے جائز ہے۔[۱۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۵] زکوۃ اور سود کے پیسے بہ طور قرض کسی کو دینا

۱۳۷۵- سوال: میرے پاس زکوۃ اور سود کی رقم علاحدہ رکھی ہوئی ہے، ایک آدمی کو قرض کی ضرورت ہے، تو کیا میں اس رقم سے اس شخص کو قرض کے طور پر دے سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زکوۃ کے پیسے اپنے ہوں اور علاحدہ رکھ دیے گئے ہوں، تو اسے قرض کے طور پر دینے کی اجازت ہے؛ لیکن جب تک وہ پیسے واپس نہ آجائیں اور مستحق تک نہ پہنچا دیے جائیں، اس وقت تک زکوۃ ادا نہیں ہوگی؛ لہٰذا ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔[۱۲]

---

(۱۱) قال: "ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع, ويجوز أن يحط من الثمن ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك" فالزيادة والحط يلتحقان بأصل العقد عندنا. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۳/۵۹-۶۰، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت☆الدر المختار مع رد المحتار: ۵/ ۱۵۳-۱۵۵، كتاب البيوع، فصل في التصرف في البيع والثمن قبل القبض والزيادة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱۲) اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ جو رقم بہ نیت زکاۃ علاحدہ رکھی گئی ہے، وہ جب تک مستحق تک پہنچ نہ جائے، اس وقت تک ذمہ سے وجوب ساقط نہیں ہوتا، اور زکوۃ ادا نہیں ہوتی، بل کہ وہ [علاحدہ کردہ مال] مالک کی ملکیت ہی میں رہتا ہے، اور وہ اس میں جیسا تصرف کرنا چاہے، کرسکتا ہے، لہٰذا اس مال سے قرض وغیرہ بھی دے سکتا ہے، البتہ قرض وغیرہ دینے کی وجہ سے ادائیگی زکوۃ میں غیر معمولی تاخیر ہوجائے، تو یہ درست نہیں۔

ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار)ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: ولا يخرج عن العهدة بالعزل) فلو ضاعت لا تسقط عنه الزكاة ولو مات كانت ميراثا عنه، بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي لأن يده كيد الفقراء بحر عن المحيط. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن=

اسی طرح سود کے پیسے کسی غریب کو بہ طور قرض دینے میں حرج نہیں۔[۱]

البتہ مستحق اور حق دار نہ ہو، تو ایسے آدمی کو [بہ طور قرض] دینا ٹھیک نہیں اور ایسے آدمی کے لیے لینا بھی مناسب نہیں۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۶] زکوۃ کی رقم مقروض کو دے کر، قرض وصول کرنا

۱۳۷۶-سوال: زید کے پاس اپنی زکوۃ وصدقات کی رقم ہے، یا کسی نے زید کو محتاج ومسکین کو دینے کے لیے دیے ہیں، زید سے کسی نے قرض کے طور پر کچھ پیسے لیے تھے؛ لیکن مقروض کی ایسی حالت نہیں ہے کہ وہ قرض ادا کر سکے، زید اس کی حالت دیکھ کر اس کو زکوۃ کا مستحق سمجھتا ہے؛ لہٰذا وہ کہتا ہے کہ آپ نے قرض کے طور پر مجھ سے جو رقم لی تھی، میں اس کے عوض اپنے پاس موجود زکوۃ کی رقم سے منہا کرتا ہوں یا پورا قرضہ ساقط کرتا ہوں، تو اس طریقے سے زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

یعنی زید اپنی زکوۃ کی رقم یا دوسرے کے دی ہوئی رقم، مذکورہ تفصیل کے مطابق ادا کر کے کہتا ہے کہ تیرے ہاتھ میں رقم نہیں دی جائے گی، صرف زبان سے کہہ کر قرضہ میں سے ساقط کر دے، تو اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی رقم کا مالک بنائے بغیر، مقروض کے قرضہ کو ساقط کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، بل کہ آپ کچھ روپے (قرض کے بہ قدر یا اس سے زائد، یا اس سے کم، جتنی بھی دینا چاہیں) زکوۃ کی نیت سے دے کر

=المبیع وفاء، ط: دار الفکر)

إذا لم یؤد الزکاۃ حتی مضی حولان فقد أساء وأثم. (بدائع الصنائع: ۲/ ۳، کتاب الزکاۃ، فصل کیفیۃ فرضیۃ الزکاۃ، ط: دار الکتب العلمیۃ)

(۱) تاہم غریب کو بجائے قرض دینے کے، بلا نیت ثواب مالک بنا کر دے دے وبال حرمت ختم کرنا چاہیے: لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبہ. (رد المحتار علی الدر المختار: ۶/ ۳۸۵، کتاب الحظر و الإباحۃ، فصل في البیع، ط: دار الفکر)

[۲] وذکر في البزازیۃ ھنا أن من لا یحل لہ أخذ الصدقۃ فالأفضل لہ أن لا یأخذ جائزۃ السلطان. (حوالہ سابق: ۲/ ۲۹۲، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، قبیل: مطلب استحلال المعصیۃ القطعیۃ کفر)

غریب کو مالک بنادیں، پھر آپ اس کے پاس سے قرض کے روپے وصول کرلیں، اس طرح آپ کی زکوۃ بھی ادا ہوجائے گی اور قرض بھی وصول ہوجائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۷] زکوۃ کے روپے مصارف زکوٰۃ میں دینا ضروری ہے

۱۳۷۷-سوال: میرے پاس زکوۃ کے پیسے آئے ہیں، تو کیا میں اس کو ضرورت کے مطابق غریب و ضرورت مند کو، ان کی دوا کے لیے دے سکتا ہوں؟ نیز کیا میں ان پیسوں کا ان کی تکفین و تدفین میں استعمال کرسکتا ہوں؟

الجواب حامداومصلیا:

زکوۃ کے پیسے- جو آپ کے پاس آئے ہیں- آپ کی ملکیت نہیں ہے؛ بل کہ آپ وکیل ہیں؛ لہٰذا مؤکل نے جیسا حکم دیا ہے، اسی کے مطابق خرچ کریں، ان کی تصریح کے خلاف نہ کریں۔[2]

---

(۱) واعلم أن أداء الدين عن الدين، والعين عن العين، وعن الدين يجوز، وأداء الدين عن العين، وعن دين سيقبض لا يجوز. وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله واعلم إلخ) المراد بالدين ما كان ثابتا في الذمة من مال الزكاة، وبالعين ما كان قائما في ملكه من نقود وعروض، والقسمة رباعية؛ لأن الزكاة إما أن تكون دينا، أو عينا، والمال المزكي كذلك، لكن الدين إما أن يسقط بالزكاة، أو يبقى مستحق القبض بعدها فتصير خمسة، فيجوز الأداء في ثلاثة: الأولى أداء الدين عن دين سقط بها كما مثل من إبراء الفقير عن كل النصاب. الثانية أداء العين عن العين كنقد حاضر عن نقد أو عرض حاضر. الثالثة أداء العين عن الدين كنقد حاضر عن نصاب دين. وفي صورتين لا يجوز: الأولى أداء الدين عن العين كجعله ما في ذمة مديونه زكاة لماله الحاضر، بخلاف ما إذا أمر فقيرا بقبض دين له على آخر عن زكاة عين عنده فإنه يجوز لأنه عند قبض الفقير يصير عينا فكان عينا عن عين. الثانية أداء دين عن دين سيقبض كما تقدم عن البحر، وهو ما لو أبرأ الفقير عن بعض النصاب ناويا به الأداء عن الباقي وعلله بأن الباقي يصير عينا بالقبض فيصير مؤديا بالدين عن العين. اهـ. . . . (قوله وحيلة الجواز) أي فيما إذا كان له دين على معسر، وأراد أن يجعله زكاة عن عين عنده أو عن دين له على آخر سيقبض، (قوله أن يعطي مديونه إلخ) قال في الأشباه: وهو أفضل من غيره أي لأنه يصير وسيلة إلى براءة ذمة المديون. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۷۰-۲۷۱، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) . . . الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر - بيروت ☆ المبسوط: ۲/۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا - ديوبند)

ہاں! اگر مصرف کی تعیین کو آپ کے اختیار اور آپ کی صواب دید پر چھوڑا ہے، تو پھر آپ شریعت کے بیان کیے ہوئے مصارف میں خرچ کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی غریب کے علاج میں بھی مدد کر سکتے ہیں، کہ ان کو دوا خرید کر دے دی جائے، یا رقم کا مالک بنا دیا جائے، تا کہ وہ دوا خرید سکے۔[1]

کسی کی تکفین وتدفین میں براہ راست زکوۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اگر تکفین وتدفین کے لیے کسی نے زکوۃ کی رقم دی، تو اس کی زکوۃ ادا نہ ہوگی؛ کیوں کہ زکوۃ میں تملیک (جس کو زکوۃ دی جارہی ہے اس کو مالک بنانا) ضروری ہے، اور میت مالک نہیں بن سکتا۔[2]

اس کا طریقہ یہ ہے کہ میت کے کسی محتاج رشتہ دار کو کفن کا خرچ دے دیا جائے، اور اس کو ترغیب دی جائے کہ تم اسے اس کی تدفین میں خرچ کرو، تمہیں ثواب ملے گا۔

ایسا بھی کیا جاسکتا ہے کہ کسی غریب کو رقم کا مالک بنا دیا جائے، اور کہا جائے کہ تم اس رقم کو تدفین و تکفین کا انتظام کرنے والی فلاں انجمن میں دے دو، تا کہ اس سے فلاں غریب آدمی کی تدفین کا نظم ہو سکے، ان شاء اللہ تمہیں اس کا بڑا ثواب حاصل ہوگا۔

اگر وہ بہ خوشی تدفین وتکفین کا انتظام کرنے والی انجمن کے کارکن دے دیتا ہے، تو مقصود حاصل

---

(۱) وللوكيل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه إلا إذا قال ربها: ضعها حيث شئت. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: لولده الفقير) وإذا كان ولدا صغيرا فلابد من كونه فقيرا أيضا لأن الصغير يعد غنيا بغنى أبيه أفاده ط عن أبي السعود وهذا حيث لم يأمره بالدفع إلى معين. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه). (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه زيلعي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ولا يصرف في بناء مسجد، وقنطرة، ولا يقضي بها دين ميت، ولا يعتق عبداً، ولا يكفن ميتا. (المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا - ديوبند)

ہوجائے گا۔[۱]

زکوۃ کی رقم کو زیادہ مدت تک بلا وجہ روکے رکھنا درست نہیں ہے، وکلاء گنہ گار ہوں گے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۸] وکیل کا مؤکل کی رقم استعمال کر لینے کے بعد اپنی رقم سے صدقہ ادا کرنا

۱۳۷۸- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام حسب ذیل مسئلے میں کہ:

زید نے ایک آدمی کو پانچ سو روپے دے کر اس بات کا مکلف بنایا کہ میری طرف سے فلاں ادارے میں اسے ہدیۃً دے دینا، اس آدمی نے رقم ادارہ کو دینے کی بجائے خود استعمال کر لیا۔

ایک یا دو سال کے بعد اس نے مؤکل کی اجازت کے بغیر دینے کا ارادہ کیا، تو کیا اب زید کو اس کی اطلاع دینا یا معافی مانگنا ضروری ہے اور اب ۵۰۰/روپیہ دینا صحیح ہے؟ حالاں کہ ایک دو سال میں چیزوں کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور پیسے کی قوت خرید کم ہوجاتی ہے، اگر یہ شخص ادارے کو ایک دو سال پہلے یہ رقم دیتا، تو اس وقت اس سے کئی چیزیں خریدی جاسکتی تھی، جواب ممکن نہیں ہے، تو کیا اب ۵۰۰/سے زیادہ دینا پڑے گا یا وہی کافی ہوجائے گا؟

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ صورت میں (جب کہ وکیل نے سرے سے صدقہ ہی نہیں دیا، تو) مؤکل کا صدقہ ادا نہ ہوا، اگر صدقہ واجب ہے، تو مالک کو خبر دینا اور اس کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد اپنی رقم سے صدقہ ادا کرنا ضروری ہے، اجازت کے بغیر صدقہ ادا نہ ہوگا، اگر ادا کر دیا، تو متبرع ہوگا اور اس پر ضمان لازم آئے گا۔

---

(۱) وحيلة التكفين بها [الزكاة] التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

لأن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۲) إذا لم يؤد الزكاة حتى مضى حولان فقد أساء وأثم. (بدائع الصنائع: ۲/۳، كتاب الزكاة، فصل كيفية فرضية الزكاة، ط: دار الكتب العلمية)

اگر صدقہ غیر واجب ہے، تب بھی مذکورہ صورت میں ایک دو سال گزر گئے ہیں، دلالۃً اذن بھی موجود نہیں ہے؛ اس لیے مالک کو مطلع کرنا اور خبر دینا ضروری ہے؛ کیوں کہ یہ مالک کی طرف سے از سر نو صدقہ کے قائم مقام ہے، ممکن ہے، اب وہ صدقۂ تطوع پر راضی نہ ہو، اور اس کو کوئی اہم ضرورت درپیش ہو۔ (شامی: جلد ۲/ ۲۶۹-۲۷۰)[1]

۵۰۰/روپئے ہی کافی ہیں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۹] سال کے پورا ہونے پر زکوٰۃ کس حساب سے کتنی ادا کی جائے؟

۱۳۷۹- سوال: سال کے پورا ہونے پر مال تجارت کی زکوٰۃ کس حساب سے، کتنی ادا کی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ جس مال میں فرض ہوئی ہے، اُس کا چالیسواں حصہ یا اُس مال کی پوری قیمت کا چالیسواں حصہ

---

(۱) ولو خلط زكاة موكليه ضمن وكان متبرعا إلا إذا وكله الفقراء. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ضمن وكان متبرعا) لأنه ملكه بالخلط وصار مؤديا مال نفسه. قال في التتارخانية: إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان اهـ. الخ (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء)

ولو تصدق بدراهم نفسه أجزأ إن كان على نية الرجوع وكانت دراهم الموكل قائمة. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ولو تصدق إلخ) أي الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم الموكل صح. بخلاف ما إذا أنفقها أو لا على نفسه مثلا ثم دفع من ماله فهو متبرع. (حوالہ سابق)

إذا هلكت الوديعة أو طرأ نقصان على قيمتها في حال تعدي المستودع أو تقصيره يلزم الضمان. ــــــ مثلا إذا صرف المستودع النقود المودعة عنده في أمور نفسه واستهلكها أو دفعها لغيره وجعله يستهلكها يضمن. وفي هذه الصورة إذا صرف النقود التي هي أمانة عنده على ذلك الوجه ثم وضع محلها من مال نفسه وضاعت بدون تعديه وتقصيره لا يخلص من الضمان. (مجلة الأحكام العدلية- لجنة مكونة من عدة علماء وفقهاء في الخلافة العثمانية، ص: ۱۵۰، مادہ: ۷۸۷، الكتاب السادس في الأمانات، الباب الثاني في الوديعة، الفصل الثاني: في أحكام الوديعة وضمانها، ت: نجيب هواويني، ط: نور محمد، كارخانه تجارتِ كتب، آرام باغ، كراتشي)

(۲) سوال: زید نے عمر کو سو روپیہ زکوٰۃ کے دیے، کہ ان کو تقسیم کردے، مگر عرصہ دس سال گذر گیا، عمر نے تقسیم نہیں کیے، بل کہ استعمال کرلیے، اب عمران کو تقسیم کرنا چاہتا ہے، تو کیا صرف سو روپیہ زکوٰۃ کی نکال دے، یا کچھ جرمانہ وغیرہ بھی ہوگا؟

جواب: عمر کو از خود سو روپیہ دینا کافی نہیں، بل کہ اس کے ذمے ضمان لازم ہے، جو زید پر واپس کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۴۹۵، کتاب الزکاۃ، باب اداء الزکاۃ، وکیل کا زکوٰۃ دینے میں تاخیر کرنا، ط: دار المعارف- دیوبند)

ادا کرنا ضروری ہے، مثلاً کسی چیز کی قیمت سو روپے ہوں، تو اُس میں ڈھائی روپے بہ طور زکوٰۃ ادا کرنے ہوں گے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۰] زامبیا کے "کوچوں" کو ہندوستان کے "روپیوں" میں تبدیل کرکے زکوٰۃ ادا کرنا

۱۳۸۰- سوال: ایک شخص زامبیا (چپاٹا) میں رہتا ہے، اس کے ذمہ وہاں جو زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، مثلاً ایک ہزار "کوچے"، ہندوستان میں بلیک مارکیٹ (غیر سرکاری) طور پر ان کو بیچ کر یہاں کے روپیوں سے اپنے رشتہ داروں میں زکوٰۃ ادا کرے، تو اس طرح اس کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوچے جب غیر قانونی طور پر فروخت کیے جاتے ہیں، تو ان کی اصل قیمت سے کبھی ۵۰ رفی صد سے بھی کم قیمت ملتی ہے؛ لہٰذا اس طور پر زکاۃ نکالے، تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں نقص رہے گا، جس قدر ["کوچے" کی اصل قیمت سے] کم قیمت حاصل ہوگی، اتنی زکوٰۃ اس کے ذمہ میں باقی رہے گی۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وهو ربع عشر نصاب حولي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۵۷، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

ويجوز دفع القيم في الزكاة عندنا، وكذا في الكفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر كذا في الهداية، ... وإذا كان لرجل مائتا قفيز حنطة قيمتها مائتا درهم فصاحبها بالخيار، إن شاء أدى زكاتها من العين، وهي خمسة أقفزة حنطة، وإن شاء أدى زكاتها من القيمة كذا في شرح الطحاوي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۱، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، مسائل شتى في الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) (هي) لغة الطهارة والنماء، وشرعا (تمليك) ... (جزء مال) خرج المنفعة، ... (عينه الشارع) وهو ربع عشر نصاب حولي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۵۶-۲۵۷، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - ديوبند)

وأجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة، حتى لو أدى من الذهب ما تبلغ قيمته خمسة دراهم من غير الإناء لم يجز في قولهم لتقوم الجودة عند المقابلة بخلاف الجنس، فإن أدى القيمة وقعت عن القدر المستحق، كذا في المعراج نهر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۹۷، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

المال الذي تجب فيه الزكاة أدى زكاته من خلاف جنسه أدى قدر قيمة الواجب إجماعا. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۰، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، قبيل: مسائل شتى في الزكاة)

فأما إذا كان مال الزكاة من أموال الربا كالكيلي والوزني فإن أدى ربع عشر النصاب يجوز كيفما كان.

وإن أدى غيره فلا يخلو إما أن أدى زكاته من جنسه أو من خلاف جنسه فإن أدى من خلاف جنسه كما إذا أدى الفضة عن الذهب أو الحنطة عن الشعير فإنه يؤدي قدر قيمة الواجب بلا خلاف۔ ـــــــ ولو أدى النقص منها فإنه =

[۶۱] زکوۃ کی رقم سے مستحقین کے لیے گھر تعمیر کرنا اور اُن سے اُن گھروں کے انتظامی امور کا خرچ وصول کرنا

۱۳۸۱- سوال: کسی جماعت کا ٹرسٹ زکوۃ کی رقم سے مستحقین زکوۃ کو ٹرسٹ کی ملکیت والی زمین پر مکانات تعمیر کر کے اُن کو مکانات کا مالک بنا دے، اور اُن کو کلی اختیار دے کہ اگر وہ چاہیں تو اُن گھروں میں تبدیل وترمیم کریں، یا اُنہیں بیچ دیں، مگر چوں کہ حکومتی دستاویز میں یہ زمین ٹرسٹ کے نام پر بہ طورِ سوسائٹی (رہائش گاہ) درج ہے؛ اِس لیے بجلی، پانی اور نالی وغیرہ کا سارا انتظامی ماہانہ یا سالانہ خرچ ٹرسٹ ادا کرتا ہے، تو کیا اِن انتظامی امور کا خرچ ٹرسٹ اُن سے وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا اِس طرح سے ٹرسٹ کی ملکیت والی زمین پر مکانات تعمیر کر کے مستحقین کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سے زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) اگر ٹرسٹ کی (وقف شدہ) زمین غریبوں کے مکان کی تعمیر کے لیے ہو یا ٹرسٹیوں کو پورا اختیار ہو کہ وہ اس زمین پر مکان تعمیر کرنے کی اجازت دیں تو اِس صورت میں غریبوں کے مکان اُس وقف زمین پر تعمیر کرنا جائز ہے، زمین جماعت کی رہے گی اور مکان، جس مستحق کو دیا گیا ہے، وہ اُس کی ملک میں رہے گا۔ (ردالمحتار: ۳۹۱/۴)[1]

=يجب عليه التكميل لأن الجودة في أموال الربا معتبرة متقومة عند المقابلة بخلاف الجنس. (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۳۰۹/۱، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۴۱/۲، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى، ط: دار الكتب العلمية ☆تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق- فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۲۷۸/۱، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة)

(وجاز دفع القيمة في زكاة، وعشر، وخراج، وفطرة، ونذر، وكفارة غير الإعتاق) وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا يوم الأداء. وفي السوائم يوم الأداء إجماعا، وهو الأصح، ويقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه، فتح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۸۵-۸۶/۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

[۱] وفي البزازية: لا يجوز وقف البناء في أرض عارية أو إجارة. (الدر المختار) ———— و في الشامية: وفي البزازية: غرس شجرة ووقفها إن غرسها على أرض مملوكة يجوز وقفها تبعا للأرض، وإن بدون أصلها لا يجوز، =

(۲) ایسی زمین پر زکوۃ کی رقم سے مکان تعمیر کر کے غریبوں کو مالک بنادیا جائے، تو جائز ہے، غریب اُس کا مالک بن جائے گا اور زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی، لیکن زکوۃ کی جتنی رقم مکان کے سامان (اینٹ، ریت، سمنٹ وغیرہ) میں خرچ ہوئی ہے، اُسی قدر رقم کی زکوۃ ادا ہوگی، تعمیر کی مزدوری میں جو رقم مزدوروں کو دی گئی ہے، وہ زکوۃ کی ادائیگی میں شمار نہیں ہوگی؛ کیوں کہ وہ رقم غریب کے ہاتھ میں نہیں پہنچتی۔ (درمختار: ۲/ ۲۵۷)[۲]

=وإن كانت في أرض موقوفة إن وقفها على تلك الجهة جاز كما في البناء، وإن وقفها على جهة أخرى فعلى الخلاف المذكور في وقف البناء اهـ. (قوله: أو إجارة) يستثنى منه ما ذكره الخصاف، من أن الأرض إذا كانت متقررة للاحتكار، فإنه يجوز، بحر، قال في الإسعاف: وذكر في أوقاف الخصاف إن وقف حوانيت الأسواق، يجوز إن كانت الأرض بإجارة في أيدي الذين بنوها لا يخرجهم السلطان عنها من قبل أنا رأيناها في أيدي أصحاب البناء توارثوها وتقسم بينهم لا يتعرض لهم السلطان فيها، ولا يزعجهم وإنما له غلة يأخذها منهم وتداولها خلف عن سلف، ومضى عليها الدهور وهي في أيديهم، يتبايعونها ويؤجرونها وتجوز فيها وصاياهم ويهدمون بناءها، ويعيدونه، ويبنون غيره، فكذلك الوقف فيها جائز اهـ وأقره في الفتح وذكر أيضا أنه مخصص لإطلاق قوله أو إجارة وقد علمت وجهه وهو بقاء التأبيد وهو مؤيد لما قلنا من تخصيص الوقف لما إذا كانت الأرض محتكرة. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۳۹۱، كتاب الوقف، استبدال الوقف و شرطه، مطلب في زيادة أجرة الأرض المحتكرة، ط: دار الفكر)

[۲] (هي) لغة الطهارة والنماء، وشرعا (تمليك) خرج الإباحة، فلو أطعم يتيما ناويا الزكاة لا يجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۵۶-۲۵۷، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت)

... الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالى {وآتوا الزكاة} [البقرة: ۴۳] يقتضي التمليك، ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة، ولو كساه تجزيه لوجود التمليك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۲۵۱-۵۲، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب-ديوبند ☆ المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

(۳) مستحقین کو جب مکان کا مالک بنادیا گیا، تو اب مکانات پر جو کچھ بھی انتظامی خرچ آئے گا، وہ اسی [مالک] کو ادا کرنا ہوگا، ٹرسٹی حضرات صرف منتظم ہیں؛ اس لیے بجلی، پانی اور نالی وغیرہ کا خرچ مالکِ مکان کے ذمہ رہے گا، اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے یہ خرچ ٹرسٹی حضرات ادا کرتے ہیں، تو اُن کو حق حاصل ہے کہ وہ اُن مکانات کے مالک سے اس خرچ کو وصول کرلیں۔ (درمختار)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۴] مُزکی کا زکوٰۃ لینے والے آدمی کی دعوت قبول کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۱۳۸۲-سوال: احمد نامی شخص نے زید کو زکوٰۃ دی، زید نے زکوٰۃ کے مال پر قبضہ کرنے کے بعد اُسی رقم سے احمد کی دعوت کی، تو احمد کے لیے اُس دعوت کو قبول کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامدًا ومصلّیا:

احمد کے لیے دعوت کھانا جائز ہے، زید کو زکوٰۃ دی؛ اِس لیے زید اُس کا مالک بن گیا، مالک بننے کے بعد اس کو اختیار ہے کہ کسی مال دار کو یا خود زکوٰۃ دینے والے کو بخشش دے یا ان کی دعوت کرے، اس کی وجہ سے ادائیگی زکاۃ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، زکاۃ ادا ہوجائے گی۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو کھانے کے لیے روٹی اور کوئی معمولی سالن پیش کیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: چولہے پر کیا ہے؟ جواب دیا کہ صدقہ کا گوشت ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تیرے لیے صدقہ ہے اور تم مجھے دوگی، تو میرے لیے ہدیہ ہوگا“۔[۲]

---

[۱] (وعمارة الدار) المستأجرة (وتطيينها وإصلاح الميزاب وما كان من البناء على رب الدار) وكذا كل ما يخل بالسكنى... (وإصلاح بئر الماء والبالوعة والمخرج على صاحب الدار) لكن (بلا جبر عليه)؛ لأنه لا يجبر على إصلاح ملكه (فإن فعله المستأجر فهو متبرع). (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۸۰-۷۹، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: كان في بريرة ثلاث سنن: عتقت فخيرت، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الولاء لمن أعتق، ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبرمة على النار، فقرب إليه خبز وأدم من أدم البيت، فقال: ألم أر البرمة، فقيل: لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: هو عليها صدقة، ولنا هدية. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۶۳، رقم الحديث: ۵۰۹۷، كتاب النكاح، باب الحرة تحت العبد، ط: ديوبند، و انظر رقم: ۱۴۹۳، كتاب الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۹۴، رقم الحديث: ۸-۱۱ (۱۵۰۴)، كتاب العتق، باب إنما الولاء لمن أعتق، ط: ديوبند) =

اِس سے معلوم ہوا کہ مالک بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں؛ اس لیے احمد کے لیے بھی دعوت کھانا جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۳] روزانہ کے منافع پر زکاۃ ادا کرنا کافی ہے؟

[۶۴] پیشگی زکاۃ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۸۴، ۱۳۸۳-سوال: ایک تاجر کو اُس کی روزانہ کی تجارت میں جتنا منافع ہوتا ہے، اُس کے مطابق ایک کوچہ (افریقی کرنسی) پر ایک انگوہ نکالتا ہے، تو اُس کی زکوۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

اِس کا کہنا ہے کہ میرے کل مال میں جو زکوۃ واجب ہوتی ہے، اُس سے زائد رقم زکوۃ کے طور پر میں اس طرح نکال دیتا ہوں۔

حولانِ حول سے قبل کوئی زکوۃ ادا کرے، تو ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلّیا:

تجارت کا جو مال بہ طورِ سرمایہ ہو اور سال میں جو نفع ہوا ہو، اُن تمام کا چالیسواں حصہ مستحقِ زکوۃ کو بہ نیتِ زکوۃ ادا کرنے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی، خواہ روزانہ نکالے یا ہفتہ میں یا مہینہ میں یا سال میں؛ بہ ہر صورت زکاۃ ادا ہو جائے گی۔[2]

= (فقال -صلی اللہ علیہ وسلم-: "ألم أر برمة فيها لحم") الاستفهام للتقرير (قالوا: بلى، ولكن ذلك لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: "هو") أي اللحم "عليها" أي على بريرة (صدقة ولنا هدية) قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء، ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح -علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۴/ ۱۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر -بيروت)

(۱) ... أن تبدل الملك كتبدل العين. (البحر الرائق: ۲/ ۲۶۴، كتاب الزكاة، باب دفع الزكاة إلى الأب والجد أو الولد وولد، ط: دار الكتاب الإسلامي -بيروت)

الفقير إذا أباح للغني عين ما أخذ من الزكاة من الطعام، هل يحل له التناول؟ قال بعض المشائخ: يحل، وإليه مال شيخ الإسلام، الفقير إذا أيسر والصدقات التي أخذها قائمة في يده لا بأس بأن يتناول منها. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۱۹۹، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) تجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم، وفي كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال ... ثم في كل أربعين=

ایک کوچے کے کتنے انگوے ہوتے ہیں؟ اگر چالیس انگوے ہوتے ہیں، تو ایک انگوہ چالیسواں حصہ ہوگا، اگر کل مال یعنی اصل سرمایہ اور منافع کا چالیسواں حصہ اس طرح [فی کوچہ ایک انگوہ] ادا کر دے، تو دکان کے کل مال کی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

اگر اس کے پاس اس کے علاوہ بھی مال ہو، تو اس کی ادائیگی بھی لازم ہے، الغرض قابل زکاۃ اموال کا چالیسواں حصہ ادا کرنا لازم ہے۔

حولان حول سے قبل کوئی زکاۃ ادا کرے، تو ادا ہو جائے گی، شرط یہ ہے کہ وہ صاحب نصاب ہو۔ (۲)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= درهما درهم. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۸-۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، ط: دار الفكر - بيروت)

وأما مقدار الواجب فيه فربع العشر بحديث عمرو بن حزم وحديث علي - رضي الله عنهما - لأن نصف مثقال من عشرين مثقالا ربع عشره. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۸-۱۹، كتاب الزكاة، فصل مقدار الواجب في زكاة الذهب، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) ويجوز تعجيل الزكاة بعد ملك النصاب، ولا يجوز قبله كذا في الخلاصة. وإنما يجوز التعجيل بثلاثة شروط، أحدها: أن يكون الحول منعقدا عليه وقت التعجيل. والثاني أن يكون النصاب الذي أدى عنه كاملا في آخر الحول. والثالث أن لا يفوت أصله فيما بين ذلك فإذا كان له النصاب من الذهب أو الفضة أو أموال التجارة أقل من المائتين فعجل الزكاة ثم كمل النصاب أو كانت له مائتا درهم أو عروض للتجارة قيمتها مائتا درهم فتصدق بالخمسة عن الزكاة وانتقص النصاب حتى حال عليه الحول والنصاب ناقص أو كان النصاب كاملا وقت التعجيل ثم هلك جميع المال صار ما عجل به تطوعا هكذا في شرح الطحاوي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۶، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، قبيل الباب الثاني، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۵۰)

نوٹ: کیا پیشگی اداءِ زکاۃ کی صحت کے لیے، بوقت تعجیل سال کا گذرنا ضروری ہے؟ یعنی ایک شخص ۱۴۱۵ھ کے ماہِ محرم میں پہلی مرتبہ صاحب نصاب بنا، اور ۱۴۱۶ھ کے ماہِ محرم میں اس نے ۱۴۱۵ھ کی [سال گذشتہ کی] زکاۃ اور ۱۴۱۶ھ کی پیشگی زکاۃ ادا کر دی، تو جائز ہے؛ لیکن اگر وہی شخص ۱۴۱۵ھ کے ماہِ صفر میں ہی - جب کہ پہلی مرتبہ صاحب نصاب ہوا ہے - پیشگی زکاۃ ادا کر رہا ہے، تو جائز ہے یا نہیں، عالم گیری کی خط کشیدہ عبارت کی روشنی میں عدم جواز مترشح ہوتا ہے، اور یہی مالکیہ کا مسلک ہے؛ کیوں کہ وقت تعجیل [پیشگی زکاۃ کی ادائیگی کے وقت] حولان حول کا تحقق نہیں ہوا ہے، اور حولان حول کے بغیر وجوب متحقق نہیں ہوتا، اور بلا وجوب ادائیگی معتبر نہیں۔

جب کہ بدائع کی عبارت سے جواز معلوم ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ وجوب زکاۃ کے لیے حولان حول شرط نہیں؛ بل =

[۶۵] مقدارِ واجب سے زیادہ رقم دے دی ہو، تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

گذشتہ سے پیوستہ

۱۳۸۵-سوال: اس شخص کا کہنا ہے کہ سال کے آخر میں دو لاکھ کے مال کا حساب کیا، حالاں کہ جو رقم ہم نے بہ نیت زکاۃ، یومیہ نکالی ہے، وہ مقدار واجب سے زائد ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں ہماری زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ یا پھر پورے سال کا حساب کرنے کے بعد زکوٰۃ نکالی جائے، تب ہی زکاۃ ادا ہوگی؟ اور ایک ساتھ زکاۃ کی پوری رقم کا نکالنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک ساتھ ادا کرے، یا متفرق طور پر، اگر کل مال کا چالیسواں حصہ یا اُس سے زائد بہ نیت زکاۃ مستحق کو مالک بنادے، تو ذمہ داری سے بری ہو جائے گا، اور اگر چالیسویں حصے سے کم کی ادائیگی

= کہ نصاب کے بہ قدر مال کا موجود ہونا کافی ہے، اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وجوب زکاۃ کا سبب حولان حول ہے، تب بھی سبب وجوب کے پائے جانے کے بعد، وجوب سے قبل عبادت کی ادائیگی درست ہے، تفصیلی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وأما حولان الحول فليس من شرائط جواز أداء الزكاة عند عامة العلماء، وعند مالك من شرائط الجواز فيجوز تعجيل الزكاة عند عامة العلماء خلافا لمالك والكلام في التعجيل في مواضع في بيان أصل الجواز وفي بيان شرائطه وفي بيان حكم المعجل إذا لم يقع زكاة.________ أما الأول فهو على الاختلاف الذي ذكرنا وجه قول مالك أن أداء الزكاة أداء الواجب، وأداء الواجب ولا وجوب لا يتحقق، ولا وجوب قبل الحول، لقول النبي - صلى الله عليه وسلم - لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول «, ولنا ما روي »أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - استسلف من العباس زكاة سنتين « وأدنى درجات فعل النبي - صلى الله عليه وسلم - الجواز.________ وأما قوله إن أداء الزكاة أداء الواجب ولا وجوب قبل حولان الحول فالجواب عنه من وجهين أحدهما ممنوع أنه لا وجوب قبل حولان الحول بل الوجوب ثابت قبله لوجود سبب الوجوب وهو ملك نصاب كامل نام أو فاضل عن الحاجة الأصلية لحصول الغنى به ولوجوب شكر نعمة المال على ما بينا فيما تقدم... الثاني إن سلمنا أنه لا وجوب قبل الحول لكن سبب الوجوب موجود وهو ملك النصاب ويجوز أداء العبادة قبل الوجوب بعد وجود سبب الوجوب كأداء الكفارة بعد الجرح قبل الموت... الخ. (بدائع الصنائع: ۲/۵۱-۵۰، كتاب الزكاة، فصل حولان الحول هل هو من شرائط أداء الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

صورت مسئولہ میں اگر پہلی مرتبہ نصاب کا مالک ہوا ہو، تو اختلاف سے بچنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ پیشگی زکاۃ ادا نہ کرے، تاہم اگر کسی نے پیشگی ادا کردی، تو زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

ہو رہی ہے، تو ذمہ داری باقی رہے گی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۲۶] غریب شوہر کا زکوۃ کے پیسوں سے اپنی مال دار بیوی کا علاج کروانا

۱۳۸۶-سوال: بیوی صاحب نصاب ہو اور اس کا شوہر زکوۃ کا مستحق ہو، تو شوہر کے ذمہ بیوی کا علاج واجب ہونے کی وجہ سے شوہر زکوۃ کے پیسے مانگ کر اپنی بیوی کا علاج کرواسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر پر بیوی کا علاج کرانا واجب نہیں ہے،[2] عورت زکوۃ کے نصاب کی مالک ہو، اس کے باوجود شوہر اگر مستحق زکوۃ ہو، تو شوہر دوسرے کے پاس سے زکوۃ کے پیسے وصول کر کے اپنی مال دار بیوی کا علاج کرواسکتا ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) فإن أدى ربع عشر النصاب يجوز كيفما كان؛ لأنه أدى ما وجب عليه. (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى، ط: دار الكتب العلمية)

سوال سابق کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ولا يجب الدواء للمرض، ولا أجرة الطبيب، ولا الفصد، ولا الحجامة، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۴۹، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۵۷۵، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير، ط: دار الفكر - بيروت)

[۳] عن عائشة رضي الله عنها، أنها أرادت أن تشتري بريرة للعتق، وأراد مواليها أن يشترطوا ولاءها، فذكرت عائشة للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم: اشتريها فإنما الولاء لمن أعتق، قالت: وأتي النبي صلى الله عليه وسلم بلحم، فقلت: هذا ما تصدق به على بريرة، فقال: هو لها صدقة، ولنا هدية. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۰۲، رقم الحديث: ۱۴۹۳، كتاب الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم، ط: البدر - ديوبند)

إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه وصار له كسائر ما يملكه ويستكسبه، فله أن يهدي به غيره كما له أن يهدي سائر أمواله بلا فرق. (شرح الطيبي - شرف الدين الحسين بن عبد الله بن محمد الطيبي (م: ۷۴۳هـ): ۵/ ۱۵۰۴، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة - الرياض)

[۶۷] زکوۃ کے وکیل کا زکوۃ کی رقم میں حیلہ کرنا

۱۳۸۷- سوال: زید نے بکر کو کچھ روپے دیے، یا کوئی چیز مثلاً: کپڑا وغیرہ دیا اور کہا کہ حیلہ کر کے غریبوں میں تقسیم کر دینا، بکر کہتا ہے کہ میں چوں کہ خود ہی مستحق زکوۃ ہوں؛ لہٰذا دوسروں سے حیلہ کرانے کے بجائے، میں خود اس کا مالک بن کر غریبوں میں تقسیم کر دیتا ہوں، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مؤکل نے غریبوں میں تقسیم کرنے کی اجازت دی ہے، تو اسے غرباء میں تقسیم کر دے، حیلہ کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ غرباء و مساکین مستحقین زکاۃ ہیں۔

اگر وکیل مستحق زکوۃ ہے، تو اس کو چاہیے کہ مؤکل سے اس مجلس میں ملکیت حاصل کر لے، ورنہ وکیل بننے کے بعد خود اسے حیلہ کر کے لینا (مالک بن جانا) جائز نہ ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وللوكيل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه إلا إذا قال ربها: ضعها حيث شئت. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: وهذا حيث لم يأمره بالدفع إلى معين. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِی الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِیۡنَ وَفِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ؕ فَرِیۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶۰﴾.

(۹-التوبۃ:۶۰)

باب مصارف الزکاۃ

[مصارف زکاۃ کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب مصارف الزکاة

[زکاۃ کے مصارف کا بیان]

[۱] زکوۃ میں حیلہ کر کے موذن واساتذہ کے مکانات بنانا

۱۳۸۸- سوال: زکوۃ کے پیسوں میں حیلہ کر کے موذن یا اساتذہ کی رہائش گاہ کا انتظام کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ المستفتی: رفاہی منجیم

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک ضروری ہے، مستحق کو مالک بنائے بغیر زکوۃ ادا نہ ہوگی، لہٰذا زکوۃ کی رقم سے موذن اور اساتذہ کے مکانات بنانا جائز نہیں کہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے، ہاں مکان بنا کر موذن اور اساتذہ کو- جب کہ وہ مستحق زکوۃ ہوں- مالکانہ حیثیت سے دے دیا جائے، تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ [1]

---

(۱) ویشترط أن یکون الصرف (تملیکا) لا إباحة کمامر (لا) یصرف (إلی بناء) نحو (مسجد و) لا إلی (کفن میت وقضاء دینه). (الدر المختار مع الرد: ۲/ ۳۴۴، کتاب الزکاة، باب المصرف، ط: دار الفکر - بیروت☆تبیین الحقائق: ۲/ ۱۸، أول کتاب الزکاة، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت)

ولا یصرف في بناء مسجد، وقنطرة، ولا یقضي بها دین میت، ولا یعتق عبداً، ولا یکفن میتا. (المحیط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ٦١٦هـ): ۲/ ۲۸۲، کتاب الزکاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن یوضع فیه الزکاة، ت: عبدالکریم سامي الجندي، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت☆الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۸۸، کتاب الزکاة، الباب السابع في المصارف، ط: زکریا - دیوبند☆ الفتاوی التاتار خانیة: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، کتاب الزکاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فیه الزکاة، ط: زکریا - دیوبند)

یاد رہے کہ زکوٰۃ غریبوں کا حق ہے۔[۲] لہٰذا تنظیم کی انتظامیہ کو چاہیے کہ محنت کر کے لوگوں سے للہ رقم کا چندہ کریں اور محض للہ رقم سے تنظیم وٹرسٹ کے ذریعے مکانات بنائیں، زکوٰۃ کے پیسوں میں حیلہ کر کے مکانات بنانے میں غرباء کا حق ضائع کرنا ہے، جب مسجد کی تعمیر کے لیے للہ کی رقم، لاکھوں میں ملتی ہے، تو غریبوں کی بازآبادکاری یا اساتذہ، ائمہ ومؤذنین کے مکانات کی تعمیر کے لیے کیوں نہیں ملے گی؟ اس لیے للہ رقم سے مکانات بنائے جائیں، یہی بہتر ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۲) إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾ (۹-التوبۃ:۶۰)

زياد بن الحارث الصدائي، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعته، فذكر حديثا طويلا، قال: فأتاه رجل، فقال: أعطني من الصدقة، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تعالى لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات، حتى حكم فيها هو، فجزأها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۳۰، رقم الحديث: ۱۶۳۰، كتاب الزكاة، باب من يعطي من الصدقة، وحد الغنى، ط: ديوبند)

قوله [تعالى]: إنما الصدقات للفقراء الآية... تدل على أنه لا حق في الصدقات لأحد إلا لهذه الأصناف الثمانية، وذلك مجمع عليه، وأيضا فلفظة (إنما) تفيد الحصر ويدل عليه وجوه. (مفاتيح الغيب = التفسير الكبير - أبو عبد الله محمد بن عمر، التيمي الرازي الملقب بـ'فخر الدين الرازي' خطيب الري (م:۶۰۶هـ):۱۶/ ۸۰، سورة التوبة: ۹، آية:۶۰، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

ثم بين مواضعها التي توضع فيها فقال {إِنَّمَا الصدقات لِلْفُقَرَاءِ والمساكين} قصر جنس الصدقات على الأصناف المعدودة أي هي مختصة بهم لا تتجاوز إلى غيرهم كأنه قيل إنما هي لهم لا لغيرهم كقولك إنما الخلافة لقريش تريد لا تتعداهم ولا تكون لغيرهم. (تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل) - أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي (م:۷۱۰هـ):۱/ ۶۸۸، سورة التوبة:۶۰، ت: يوسف علي بديوي، ط: دار الكلم الطيب - بيروت ☆ جامع البيان في تأويل القرآن - محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (م:۳۱۰هـ): ۱۴/ ۳۰۵، سورة التوبة:۶۰، ت: أحمد محمد شاكر، ط: مؤسسة الرسالة)

(۳) والدليل على جوازه [الحيلة] من الكتاب - قوله تعالى -: {وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث} هذا تعليم المخرج لأيوب - عليه السلام - عن يمينه التي حلف ليضربن زوجته مائة،... وقال - تعالى -: {فلما جهزهم بجهازهم جعل السقاية في رحل أخيه} [يوسف:۷۰] إلى قوله {ثم استخرجها من وعاء أخيه كذلك كدنا ليوسف} [يوسف:۷۶] وذلك منه حيلة، وكان هذا حيلة لإمساك أخيه عنده حينئذ ليوقف إخوته على مقصوده....

وأما السنة فما روي: أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال يوم الأحزاب لعروة بن مسعود في شأن بني قريظة فلعلنا أمرناهم بذلك، فلما قال له عمر - رضي الله عنه - في ذلك قال - عليه السلام -: الحرب خدعة، وكان ذلك منه

[۲] بلا ضرورت حیلہ کرکے زکوۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں

۱۳۸۹-سوال: ایک شخص اپنی زکوۃ کی رقم سے، اپنے رشتہ دار کے علاوہ، کسی دوسرے ایسے آدمی کی مدد کرنا چاہتا ہے، جو فی نفسہ زکوۃ کا مستحق تو نہیں ہے، مگر اس کی مالی حالت کمزور ہے، کیا اس کی کوئی سبیل ہے کہ اس کی مدد بھی ہو جائے اور زکوۃ دینے والے کی زکوۃ بھی ادا ہو جائے؛ جیسا کہ سنا گیا ہے کہ زکوۃ کی رقم کا حیلۂ تملیک کرلیا جائے، تو اس کو غیر مستحق زکوۃ بھی استعمال کر سکتا ہے، کیا بات صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس کا حیلہ کس طرح کیا جائے؟

الجواب حامداو مصلیا:

زکوۃ کی رقم اس کے مستحق کو ملنی چاہیے، جب مذکورہ آدمی زکوۃ کا مستحق ہی نہیں ہے، تو اس کے لیے خواہ مخواہ حیلہ کرنا بہتر نہیں ہے۔ ''حیلہ'' ضرورت کے درجے میں تو جائز ہے، مثلاً: مسجد و مدرسے کی تعمیرات کے لیے زکوۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں، مگر دوسری جانب صورت حال یہ ہے کہ مسجد و مدرسے کے لیے مکان کی

اكتساب حيلة ومخرج من الإثم بتقييد الكلام بلعل . . . وهذا تعليم الحيلة والآثار فيه كثيرة، من تأمل أحكام الشرع وجد المعاملات كلها . . . فالحاصل: أن ما يتخلص به الرجل من الحرام أو يتوصل به إلى الحلال من الحيل فهو حسن، وإنما يكره ذلك أن يحتال في حق لرجل حتى يبطله أو في باطل حتى يموهه أو في حق حتى يدخل فيه شبهة فما كان على هذا السبيل فهو مكروه، وما كان على السبيل الذي قلنا أولا فلا بأس به. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۳۰/ ۲۱۰-۲۱۱، كتاب الحيل، ط: دار المعرفة-بيروت)

مذهب علمائنا - رحمهم الله تعالى - أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة، والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى {وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث} [ص: ۴۴] وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي - عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام - عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۶/ ۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل، ط: دار الفكر)

استاذ گرامی، آفتاب فقہ، دار العلوم دیوبند کے عظیم مفتی، حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی-رحمہ اللہ- اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ زکوۃ کے مصارف متعین ہیں، حیلہ کے بعد جو اصل مستحق ہیں، وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۱۹۹، حاشیہ نمبر: ۲، مسائل مصارف زکاۃ، حیلہ کے ذریعے زکاۃ کی رقم تبلیغ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ ط: زکریا-دیوبند) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

سخت ضرورت ہے، مدد دینے والا کوئی نہیں ہے، تو ایسے نازک حالات میں حیلۂ تملیک کرکے اس رقم کو مذکورہ کاموں کے لیے استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] کسی دین دار محتاج شخص کی مدد کے لیے زکوٰۃ کی رقم میں حیلہ کرنا

۱۳۹۰- سوال: زید ہر سال اپنی زکوٰۃ ادا کرتا ہے، بکر ایک دین دار، دین کی فکر رکھنے والا اور دین کی خدمت کرنے والا، محتاج آدمی ہے، اُس کا مکان بہت زیادہ بوسیدہ ہو چکا ہے اور اس وجہ سے اُس میں مرمت کے لیے زید زکوٰۃ کی رقم کے ذریعہ مدد کرنا چاہتا ہے، اور یہ رقم بکر تک پہنچانے کے لیے وہ عمرو نامی غریب آدمی کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا کر اُس سے کہے کہ تو یہ رقم بکر کو بہ طورِ ہدیہ بکر کو دے دے، اور عمرو بھی اُسے بہ خوشی دینے کے لیے تیار ہے، تو اس طرح کا حیلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً...

اگر اس طرح دین کے خدمت گذار محتاج شخص کو مکان کی مرمت کی ضرورت ہے، تو مذکورہ حیلہ کے ذریعے اُس کی اِمداد کی گنجائش ہے۔ (درمختار)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] زکوٰۃ وصدقہ کی رقم سے طلبہ کی فیس ادا کرنا

۱۳۹۱- سوال: غریب طلبہ- جو فیس بھرنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں- کو صدقہ اور کفارہ وغیرہ کی رقوم دی جائیں، پھر وہ ناظم صاحب کو فیس کے طور پر ادا کردیں، تو اس طرح صدقہ و کفارہ ادا ہو جائے

---

(۱) مذهب علمائنا - رحمهم الله تعالى - أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة، والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى {وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث} وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي - عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام - عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۶/ ۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل کے لیے "زکوٰۃ میں حیلہ کرکے موذن واساتذہ کے مکانات بنانا" کا حاشیہ نمبر (۳) دیکھیں۔

[۲] ... الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ غریب طلبہ کو وہ رقم دے دیں اور ان کو اس کا مالک بنادیں۔[1] پھر چاہے وہ اس رقم سے فیس ادا کریں، کتابیں خریدیں، کرایہ میں استعمال کریں، اپنے اساتذہ کو ہدیہ دیں یا ان کو دعوت کھلائیں؛ سب جائز ہے، اس سے کوئی فرق نہ آئے گا، صدقۂ واجبہ: زکوٰۃ، کفارہ وغیرہ بلا شبہ ادا ہو جائے گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] صاحب نصاب کو زکوٰۃ دینا

۱۳۹۲- سوال: ایک شخص کے پاس آٹھ تولہ سونا ہے- جو اس کے رشتہ داروں نے اس کی شادی کے موقع پر دیا تھا- لیکن اس کی تنخواہ بہت مختصر ہے، زکوٰۃ ادا کرنے کی اس کے پاس استطاعت نہیں ہے، تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کے پیسے دے سکتے ہیں؟ نیز ایسے شخص کی بیوی کو زکاۃ کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا، یا اس سے زائد ہو، اور وہ حاجتِ اصلیّہ سے فارغ ہو،

---

(۱) (هي) لغة الطهارة والنماء، وشرعا (تمليك) خرج الإباحة، فلو أطعم يتيما ناويا الزكاة لا يجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كمالو كساه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۵۶-۲۵۷، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: كان في بريرة ثلاث سنن: عتقت فخيرت، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الولاء لمن أعتق، ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبرمة على النار، فقرب إليه خبز وأدم من أدم البيت، فقال: ألم أر البرمة، فقيل: لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: هو عليها صدقة، ولنا هدية. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۶۳، رقم الحديث: ۵۰۹۷، كتاب النكاح، باب الحرة تحت العبد، ط: ديوبند، وانظر رقم: ۱۴۹۳، كتاب الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم ☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۹۴، رقم الحديث: ۸-۱۱ (۱۵۰۴)، كتاب العتق، باب إنما الولاء لمن أعتق، ط: ديوبند)

(فقال - صلى الله عليه وسلم -: "ألم أر برمة فيها لحم") الاستفهام للتقرير (قالوا: بلى، ولكن ذلك لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: "هو") أي اللحم "عليها" أي على بريرة (صدقة ولنا هدية) قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۴/ ۱۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر- بيروت)

اس کے ذمہ کوئی قرض نہ ہو، تو وہ شرعاً مال دار ہے، جس کو زکوۃ کی رقم دینا جائز نہیں، اور نہ ہی اس کے لیے لینا جائز ہے۔[1] وہ خود نصاب کا مالک ہے، اگر اس کے مال [سونا] پر حولان حول ہو [سال گذر جائے] تو اس کے لیے زکوۃ ادا کرنا فرض ہے۔[2] البتہ اگر اس کی بیوی کے پاس نصاب کے بہ قدر سونا وغیرہ نہ ہو، تو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] بینک میں جمع کردہ زکوۃ پر ملنے والے سود کا حکم

۱۳۹۳- سوال: ہمارے یہاں بارڈولی میں ''دی مسلم اسٹوڈنٹس یونین، بارڈولی'' نام کا ایک ادارہ ہے، جو تقریباً ۳۳؍سال سے اپنی خدمت انجام دے رہا ہے، اس میں زکوۃ کے روپے کثرت سے آتے ہیں، اس ''زکوۃ فنڈ'' کو بینک میں رکھنے کی وجہ سے اس پر ہر سال سود بڑھتا رہتا ہے، تو اس سود کی رقم- جو کہ ایک خطیر رقم ہے- کو کہاں استعمال کرنا چاہیے؟ واضح رہے کہ ہمارا یہ ادارہ غریب اور بیوہ کی کفالت کرتا ہے، اسی طرح اسکول و مدرسہ کے طلبہ کی تعلیمی وداخلہ فیس اور ان کی کتابوں وغیرہ کا انتظام کرتا ہے اور ان کی ہر طرح سے امداد کرتا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ مذکور سود کی رقم مذکورہ مصارف ہی میں استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر اس کی اجازت نہیں ہے، تو پھر اس کا مصرف کیا ہے؟ سال رواں کی زکوۃ اور مذکورہ [سود کی] کچھ جمع رقم اور اس پر ملنے والا سود کافی مقدار میں ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے ''ٹرسٹ قانون'' کے تحت کچھ رقم کے ضبط ہو جانے کا اندیشہ بھی ہے، اس لیے اس سلسلے میں رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زکوۃ کی رقم کا ایک مصرف دینی ودنیوی تعلیم حاصل کرنے والے غریب طلبہ ہیں، ان کی ماہانہ وداخلہ

---

(۱) (و) لا إلى (غني) يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۷، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) "الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ) : ۱/ ۱۸۵، أول كتاب الزكاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی- دیوبند)

(۳) ويدفع إلى إمرأة غني إذا كانت فقيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند)

فیس، اسی طرح ان کی کتابیں، کپڑے، جوتے چپل، چھتری وغیرہ؛ ضروری چیزیں خرید کر ان کو اس کا مالک بنادیا جائے، یا نقد رقم ہی دے دی جائے، جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کرسکیں، تو زکوۃ ادا ہوجائے گی۔[۱]

سود کی رقم بھی اس مصرف میں استعمال کرسکتے ہیں؛ لیکن اس میں ثواب کی نیت درست نہیں، بغیر ثواب کی نیت کے منتظمین، مذکورہ مصرف میں خرچ کردیں، تو اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوجائیں گے۔[۲]

---

(۱) (هي) ... (تمليك) خرج الإباحة، ... (جزء مال) خرج المنفعة، ... (عينه الشارع) وهو ربع عشر نصاب حولي خرج النافلة والفطرة (من مسلم فقير) ولو معتوها (غير هاشمي ولا مولاه) أي معتقه، وهذا معنى قول الكنز تمليك المال: أي المعهود إخراجه شرعا (مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه) ... (لله تعالى). [الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۵۶-۲۵۸، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

... أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية إلى ما لا بد منه. (الدر المختار) ـــــــ وفي حاشية ابن عابدين: وفي المبسوط: لا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا إلا إلى طالب العلم والغازي ومنقطع الحج لقوله - عليه الصلاة والسلام -: يجوز دفع الزكاة لطالب العلم وإن كان له نفقة أربعين سنة. اهـ. ... والمعنى أن الإنسان يحتاج إلى أشياء لا غنى عنها فحينئذ إذا لم يجز له قبول للزكاة مع عدم اكتسابه أنفق ما عنده ومكث محتاجا فينقطع عن الإفادة والاستفادة فيضعف الدين لعدم من يتحمله... قلت: وهو كذلك. والأوجه تقييده بالفقير، ويكون طلب العلم مرخصا لجواز سؤاله من الزكاة وغيرها وإن كان قادرا على الكسب إذ بدونه لا يحل له السؤال كما سيأتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۴۰، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت☆البحر الرائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة، قبيل: باب صدقة الفطر، ط: دار الكتاب الإسلامي☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/۲۲۰، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، ط: دار إحياء التراث العربي☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ)، ص: ۷۲۰، كتاب الزكاة، باب المصرف، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، ط: دار الفكر - بيروت)

وعلى هذا لو مات مسلم وترك ثمن خمر باعه مسلم لا يحل لورثته كما بسطه الزيلعي. (الدر المختار) ـــــــ وفي حاشية ابن عابدين (م: ۱۲۵۲هـ): وقال في النهاية: قال بعض مشايخنا: كسب المغنية كالمغصوب لم يحل أخذه، وعلى هذا قالوا لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة يتورع الورثة، ولا يأخذون منه=

اگر منتظمین اس سلسلہ میں فوری کاروائی نہ کریں اور ان کی سستی کی وجہ سے ادارہ کا کوئی نقصان ہو، تو وہ ذمہ دار و گنہ گار ہوں گے۔ فرزندانِ قوم محتاج تھے، اس کے باوجود ان پر رقم خرچ نہیں کی گئی، یہاں تک کہ رقم کے ضبط ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا، یہ کارکنان کی لاپرواہی کو ظاہر کرتا ہے؛ اس لیے لازم ہے کہ کارکنان اپنی غلطی کی اصلاح کریں اور رقم نکال کر فوراً خرچ کریں، تاکہ رقم ضبط نہ ہو۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] زکوۃ اور سود کی رقم اپنی بہنوں کو دینا

۱۳۹۴-سوال: زید مال دار آدمی ہے، وہ اپنی بالغ غریب بہنوں کو اپنی زکوۃ اور سود کے پیسے ثواب کی نیت کے بغیر دینا چاہے، تو دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر بہنیں اپنے والدین کے ساتھ رہتی ہوں،

= شيئا وهو أولى بهم ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ٦/ ٣٨٥، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر-بيروت)

(٣) عن الحسن، أن عبيد الله بن زياد، عاد معقل بن يسار في مرضه الذي مات فيه، فقال له معقل إني محدثك حديثا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم، سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: ما من عبد استرعاه الله رعية، فلم يحطها بنصيحة، إلا لم يجد رائحة الجنة. (صحيح البخاري: ٢/ ١٠٥٨، رقم الحديث: ٧١٥٠، كتاب الأحكام، باب من استرعي رعية فلم ينصح، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ١/ ٨١، رقم الحديث: ٢٢٧-(١٤٢)، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، ط: ديوبند)

عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: يقول [رسول الله صلى الله عليه وسلم] في بيتي هذا: اللهم، من ولي من أمر أمتي شيئا فشق عليهم، فاشقق عليه، ومن ولي من أمر أمتي شيئا فرفق بهم، فارفق به. (الصحيح لمسلم: ٢/ ٢٢-١٢١، رقم الحديث: ١٩-(١٨٢٨)، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل، وعقوبة الجائر، والحث على الرفق بالرعية، والنهي عن إدخال المشقة عليهم، ط: ديوبند)

عن عبد الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول، فالإمام راع وهو مسئول، والرجل راع على أهله وهو مسئول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول. (صحيح البخاري: ٢/ ٧٧٩، رقم الحديث: ٥١٨٨، كتاب النكاح، باب: قوا أنفسكم وأهليكم نارا، ط: البدر- ديوبند☆الصحيح لمسلم: ٢/ ١٢٢، رقم الحديث: ٢٠-(١٨٢٩)، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل، وعقوبة الجائر، والحث على الرفق بالرعية، والنهي عن إدخال المشقة عليهم، ط: ديوبند)

والدین غریب ہوں اور اپنا خرچ نہ اٹھا سکتے ہوں، تب بھی ان [بہنوں] کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی غریب بہن کو زکوٰۃ اور [ثواب کی نیت کے بغیر] سود کی رقم دینا جائز ہے۔[1] البتہ غریب بہن کو زکوٰۃ دے کر اپنے غریب والدین پر خرچ کرنے کے لیے بہن کو حیلہ کے طور پر استعمال کرنا مکروہ ہے۔ (شامی: ۲/۸۷)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] اپنی محتاج اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

۱۳۹۵- سوال: اگر اولاد محتاج ہو، شادی شدہ ہو اور علاحدہ رہتی ہو، تو انھیں باپ زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ میری لڑکی کی شادی ہو چکی ہے، داماد تنگ دست ہے، تو کیا میں اسے زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی اولاد کو خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، ہاں، البتہ اگر داماد محتاج ہے، تو اُسے دینا جائز ہے، لہٰذا زکوٰۃ کا مالک داماد کو بنائے، نہ کہ اپنی بیٹی کو۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قالوا: الأفضل صرف الصدقة إلى أخواته ذكوراً أو إناثاً. (مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، ط: فقيه الأمة- ديوبند)

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) [فرع] يكره أن يحتال في صرف الزكاة إلى والديه المعسرين بأن تصدق بها على فقير ثم صرفها الفقير إليهما كما في القنية. ـــــــ قال في شرح الوهبانية وهي شهيرة مذكورة في غالب الكتب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۴۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) (ولا) إلى (من بينهما ولاد) ولو مملوكا لفقير. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: وإلى من بينهما ولاد) أي بينه وبين المدفوع إليه؛ لأن منافع الأملاك بينهم متصلة فلا يتحقق التمليك على الكمال هداية والولاد بالكسر مصدر ولدت المرأة ولادة وولادا مغرب أي أصله وإن علا كأبويه وأجداده وجداته من قبلهما وفرعه وإن سفل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۴۶، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر-بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱/۳۳۱، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصارف، ط: فقيه الأمة، ديوبند ☆ النهر الفائق: ۱/۳۶۳، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الإيمان- سهارنپور) =

[۹] صاحبِ استطاعت باپ کی بالغ اولاد زکوۃ کی حق دار ہے یا نہیں؟

۱۳۹۶- سوال: ایک بالغ طالبِ علم کے والد کے پاس کرایہ پر دی جانے والی ایک ٹیکسی، رہنے کے مکان کے علاوہ ایک زائد مکان اور بینک میں ساٹھ ہزار روپئے نقد موجود ہیں، ان میں سے کوئی چیز اس بالغ طالبِ علم کے نام پر دستاویز میں درج نہیں ہے، تو کیا یہ طالبِ علم زکوۃ، صدقہ یا فطرہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر لے تو اُس میں کوئی کراہت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاحبِ استطاعت شخص کی بالغ کی اولاد اگر خود صاحبِ نصاب نہیں ہے تو وہ زکوٰہ کے مصارف میں شامل ہے، اُن کو زکوۃ دینا جائز ہے، اگر چہ یہ اولاد اپنے والدین کے ساتھ رہتی ہو، اُس میں کوئی کراہت نہیں۔ (درمختار مع شامی)[۲]

= (قال) : ولا يعطي زكاته وعشره ولده وولد ولده وأبويه وأجداده وكل من ينسب إلى المؤدي بالولادة، أو ينسب إليه بالولادة، ولا يجوز صرف الزكاة إليه؛ لأن تمام الإيتاء بانقطاع منفعة المؤدي عما أدى والمنافع بين الآباء والأبناء متصلة. قال الله تعالى: {آباؤكم وأبناؤكم لا تدرون أيهم أقرب لكم نفعاً فريضة} [النساء:١١] فلم يتم الإيتاء بالصرف إليهم. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ٤٨٣هـ): ٣/١١، كتاب الزكاة، باب عشر الأرضين، ط: دار المعرفة- بيروت)

ويجوز دفعها لزوجة أبيه وابنه وزوج ابنته تتارخانية. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/٣٤٦، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر- بيروت)

[٢] (و) لا إلى (طفله) بخلاف ولده الكبير. (الدر المختار)ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: ولا إلى طفله) أي الغني فيصرف إلى البالغ ولو ذكرا صحيحا قهستاني، فأفاد أن المراد بالطفل غير البالغ ذكرا كان أو أنثى في عيال أبيه أو لا على الأصح لما عنده أنه يعد غنيا بغناه نهر (قوله: بخلاف ولده الكبير) أي البالغ كما مر. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/٣٤٩-٥٠، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر)

وأما ولد الغني فإن كان صغيرا لم يجز الدفع إليه وإن كان فقيرا لا مال له؛ لأن الولد الصغير يعد غنيا بغنى أبيه وإن كان كبيرا فقيرا يجوز؛ لأنه لا يعد غنيا بمال أبيه فكان كالأجنبي. (بدائع الصنائع: ٢/٤٧، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

لیکن اگر باپ تمام ضروریات کا کفیل بنا ہوا ہے، اور کسی بھی چیز کی تنگی محسوس نہیں ہونے دیتا، تو ایسی اولاد کے لیے زکوٰۃ سے بچنا اولیٰ اور برکت کا باعث ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] زکوٰۃ کھانے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا

۱۳۹۷- سوال: پیش امام زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور زکوٰۃ کھانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام مستحق ہے، تو وہ زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر لے سکتا ہے، جائز ہے۔[1]

مستحق زکاۃ، اگر زکاۃ لیتا ہو، تو اس کی امامت سے نماز میں کوئی کراہیت نہیں آتی، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی، بس شرط یہ ہے کہ وہ اس میں امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہ مرتکب کبیرہ نہ ہو اور صغیرہ پر مصر نہ ہو۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن أبي كبشة السلولي، قال: حدثني سهل بن الحنظلية، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول "من سأل الناس عن ظهر غنى، فإنما يستكثر من جمر جهنم. قلت: يا رسول الله، وما ظهر غنى؟ قال أن يعلم أن عند أهله ما يغديهم، أو ما يعشيهم". (شرح معاني الآثار - أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (م: ۳۲۱ھ): ۲/ ۲۰، رقم الحديث: ۳۰۲۶، كتاب الزكاة، باب ذي المرة السوي الفقير هل يحل له الصدقة أم لا؟، ت: محمد زهري النجار، محمد سيد جاد الحق، و د. يوسف عبد الرحمن المرعشلي، ط: عالم الكتب)

(۲) مصرف الزكاة... (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا - ديوبند☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية☆ تحفة الفقهاء - أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰ھ): ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، =

[۱۱] جس کے ذمے بینک کا قرض ہو، اس کو زکوۃ دینا

۱۳۹۸- سوال: ایک شخص زامبیا میں رہتا ہے، اس کے رشتے دار یہاں ہندوستان میں ہیں، ویسے تو خوش حال ہیں؛ لیکن ان کے ذمہ بینک کا کچھ قرض ہے، تو انہیں اس قرض کی ادائیگی کے لیے وہ شخص زکوۃ کی رقم دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زامبیا میں رہنے والے شخص کے رشتے دار واقعی زکوۃ کے مستحق ہیں، تو ان کو زکوۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔[1] لیکن اگر انہوں نے مثلاً دس ہزار کا قرض لیا ہے اور ان کے پاس زیور یا ضرورت سے زائد اس قدر مال ہے، جو قرض کی ادائیگی کے بعد بھی مقدار نصاب کے برابر ہے، تو ان کو زکوۃ دینا جائز نہیں، ان کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔[2] ہاں اگر ان کے ذمہ ۲۵/ ہزار کا قرض ہے اور زیورات وغیرہ صرف بارہ ہزار کے ہیں، تو ان کو زکوۃ دینا جائز ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل. . . . وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر- بيروت)

والاصرار على ذلك [أي الذنب الصغير] بمنزلة الكبيرة، فيجب الاحتراز عنه. (نور الأنوار، ص: ۱۸۳، باب أقسام السنة، بيان شرط الراوي، ط: مكتبة بلال- ديوبند)

والإصرار على الصغيرة كبيرة. (العناية شرح الهداية- محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي (م: ۷۸۶هـ): ۷/ ۴۲۰، كتاب الشهادات، شهادة أهل الأهواء، ط: دار الفكر ☆ منحة الخالق لابن عابدين على البحر الرائق: ۷/ ۸۶، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۱) مصرف الزكاة. . . (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) (و) لا إلى (غني) يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۷، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر- بيروت)

(۳) (ومنها الغارم)، وهو من لزمه دين، ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه، . . . والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)

[۱۲] زکوۃ کی رقم سے آمد و رفت کا خرچ نکالنا

۱۳۹۹- سوال: زید کا سوال ہے کہ اگر وہ ایک صاحب کی زکوۃ لینے کے لیے بمبئی جائے، تو خرچ اس [زکاۃ کی رقم] میں سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر زکوۃ دینے والا شخص اپنی زکاۃ کی رقم میں سے دے، تو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی رقم 'غریب، بیوہ وغیرہ- جو مستحقِ زکوۃ ہیں- کو دینے سے ہی ادا ہوگی۔[1] صاحب مال کا کسی غریب کو ممبئی بلا کر زکوۃ سے کرایہ ادا کرنا، یا منی آرڈر سے رقم بھیج کر اس کی فیس وضع کرنا، جائز نہیں ہے، اس قدر زکوۃ ذمہ میں باقی رہے گی۔[2] البتہ غریب کو زکوۃ کی رقم دے دے، پھر وہ خواہ کرایہ میں استعمال کرے، یا کسی

---

(۱) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ (۹- التوبۃ: ۶۰)

زياد بن الحارث الصدائي، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعته، فذكر حديثا طويلا، قال: فأتاه رجل، فقال: أعطني من الصدقة، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تعالى لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات، حتى حكم فيها هو، فجزأها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۳۰، رقم الحديث: ۱۶۳۰، كتاب الزكاة، باب من يعطي من الصدقة، وحد الغنى، ط: ديوبند)

قوله [تعالى]: إنما الصدقات للفقراء الآية تدل على أنه لا حق في الصدقات لأحد إلا لهذه الأصناف الثمانية، وذلك مجمع عليه، وأيضا فلفظة (إنما) تفيد الحصر ويدل عليه وجوه. (مفاتيح الغيب = التفسير الكبير - أبو عبد الله محمد بن عمر، التيمي الرازي الملقب بـ 'فخر الدين الرازي' خطيب الري (م: ۶۰۶ھ): ۱۶/ ۸۰، سورة التوبة: ۹، آية: ۶۰، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

مصرف الزكاة... (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) (هي) لغة الطهارة والنماء، وشرعا (تمليك) خرج الإباحة... (جزء مال) خرج المنفعة... (عينه الشارع) وهو ربع عشر نصاب حولي خرج النافلة والفطرة (من مسلم فقير) ولو معتوها (غير هاشمي ولا مولاه) أي معتقه، ... (مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه) فلا يدفع لأصله وفرعه (لله تعالى). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۵۶-۲۵۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (المصدر السابق: ۲/ ۲۷۰، كتاب الزكاة)

سوال: زکوۃ کا روپیا اگر بذریعہ منی آرڈر روانہ کیا جاوے، تو فیس منی آرڈر اس میں سے دینا جائز ہے یا نہیں؟ =

اور میں، زکوۃ بہ ہر حال ادا ہو جائے گی۔ [۳] اور یہ کہنا بھی ضروری نہیں کہ مثلاً ۵۰۰ رزکوۃ کے اور ۲۰۰ رسفر خرچ کے، بس ۷۰۰ روپے زکوۃ کی نیت سے اسے دے دے، زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الجواب: بذریعہ منی آرڈر بھیجنا زکوۃ کے روپے کا، درست ہے، مگر فیس منی آرڈر علاحدہ اپنے پاس سے دینی چاہیے۔

استاذ گرامی، آفتاب فقہ دار العلوم دیوبند کے عظیم مفتی، حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اور یہ مسلّم ہے کہ فیس منی آرڈر، فقراء کو نہیں ملتی؛ اس لیے وہ زکوۃ میں شمار نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔'' (فتاوی دار العلوم: ۶/ ۳۵-۳۳۴، متفرق مسائل زکوۃ، سوال نمبر: ۶۱۱ زکوۃ کی رقم بذریعہ ڈاک بھیجنے میں فیس کہاں سے دی جائے، ط: زکریا- دیوبند)

(۳) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: كان في بريرة ثلاث سنن: عتقت فخيرت، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الولاء لمن أعتق، ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبرمة على النار، فقرب إليه خبز وأدم من أدم البيت، فقال: ألم أر البرمة، فقيل: لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: هو عليها صدقة، ولنا هدية. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۶۳، رقم الحديث: ۵۰۹۷، كتاب النكاح، باب الحرة تحت العبد، ط: ديوبند، وانظر رقم: ۱۴۹۳، كتاب الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۹۴، رقم الحديث: ۸-۱۱ (۱۵۰۴)، كتاب العتق، باب إنما الولاء لمن أعتق، ط: ديوبند)

(فقال - صلى الله عليه وسلم -: "ألم أر برمة فيها لحم") الاستفهام للتقرير (قالوا: بلى، ولكن ذلك لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: "هو") أي اللحم "عليها" أي على بريرة (صدقة ولنا هدية) قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۴/ ۱۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) ولم يشترط المصنف - رحمه الله - علم الآخذ بما يأخذه أنه زكاة؛ للإشارة إلى أنه ليس بشرط، وفيه اختلاف والأصح كما في المبتغى والقنية: أن من أعطى مسكينا دراهم، وسماها هبة، أو قرضا، ونوى الزكاة، فإنها تجزئه. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۲۲۸، كتاب الزكاة، شروط أداء الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة، فإنها تجزئه اهـ. (درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱/ ۱۷۴، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة، ط: دار إحياء الكتب العربية☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۱۹۶، كتاب الزكاة، شرط صحة أداء الزكاة، ط: دار إحياء التراث العربي☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۸، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر)

[۱۳] ۲۵ ربیگہ زمین کا مالک بھی زکوٰۃ کا مستحق ہوسکتا ہے

۱۴۰۰-سوال: میرے ایک دوست، تبلیغ میں جاتے رہتے ہیں؛ لیکن ان کے ذمہ بہت سارے قرض ہیں، ان کے والد ضرورت مند ہیں، وہ بھی مقروض ہیں، میرے دوست کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے، اس نے مجھے بتایا کہ میں نے اپنے والد کا قرضہ بھی اپنے ذمے لے لیا ہے، یہ کپڑوں کا کاروبار کرتے ہیں اور ان کی ۲۴-۲۵ بیگہ [1] کے قریب زمین بھی ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ اس کو زکوٰۃ کے پیسے قرض کی بھرپائی [ادائیگی] کے لیے دینا جائز ہے یا نہیں؟ ہم نے جب بھی اس سلسلے میں اس سے بات کی، تو اس نے منع کر دیا اور کہا میں زکوٰۃ نہیں لے سکتا، تو کیا اس کے لیے زکوٰۃ لینے کی شرعاً اجازت نہیں ہے؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا دوست جب مقروض ہے، خواہ اس کا ذاتی قرضہ ہو، یا اپنے والد کا قرض اس نے اپنے ذمہ لے لیا ہو، [1] قرض کی ادائیگی کے لیے اسے زکوٰۃ دینا درست ہے، آپ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، بہ شرطے کہ اس کے پاس اتنی رقم موجود نہ ہوں، جس سے قرض کی ادائیگی کے بعد بہ قدر نصاب باقی رہ جاتا ہو۔ [2] اور

---

(۱) بیگہ = زمین کی ایک مقدار، چار کنال یا ۸۰ رمرلے۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۷، ب-ی، ط: فیروز اینڈ سنز، لاہور)

(۱) وقد علم مساواة دين الكفالة لسائر الديون، فلا فرق بين شيء منها. (أحكام القرآن - أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰ھ): ۳/ ۱۹۳، مطلب: في بيان معنى الفقير والمسكين، ت: عبد السلام محمد علي شاهين، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) قوله تعالى: { والغارمين } ؛ قال أبو بكر: لم يختلفوا أنهم المديونون، وفي هذا دليل على أنه إذا لم يملك فضلا عن دينه مائتي درهم فإنه فقير تحل له الصدقة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أمرت أن آخذ الصدقة من أغنيائكم وأردها في فقرائكم". فحصل لنا بمجموع الآية والخبر أن الغارم فقير، إذ كانت الصدقة لا تعطى إلا الفقراء بقضية قوله صلى الله عليه وسلم: "وأردها في فقرائكم" وهذا يدل أيضا على أنه إذا كان عليه دين يحيط بماله، وله مال كثير أنه لا زكاة عليه، إذ كان فقيرا يجوز له أخذ الصدقة. والآية خاصة في بعض الغارمين دون بعض، وذلك لأنه لو كان له ألف درهم، وعليه دين مائة درهم لم تحل له الزكاة، ولم يجز معطيه إياها وإن كان غارما، فثبت أن المراد الغريم الذي لا يفضل له عما في يده بعد قضاء دينه مقدار مائتي درهم أو ما يساويها، فيجعل المقدار المستحق بالدين مما في يده كأنه في غير ملكه، وما فضل عنه فهو فيه بمنزلة من لا دين عليه. (أحكام القرآن - أحمد بن علي أبو بكر الرازي =

ایسوں کو زکاۃ دینا، بڑے ثواب کا کام ہے اور فقیر کو دینے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔ (۳)

آپ کے دوست کے پاس ۲۴-۲۵ بیگہ جو زمین ہے، وہ تو اس کا ذریعۂ معاش ہے، اس سے زکوٰۃ کے استحقاق میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیوں کہ وہ تو ضرورت اصلیہ میں داخل ہے، آپ بس قرض کی ادائیگی کے لیے ان کو زکوٰۃ دے دیں، آپ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] قرض ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ مانگنا جائز ہے

۱۴۰۱- سوال: ایک شخص ۲۰۰۰/روپے کا مقروض ہے، نوکری کرتا ہے، تنخواہ ۱۵۰/روپے ہے ، اور زمین پانچ بیگہ ہے، ایسی حالت میں زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت میں اس شخص کا زکوٰۃ لینا جائز ہے، بل کہ قرض ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ مانگنا بھی جائز ہے، زکوٰۃ دہندوں کی زکوٰۃ بلاشبہ ادا ہو جائے گی، بہ شرطے کہ اس کے پاس مقدار قرض کے علاوہ بہ قدر نصاب مال نہ ہو۔ [۱]

=الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰ھ): ۳/ ۶۳- ۱۶۴، مطلب: في بيان معنى الفقير و المسكين، ت: عبد السلام محمد علي شاهين، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(ومنها الغارم)، وهو من لزمه دين، ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر- بيروت)

(۳) والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)

(۴) وفيها [التاتارخانية] عن الصغرى: له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بأن لا يسكن الكل يحل له أخذ الصدقة في الصحيح، وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاث آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اهـ ملخصا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۸، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، قبيل: مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنية، ط: دار الفكر- بيروت)

[۱] (ومنها الغارم)، وهو من لزمه دين، ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر- بيروت)

والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير كذا في المضمرات. (المصدر السابق)

زمین ضرورت اصلیہ میں سے ہے؛ اس لیے اس شخص کے صاحب نصاب ہونے میں اس کی قیمت نہیں لگائی جائے گی۔[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] ۴۰ / بیگہ زمین کا مالک بھی زکوٰۃ کا مستحق ہوسکتا ہے

۱۴۰۲- سوال: ایک شخص ہے، جس کے پاس ۴۰ / بیگہ زمین ہے؛ لیکن فیملی ممبران کی تعداد زیادہ ہے، جس کی وجہ سے زمین کے غلے سے اخراجات پورے نہیں ہوتے، ہر سال قرض ہوتا رہتا ہے، فی الحال قرض بہت زیادہ ذمے میں ہوگیا ہے، زمین کی پیداوار سے گھر کا گزران مشکل سے چلتا ہے، تو ایسی صورت میں وہ قرض کی بھرپائی کے لیے زکوٰۃ کی رقم رشتہ داروں سے- جو دینا چاہتے ہیں- لے سکتا ہے؟ مذکورہ زمین حوائج اصلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟ جب کہ اس زمین سے مکمل طور پر گزارہ بھی نہیں ہورہا ہے۔

اگر اس شخص کے لیے زکوٰۃ کی اجازت نہ ہو، تو اس کی بیوی یا بڑی اولاد جو ساتھ رہتی ہے، اور غریب ہے، زکوٰۃ لے کر گھر کے خرچ میں استعمال کرسکتی ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ مفصل جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھیتی کی زمین، سونا چاندی (اموال زکوٰۃ) کے حکم میں نہیں ہے، پس کوئی شخص ۴۰-۵۰ بیگہ یا ایکڑ زمین کا مالک ہو، لیکن مقروض ہو، تو وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے۔[۱]

---

(۲) (ولا في ثياب البدن) المحتاج إليها لدفع الحر والبرد ابن ملك (وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها) [الدر المختار] ـــــــــ قال ابن عابدين: وقوله ونحوها: أي كثياب البدن الغير المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۴-۲۶۵، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر- بيروت)

وفيها [التاتارخانية] سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاث آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا، وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اهـ ملخصا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۸، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، قبيل: مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنية، ط: دار الفكر- بيروت)

(۱) ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا من أي مال كان، لأن الغنى الشرعي مقدر به والشرط أن يكون فاضلا من الحاجة الأصلية. (الهداية) ـــــــــ قال العيني (م: ۸۵۵هـ): م: (ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا من أي مال كان) ش: يعني سواء كان من النقدين أو من العروض أو من السوائم م: (لأن الغنى الشرعي مقدر به) ش: أي بالنصاب م: (والشرط أن يكون فاضلا عن الحاجة الأصلية) ش: أي شرط عدم جواز دفع الزكاة إليه أن يكون النصاب فاضلا عن الحاجة الأصلية، لأنه إذا كان غير فاضل عن حاجته الأصلية يجوز الدفع إليه، والحاجة =

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس شخص کے قرض کی بھرپائی زکوٰۃ کی رقم سے کی جاسکتی ہے، زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور جو رشتے دار زکوٰۃ وغیرہ سے اس کی مدد کریں گے، ان کو صلہ رحمی کا ثواب بھی ملے گا۔[۲]

چوں کہ صورتِ مسئولہ میں مذکورہ شخص خود ہی مستحق ہے، اس لیے اس کی بیوی یا اولاد کو مالک بنانے کا حیلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] صدقات کی رقم ترجیحی بنیاد پر کہاں خرچ کی جائے؟

۱۴۰۳- سوال: ہمارے گاؤں میں جو مکتب ہے، اس میں صرف ابتدائی تعلیم ہوتی ہے، حفظ کلاس اور فارسی کی کلاس نہیں ہے، آگے پڑھنے کے لیے چھوٹے بچوں کو دور دراز کا سفر کرنا پڑتا ہے، اسکول کی تعلیم سات درجہ تک ہے، کچھ سال پہلے بیرونِ ملک رہنے والے اصحابِ خیر نے پیسے جمع کر کے تقریباً ۵۰۰۷ / رکا ایک مکان اسکول کے لیے بنادیا تھا، گاؤں میں دوسری اور سہولیات مثلاً اسپتال، یتیم اور بیوہ کی روزگاری کا کوئی انتظام وغیرہ نہیں ہے، یہاں سے تقریباً دو میل دور پچن گاؤں میں ایک ہائی اسکول ہے، جس کی وجہ سے وہاں بس وغیرہ کا اچھا انتظام ہے، وہاں ایک تنظیم کی طرف سے گاؤں کے غریب، یتیم بچوں کو اسکول کی کتابیں مفت دی جاتی ہیں، اس کو دیکھ کر اب کچھ روشن خیال لوگوں نے بھی ہمارے گاؤں میں ہائی

=الأصلية في حق الدراهم والدنانير أن يكون الدين مشغولا بها، وفي غيرها احتياجه إليه في الاستعمال وأحوال المعاش. (البناية شرح الهداية: ۳/ ۴۷۷-۴۷۶، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، الحكم لو دفع الزكاة لغير مستحقيها وهو لا يعلم، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

وفيها [التاتارخانية] عن الصغرى: له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بأن لا يسكن الكل يحل له أخذ الصدقة في الصحيح، وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاث آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اهـ ملخصا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۸، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، قبيل: مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنية، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) عن سلمان بن عامر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الصدقة على المسكين صدقة، وعلى ذي الرحم اثنتان صدقة وصلة. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳ھ): ۵/ ۹۲، رقم الحديث: ۲۵۸۲، كتاب الزكاة، الصدقة على الأقارب، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية-حلب)

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان ''زکوٰۃ میں حیلہ کر کے موذن واساتذہ کے مکانات بنانا'' کا حاشیہ نمبر: ۳۔

اسکول کھولنے کا ارادہ کیا ہے، جس کے لیے وہ بیرونِ ملک رہنے والے گاؤں کے لوگوں سے چندہ کا ارداہ رکھتے ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ گاؤں کے مذکورہ ضروری کاموں میں کون سا کام پہلے کرنا چاہیے؟

الجواب حامداومصلیا:

آپ کے گاؤں میں کیا کیا اہم ضرورتیں ہیں؟ وہ ہمیں معلوم نہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں پیسہ خرچ کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود معلوم کرلے کہ اس کو کون سا کام کرانا ضروری ہے، اور کس کام سے بالخصوص غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں اور بالعموم تمام مسلم قوم کا نفع وفائدہ ہے، اس طرح کرنے میں ثواب زیادہ ملے گا۔ [1]

ثواب کی نیت سے ہائی اسکول بنانا اور اس میں انگریزی تعلیم کا نظم کرنے کی گنجائش ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس میں اسلام مخالف تعلیم نہ دی جاتی ہو اور نہ کوئی گناہ کا کام کیا جاتا ہو، ورنہ بجائے ثواب کے اس میں دامے، درمے، سخنے، قدمے کسی بھی طرح امداد کرنے والے گنہ گار ہوں گے۔ [2]

بہتر یہ ہے کہ مذکورہ منصوبہ، دین دار حضرات اپنے ہاتھ میں لیں اور شرعی نظام کے تحت بروئے کار لانے کی کوشش کریں، نیز اس کا خیال رکھیں کہ اسلام کے خلاف اس میں کوئی چیز نہ درآئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] غریب طلبہ کو فیس کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینا

۱۴۰۴- سوال: آغاز شوال میں ایک علمی ادارہ کا افتتاح ہونے والا ہے، جس میں دینی وعصری؛

---

(۱) عن ابن مسعود - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: لا تزول قدم ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأل عن خمس، عن عمره فيم أفناه، وعن شبابه فيم أبلاه، وماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه، وماذا عمل فيما علم. (سنن الترمذی: ۲/ ۶۷، رقم الحديث: ۲۴۱۶ - ۲۴۱۷، أبواب صفة القيامة، باب ماجاء في شأن الحساب و القصاص، ط: فیصل پبلیکیشنز - دیوبند)

عن أنس بن مالك - رضي الله عنه - قال: أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل يستحمله، فلم يجد عنده ما يحمله فدله على آخر فحمله، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فأخبره فقال: إن الدال على الخير كفاعله. (سنن الترمذی: ۲/ ۹۵، رقم الحديث: ۲۶۷۰، أبواب العلم، باب ماجاء الدال على الخير كفاعله، ط: دیوبند)

(۲) وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝. (۵- المائدة: ۲)

ہر دو تعلیم کا نظم ہوگا، اس میں تقریباً ۳۰ طلبا سیاہ فام ہیں، جو ٹرم فیس ادا کرنے سے معذور ہیں اور فی ٹرم دو ہزار روپیہ ہوتا ہے، تو کیا یہ طلبا جو غریب ہیں، ان کے اخراجات کے لیے زکوۃ کا پیسہ استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کا شرعاً معنیٰ ہے: "**تمليك جزء مال عينه الشارع**" (درمختار مع الشامی: ۲/ ۳)[۱] یعنی شریعت کی جانب سے متعین کردہ مال کے ایک حصہ کا مستحق (غریب، فقیر) کو مالک بناتا ہے۔ جو [بالغ] طالب علم غریب و فقیر ہو [یا نابالغ طالب علم کے والد ایسے ہوں] وہ زکوۃ کا مستحق ہے۔[۲] علامہ شامیؒ نے فی سبیل اللہ میں تمام طلبہ کو داخل کیا ہے۔ (شامی: ۲/ ۸۴۰)[۳]

---

[۱] (هي) . . . (تمليك) خرج الإباحة، . . . (جزء مال) خرج المنفعة، . . . (عينه الشارع) وهو ربع عشر نصاب حولي خرج النافلة والفطرة (من مسلم فقير) ولو معتوها (غير هاشمي ولا مولاه) أي معتقه، وهذا معنى قول الكنز تمليك المال: أي المعهود إخراجه شرعا (مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه) . . . (لله تعالى). [الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۵۶-۲۵۸، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) (و) لا إلى (غني) يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية. . . (و) لا إلى (طفله). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۷-۳۴۹، كتاب الزكاة، باب المصرف)

قال ابن عابدين: (قوله: ولا إلى طفله) أي الغني فيصرف إلى البالغ ولو ذكرا صحيحا قهستاني، فأفاد أن المراد بالطفل غير البالغ ذكرا كان أو أنثى في عيال أبيه أو لا على الأصح لما أنه يعد غنيا بغناه نهر. (رد المحتار: ۲/ ۳۴۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

[۳] (وفي سبيل الله وهو منقطع الغزاة) وقيل الحاج وقيل طلبة العلم، وفسره في البدائع بجميع القرب. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: وقيل طلبة العلم) كذا في الظهيرية والمرغيناني واستبعده السروجي بأن الآية نزلت وليس هناك قوم يقال لهم طلبة علم قال في الشرنبلالية: واستبعاده بعيد؛ لأن طلب العلم ليس إلا استفادة الأحكام وهل يبلغ طالب رتبة من لازم صحبة النبي - صلى الله عليه وسلم - لتلقي الأحكام عنه كأصحاب الصفة، فالتفسير بطالب العلم وجيه خصوصا، وقد قال في البدائع: في سبيل الله جميع القرب، فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله، وسبيل الخيرات إذا كان محتاجا. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

. . . أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية إلى ما لا بد منه. (الدر المختار) ـــــــ وفي حاشية ابن عابدين: وفي المبسوط: لا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا إلا إلى طالب العلم والغازي ومنقطع الحج لقوله - عليه الصلاة والسلام - يجوز دفع الزكاة لطالب العلم وإن كان له نفقة أربعين سنة. اهـ. . . والمعنى أن الإنسان يحتاج إلى أشياء لا غنى عنها فحينئذ =

لہٰذا آپ کے ادارہ میں دینی وعصری تعلیم حاصل کرنے والے غریب طالب علم کو زکاۃ کی رقم کا مالک بنادیا جائے اور آفس میں ان سے ٹرم فیس کے نام سے وصول کرلیا جائے، اس طرح زکاۃ بھی ادا ہوجائے گی اور وہ اپنی ٹرم فیس بھی بھر سکیں گے، ہر طالب علم سے ہر ماہ اسی طریقہ سے وصول کرلیا کریں، یا سال کی ابتداء میں وصول کرلیا کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] مدارس میں زکوٰۃ وصدقات کی رقم لینا

۱۴۰۵-سوال: مدارس میں صدقات وزکوٰۃ کی رقم لینا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصلّیًا:

جائز ہے: لیکن مہتمم کا شریعت کے اصول کے مطابق غریب کو مالک بنانا ضروری ہے، مالک بنانے سے زکوٰۃ وصدقات ادا ہوجائیں گے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] سادات کو زکوٰۃ دینے کا حکم

۱۴۰۶-سوال: اگر کوئی سید شخص غریب ہو، تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا:

اگر اس سید کا کوئی سہارا نہ ہو، تو گنجائش ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=إذا لم يجز له قبول للزكاة مع عدم اكتسابه أنفق ما عنده ومكث محتاجا فينقطع عن الإفادة والاستفادة فيضعف الدين لعدم من يتحمله... قلت: وهو كذلك. والأوجه تقييد بالفقير، ويكون طلب العلم مرخصا لجواز سؤاله من الزكاة وغيرها وإن كان قادرا على الكسب إذ بدونه لا يحل له السؤال كما سيأتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۰، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت☆البحر الرائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة، قبيل: باب صدقة الفطر، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۲۲۰، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، ط: دار إحياء التراث العربي☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح-أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ) ص: ۷۲۰، كتاب الزكاة، باب المصرف، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) سوال سابق کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) واعلم أن الصدقات النافلة يجوز دفعها إلى آل النبي صلى الله عليه وسلّم وإن تردد ابن الهمام، والزَّيلعي في=

[۲۰] سادات کو زکوٰۃ دینا

۱۴۰۷- سوال: ہماری قوم سادات کو زکوٰۃ دینا پسند نہیں کرتی اور ایسا کہا جاتا ہے کہ سادات کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے، خود سادات کا بھی یہی خیال ہے کہ ان کے لیے زکوٰۃ کی رقم لینا جائز نہیں، اس لیے ہمارے یہاں کے سادات کہتے ہیں: ''للہ رقم ہو تو ہی ہمیں دیا کرو''۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ سادت کا مصداق کون ہیں؟ کیا واقعی سادات کو زکاۃ کی رقم نہیں دی جا سکتی؟ اگر ان کی امداد کے لیے دوسری رقم نہ ہو، اور زکوٰۃ دے دی جائے، تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب عنایت فرمائیں گے۔

سکریٹری ایجوکیشن [رامپورہ۔ سورت ۳]

الجواب حامداو مصلیا:

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما- جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لڑکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں- کی اولاد کو ''سید'' کہتے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں نواسہ کے علاوہ

=النافلة أيضًا.

جواز دفع الزكاة لآل النبي صلى الله عليه وسلم عند فقدان الخمس:

ونقل الطحاوي عن أمالي أبي يوسف: أنه جاز دفع الزكاة إلى آل النبي صلى الله عليه وسلّم عند فقدان الخمس، فإنّ في الخمس حقّهم، فإذا لم يوجد، صح صرفها إليهم. وفي "البحر" عن محمد بن شجاع الثَّلْجي عن أبي حنيفة أيضًا جوازه. وفي "عقد الجيد" أن الرازي أيضًا أفتى بجوازه. قلتُ: وأخذ الزكاة عندي أسهل من السؤال، فأفتي به أيضًا. (فيض الباري: ۴۲۶/۳، باب ما يذكر في الصدقة للنبي - صلى الله عليه وسلم- وآله، ط: دار إحياء التراث الإسلامي)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے غریبوں کے لیے شریعت نے یہ بدل تجویز کیا ہے کہ مال غنیمت کے خمس (پانچواں حصہ) میں سے ان کو دیا جائے گا؛ لیکن اب چوں کہ مال غنیمت کہاں؛ اس لیے بعض فقہائے کرام کا یہ فتویٰ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے غریبوں کو زکوٰۃ کی مد میں سے دینا جائز ہے، چناں چہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت سید مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ اور سرتاج علماء علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا فتویٰ یہی تھا کہ فی زماننا سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؛ کیوں کہ شریعت نے ان کے لیے جو بدل تجویز کیا ہے، وہ اب نہیں رہا، اور مال داروں کا حال یہ ہے کہ وہ واجبی زکوٰۃ نکال لیں، یہی غنیمت ہے، دوسرے مد کا مال خرچ کرنے والے بہت کم ہیں، پس اگر سادات کو زکوٰۃ بھی نہیں دیں گے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ سوال کے محتاج ہو جائیں؛ لہٰذا ان کو سوال کی ذلت سے بچانے کے لیے زکوٰۃ دینا اور ان کا لینا جائز ہے۔ (مستفاد از: تحفۃ الالمعی: ۲/ ۵۷۴، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء في كراهية الصدقة للنبي -صلى الله عليه وسلم- وأهل بيته ومواليه، ط: زمزم پبلیشرز، کراچی)

احادیث کی روشنی میں ان لوگوں کو بھی زکوۃ دینا جائز نہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ رکھتے ہیں، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد، جو حضرت فاطمہؓ کے علاوہ دوسری بیویوں سے ہیں، حضرت عباسؓ کی اولاد، حضرت جعفرؓ کی اولاد، حضرت عقیلؓ کی اولاد اور حارث بن عبد المطلب کی اولاد۔ ان میں سے کسی کو زکوۃ دینا اور ان کے لیے لینا جائز نہیں۔ (عالمگیری: ۱/ ۱۵۱، شامی: ۲/ ۶۶)[1]

البتہ سادات -جن کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں- کے واسطے دوسرے حقوق بیت المال سے مقرر کیے گئے ہیں؛ لیکن موجودہ زمانے میں ان کے حقوق ادا نہیں کیے جاتے، بیت المال، بادشاہت اور ان کے کارندوں کا نظام ختم ہو گیا ہے؛ اس لیے موجودہ زمانے میں ان کو زکوۃ دینا جائز ہے، زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ (شامی: ۲/ ۶۶)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] ولا يدفع إلى بني هاشم، وهم آل علي، وآل عباس، وآل جعفر، وآل عقيل، وآل الحارث بن عبد المطلب، كذا في الهداية. ويجوز الدفع إلى من عداهم من بني هاشم، كذرية أبي لهب؛ لأنهم لم يناصروا النبي - صلى الله عليه وسلم - كذا في السراج الوهاج. هذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

(و) لا إلى (بني هاشم) إلا من أبطل النص قرابته وهم بنو لهب، فتحل لمن أسلم منهم. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: وبني هاشم إلخ) اعلم أن عبد مناف، وهو الأب الرابع للنبي - صلى الله عليه وسلم - أعقب أربعة وهم: هاشم، والمطلب، ونوفل، وعبد شمس، ثم هاشم أعقب أربعة، انقطع نسل الكل، إلا عبد المطلب؛ فإنه أعقب اثني عشر تصرف الزكاة إلى أولاد كل إذا كانوا مسلمين فقراء، إلا أولاد عباس، وحارث، وأولاد أبي طالب من علي وجعفر وعقيل، قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۰، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، مطلب في الحوائج الأصلية، ط: دار الفكر ☆ المحيط البرهاني: ۳/ ۲۱۴، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من يوضع فيه الزكاة، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

[۲] وروى أبو عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه؛ لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم لإهمال الناس أمر الغنائم وإيصالها إلى مستحقيها. وإذا لم يصل إليهم العوض عادوا إلى المعوض كذا في البحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۰، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، مطلب في الحوائج الأصلية، ط: دار الفكر ☆ المحيط البرهاني: ۳/ ۲۱۵، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من يوضع فيه الزكاة، ط: مكتبة الرشد - الرياض ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۳۳۱، أول كتاب الزكاة، ط: فقيه الأمة - ديوبند)

نوٹ: سادات کو زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں قدیم زمانے سے اختلاف ہے، تاہم اکثر اکابر دیوبند عدم جواز کے قائل ہیں، جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مفتی عزیز الرحمٰنؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، =

[۲۱] ایسی سیدہ عورت کو زکوۃ دینا، جس کا شوہر غیر سید ہو

۱۴۰۸- سوال: ایک سیدہ خاتون ہے، جس کی شادی غیر سید سے ہوئی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سیدہ عورت، جس کی شادی غیر سید سے ہوئی ہو، سادات ہی میں سے ہے، اور

=مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، مفتی یوسف لدھیانویؒ، مفتی محمد تقی عثانی، مفتی خیر محمد جالندھری شامل ہیں، تفصیل کے لیے ان کے فتاوی کی جانب رجوع کریں، اسی بہشتی زیور میں بھی ناجائز لکھا ہوا ہے۔

البتہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور دار العلوم دیوبند کے موجودہ شیخ الحدیث، استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم موجودہ حالات میں [جب کہ غنیمتیں نہیں رہیں، بیت المال کا نظام ختم ہوگیا اور عام افراد زکاۃ کے علاوہ دوسرے مد سے امداد کرنے پر راضی نہیں ہوتے] جائز قرار دیا ہے۔ فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں:

☆صدقات واجبہ آج کل بھی سادات کو دینا حرام ہے۔(باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۰۴، کتاب الزکاۃ، ط: سہارن پور)

☆سید کو زکوۃ وعشر کا روپیہ یا غلہ دینا درست نہیں۔(کفایت المفتی: ۴/ ۲۸۹، سید کو زکوۃ دینا جائز نہیں، ط: زکریا- دیوبند)

☆وہ روایت [ہاشمی کو زکوۃ دینا جائز ہے، خمس الخمس کے نہ ہونے کے وقت] تو اور سے ہے، ظاہر مذہب کے مقابلے میں قابل عمل نہیں، ضرورت شدیدہ کے وقت حیلۂ تملیک کے بعد ہاشمی کی خدمت ہو سکتی ہے۔(امداد الاحکام: ۳/ ۸۹، باب المصارف، ط: زکریا- دیوبند)

☆حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اور ظاہر الروایہ کے مطابق سید کو کسی حال میں زکوۃ دینا درست نہیں ہے۔(فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۲۱۲، مصارف زکوۃ، ط: دار العلوم- دیوبند)

☆سوال: سیدوں کو زکوۃ، عشر، صدقات واجبہ، مثل فطرہ، نذر و نیاز دینی جائز ہے یا نہیں؟
جواب: جائز نہیں۔(فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۵۵۱، سادات کو زکوۃ دینا، ط: دار المعارف- دیوبند)

☆زکوۃ آں حضرت ﷺ کے خاندان کے لیے حلال نہیں۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/ ۱۴۴، مصارف زکوۃ، ط: مکتبہ لدھیانوی)

☆سادات کو زکوۃ نہیں دے سکتے، ہدیہ سے ان کی امداد کیجیے۔(فتاویٰ عثمانی: ۲/ ۱۴۸، سادات اور ملازم کو زکوۃ دینے کا حکم، ط: نعیمیہ- دیوبند)

☆بنو عباس کو زکوۃ دینا جائز نہیں، خواہ رشتے دار ہوں۔[محل غور: مجتبیٰ حسن قاسمی] ان کی دیگر ذرائع سے امداد کی جائے۔(خیر الفتاویٰ: ۳/ ۴۰۸، باب المصرف، عباسیوں کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے، ط: مکتبۃ الحق- ممبئی)

سادات کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے، البتہ اس کے شوہر کو دے سکتے ہیں۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۲۲] جوا اور چوری سے اپنی ضرورت کی تکمیل کرنے والے سادات کو زکوۃ دینا

۱۴۰۹- سوال: کیا زمانے کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے سید حضرات کو زکوۃ دے سکتے ہیں؟ در اصل سادات میں سے بعض ضرورت مند حضرات، مال غنیمت کے ختم ہو جانے اور ہدایا وتحائف کے نہ ملنے کی وجہ سے اپنی ضرورت چوری، جوا وغیرہ حرام کاموں سے پوری کر رہے ہیں، اگر زکوۃ سے ان کی مدد کی جائے، تو شاید وہ چوری اور جوا وغیرہ سے باز رہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

سید حضرات کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔[1] بعض فقہائے کرام نے اجازت دی

---

[۱] (و) لا إلى (بني هاشم) إلا من أبطل النص قرابته وهم بنو لهب، فتحل لمن أسلم منهم. (الدر المختار) ــــ قال ابن عابدين: (قوله: وبني هاشم إلخ) اعلم أن عبد مناف، وهو الأب الرابع للنبي - صلى الله عليه وسلم - أعقب أربعة وهم: هاشم، والمطلب، ونوفل، وعبد شمس، ثم هاشم أعقب أربعة، انقطع نسل الكل، إلا عبد المطلب، فإنه أعقب اثني عشر تصرف الزكاة إلى أولاد كل إذا كانوا مسلمين فقراء، إلا أولاد عباس، وحارث، وأولاد أبي طالب من علي وجعفر وعقيل، قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۰، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، مطلب في الحوائج الأصلية، ط: دار الفكر ☆ المحيط البرهاني: ۳/ ۲۱۴، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من يوضع فيه الزكاة، ط: مكتبة الرشد- الرياض)

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: كان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يؤتى بالتمر عند صرام النخل، فيجيء هذا بتمره، وهذا من تمره حتى يصير عنده كوما من تمر، فجعل الحسن والحسين - رضي الله عنهما - يلعبان بذلك التمر، فأخذ أحدهما تمرة، فجعلها في فيه، فنظر إليه رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، فأخرجها من فيه، فقال: أما علمت أن آل محمد صلى الله عليه وسلم لا يأكلون الصدقة. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۰۱، رقم الحديث: ۱۴۸۵، كتاب الزكاة، باب أخذ صدقة التمر عند صرام النخل، وهل يترك الصبي فيمس تمر الصدقة، ط: ديوبند)

عن محمد وهو ابن زياد، سمع أبا هريرة، يقول: أخذ الحسن بن علي تمرة من تمر الصدقة، فجعلها في فيه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كخ كخ، ارم بها، أما علمت أنا لا نأكل الصدقة؟. وفي رواية: "وقال: أنا لا تحل لنا الصدقة؟" (صحيح البخاري: ۱/ ۲۰۲، رقم الحديث: ۱۴۹۱، كتاب الزكاة، باب ما يذكر في الصدقة للنبي صلى الله عليه وسلم وآله، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۴۲- ۳۴۳، رقم الحديث: ۱۶۱- ۱۰۶۹، كتاب الزكاة، باب=

ہے۔ (۲) لیکن سوال میں جواز کی جس ''بنیاد'' کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، وہ غیر معقول ہے؛ کیوں کہ چور اور جواری صرف ضرورت پوری کرنے کے لیے چوری نہیں کرتے اور جوا نہیں کھیلتے؛ اس لیے یہ سمجھنا کہ ان کو زکوۃ دینے سے جوے اور سٹے کی عادت چھوٹ جائے گی، غلط ہے۔

ہاں! سادات میں سے کوئی بہت زیادہ محتاج ہوں اور للہ رقم سے اس کی محتاجگی دور کرنے والا کوئی نہ ہو، تو ان کو زکوۃ دینے کی گنجائش ہے؛ لیکن سید حضرات کو حلال روزی کمانی چاہیے اور زکوۃ قبول نہیں کرنی چاہیے۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] جس کی ملکیت میں ۶۰ رتولہ چاندی ہو، اس کو زکوۃ دینے کی صورت کیا ہوگی؟

۱۴۱۰- سوال: ہمارے پڑوس میں ایک بیوہ ہے، اس کے یتیم بچے بھی ہیں، اس عورت کے پاس ۶۰ رتولہ چاندی ہے؛ لیکن مالی حالت بہت کمزور ہے، غربت کا یہ عالم ہے کہ دن میں صرف ایک بار کھانا

= تحريم الزكاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى آله وهم بنو هاشم وبنو المطلب دون غيرهم، واللفظ لمسلم، ط: ديوبند)

(قوله وبني هاشم ومواليهم) أي لا يجوز الدفع لهم، لحديث البخاري "نحن - أهل بيت - لا تحل لنا الصدقة"، ولحديث أبي داود "مولى القوم من أنفسهم، وإنا لا تحل لنا الصدقة". (البحر الرائق: ٢/ ٢٦٥، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(٢) وروى أبو عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه؛ لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم لإهمال الناس أمر الغنائم وإيصالها إلى مستحقيها. وإذا لم يصل إليهم العوض عادوا إلى المعوض كذا في البحر. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ٣٥٠، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، مطلب في الحوائج الأصلية، ط: دار الفكر ☆ المحيط البرهاني: ٣/ ٢١٥، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من يوضع فيه الزكاة، ط: مكتبة الرشد - الرياض ☆ مجمع الأنهر: ١/ ٣٣١، أول كتاب الزكاة، ط: فقيه الأمة - ديوبند)

ونقل الطحاوي عن أمالي أبي يوسف: أنه جاز دفع الزكاة إلى آل النبي صلى الله عليه وسلّم عند فقدان الخُمس، فإنّ في الخُمس حقّهم، فإذا لم يوجد، صح صرفها إليهم. وفي "البحر" عن محمد بن شجاع الثّلجي عن أبي حنيفة أيضًا جوازه. وفي "عقد الجيد" أن الرازي أيضًا أفتى بجوازه. قلتُ: وأخذ الزكاة عندي أسهلُ من السؤال، فأفتي به أيضًا. (فيض الباري: ٣/ ٢٢٦، باب ما يذكر في الصدقة للنبي - صلى الله عليه وسلم - وآله، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۳) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: ''سادات کو زکوۃ دینا'' کے حواشی۔

پکتا ہے، وہ زکوٰۃ بھی نہیں لے سکتی؛ کیوں کہ ۶۰ رتولہ چاندی بیچ میں آڑے آتی ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو یہ مشورہ دیا کہ تقریباً پندرہ تولہ چاندی بیچ دو، تا کہ تمہارے لیے زکوٰۃ وغیرہ کا انتظام ہو سکے، اس کے لیے زکاۃ لینے کی کیا شکل ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوہ کے پاس جو ۶۰ رتولہ چاندی ہے، اس میں سے یتیم کے کھانے پینے پر خرچ کرنا ضروری ہے، یتیم کو بھوکا مارنا اور تکلیف دینا جائز نہیں۔[1] لہٰذا ۶۰ رتولہ چاندی سے ضروریات پوری کرے، جب اس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی سے کم رہ جائے تو وہ زکوٰۃ کی مستحق ہوگی اور اس کو زکوٰۃ دینا بلا کسی تردد کے جائز ہوگا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] زیورات وزمین کی مالک بیوہ عورت کا بیوہ فنڈ سے قرض ادا کرنا

۱۴۱۱- سوال: خدیجہ اسماعیل راجہ کئی سالوں سے بیوگی کی زندگی گذار رہی ہے، صرف تین بیگھا زمین ہے، لڑکا بھی نہیں ہے، ڈابھیل جامعہ سے پچاس روپیہ کی امداد ملتی ہے، فی الحال دس تولہ زیور ہے، پانچ ہزار روپئے قاری مبین صاحب کا قرض بھی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر میں بیوہ فنڈ میں سے قاری مبین صاحب کا قرض ادا کردوں، تو جائز ہے؟ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً

غریب ومحتاج کے لیے زکوٰۃ لینا اور اُس کو دینا جائز ہے، کہ یہ اس کا حق ہے، مال دار کو لینا یا دینا جائز

---

(۱) عن أبي هريرة، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: خير بيت في المسلمين بيت فيه يتيم يحسن إليه، وشر بيت في المسلمين بيت فيه يتيم يساء إليه. (سنن ابن ماجه ص: ۲۶۲، رقم الحديث: ۳۶۷۹، كتاب الأدب، باب حق اليتيم، ط: ديوبند)

والنفقة لكل ذي رحم محرم إذا كان صغيرا فقيرا، أو كانت امرأة بالغة فقيرة، أو كان ذكر افقيرا زمنا، أو أعمى ويجب ذلك على قدر الميراث ويجبر كذا في الهداية وتعتبر أهلية الإرث لا حقيقته كذا في النقاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۶۵-۶۶، كتاب الطلاق، الباب السادس عشر في الحضانة، الفصل الخامس في نفقة ذوي الأرحام، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب، وإن كان صحيحا مكتسبا كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

نہیں ہے، اس سے دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، بیوہ کے پاس زیورات ہیں، جن سے قرض کی ادائیگی کے بعد بھی نصاب کے بقدر یا اُس سے زیادہ رقم بچ جاتی ہے؛ اس لیے اُن کو زکوٰۃ دینا یا اُن کے لیے لینا جائز نہیں ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] مدارس میں مال داروں کے نابالغ بچوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا

۱۴۱۲–سوال: زکوٰۃ کی رقم مدارس میں بالعموم خرچ کی جاتی ہے، جب کہ ان میں صاحب استطاعت حضرات کے بچے بھی ہوتے ہیں، جو زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہوتے ہیں، پس اس صورت میں ان طلبہ کے لیے اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاحب استطاعت کے نابالغ بچے زکوٰۃ کا استعمال نہیں کر سکتے ہیں اور نہ تو ان کے استعمال پر زکوٰۃ ادا ہوگی، البتہ ذمہ داران مدارس کی جانب سے حیلہ تملیک کے بعد، غریب و مال دار؛ ہر قسم کے طلبہ پر اس رقم کو خرچ کیا جا سکتا ہے، اور ہر ایک کے لیے اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ (۹-التوبۃ:۶۰)

(و) لا إلى (غني) يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية... (و) لا إلى (طفله). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۷-۳۴۹، كتاب الزكاة، باب المصرف)

ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب، وإن كان صحيحا مكتسبا كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) ولا يجوز دفعها إلى ولد الغني الصغير كذا في التبيين. ولو كان كبيرا فقيرا جاز. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر-بيروت☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۱۵۸، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا-ديوبند)

لأن الصغير يعد غنيا بغنى أبيه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر-بيروت)

لأن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء [أي إلى بناء نحو مسجد و إلى كفن ميت وقضاء دينه] مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب بحر (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

[۲۶] نابالغ لڑکے کا زکوٰۃ وفطرہ کی رقم لینا

۱۴۱۳- سوال: مدرسہ کا ایک لڑکا ہے، جس کی مالی حالت بہتر ہے، تو اُس کے لیے زکوٰۃ وفطرہ کی رقم لینا کیسا ہے؟ مثلاً مدرسے کا ایک لڑکا، دوسرے مال دار لڑکے کو زکوٰۃ وصدقہ کی کوئی چیز دے، تو اُس کے لیے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ لڑکے، جن کے والد مال دار ہیں، ایسے طالبِ علم کے لیے زکوٰۃ لینا یا اُس کو دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں! اگر اُس کے والد غریب ومحتاج ہوں، تو جائز ہے، اور اگر لڑکا بالغ ہے اور غریب ونادار ہے، تو اُس کے لیے بھی زکوٰۃ وصدقہ لینا جائز ہے، اگر چہ اُس بالغ لڑکے کا باپ مال دار ہو، کیوں کہ بعد البلوغ لڑکے کے نفقہ کی ذمہ داری اُس کے باپ پر واجب نہیں ہے اور باپ کے مال دار ہونے کی وجہ سے، شرعاً بچے کو مال دار شمار نہیں کیا جاتا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] مدارس میں زکوٰۃ کی رقم مدت دراز تک جمع رکھنا مناسب نہیں

[۲۸] زکوٰۃ میں حیلۂ تملیک کا طریقہ

۱۴۱۴، ۱۵- سوال: زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں ایک سال سے زائد مدت تک رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

حیلۂ تملیک کی صورت کیا ہے؟

---

(۱) ولا يجوز دفعها إلى ولد الغني الصغير كذا في التبيين. ولو كان كبيرا فقيرا جاز. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۱۵۸، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا - ديوبند)

(و) لا إلى (طفله) بخلاف ولده الكبير. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: ولا إلى طفله) أي الغني فيصرف إلى البالغ ولو ذكرا صحيحا قهستاني، فأفاد أن المراد بالطفل غير البالغ ذكرا كان أو أنثى في عيال أبيه أو لا على الأصح لما عنده أنه يعد غنيا بغناه نهر ... أن الطفل يعد غنيا بغنى أبيه، بخلاف الكبير؛ فإنه لا يعد غنيا بغنى أبيه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۹-۵۰، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، مطلب في الحوائج الأصلية، ط: دار الفكر - بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدارس دینیہ کی بنیاد توکل پر ہے اور مال کے جمع کرنے میں فتنے کا اندیشہ ہے؛ اس لیے بہتر یہی ہے کہ زکوۃ کی رقم کو سال بھر میں ہی استعمال میں کرلیا جائے، البتہ ارباب مدارس حیلۂ تملیک میں تراخی نہ کریں۔

حیلۂ تملیک: ۱- کوئی فقیر، مستحقِ زکوۃ، کسی مال دار سے قرض لے کر مدرسہ میں امداد کرے اور پھر زکوۃ کی رقم اس مقروض کو دے دی جائے، تاکہ وہ مال دار کا قرضہ ادا کردے۔[۱]

۲- یا کسی مستحق زکوۃ کو زکوۃ کی رقم کا مالک بنادیا جائے اور وہ اس رقم کو ملکیت کے بعد بہ رضاء ورغبت مدرسہ میں دے دے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] مدرسہ میں زکوۃ کی رقم استعمال کرنے کے لیے حیلہ کرنے کا طریقہ

۱۴۱۶- سوال: مدارس میں زکوۃ کے پیسوں کا جو حیلہ کیا جاتا ہے، اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور کیا حیلے کے بعد اس رقم کو کسی بھی کام میں استعمال کر سکتے ہیں؟ مثلاً: آمدنی کے لیے کوئی مکان خریدنا یا مدرسہ ومکتب کے اساتذہ کی تنخواہ وغیرہ امور میں خرچ کرنا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حیلہ کا طریقہ یہ ہے کہ زکوۃ کی رقم کوئی غریب، سمجھ دار[۳] آدمی کو دے دے، اور یہ کہا جائے کہ آپ

---

(۱) وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه، . . . وحيلة التكفين بها [الزكاة] التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

(۲) لأن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء [أي إلى بناء نحو مسجد و إلى كفن ميت وقضاء دينه] مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۳) سمجھ دار کو دے دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس رقم کا مکمل مالک ومختار سمجھے، اور پھر خود خوش دلی سے، کسی دباؤ کے بغیر وہ رقم یا اس کا کچھ حصہ مدرسہ وغیرہ کو چندہ کے طور پر دے دے، تو اس رقم کو تعمیر وتنخواہ وغیرہ میں خرچ کرنا درست ہوگا؛ لیکن اگر محض بناوٹی حیلہ ہو کہ طلبہ اپنے آپ کو رقم کا مالک نہ سمجھے اور یہ سمجھے کہ یہ رقم بہر حال مدرسے میں دینی ہے، یا دباؤ کے تحت دے دے، تو ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں۔ (دیکھیے: فتاویٰ عثمانی- مفتی محمد تقی عثمانی: ۲/۱۹۱، کتاب الزکاۃ، زکاۃ کی رقم تعمیر مدرسہ پر لگانے کے لیے طلبہ سے تملیک کا صحیح طریقہ، ط: مکتبہ معارف القرآن- کراچی)

اس کے مالک ہیں، اب اگر آپ اپنی جانب سے مدرسہ میں دیں گے، تو صدقے کا ثواب ملے گا، اور کچھ رقم اس کو خوش کرنے کے لیے بھی دے دے۔ (درمختار)[۱]

لیکن بغیر مجبوری کے تعمیرات، تنخواہ وغیرہ میں وہ رقم استعمال نہ کرے، ہاں ضرورت ہو، تو جائز ہے اور زکوۃ دینے والے کی زکوۃ بلاشبہ ادا ہو جاتی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] زکوۃ کی رقم کے حیلہ میں امام یا مؤذن کی تخصیص کی وجہ

۱۴۱۷- سوال: زکوۃ کی رقم کے حیلہ کے متعلق ہم نے ایک مسئلہ آپ کی خدمت میں دریافت کیا تھا، آپ نے اُس کے جواب میں لکھا تھا کہ مسجد کے امام یا مؤذن صاحب کے ذریعے حیلہ کروایا جائے، تو حیلہ کے لیے مؤذن یا امام صاحب ہی کی تخصیص کیوں ہے؟ کیا کسی عام مستحق کے ذریعے حیلہ درست نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

مؤذن یا امام کی صراحت اس وجہ سے کی گئی تھی کہ یہ لوگ حیلہ کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے، نیز اُنہیں اپنے منصب کا بھی پاس ولحاظ رہے گا، اگر کسی عام انجان مستحق کو رقم دی گئی اور وہ لے کر چلتا ہو گیا، تو آپ کیا کریں گے؟[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] ضرورت مند بستی میں زکوۃ کے پیسے خرچ کرنے کے لیے حیلہ کرنا

۱۴۱۸- سوال: ہمارے پاس آہوا اور ڈانگ نامی غریب اور ضرورت مند بستیوں کے لیے کچھ

---

[۱] وحيلة التكفين بها [الزكاة] التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

لأن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء [أي إلى بناء نحو مسجد وإلى كفن ميت وقضاء دينه] مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۲) والحق في النظر أن يقال أن التمليك الذي هو فعل المعطي غير كاف في أداء الزكاة، بل يشترط التمليك وهو اختياري ههنا، فيتوقف على قبول الآخذ، ولم يوجد ههنا، لأنه لم يعلم التمليك أصلاً، فلا يكفي هذا التمليك في أداء الزكاة. (حاشیہ امداد الفتاوی: ۲/۱۳، کتاب الزکاۃ والصدقات، تحقیق حیلہ تملیک، سوال نمبر: ۲۷، ط: زکریا- دیوبند)

رقم بھیجی گئی ہے، جس میں زکوٰۃ، صدقہ اور سود کی رقم شامل ہے، اُس میں سے کچھ حصہ ناڈن پیدا نامی بستی کے ضرورت مند لوگوں کو دینا ہے، تو اُس کے لیے زکوٰۃ کی رقم میں حیلہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر واقعی ضرورت مند ہوں، تو وہ مستحق زکوٰۃ ہیں، ان کو زکوٰۃ کی رقم دینے کے لیے حیلے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہاں! اگر اس غریب بستی میں ضرورت مند و غیر ضرورت مند دونوں ہوں، اور دونوں کی اس رقم سے مدد کرنی ہو، تو زکوٰۃ کی رقم کا حیلہ کرنا جائز ہے، بہ طورِ خاص اگر وہاں کوئی دینی مدرسہ ہو، اور اس کے لیے کوئی للہ رقم نہ مل سکے، تو اُس وقت حیلہ کر سکتے ہیں، تاہم کوشش یہی کرنی چاہیے کہ حتی الامکان للہ رقم ہی خرچ کی جائے، مسلمانوں پر اپنا دینی فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی بستی میں اپنی للہ رقم سے مدرسہ وغیرہ چلائیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] کیا حیلہ کا طریقہ قرونِ اولیٰ میں تھا؟

۱۴۱۹- سوال: کیا حیلہ کا طریقہ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور خلفاء راشدین، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں تھا؟ یہ سلسلہ کس دور میں شروع ہوا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فقہاء کرام نے حیلے کا، جو طریقہ بتایا ہے، وہ جائز ہے اور ضرورت کے وقت اس کو برتا جا سکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا زمانہ، اس دنیا میں گذرنے والے زمانوں میں سب سے بہترین تھا، صحابۂ کرام دل کے بے انتہا غنی تھے، للہ رقم اس قدر کثرت سے خرچ کرتے تھے کہ زکوٰۃ کی رقم کے حیلہ کی ضرورت

---

(۱) مذهب علمائنا - رحمهم الله تعالى - أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة، والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى {وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث} وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي - عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام - عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۶/ ۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل کے لیے ''زکوٰۃ میں حیلہ کر کے موذن و اساتذہ کے مکانات بنانا'' کا حاشیہ نمبر (۳) دیکھیں۔

ہی نہیں پڑتی تھی۔

حیلہ کا طریقہ ایک حدیث شریف سے ثابت ہے، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بریرہؓ کے گھر تشریف لے گئے، حضرت بریرہؓ گوشت پکا رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ فرمایا گوشت ہے، جو میرے لیے بہ طور صدقہ آیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں، وہ تمہارے پاس آگیا ہے؛ لہٰذا تم اس کی مالک بن گئی ہوں، اب تم مجھے دوگی تو وہ ہدیہ شمار ہوگا۔ (ابوداود شریف کی حدیث شریف کا مفہوم)[1]

مذکورہ حدیث پاک سے یہ ثابت ہوا کہ غریب کو کسی چیز کا مالک بنا دیا جائے، تو اس کے لیے اس میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے، خود استعمال کرے، یا جسے چاہے دے دے، اور دوسرے کے حق میں اب وہ صدقہ نہیں رہا، اس کے لیے کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] مدارس میں زکوٰۃ دینے سے علم دین کی مدد کا بھی ثواب حاصل ہوگا

۱۴۲۰- سوال: مدرسہ میں جو زکوٰۃ دی جاتی ہے اور طلبہ پر خرچ کی جاتی ہے، تو اس میں زکوٰۃ دہندگان کو صرف زکوٰۃ ادا کرنے کا ثواب ملے گا یا طلبہ پر خرچ کرنے اور علم کو زندہ رکھنے کا بھی ثواب حاصل ہوگا؟ یعنی طلبہ پر خرچ کرنے کے متعلق جو بشارتیں اور وعدے ہیں، وہ اس زکوٰۃ ادا کرنے والے کو حاصل ہوں گے یا نہیں؟

---

(۱) عن أنس -رضي الله عنه- أن النبي صلى الله عليه وسلم أتي بلحم، قال: "ما هذا؟"، قالوا: شيء تصدق به على بريرة، فقال: "هو لها صدقة، ولنا هدية". (سنن ابي داود: ۱/ ۲۳۲، رقم الحديث: ۱۶۵۵، كتاب الزكاة، باب الفقير يهدي للغني من الصدقة، ط: ديوبند)

(۲) قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح- علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۴/ ۱۳۰۳، رقم: ۱۸۳۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر- بيروت) ______ وأما الرجل الذي له جار مسكين، فتصدق على المسكين، فأهداها المسكين إلى غني، فإنما يحل له، لأنه ملكها بالهدية. (الفتاوى التاتار خانية: ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، الفصل الثامن بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرۃ سے ایک مرفوع حدیث ثابت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خرچ کرنے والوں میں ایک وہ شخص ہے جس نے اللہ کے راستے میں صدقہ کیا؛ ایک وہ ہے جس نے کسی کو ظلم سے آزاد کیا، اور ایک وہ ہے، جس نے کسی غریب کی مدد کی، اور ایک وہ ہے، جس نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔ واضح رہے کہ ان میں سب سے افضل وہ شخص ہے، جس نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔ (مسلم شریف، بہ حوالہ: مشکوٰۃ المصابیح: ۱۷۰)[۱]

دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کو قبول کر کے اس کو بڑھاتے رہتے ہیں، جس طرح گھوڑے کے بچے کو پالا اور بڑا کیا جاتا ہے۔[۲]

ایک روایت میں ہے کہ عمل کا دار ومدار نیت پر ہے۔ نیت کے مطابق جزاء وسزا کا ترتب ہوگا۔[۳]

ان روایت سے معلوم ہوا کہ ہر خیر کے کام میں آدمی کو خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، دینی علوم

---

[۱] عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دينار أنفقته في سبيل الله، ودينار أنفقته في رقبة، ودينار تصدقت به على مسكين، ودينار أنفقته على أهلك. أعظمها أجرا الذي أنفقته على أهلك. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۲۲، رقم الحديث: ۳۹-۹۹۵، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك، وإثم من ضيعهم أو حبس نفقتهم عنهم، ط: ديوبند☆مشكاة المصابيح: ۱/ ۱۷۰، كتاب الصلاة، باب أفضل الصدقة، ط: مكتبة رشيدية-سهارن پور)

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب، وإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبه، كما يربي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۸۹، رقم الحديث: ۱۴۱۰، كتاب الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب، ط: رشيدية، سهارن پور، وانظر رقم: ۷۴۳۰، باب قول الله تعالى: {تعرج الملائكة والروح إليه}☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۲۶، رقم الحديث: ۶۳ و۶۴ - (۱۰۱۴)، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة... ، ط: ديوبند)

(۳) علقمة بن وقاص الليثي، يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ مانوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه. (صحيح البخاري: ۱/ ۲، رقم الحديث: ۱، باب بدء الوحي، كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم؟، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۴۱-۱۴۰، رقم الحديث: ۱۵۵- ۱۹۰۷، كتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: "إنما الأعمال بالنية"، وأنه يدخل فيه الغزو وغيره من الأعمال، ط: مختار اينڈ كمپني-ديوبند)

کی نشر و اشاعت کو امورِ خیر میں اعلیٰ مقام حاصل ہے؛ اس لیے مال داروں کو چاہیے کہ علوم دین کے طالبین کی ضرورت کو بہ طور خاص دھیان میں رکھیں، اور اپنے مال سے ہر ممکن تعاون کریں۔

مسلمان کی نیت دین کی اشاعت اور علم کو پھلانے وغیرہ کی ہوگی، تو اس نیت کی وجہ سے اس کو ان شاء اللہ علم دین کی مدد والی حدیثوں کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔ (۴)

البتہ صرف فرض زکوٰۃ ادا کرنے پر بس نہ کریں؛ (۵) بل کہ نفلی صدقات بھی کیا کریں اور فرض و نفل صدقہ میں موقع و محل اور نیت کے اعتبار سے ثواب میں کمی بیشی ہوتی رہے گی۔

[۳۴] زکوٰۃ اور سودی رقم سے مسجد کے لیے بیت الخلاء بنانا جائز ہے؟

۱۴۲۱- سوال: بعض لوگ زکوٰۃ اور بینک کی سودی رقم سے مسجد میں بیت الخلاء بنانا چاہتے ہیں، کیا ایسی رقم سے بیت الخلاء بنانا جائز ہے؟ کسی حیلہ سے جائز ہے یا نہیں؟ حیلہ کا طریقہ بھی بتائیں۔

الجواب حامدًا ومصلّیًا:

سود یا زکوٰۃ کی رقم سے بیت الخلاء بنانا جائز نہیں ہے۔ (۱) البتہ کوئی غریب آدمی دس پندرہ ہزار کسی

---

(۴) عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له". (الصحيح لمسلم: ۲/ ۴۱، رقم الحديث: ۱۴-(۱۶۳۱)، كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ط: ديوبند)

(۵) ﴿وَفِيْٓ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (۵۱-الذاريات: ۱۹)

عن فاطمة بنت قيس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن في المال حقا سوى الزكاة. (سنن الترمذي: ۱/ ۱۴۳، رقم الحديث: ۶۶۰، أبواب الزكاة، باب ما جاء أن في المال حقا سوى الزكاة، ط: ديوبند)

قال الكشميري: وأقول: عندي ذخيرة في مسألة الباب مرفوعة منها رواية ابن عمر بسند صحيح قوي، ويؤيد في ما مر في أول الزكاة عن أبي ذر عنه: "إلا من قال هكذا وهكذا فحثى" إلخ؛ فإن هذا ليس شأن الزكاة الواجبة. (العرف الشذي شرح سنن الترمذي- محمد أنور شاه بن معظم شاه الكشميري (م: ۱۳۵۳هـ): ۲/ ۱۲۷، كتاب الزكاة، باب ما جاء أن في المال حقا سوى الزكاة، تصحيح: الشيخ محمود شاكر، ط: دار التراث العربي- بيروت)

(۱) ادائیگی زکوٰۃ کی صحت کے لیے تملیک شرط ہے، جو بیت الخلا بنوانے میں نہیں پائی جاتی۔

سود کی رقم واجب التصدق ہے؛ لیکن اس میں صدقات واجبہ کی طرح تملیک شرط ہے یا نہیں؟ مشہور اختلافی مسئلہ ہے، مسجد میں اس کا استعمال درست نہیں، رفاہی کام میں خرچ کی جا سکتی ہے، بہتر یہ ہے کہ ایسی چیزوں میں نہ صرف کی جائے، جو باقی رہنے والی ہو، کہ اس کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں سے سود کی قباحت و شناعت کم ہو جائے گی۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

مال دار کے پاس سے قرض لے کر بیت الخلاء بنانے کے لیے مسجد کو دے، پھر زکوۃ یا سود کی رقم اُس غریب کو دے دی جائے اور اُس سے وہ اپنا قرض ادا کر دے، تو اُس سے غریب کو بیت الخلاء بنانے کا ثواب بھی مل جائے گا اور زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی اور سود کے وبال سے بھی ذمہ فارغ ہو جائے گا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] اسکول میں زکوۃ دینا

۱۴۲۲- سوال: ہمارے یہاں کوسمبا میں ایک اسکول میں زکوۃ، صدقۃ الفطر اور چمڑے کی رقم کا استعمال اس کی تعمیر، فرنیچر اور طلبہ کے اخراجات وغیرہ میں کیا جاتا ہے، شرعاً اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح مذکورہ رقوم کا استعمال اسکول میں جائز ہے؟ اور زکوۃ دہندگان کی زکوۃ ادا ہو جائے گی؟ جب کہ اسکول میں مال داروں کے بچے بھی پڑھتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زکوۃ اور صدقۃ الفطر کی رقم تعمیرات اور فرنیچر میں ڈائرکٹ (حیلہ کے بغیر) استعمال کرنا جائز نہیں، خواہ وہ مسجد و مدرسہ کی تعمیر ہو یا اسکول کی؛ کیوں کہ زکوۃ اور صدقۃ الفطر میں تملیک (غریب کو مالک بنانا) ضروری ہے اور اس طرح استعمال میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے، اگر ٹرسٹیان ایسا کرتے ہیں، تو لوگوں کی نہ زکوۃ ادا ہوگی اور نہ ہی صدقۃ الفطر ادا ہوگا، جس کی وجہ سے وہ گنہگار ہوں گے۔[۱]

---

(۲) لأن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء [أي إلى بناء نحو مسجد و إلى كفن ميت وقضاء دينه] مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۴۵/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۱) (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه). (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه، زيلعي. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۴۴/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۱۸/۲، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ولا يصرف في بناء مسجد، وقنطرة، ولا يقضي بها دين ميت، ولا يعتق عبداً، ولا يكفن ميتا. (المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲۸۲/۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱۸۸/۱، كتاب الزكاة، =

ہاں بچوں کی ماہانہ ۳۰-۳۵ روپے فیس مقرر کردی جائے، مال داروں کے بچے تو اپنی طرف سے فیس ادا کریں اور جو غریب طلبہ ہیں، ان کو زکوٰۃ اور صدقہ کی رقم کا مالک بنادیا جائے، اور پھر ان سے فیس ادا کرنے کو کہا جائے، اس طرح وہ رقم وصول کرلی جائے، پھر اس رقم کو چاہے تو ٹرسٹیان تعمیر میں استعمال کریں یا کسی اور چیز میں، اب اس کا استعمال جائز ہوگا۔[۲]

حاصل یہ کہ طلبہ جو غریب ہوں، ان کی فیس یا کتاب یا دیگر ضروریات کے لیے زکوٰۃ کی رقم کا ان کو مالک بنادیا جائے، تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

اور قربانی کا چمڑا بیچ دینے کے بعد اس کی رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے۔[۳] لہٰذا اس میں بھی مذکورہ طریقے کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند☆ الفتاوى التاتار خانية: ۲۰۸/۳، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

(هي) لغة الطهارة والنماء، وشرعا (تمليك) خرج الإباحة، فلو أطعم يتيما ناويا الزكاة لا يجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۵۶/۲-۲۵۷، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

(وصدقة الفطر كالزكاة في المصارف). [الدر المختار مع رد المحتار: ۳۶۸/۲، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: دار الفكر- بيروت]

(۲) وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه، ... وحيلة التكفين بها [الزكاة] التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۷۱/۲، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

لأن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء [أي إلى بناء نحو مسجد وإلى كفن ميت وقضاء دينه] مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۴۵/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۳) قربانی کی کھال جب تک مضحی کے پاس ہے، اس کو اختیار ہے کہ خود استعمال کرے، یا کسی (غریب و مال دار) کو دے دے، ہاں! اگر بیچ دیا، تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے: (ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب) وقربة وسفرة ودلو (أو يبدله بما ينتفع به باقيا) كما مر (لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه) كدراهم (فإن) (بيع اللحم أو الجلد به) أي بمستهلك (أو بدراهم) (تصدق بثمنه). [الدر المختار مع رد المحتار: ۳۲۸/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر- بيروت) =

[۳۶] اسکول میں صدقہ دینا ثواب کا ذریعہ ہے یا نہیں؟

۱۴۲۳- سوال: اسکول یا کسی عصری ادارے میں ''للہ رقم'' تعمیرات کے لیے دی جائے، تو کیا اس میں کوئی ثواب نہیں ملے گا؟ مسلم قوم صرف مسجد اور مدرسہ میں دینے کو ثواب سمجھتی ہے، اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن وحدیث میں صدقہ اور خیر خیرات کا حکم دیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ بعض جگہ دینے سے زیادہ ثواب اور بعض جگہ دینے سے کم ثواب ملتا ہے۔ چناں چہ بخاری شریف: (۱/ ۱۹۷) میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے کا عنوان قائم کیا ہے اور عنوان میں (تعلیقا) وہ روایت ذکر کی ہے، جس میں ہے کہ رشتہ دار کو صدقہ اور خیرات کرنے سے دو ثواب حاصل ہوتے ہیں، ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔[1]

دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک درہم اجنبی پر خرچ کیا، تو ایک ثواب اور رشتہ دار پر خرچ کیا تو دوہرا ثواب ملے گا۔[2]

= قال: "ويتصدق بجلدها" لأنه جزء منها "أو يعمل منه آلة تستعمل في البيت" كالنطع والجراب والغربال ونحوها، لأن الانتفاع به غير محرم "ولا بأس بأن يشتري به ما ينتفع بعينه في البيت مع بقائه" استحسانا، . . . واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح، فلو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن، برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۴/ ۳۵۵، كتاب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

(۱) باب الزكاة على الأقارب وقال النبي صلى الله عليه وسلم: له أجران أجر القرابة والصدقة. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۹۷، كتاب الزكاة، ط: ديوبند)

(۲) عن سلمان بن عامر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الصدقة على المسكين صدقة، وعلى ذي الرحم اثنتان صدقة وصلة. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي- أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۵/ ۹۲، رقم الحديث: ۲۵۸۲، كتاب الزكاة، الصدقة على الأقارب، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب☆سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ۱۸۴۴، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة)

اسی طرح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے اپنا باغ صدقہ کرنے کا ارادہ کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے رشتہ داروں پر صدقہ کرو۔[۳]

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ صدقہ کس جگہ پر کیا جاتا ہے، اس کے حساب سے ثواب میں کمی بیشی ہوگی، بلکہ علماء نے تو صاف لکھا ہے بعض جگہوں پر خرچ کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے، جیسے جولوگ بھیک مانگنے کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور اس کو ایک کاروبار کے طریقہ پر انجام دیتے ہیں، تو ایسے سائلوں کو دینے سے آدمی گنہ گار ہوگا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بھلائی اور نیکی کے کام میں مدد کرو اور گناہ وظلم کے کام میں مدد نہ کرو (قرآن شریف، سورۂ مائدہ)[۴]

مذکور آیت سے استدلال کرتے ہوئے الاشباہ کے حوالہ سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جو فقراء بھیک کی عادت بنالیتے ہیں، ان کو دینا گناہ ہے۔[۵]

---

(۳) أنس بن مالك رضي الله عنه، يقول: كان أبو طلحة أكثر الأنصار بالمدينة مالا من نخل، وكان أحب أمواله إليه بيرحاء، وكانت مستقبلة المسجد، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخلها ويشرب من ماء فيها طيب، قال أنس: فلما أنزلت هذه الآية: ﴿لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون﴾ [آل عمران: ۹۲] قام أبو طلحة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، إن الله تبارك وتعالى يقول: ﴿لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون﴾ وإن أحب أموالي إلي بيرحاء، وإنها صدقة لله، أرجو برها وذخرها عند الله، فضعها يا رسول الله حيث أراك الله، قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بخ، ذلك مال رابح، ذلك مال رابح، وقد سمعت ما قلت، وإني أرى أن تجعلها في الأقربين. فقال أبو طلحة: أفعل يا رسول الله، فقسمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمه. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۹۷، كتاب الزكاة، باب الزكاة على الأقارب وقال النبي صلى الله عليه وسلم: له أجران أجر القرابة والصدقة، ط: ديوبند)

(۴) ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (۵-المائدة: ۲)

(۵) فتاویٰ رشیدیہ میں احقر کو یہ بات نہیں ملی، البتہ درمختار اور شامی کی درج ذیل بحث سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے:

(ولا) يحل أن (يسأل) من القوت (من له قوت يومه) بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويأثم معطيه إلخ) قال الأكمل في شرح المشارق. ــــــ وأما الدفع إلى مثل هذا السائل عالما بحاله فحكمه في القياس الإثم به؛ لأنه إعانة على الحرام لكنه يجعل هبة وبالهبة للغني أو لمن لا يكون محتاجا إليه لا يكون آثما اهـ ــــــ أي: لأن الصدقة على الغني هبة كما أن الهبة للفقير صدقة لكن فيه أن المراد بالغني من يملك نصابا أما الغني بقوت يومه فلا تكون الصدقة عليه هبة بل صدقة فما فر منه وقع فيه أفاده في النهر.... ــــــ قال المقدسي في شرحه: وأنت =

ذرا غور کیجئے کہ بے موقع خیرات کرنے سے بجائے ثواب کے گناہ لازم ہوگیا۔ پس اسی طرح قوال، ناٹک اور ناچنے والے کو لانے کے لیے جو چندہ دے گا، وہ گنہگار ہوگا۔

اسی بنا پر مسلمان مسجد، مدرسہ، یتیم خانہ اور دار العلوم میں رقم دینے کو بڑے ثواب کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ان میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں؛ کیوں کہ ان کا مدار قرآن وحدیث پر ہے اور یہ رقم جس مصرف میں خرچ کی جاتی ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا نام روشن ہوتا ہے، خدا کی بندگی کی جاتی ہے اور اس کی عبادت وبندگی میں یہ رقم معین ومددگار ثابت ہوتی ہے، گویا اس کا سیدھا فائدہ صدقہ کرنے والے کو پہنچ گیا۔

انگلش میڈیم اسکول یا ہائی اسکول کی تعلیم کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے، اگر مذکورہ اسکول میں جانے سے اسلامی تہذیب کا ترک کرنا لازم آتا ہو اور دیگر قوم کی تہذیب وکلچر کو اپنایا جاتا ہو، تو اسکول چلانے والے عند اللہ ماخوذ ہوں گے؛ کیوں کہ وہ گناہ کے کام کا ایک ذریعہ بنے، اگر تعلیم کا مقصد صرف روٹی کا مسئلہ حل کرنا ہے، تب بھی اس میں کوئی ثواب نہ ملے گا، البتہ منتظمین اور طلبہ یہ نیت کریں کہ اس تعلیم کے ذریعہ مستقبل میں قوم کی عائد ہونے والی ذمہ داری کو بہ حسن وخوبی انجام دیں گے اور ڈاکٹری، وانجینیر نگ وغیرہ کے پیشے کے ذریعہ قوم وملت کی خدمت کریں گے اور مسلمانوں کو تمدنی ترقی دیں گے، تو اس ادارہ کے چلانے والے اور اس میں پڑھنے والے ضرور ثواب کے مستحق ہوں گے، بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے کہ: ''اعمال کا مدار نیت پر ہے''۔(۲)

پس جو کام جائز ہیں، اس میں صحیح نیت کرنے سے وہ عبادت بن جاتے ہیں اور بری نیت سے جائز

= خبير بأن الظاهر أن مرادهم أن الدفع إلى مثل هذا يدعو إلى السؤال على الوجه المذكور وبالمنع ربما يتوب عن مثل ذلك فليتأمل اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ۳۵۵/۲، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، قبيل: فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) علقمة بن وقاص الليثي، يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ مانوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ماهاجر إليه. (صحيح البخاري: ۲/۱، رقم الحديث: ۱، باب بدء الوحي، كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم؟، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱۴۰-۱۴۱/۲، رقم الحديث: ۱۵۵-۱۹۰۷، كتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: "إنما الأعمال بالنية"، وأنه يدخل فيه الغزو وغيره من الأعمال، ط: ديوبند)

کام: بل کہ عبادت بھی گناہ بن جاتی ہے۔ پس اسکول و ہائی اسکول اور عصری ادارے صحیح نیت کے ساتھ چلائے جائیں، تو جائز ہے اور اس میں رقم دینا ثواب کا ذریعہ ہوگا اور چلانے والے کو بھی نیت کے موافق ثواب ملے گا۔

پس قوم مسجد، مدرسہ میں خیر خیرات کو جو فرض سمجھتی ہے، وہ ایک اعتبار سے صحیح ہے اور آپ نے جو مصرف بیان کیا، وہ بھی صحیح ہے، اگر صحیح کام کیا جاتا ہے تو اس میں دینا بھی ثواب کا ذریعہ ہوگا، تاکہ مسلمان عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں اور کسی بھی اعتبار سے جاہل نہ رہیں اور ان دینی کاموں میں- جو دنیوی عہدوں کے ساتھ منسلک ہیں- کوئی رکاوٹ نہ آئے، درحقیقت یہ دونوں ہی نظریہ ایمانی غیرت پر مبنی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۷] زکوۃ کی رقم سے مدرسہ میں پنکھا لگانا

۱۴۲۴- سوال: زکوۃ کے پیسوں سے مدرسہ میں بجلی کا پنکھا لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہ لگایا جا سکتا ہو، اور کسی نے عدم واقفیت کی بناء پر لگالیا، تو تلافی کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی رقم سے مدرسہ وغیرہ کی تعمیر کرنا یا پنکھا لگانا جائز نہیں، اس میں تملیک نہ پائے جانے کی وجہ سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔[1] پس صورت مسئولہ میں وہ پنکھا نکال کر کسی فقیر کو مالک بنا دیں، پھر وہ فقیر اپنی رضامندی سے مدرسہ میں دے دے، تو یہ صورت جائز ہوگی اور زکوۃ دہندہ کا ذمہ بری ہوجائے گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولا يجوز أن يبني بالزكاة المسجد، وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه، زيلعي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند ☆ المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر- بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

(۲) ... الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: =

[۳۸] مدرسہ میں روپیہ دینے کی منت مانی، تو کیا غرباء کو دے سکتے ہیں؟

۱۴۲۵- سوال: ایک شخص نے منت مانی تھی کہ میرا یہ کام پورا ہو جائے تو میں ۱۰۰/روپے کسی بھی مدرسے میں دے دوں گا، اسی طرح اس نے دوسری بھی منت مانی کہ دوسرا فلاں کام ہو گیا، تو کسی مدرسے میں ۱۰۰/روں گا، اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا دونوں کام پورا ہو گیا، تو اس کو وہ ۲۰۰/روپے مدرسہ ہی میں دینے ہوں گے یا اپنی بستی کے غرباء کو بھی دے سکتا ہے؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں مجموعی ۲۰۰/روپے منت کے ادا کرنا واجب ہے، البتہ منت کی رقم دینے کے لیے اس نے کسی مدرسے کو متعین نہیں کیا ہے، اس لیے مدرسہ ہی میں دینا ضروری نہیں، غرباء، مساکین اور بیواؤں کو بھی دے سکتے ہیں۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۹] کیا یہ سب افراد زکوٰۃ کے مستحق ہیں؟

۱۴۲۶- سوال: (۱) ایک شخص کے پاس ۱۰/بیگہ زمین ہے، رہنے کا گھر ہے، دو بیل ہیں، ۶۱۲/گرام چاندی کی قیمت کے بہ قدر سونا ہے، قرض کچھ نہیں ہے؛ لیکن کھیتی کی آمدنی سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں، تو کیا وہ شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ ایسا شخص مستحق زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

(۲) اسی طرح ایک شخص کے پاس ۲۰/بیگہ زمین ہے، رہنے کا گھر ہے، دو بیل ہیں، ۶۱۲/گرام

=أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء [أي إلى بناء نحو مسجد و إلى كفن ميت وقضاء دينه] مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۱) (بخلاف) النذر (المعلق) فإنه لا يجوز تعجيله قبل وجود الشرط. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله فإنه لا يجوز تعجيله إلخ) لأن المعلق على شرط لا ينعقد سببا للحال؛ بل عند وجود شرطه، كما تقرر في الأصول، فلو جاز تعجيله لزم وقوعه قبل وجود سببه، فلا يصح، ويظهر من هذا أن المعلق يتعين فيه الزمان بالنظر إلى التعجيل، أما تأخيره فيصح لانعقاد السبب قبله، وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان والدرهم والفقير؛ لأن التعليق إنما أثر في تأخير السببية فقط، فامتنع التعجيل، أما المكان والدرهم والفقير، فهي باقية على الأصل من عدم التعيين؛ لعدم تأثير التعليق في شيء منها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۳۷، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في صوم الست من شوال، ط: دار الفكر-بيروت)

چاندی کی قیمت کے بہ قدر سونا ہے، ایک بھینس ہے، قرض کچھ نہیں ہے، لیکن کھیتی کی آمدنی سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں، تو کیا وہ شخص زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اسی طرح ایک شخص کے پاس ۳۰/بیگہ زمین ہے، رہنے کا گھر ہے، دو بیل ہیں، ۶۱۲/گرام چاندی کی قیمت کے بہ قدر سونا ہے، ایک بھینس ہے، قرض کچھ نہیں ہے، لیکن کھیتی کی آمدنی سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں، تو کیا وہ شخص زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۴) اسی طرح ایک شخص کے پاس ۴۰/بیگہ زمین ہے، رہنے کا گھر ہے، دو بیل ہیں، ۶۱۲/گرام چاندی کی قیمت کے بہ قدر سونا ہے، ایک بھینس ہے، قرض کچھ نہیں ہے، لیکن کھیتی کی آمدنی سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں، تو وہ شخص زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) ایک شخص کی ۳۰۰/روپے ماہانہ تنخواہ ہے، رہنے کا گھر ہے، ۶۱۲/گرام چاندی کی قیمت کے بہ قدر سونا ہے، قرض کچھ نہیں ہے، لیکن تنخواہ سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں، تو وہ شخص زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۶) اسی طرح ایک شخص کی ۴۰۰/روپے ماہانہ تنخواہ ہے، رہنے کے لیے کرایہ کا گھر ہے، ۶۱۲/گرام چاندی کی قیمت کے بہ قدر سونا ہے، قرض کچھ نہیں ہے؛ لیکن تنخواہ سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں، تو وہ شخص زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۷) اسی طرح ایک شخص کی ۴۰۰/روپے ماہانہ تنخواہ ہے، رہنے کے لیے خود کا گھر ہے، ۶۱۲/گرام چاندی کی قیمت کے بہ قدر سونا ہے، قرض کچھ نہیں ہے؛ لیکن تنخواہ سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں، تو وہ شخص زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۸) ایک شخص کی ۵۰۰/روپے ماہانہ تنخواہ ہے، رہنے کے لیے خود کا گھر ہے، ۶۱۲/گرام چاندی کی قیمت کے بہ قدر سونا ہے، قرض کچھ نہیں ہے؛ لیکن تنخواہ سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں، تو وہ شخص زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے سوال میں مختلف الفاظ ہیں: قرض نہیں ہے، تنخواہ اور آمدنی سے گھر کے اخراجات پورے

نہیں ہوتے ہیں، ۶۱۲ رگرام چاندی کی قیمت کے بہ قدر سونا ہے، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے بہ قدر سونا ہے، تو اس سلسلے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ کوئی ایک نصاب پورا ہو جاتا ہو، تو وہ مال دار کے حکم میں ہے، اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ (عالم گیری)[۱]

پس صورت مسئولہ میں ''سونا'' کے ساتھ گھر میں ایسے برتن ہوں گے، جو سال میں ایک مرتبہ بھی استعمال میں نہ آتے ہوں گے،[۲] تو اس کی قیمت بھی لگائی جائے گی اور سب ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے اور کچھ قرض بھی نہ ہو، تو فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسا شخص چھوٹے نصاب کا مالک ہے، اس پر صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب ہوگا، اسی طرح قربانی بھی واجب ہوگی، اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ (مستفاد: درمختار، عالم گیری، البحر الرائق)[۳]

لہٰذا میرے نزدیک مذکورہ تمام صورتوں میں اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ البتہ اس سلسلہ میں چند ضروری باتیں ملاحظہ فرمائیں:

۱- لیکن ''سونا'' نہ ہو، تو تمام آٹھوں صورتوں میں اگر گھر کے اخراجات پورے نہ ہوتے ہوں، تو

---

[۱] لا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا أي مال كان دنانير أو دراهم أو سوائم أو عروضا للتجارة أو لغير التجارة فاضلا عن حاجته في جميع السنة هكذا في الزاهدي والشرط أن يكون فاضلا عن حاجته الأصلية، وهي مسكنه، وأثاث مسكنه وثيابه وخادمه، ومركبه وسلاحه، ولا يشترط النماء إذ هو شرط وجوب الزكاة لا الحرمان كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر)

(۲) اگر سوال میں مذکور، سونا کے علاوہ، ضرورت سے زائد کوئی شئے نہ ہو، حتیٰ کہ کوئی ایسا برتن بھی نہ ہو، جو سال بھر استعمال میں نہ آتا ہو، تب وہ شخص چھوٹے نصاب (جس کی وجہ سے صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوتی ہے، اور زکاۃ لینا حرام ہو جاتا ہے) کا مالک نہیں شمار کیا جائے گا، اور اس کا حکم دوسرا ہوگا، یعنی اس کے لیے زکاۃ لینا جائز ہوگا۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے سونا کے ساتھ، جس برتن کا ذکر فرمایا ہے [گھر میں ایسے برتن ہوں گے، جو سال میں ایک مرتبہ بھی استعمال میں نہ آتے ہوں گے] عموماً خطہ گجرات میں ایسا ہوتا ہے؛ اس لیے اس کو موجود مان کر حکم بیان کیا ہے۔ مجتبیٰ حسن قاسمی

[۳] تجب [صدقة الفطر] ... (على كل) حر (مسلم) ... (ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية) كدينه وحوائج عياله (وإن لم ينم) ... وبه، أي بهذا النصاب (تحرم الصدقة) ... وتجب الأضحية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۵۸-۳۶۰، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: دار الكتاب الإسلامي)

زکوۃ لینا جائز ہوگا۔[۴]

۲-کھیتی کے لیے بیل ضرورت میں داخل ہے؛ لہٰذا اگر دو بیلوں کی قیمت ۵۰۰۰۰ر ہوگی، تب بھی زکوۃ لینا جائز ہوگا۔[۵]

۳-اگر سونے کی مالک عورت ہو، تو مذکورہ صورتوں میں شوہر کو زکوۃ دینا جائز ہوگا۔ [بہ شرطے کہ وہ اموال زکاۃ میں کسی اور شئے کے مالک نہ ہوں][۶]

۴-اسی طرح اگر شوہر اس سونے کا مالک ہو، تو عورت کو زکوۃ لینا جائز ہوگا۔[۷]

۵-اسی طرح اس کی بالغ اولاد کو بھی دینا جائز ہوگا۔[۸]

۶-مذکورہ تمام صورتوں میں اگر قرض ذمہ میں آجائے گا (جس سے نصاب ختم ہوجائے) تو زکوۃ لینا جائز ہوگا۔[۹]

۷-بھینس حاجت اصلیہ میں داخل ہے، اس لیے اس کی قیمت نصاب میں شمار نہیں کی جائے گی۔[۱۰] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۴، ۵، ۱۰) وكذا لو كان له حوانيت أو دار غلة تساوي ثلاثة آلاف درهم وغلتها لا تكفي لقوته وقوت عياله يجوز صرف الزكاة إليه في قول محمد - رحمه الله تعالى -، ولو كان له ضيعة تساوي ثلاثة آلاف، ولا تخرج ما يكفي له ولعياله، اختلفوا فيه قال محمد بن مقاتل يجوز له أخذ الزكاة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۶) مصرف الزكاة... (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: مستغرق في الحاجة) كدار السكنى وعبيد الخدمة وثياب البذلة وآلات الحرفة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)
يجوز دفع الزكاة إلى من يملك ما دون النصاب أو قدر نصاب غير تام، وهو مستغرق في الحاجة. (البحر الرائق: ۲/ ۴۱۹، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة، ط: دار الكتاب - ديوبند☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۳۲۲، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر)

(۷) ويدفع إلى امرأة غني إذا كانت فقيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)

(۸) ولا يجوز دفعها إلى ولد الغني الصغير كذا في التبيين. ولو كان كبيرا فقيرا جاز. (المصدر السابق)

(۹) (ومنها الغارم) وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر☆ الهداية مع فتح القدير: ۲/ ۱۸-۱۱۷، كتاب الزكاة، ط: رشيديه - پاكستان)

[۴۰] زکوۃ اور سود کی رقم مسافر خانہ کی تعمیر میں استعمال کرنا

۱۴۲۷- سوال: ہمارا ایک ادارہ ہے، جس میں زکوۃ، فطرہ اور سود وغیرہ؛ ہر طرح کی رقم کا ہم چندہ کرتے ہیں، ہمارا اہم مقصد ممبئی میں ایک مسافر خانہ بنانے کا ہے، تو ان پیسوں کو مسافر خانہ بنانے میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ ایک مدرسہ ابھی تیار ہوا ہے، اس کی تعمیر میں زکوۃ کے پیسے لگے ہیں۔ اگر اس کی اجازت نہیں ہے، تو اس سلسلہ میں کوئی حیلہ جواز کا ہو، تو بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس مقصد کو سہولت وآسانی کے ساتھ پورا فرمائے، آمین۔

زکوۃ اور صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے سلسلے میں فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس مال کا غریب ومسکین کو مالک بنانا ضروری ہے، اس کے بغیر زکاۃ وصدقۂ فطر کی ادائیگی درست نہیں ہوگی۔ (درمختار وشامی، عالم گیری، کنز، بحر وغیرہ)[۱]

غریب کو مالک بنائے بغیر اس کو دسترخوان پر بٹھا کر کھلانے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، البتہ اگر غریب کو روٹی اور سالن دے دے اور اس کھانے کا مالک بنا دے، تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔[۲]

اب اگر وہ غریب یہ کھانا کسی مال دار کو کھلائے، تو جائز ہے اور مال دار کے لیے اس کے کھانے میں

---

[۱] ويشترط أن يكون الصرف (تمليكا) لا إباحة كما مر (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه). (الدر المختار مع الرد: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت☆تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب-ديوبند☆المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا-ديوبند)

(۲) (هي) لغة الطهارة والنماء، وشرعا (تمليك) خرج الإباحة، فلو أطعم يتيما ناويا الزكاة لا يجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۵۶-۲۵۷، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب-ديوبند)

کوئی حرج نہیں ہے۔[۳]

ملکیت کی تبدیلی سے احکام میں بھی تبدیلی آتی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ حضرت بریرہؓ کے گھر آپ ﷺ تشریف لائے، تو حضرت بریرہؓ نے کھجور سے آپ کی مہمان نوازی کی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس ہانڈی میں کیا ہے؟ تو جواب دیا، اس میں گوشت ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہمیں اس میں سے نہیں کھلاؤ گی؟ تو حضرت بریرہؓ نے کہا: یہ صدقہ کا گوشت ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ تمہارے لیے صدقہ ہے، مگر (جب تم ہمیں دوگی تو) ہمارے لیے وہ ہدیہ ہوگا'' (حدیث)[۴]

اس لئے اگر کوئی شخص زکوۃ کی رقم مسجد و مدرسہ وغیرہ کی تعمیر میں [ڈائریکٹ] استعمال کرے گا، تو

---

(۳) قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۴/ ۱۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر-بيروت)

وأما الرجل الذي له جار مسكين، فتصدق على المسكين، فأهداها المسكين إلى غني؛ فإنما يحل له، لأنه ملكها بالهدية. (الفتاوى التاتارخانية: ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، الفصل الثامن بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا-ديوبند)

[۴] عن عائشة رضي الله عنها، قالت: كان في بريرة ثلاث سنن: عتقت فخيرت، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الولاء لمن أعتق، ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبرمة على النار، فقرب إليه خبز وأدم من أدم البيت، فقال: ألم أر البرمة، فقيل: لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: هو عليها صدقة، ولنا هدية. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۶۳، رقم الحديث: ۵۰۹۷، كتاب النكاح، باب الحرة تحت العبد، ط: ديوبند، وانظر رقم: ۱۴۹۳، كتاب الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۹۴، رقم الحديث: ۸-۱۱ (۱۵۰۴)، كتاب العتق، باب إنما الولاء لمن أعتق، ط: ديوبند)

(فقال -صلى الله عليه وسلم-: "ألم أر برمة فيها لحم") الاستفهام للتقرير (قالوا: بلى، ولكن ذلك لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: "هو") أي اللحم "عليها" أي على بريرة (صدقة ولنا هدية) قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح: ۴/ ۱۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر-بيروت)

جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ [۵]

البتہ اگر زکوٰۃ دہندگان نے اہل مدرسہ یا مسافر خانہ بنانے والوں کو اس کا وکیل بنادیا ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اور اس کو کسی جائز کام میں استعمال کرلیں، تو وہ وکیل بن جائیں گے۔ اب وہ کسی غریب کو مسافر خانہ کی اہمیت بتائیں اور وہ غریب کسی مال دار سے اتنی رقم بہ طور قرض لے، پھر مسافر خانہ کی تعمیر میں دے دے، پھر کمیٹی والے اس غریب کو زکوٰۃ کی رقم دے دیں، اور وہ غریب اس سے اپنا قرض ادا کردے تو یہ جائز ہے، اور جواز کا ایک قسم کا حیلہ ہے، اس سے غریب کو صدقہ وخیرات کا ثواب بھی مل جائے گا، اس حیلہ کے بغیر ویسے ہی زکوٰۃ استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ [۶]

سود کی رقم بھی اس طرح سے حیلہ کرکے استعمال کرنا بہتر ہے۔ [۷] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۵) ويشترط أن يكون الصرف (تمليكا) لا إباحة كمامر (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه). (الدر المختار مع الرد: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت ☆تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ولا يصرف في بناء مسجد، وقنطرة، ولا يقضي بها دين ميت، ولا يعتق عبداً، ولا يكفن ميتا. (المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا - ديوبند)

(۶) وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

والحيلة لمن أراد ذلك أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة، ولذلك الفقير ثواب هذه القرب. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۸۳، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع الزكاة فيه، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية، بيروت ☆ الفتاوى التاتار خانية: ۲/ ۲۰۸، كتاب الزكاة، الفصل الثامن بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا - ديوبند)

(۷) سود کی رقم رفاہی کاموں میں استعمال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اکابر امت کا اختلاف ہے، ایک بڑی جماعت جواز کی طرف گئی ہے، جن میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مفتی سید عبد الرحیم لاج پوریؒ، مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا محمد تقی عثمانی، استاذ گرامی مولانا=

[۴۱] طالب علم کو زکوۃ دینا

۱۴۲۸- سوال: سورت سوسائٹی کی جانب سے اکثر طلبہ کو برائے اعانت، ہر مہینہ کچھ مخصوص رقم ملتی ہے اور اس رقم میں زیادہ تر حصہ زکوۃ کا ہوا کرتا ہے، تو کیا طالب علم زکوۃ کی رقم لے سکتا ہے؟

اگر کوئی شخص، کسی طالب علم کو زکوۃ کی رقم دینا چاہے، خواہ وہ [طالب علم] گھر پر کتنا ہی مال دار ہو، تو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی ادائیگی کی صحت کے لیے اصل بات یہ ہے کہ فقیر کو مالک بنا دیا جائے۔ خواہ زکوۃ لینے والا طالب علم ہو یا کوئی دوسرا، تملیک ضروری ہے، تملیک کے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔ [۱] بس شرط یہ ہے کہ وہ زکوۃ کا مستحق ہو۔ [۲]

=خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم شامل ہیں، جیسا کہ ان کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس سلسلے میں بڑی مفصل ومحقق بحث فرمائی ہے، دیکھیے: فتاویٰ عثمانی: ۱۲۹/۳-۱۴۰، کتاب البیوع، فصل فی احکام المال الحرام والمخلوط، مال حرام کے تصدق میں تملیک ضروری ہے یا نہیں؟ ط: نعیمیہ- دیوبند۔

(۱) ویشترط أن یکون الصرف (تملیکا) لا إباحة کما مر (لا) یصرف (إلی بناء) نحو (مسجد و) لا إلی (کفن میت وقضاء دینه). (الدر المختار مع الرد: ۲/ ۳۴۴، کتاب الزکاة، باب المصرف، ط: دار الفکر- بیروت☆تبیین الحقائق: ۲/ ۱۸، أول کتاب الزکاة، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت☆البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول کتاب الزکاة، ط: دار الکتاب- دیوبند☆المحیط البرهاني - ابن مازۃ البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۲/ ۲۸۲، کتاب الزکاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن یوضع فیه الزکاة، ت: عبد الکریم سامي الجندي، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت☆الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۸۸، کتاب الزکاة، الباب السابع في المصارف، ط: زکریا- دیوبند☆الفتاوی التاتارخانیة: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۲۰، کتاب الزکاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فیه الزکاة، ط: زکریا- دیوبند)

(۲) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾. (۹- التوبة: ۶۰)

زیاد بن الحارث الصدائي، قال: أتیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فبایعته، فذکر حدیثا طویلا، قال: فأتاه رجل، فقال: أعطني من الصدقة، فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم: إن الله تعالی لم یرض بحکم نبي ولا غیره في الصدقات، حتی حکم فیها هو، فجزأها ثمانیة أجزاء، فإن کنت من تلك الأجزاء أعطیتك حقك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۳۰، رقم الحدیث: ۱۶۳۰، کتاب الزکاة، باب من یعطي من الصدقة، وحد الغنی، ط: دیوبند) =

لڑکا بالغ ہوجائے، تو باپ پر اس کے نان ونفقہ اور سکنیٰ وکسوہ کی ذمہ داری لازم نہیں۔ (۳) اس بنیاد پر مدارس میں پڑھنے والے بالغ طلبہ کا نان ونفقہ اس کے والد پر لازم نہیں۔ (۴) باپ کی مال داری کی وجہ سے

= قوله [تعالى]: إنما الصدقات للفقراء الآية تدل على أنه لا حق في الصدقات لأحد إلا لهذه الأصناف الثمانية، وذلك مجمع عليه، وأيضا فلفظة (إنما) تفيد الحصر ويدل عليه وجوه. (مفاتيح الغيب = التفسير الكبير - أبو عبد الله محمد بن عمر، التيمي الرازي الملقب بـ'فخر الدين الرازي' خطيب الري (م: ۶۰۶ھ): ۱۶/ ۸۰، سورة التوبة: ۹، آية: ۶۰، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

ثم بين مواضعها التي توضع فيها فقال {إِنَّمَا الصدقات لِلْفُقَرَاءِ والمساكين} قصر جنس الصدقات على الأصناف المعدودة أي هي مختصة بهم لا تتجاوز إلى غيرهم كأنه قيل إنما هي لهم لا لغيرهم كقولك إنما الخلافة لقريش تريد لا تتعداهم ولا تكون لغيرهم. (تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل) - أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي (م: ۷۱۰ھ): ۱/ ۶۸۸، سورة التوبة: ۶۰، ت: يوسف علي بديوي، ط: دار الكلم الطيب - بيروت ☆ جامع البيان في تأويل القرآن - محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (م: ۳۱۰ھ): ۱۴/ ۳۰۵، سورة التوبة: ۶۰، ت: أحمد محمد شاكر، ط: مؤسسة الرسالة)

مصرف الزكاة... (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) ولا يجب على الأب نفقة الذكور الكبار إلا أن الولد يكون عاجزا عن الكسب لزمانة، أو مرض. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۶۳، كتاب النكاح، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ط: زكريا - ديوبند)

(۴) مدارس میں پڑھنے والے بڑے طلبہ کا نان ونفقہ ان کے والد پر لازم ہے یا نہیں، فقہ کی بعض جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نفقہ بھی لازم ہے، بس شرط یہ ہے کہ وہ کسب وکمائی پر قادر نہ ہوں اور علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول ہوں، درج ذیل صراحت ملاحظہ فرمائیں:

وكذا طلبة العلم إذا كانوا عاجزين عن الكسب لا يهتدون إليه لا تسقط نفقتهم عن آبائهم إذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية لا بالخلافيات الركيكة وهذيان الفلاسفة، ولهم رشد، وإلا لا تجب كذا في الوجيز للكردري. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۶۳، كتاب النكاح، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ط: زكريا - ديوبند)

البتہ عمومی عبارات (مثلاً: حاشیہ نمبر ۳ کی عبارت) کی روشنی میں کہا جاتا ہے کہ ان کا نفقہ والدین پر لازم نہیں، اسی بناء پر مدارس میں پڑھنے والے ان طلبہ کے لیے زکاۃ دینے کو جائز قرار دیا گیا ہے، جن کے والد مال دار ہوں؛ کیوں کہ والد کی مال داری سے ان کی اولاد، مال دار کے حکم میں نہیں ہوتی۔ حضرت مفتی صاحبؒ اور دیگر مفتیان کرام کی رائے یہی ہے، اور ہمارے یہاں اسی پر فتویٰ ہے:

طلبۂ مدارس ''فی سبیل اللہ'' کے مصداق ہیں؛ اس وجہ سے بھی ان کے لیے زکاۃ لینا جائز ہے۔ (تفصیل کے لیے شامی کی حاشیہ نمبر ۵ میں درج بحث کے ساتھ ان کتابوں کی جانب رجوع کریں:)

رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۰، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة، قبيل: باب صدقة الفطر، ط: دار الكتاب =

وہ مال دار شمار نہیں ہوں گے، لہٰذا مدرسہ میں پڑھنے والا بالغ طالب علم - جو فی الحال نصاب کی مقدار کا مالک نہیں ہے - خواہ اس کا باپ گھر پر کتنا ہی مال دار کیوں نہ ہو، اس کو زکوۃ دینا اور اس کا لینا جائز ہے، زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ (۵) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الإسلامي ☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۲۲۰، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، ط: دار إحياء التراث العربي ☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ)، ص: ۷۲۰، كتاب الزكاة، باب المصرف، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت.

(۵) وأما ولد الغني فإن كان صغيرا لم يجز الدفع إليه وإن كان فقيرا لا مال له، لأن الولد الصغير يعد غنيا بغنى أبيه وإن كان كبيرا فقيرا يجوز، لأنه لا يعد غنيا بمال أبيه فكان كالأجنبي. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۵۸، كتاب الزكاة، باب المصارف، ط: زكريا - ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف☆رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۲۹۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا - ديوبند☆الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۱۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة☆المحيط البرهاني: ۳/ ۲۱۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

... أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية إلى ما لا بد منه. (الدر المختار) ـــــــ وفي حاشية ابن عابدين: وفي المبسوط: لا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا إلا إلى طالب العلم والغازي ومنقطع الحج لقوله - عليه الصلاة والسلام -: يجوز دفع الزكاة لطالب العلم وإن كان له نفقة أربعين سنة. اهـ... والمعنى أن الإنسان يحتاج إلى أشياء لا غنى عنها فحينئذ إذا لم يجز له قبول للزكاة مع عدم اكتسابه أنفق ما عنده ومكث محتاجا فينقطع عن الإفادة والاستفادة فيضعف الدين لعدم من يتحمله... قلت: وهو كذلك. والأوجه تقييد بالفقير، ويكون طلب العلم مرخصا لجواز سؤاله من الزكاة وغيرها وإن كان قادرا على الكسب إذ بدونه لا يحل له السؤال كما سيأتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۰، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت☆البحر الرائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة، قبيل: باب صدقة الفطر، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۲۲۰، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، ط: دار إحياء التراث العربي☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ)، ص: ۷۲۰، كتاب الزكاة، باب المصرف، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(و) لا إلى (غني) يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية... (و) لا إلى (طفله). (الدر المختار مع رد =

[۴۲] زکوۃ اور صدقات کی رقم سے غیر منقولہ جائداد خرید کر آمدنی کو مستحقین پر خرچ کرنا

۱۴۲۹- سوال: ہمارے گاؤں بارڈولی میں ''سٹو-یو'' نام کا ایک رجسٹرڈ ٹرسٹ پچھلے ستائیس سال سے کام کر رہا ہے، اس ادارے میں فی الحال زکوۃ، صدقہ، فطرہ اور للہ رقومات جمع ہیں، ادارے کے منتظمین کے پاس مذکورہ مدات کی رقوم آتی ہیں، وہ لوگ حیلہ کر کے بینک میں جمع کروا دیتے ہیں اور پھر حسب ذیل کاموں کے لیے ان کو خرچ کیا جاتا ہے:

(۱) دینی اور عصری طلبہ کی کفالت، ان کے لیے کتابوں کی فراہمی اور اسکولر شپ کا انتظام وغیرہ۔

(۲) مقامی لائبریری میں ہدیہ میں موصول شدہ رقومات کے ذریعہ یومیہ اخبار اور دوسرے رسائل اور میگزن خریدے جاتے ہیں۔

یہ بات آپ کو بھی بہ خوبی معلوم ہے کہ اس دور میں ایک لمبے عرصے سے حکومتی پیمانے پر ٹرسٹ کی جائداد پر سخت چھان بین ہو رہی ہے؛ ہمارے ٹرسٹ پر چھان بین کا قوی امکان ہے، ہمارے پاس جو کچھ رقم فی الحال موجود ہے، اس میں سے ہم لوگ کوئی غیر منقولہ جائداد لے کر اس کی آمدنی کو مذکورہ بالا مقاصد میں خرچ کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ہم لوگ اس رقم کے ذریعہ اس طرح کی کوئی ملکیت لے سکتے ہیں؟

احقر ازلی محمد اشرف عبد الحمید

الجواب حامداو مصليا:

سب سے پہلے چند اہم اصول لکھتا ہوں، جن سے جواب اچھی طرح حل ہو جائے گا۔

=المحتار: ۲/ ۳۴۹ - ۳۴۷، كتاب الزكاة، باب المصرف) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: ولا إلى طفله) أي الغني فيصرف إلى البالغ ولو ذكرا صحيحا، قهستاني، فأفاد أن المراد بالطفل غير البالغ ذكرا كان أو أنثى في عيال أبيه أو لا على الأصح لما أنه يعد غنيا بغناه، نهر. (رد المحتار: ۲/ ۳۴۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(وفي سبيل الله وهو منقطع الغزاة) وقيل الحاج وقيل طلبة العلم، وفسره في البدائع بجميع القرب. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: وقيل طلبة العلم) كذا في الظهيرية والمرغيناني واستبعده السروجي بأن الآية نزلت وليس هناك قوم يقال لهم طلبة علم قال في الشرنبلالية: واستبعاده بعيد؛ لأن طلب العلم ليس إلا استفادة الأحكام وهل يبلغ طالب رتبة من لازم صحبة النبي - صلى الله عليه وسلم - لتلقي الأحكام عنه كأصحاب الصفة، فالتفسير بطالب العلم وجيه خصوصا، وقد قال في البدائع: في سبيل الله جميع القرب، فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله، وسبيل الخيرات إذا كان محتاجا. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) زکوۃ، فطرہ اور صدقۂ واجبہ کی رقم کا کسی غریب کو مالک بنانا ضروری ہے، غریب کو مالک بنائے بغیر انجمن کے اخبار اور لائبریری کی کتابیں خریدنا جائز نہیں۔[1]

(۲) مذکورہ رقم دینے والے اصحاب مال حضرات جس نیت سے رقم دیتے ہیں، یا آپ کی تنظیم کے جو مقاصد ہیں، ان میں ہی خرچ کرنا ضروری ہے، ان کے علاوہ دوسرے مقاصد یا نئی اسکیم بنا کر، ان میں رقم خرچ کرنا جائز نہیں۔[2]

(۳) کتابیں صرف اگر پڑھنے کے لیے دی ہیں، مالک نہیں بنایا، تو جس قدر رقم سے کتابیں خریدی گئی ہیں، اس قدر زکاۃ کی ادائیگی باقی رہے گی۔[3]

(۴) آپ نے حیلہ کی صورت اور اس کا طریقہ نہیں لکھا ہے، جائز طریقہ سے حیلہ ہونا ضروری ہے۔

آپ کی تحریر کے مطابق (سٹو-یو) کے ضابطے کے مطابق روپے خرچ کرنے کے بعد زائد رقم جو بچی ہے، اس کو اگر خرچ نہ کیا جائے، تو سرکاری یا غیر سرکاری ادارے کی جانب سے پریشانی ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں اس زائد رقم سے کسی غیر منقولہ ملکیت حاصل کر لی جائے اور اس کی آمدنی کو ادارے کے مقاصد

---

(۱) . . . الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالى {وآتوا الزكاة} [البقرة: ۴۳] يقتضي التمليك، ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة، ولو كساه تجزيه لوجود التمليك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۱/ ۲۵۱-۲۵۲، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة☆الدر المختار مع الرد: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت☆البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب-ديوبند☆المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند☆الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا-ديوبند)

(۲) . . . الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) حاشیہ نمبر: (۱) دیکھیں۔

میں خرچ کیا جائے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ رقم خرچ کرنے میں اصل نمبر (۱) اور (۲) کا خیال رکھیں۔

آپ کے قوانین اور حیلے کے طریقے میرے سامنے نہیں ہیں؛ اس لیے زیادہ لکھنے سے قاصر ہوں، حیلہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ آپ کی یونین میں اگر غریب کی مدد کرنا بھی شامل ہو، تو غریب آدمی مال دار کے پاس سے ہزار روپیہ بہ طور قرض لے کر ادارے کو دے، اس کے بعد منتظمین حضرات مذکور پیسوں میں سے ہزار روپیہ غریب کو دے اور قرض دینے والا مال دار شخص فوراً اسی مجلس میں اپنا قرض وصول کرلے۔ (۴)

الغرض غیر منقولہ ملکیت حاصل کرنے کے لیے وقفے وقفے سے مذکورہ حیلہ کرتا رہے۔

غریبوں کی مدد کرنا بھی آپ کے مقاصد میں ہو، تو اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ ایسا نہ ہو کہ گاؤں کے غریب تو بغیر مکان کے زندگی بسر کریں اور آپ حضرات مضبوط غیر منقولہ ملکیت کی فکر میں مشغول ہوں، اگر واقعتاً رقم مقاصد ٹرسٹ کی تکمیل کے بعد بچ جائے، تب اس کو حیلے کے بعد غیر منقولہ جائداد میں منتقل کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۳] زکوۃ اور صدقے کی رقم کا مدرسے کے تعمیری کام میں استعمال کرنا اور تنخواہ دینا

۱۴۳۰- سوال: چندہ میں زکوۃ، صدقہ اور فطرہ کی رقم ملتی ہے، تو کیا اس رقم کو مدرسہ کے تعمیری کاموں میں نیز اساتذہ اور امام کی تنخواہ میں صرف کرسکتے ہیں؟

غلام محمد اسد غازی

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ، فطرہ اور صدقات واجبہ کی رقوم کی ادائیگی کی صحت کے لیے غریب اور فقیر کو مالک بنانا ضروری

(۴) وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

والحيلة لمن أراد ذلك أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة، ولذلك الفقير ثواب هذه القرب. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني- أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۸۳، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع الزكاة فيه، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۲/ ۲۰۸، كتاب الزكاة، الفصل الثامن بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

ہے۔[1] مساجد و مدارس کی تعمیر میں رقم لگانے سے تملیک کی شرط نہیں پائی جاتی ؛ اس لیے زکوۃ کی رقم کو مسجد و مدرسہ کے تعمیری کام میں اور ملازمین وائمہ کی تنخواہوں میں استعمال کرنا جائز نہیں ؛ کیوں کہ تنخواہ کام کا معاوضہ ہوتی ہے اور زکوۃ کو کام کے معاوضہ کے طور پر دینا جائز نہیں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۴۴] زکوۃ اور صدقے کی رقم کا حیلہ کر کے تعمیری کام میں استعمال کرنا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۴۳۱- سوال: زکوۃ، صدقہ اور فطرہ کی رقم اگر آئی ہوئی ہو، تو اس کو کیا کرنا چاہیے، حیلہ کر کے اس کو استعمال کر سکتے ہیں؟ اگر استعمال کر سکتے ہیں تو حیلہ کا طریقہ کیا ہے؟

غلام محمد اسد خانجی

الجواب حامداو مصليا:

اولاً دینے والے سے رابطہ کریں اور بتائیں کہ زکوۃ وصدقات کی رقم مسجد و مدرسہ کے تعمیری کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ؛ اگر دینے والوں کی طرف سے مناسب جواب نہ ملے، تو پھر منتظمین حضرات اس رقم میں حسب ذیل طریقہ سے حیلہ کر سکتے ہیں۔

جو بھی رقم ہو ؛ مثلاً : پانچ ہزار روپیہ زکوۃ کی رقم ہو، اب کوئی غریب دین دار آدمی مسجد و مدرسہ کے متولی اور منتظم کے پاس سے قرض لے کر مسجد و مدرسہ میں دے، اس کے منتظم مذکورہ پانچ ہزار روپیہ اسی غریب کو زکوۃ

---

(۱)... الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالى {وآتوا الزكاة} [البقرة:۴۳] يقتضي التمليك، ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة، ولو كساه تجزيه لوجود التمليك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م:۷۴۳ھ):۱/ ۲۵۱-۲۵۲، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة☆الدر المختار مع الرد: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت☆البحر الرائق:۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب-ديوبند☆المحيط البرهاني - ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۳۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا-ديوبند)

(۲) قد تقدم تخريجه مرارا.

کی نیت سے دے، پھر اسی جگہ پر اپنے پانچ ہزار روپیہ قرض کا بھی مطالبہ کرے، ایسی صورت میں اسے قرض بھی واپس مل جائے گا اور زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی، نیز اس دین دار شخص کو مسجد و مدرسہ میں امداد کا ثواب بھی ملے گا۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۵] زکوۃ وغیرہ کی رقم سے مدرسہ کی سالانہ رپورٹ چھپوانا

۱۴۳۲- سوال: زکوۃ، صدقہ، فطرہ اور وہ للہ رقم جو غرباء میں تقسیم کے لیے آتی ہے، اس رقم سے کوئی ادارہ کیا اپنی سالانہ رپورٹ تقریباً ایک ہزار روپیہ خرچ کر کے چھپوا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ادارہ اس رقم سے اپنی سالانہ رپورٹ چھپوانا چاہے تو اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

ایم رحمن چلیل لاجپوری

الجواب حامداً ومصلياً:

زکوۃ، صدقۂ واجبہ اور فطرے کی ادائیگی کی صحت کے لیے کسی غریب کو مالک بنانا ضروری ہے۔ (۱) اس

---

(۱) وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

والحيلة لمن أراد ذلك أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة، ولذلك الفقير ثواب هذه القرب. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۸۳، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع الزكاة فيه، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۲/ ۲۰۸، كتاب الزكاة، الفصل الثامن بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا-ديوبند)

(۱) لا يجوز الزكاة إلا إذا قبضها الفقير أو قبضها من يجوز القبض له، لولايته عليه. (المحيط البرهاني - ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت

... الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالى {وآتوا الزكاة} [البقرة: ۴۳] يقتضي التمليك، ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة، ولو كساه تجزيه لوجود التمليك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۲۵۱-۵۲، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر-بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب-ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: =

لیے مدرسہ کی سالانہ رپورٹ اس رقم سے حیلہ کیے بغیر چھپوانا جائز نہیں، کہ اس میں تملیک کا تحقق نہیں ہوتا ہے۔ البتہ اگر واقعی ضرورت ہو تو حیلہ تملیک کے بعد چھپوانے کی اجازت ہوگی۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۶] عبادت خانے کی تعمیر میں زکوۃ کی رقم استعمال کرنا

۱۴۳۳-سوال: نماز پڑھنے کی نیت سے ایک عبادت خانہ کی تعمیر ہوئی تھی، اس میں بچوں کو پڑھانے کا کام بھی ہوتا ہے، پنج وقتہ نماز بھی ہوتی ہے؛ مگر اس کا محراب نہیں ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس کے تعمیری کام میں زکوۃ کی رقم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداو مصليا:

تعمیری کام میں زکوۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں، زکوۃ میں تملیک شرط ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس [رقم زکاۃ] پر مستحق کو قبضہ دے دیا جائے؛ اور مذکورہ عمارت، موقوفہ کا مالک کوئی انسان نہیں ہے؛ لہٰذا زکوۃ کی ادائیگی کی شرط تملیک نہیں پائی جائے گی، اس لیے زکاۃ کی رقم اس کے تعمیری کام میں لگانا جائز نہیں۔[۱]
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

=زكريا- ديوبند☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

(۱) وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) ويشترط أن يكون الصرف (تمليكا) لا إباحة كمامر (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه). (الدر المختار مع الرد: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر- بيروت☆تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ولا يصرف في بناء مسجد، وقنطرة، ولا يقضي بها دين ميت، ولا يعتق عبداً، ولا يكفن ميتا. (المحيط البرهاني -ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

[۴۷] غریب آدمی کو مکان بنانے کے لیے زکوۃ کی رقم دینا

۱۴۳۴- سوال: موسم باراں میں زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے ایک آدمی کا مکان بالکل گر گیا ہے اور اس کی مرمت میں تقریباً پانچ ہزار روپیہ خرچ ہونے کا اندازہ ہے؛ لیکن مکان کے مالک میں اس کی مرمت کرانے کی استطاعت نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کی روزانہ کی آمدنی صرف اتنی ہے، جس سے اس کے گھر والوں کا گذارہ ہو جاتا ہے۔ زمین اس کے پاس صرف دو ایکڑ ہے؛ لیکن کئی سالوں سے پیداوار نہیں ہوتی، ہاں! جو تھوڑی بہت پیداوار ہوتی ہے، اس سے سال کے دوران ہونے والے چھوٹے چھوٹے قرضے ادا کر دیتا ہے، اس سے زیادہ رقم اس کے پاس باقی نہیں رہتی، تو ایسے آدمی کو مکان بنانے کے لیے زکوۃ کی رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا زکوۃ کی رقم کا حیلہ کر کے اس کو یہ رقم دے سکتے ہیں؟

حافظ آدم آچھودی

الجواب حامداً و مصلیاً:

مذکورہ شخص کو زکوۃ کی اتنی رقم دینا، جس سے اس کا مکان تعمیر ہو جائے یا مکان کی مرمت ہو جائے، جائز ہے۔[۱] لیکن بہتر یہ ہے کہ مکان کی تعمیر کے لیے ضروری ساز و سامان تھوڑا تھوڑا خرید کر اس کو دے، یا روزانہ تھوڑی تھوڑی رقم دے دیا کرے کہ جس سے وہ خود مکان کی تعمیر کے لیے ضروری ساز و سامان روزانہ خرید لیا کرے، زکوۃ کے طور پر بڑی رقم یک بارگی نہ دے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (قوله والفقير من له أدنى شيء) وهو مادون النصاب أو قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة . . . ويجوز صرف الزكاة لمن لا تحل له المسألة بعد كونه فقيرا ولا يخرجه عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية إذا كانت مستغرقة بالحاجة. (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد، المعروف بـ'ابن الهمام' (م: ۸۶۱هـ): ۲/۲۶۱، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۷، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) يندب دفع ما يغنيه يومه عن السؤال، واعتبار حاله من حاجة وعيال. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: والأوجه أن ينظر إلى ما يقتضيه الحال في كل فقير من عيال وحاجة أخرى كدهن وثوب وكراء منزل وغير ذلك كما في الفتح اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۵، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر)

(وكره إعطاء فقير نصابا) أو أكثر (إلا إذا كان) المدفوع إليه (مديونا أو) كان (صاحب عيال) بحيث (لو فرقه عليهم لا يخص كلا) أو لا يفضل بعد دينه (نصاب) فلا يكره، فتح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۵۳، الزكاة)

[۴۸] مصارفِ زکوۃ کیا ہیں اور مدارس میں زکوۃ دینا کیسا ہے؟

۱۴۳۵- سوال: زکوۃ کس کو دینے سے ادا ہوتی ہے؟ زکوۃ کے لیے کس کو مستحق سمجھنا چاہیے؟ اور اس کا معیار کیا ہے؟ گداگر (جن میں اکثر صاحب نصاب ہوتے ہیں، گرچہ ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا) ان کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

مساجد و مدارس میں براہ راست زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ادا ہو جاتی ہے، تو اس کو کس طرح صرف کرنا چاہیے؟ اور اگر ادا نہیں ہوتی ہے، تو مدارس کی چھپی ہوئی رسیدوں میں زکوۃ کے نام سے جو رقم وصول کی جاتی ہے، وہ کیسی ہے؟ زید کہتا ہے کہ اس طرح زکوۃ ادا نہیں ہوتی؛ جب کہ عمر کا کہنا ہے کہ چوں کہ مساجد و مدارس کی رسیدوں سے علمائے کرام زکوۃ وصول کرتے ہیں؛ اس لیے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، مفصل جواب درکار ہے۔ صالح محمد خان

الجواب حامداو مصليا:

زکوۃ کے مصارف خود اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں: إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (۹-التوبة:۶۰)

ان مستحقین کو اس کا مالک بنا دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔[1]

چوں کہ تملیک شرط ہے اور مسجد کا مالک کوئی مخصوص انسان نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا مساجد کی تعمیر اور اس کی

---

(۱) سوائے عاملین اور مؤلفۃ القلوب کے، مذکورہ تمام مستحقین، اپنے فقر کی وجہ سے مستحق زکوۃ ہوتے ہیں، لہٰذا جن کے پاس ضرورت سے زائد ساز و سامان بہ قدر نصاب (نامی یا غیر نامی) ہو جائے، تو وہ زکوۃ کے مستحق نہیں ہوں گے، اور اگر نصاب غیر نامی کے برابر نہیں ہے، تو وہ مستحق زکوۃ ہوں گے:

وجميع من يأخذ الصدقة من هذه الأصناف فإنما يأخذ صدقة بالفقر والمؤلفة قلوبهم والعاملون عليها لا يأخذونها صدقة وإنما تحصل الصدقة في يد الإمام للفقراء ثم يعطي الإمام المؤلفة منها لدفع أذيتهم عن الفقراء وسائر المسلمين ويعطيها العاملين عوضا من أعمالهم لا على أنها صدقة عليهم... ولما كان الغني هو الذي ملك مائتي درهم وما دونها لم يكن مالكها غنيا وجب أن يكون داخلا في الفقراء فيجوز له أخذها. (أحكام القرآن-أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م:۳۷۰ھ): ۳/ ۱۶۵-۱۶۶، مطلب: في أن تعلم العلم أفضل من الجهاد، ت: عبد السلام محمد علي شاهين، ط: دار الكتب العلمية- بيروت) =

صفوں کے خریدنے میں زکوۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں، اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔ (۲)

مدارس میں مختلف مدوں میں رقم صرف کی جاتی ہے، بعض میں زکوۃ استعمال کرنا جائز نہیں، جب کہ بعض میں زکوۃ کا استعمال درست ہے:

مدرسین وملازمین کی تنخواہوں میں زکوۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں۔ (۳)

نادار طلبہ کو کھانا کھلانے میں- جب کہ ان کو کھانے کا مالک بنادیا جائے- زکاۃ کی رقم استعمال کرنا جائز ہے۔ (۴)

اس لیے مدارس میں زکوۃ دینے سے بلاشبہ زکوۃ ادا ہوجائے گی، بس شرط یہ ہے کہ اس کو زکوۃ کے مصرف میں خرچ کیا جائے۔

تمام طلبہ کو ایک ساتھ بٹھا کر جو کھانا کھلایا جاتا ہے، اس میں تملیک نہیں پائی جاتی؛ بل کہ اباحت ہے، اس وقت ہمارے گجرات کے مدارس میں یہی نظام رائج ہے کہ کچن میں دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتے ہیں، طالب علم جتنا کھانا چاہے، کھاسکتا ہے، لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی، یہ طریقہ اباحت ہے، اگر زکوۃ کی رقم

---

(۲) ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة، ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه، وإلا فلا، وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة كذا في معراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

زکاۃ نام ہے: تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي، ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله - تعالى - هذا في الشرع كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها) ــــــ کسی کو شبہ ہوسکتا ہے کہ عاملین صدقہ کو تو بہ طریق تنخواہ زکوۃ دی گئی ہے، علامہ کاسانی کی "والعاملون عليها" کی بحث کے ضمن میں ذکر کردہ اس عبارت سے یہ شبہ ختم ہوجاتا ہے، وہ فرماتے ہیں: دل أنه إنما يستحق بعمله لكن على سبيل الكفاية له ولأعوانه لا على سبيل الأجرة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۴، كتاب الزكاة، فصل شرائط ركن الزكاة، الذي يرجع إلى المؤدي إليه، ط: دار الكتب العلمية - بيروت، مستفاد: حاشیہ نظام الفتاویٰ، محشی: مولانا امتیاز احمد قاسمی)

(۳) ويشترط أن يكون الصرف (تمليكا) لا إباحة كما مر (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه). (الدر المختار مع الرد: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت☆تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۴) (هي) لغة الطهارة والنماء، وشرعا (تمليك) خرج الإباحة، فلو أطعم يتيما ناويا الزكاة لا يجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۵۶-۲۵۷، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

سے اس طرح کھانا کھلایا جائے، تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

منتظمین و مہتممین زکوۃ دینے والوں کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں، لہٰذا وہ حیلۂ تملیک کرکے اپنی ذمہ داری سے بری ہوجاتے ہیں؛ اس لیے مدارس میں زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی۔[5] بل کہ موجودہ دور میں مدارس میں زکوۃ دینا زیادہ ثواب کا باعث ہے؛ کیوں کہ اس سے غریب کی امداد کے ساتھ دین کی نشر و اشاعت کا اہم کام بھی انجام پاتا ہے۔[6]

گداگری کا پیشہ اختیار کرنے والوں کو زکوۃ دینا جائز نہیں، حرام ہے۔[7]

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا فتوی ہے کہ ایسے لوگوں کو زکوۃ دینا معصیت اور گناہ کے

---

(۵) وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

والحيلة لمن أراد ذلك أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة، ولذلك الفقير ثواب هذه القُرَب. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۸۳، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع الزكاة فيه، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۲/ ۲۰۸، كتاب الزكاة، الفصل الثامن بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا-ديوبند)

(۶) وفي المعراج التصدق على العالم الفقير أفضل. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: أفضل) أي من الجاهل الفقير قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۷) (ولا) يحل أن (يسأل) من القوت (من له قوت يومه) بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله ويأثم معطيه إلخ) قال الأكمل في شرح المشارق. ـــــ وأما الدفع إلى مثل هذا السائل عالما بحاله فحكمه في القياس الإثم به؛ لأنه إعانة على الحرام لكنه يجعل هبة وبالهبة للغني أو لمن لا يكون محتاجا إليه لا يكون آثما اهـ. ـــــ أي؛ لأن الصدقة على الغني هبة كما أن الهبة للفقير صدقة لكن فيه أن المراد بالغني من يملك نصابا أما الغني بقوت يومه فلا تكون الصدقة عليه هبة بل صدقة فما فر منه وقع فيه أفاده في النهر.... ـــــ قال المقدسي في شرحه: وأنت خبير بأن الظاهر أن مرادهم أن الدفع إلى مثل هذا يدعو إلى السؤال على الوجه المذكور وبالمنع ربما يتوب عن مثل ذلك فليتأمل اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۵، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، قبيل: فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر-بيروت)

کام میں ان کی مدد کرنا ہے؛ لہٰذا فرمان الٰہی: {ولا تعاونوا علی الإثم والعُدوان} کی وجہ سے جائز نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۲/۲)[۸]

اس لیے جن لوگوں نے گداگری کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے، ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۹] ایسے مسکین کو زکوٰۃ دینا، جس کے پاس ایک دِن کے گذران کا انتظام ہو

۱۴۳۶-سوال: ایک ایسا مسکین ہے، جو تندرست ہے، محنت مزدوری کر کے اتنا کما لیتا ہے کہ صبح و شام کا کھانا کھا سکے، پھر بھی وہ صراحۃً زکوٰۃ کا سوال کرتا ہے، تو اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح دو روپے، پانچ روپے یا دس روپے مختلف فقراء کو بہ طور زکوٰۃ دیے جاتے ہیں، تو اس طرح زکوٰۃ ادا کرنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ شخص جس کے پاس صبح وشام کھانے کا انتظام ہو، قرض نہ ہو، اور تندرست ہو، تو اُس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے، البتہ مانگے بغیر کوئی اُسے دے، تو اُس کے لیے لینا جائز ہے، دینے والے کی زکوٰۃ بلا شبہ ادا ہو جائے گی۔[۱]

---

[۸] فتاویٰ رشیدیہ میں احقر کو صراحت کے ساتھ یہ بات نہیں ملی، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں ہے:

ایسے لوگوں کو دینے سے زکاۃ ادا نہ ہوگی، اور دینے کا گناہ ہوگا کہ اعانت معصیت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۵۲۴، کتاب الزکاۃ، باب العشر والخراج، زکاۃ وعشر اور مصرف کی تحقیق، ط: دار المعارف- دیوبند)

(۱) عن أبي كبشة السلولي، قال: حدثني سهل بن الحنظلية، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول "من سأل الناس عن ظهر غنى، فإنما يستكثر من جمر جهنم. قلت: يا رسول الله، وما ظهر غنى؟ قال أن يعلم أن عند أهله ما يغديهم، أو ما يعشيهم". (شرح معاني الآثار- أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (م: ۳۲۱ھ): ۲/ ۲۰، رقم الحديث: ۳۰۲۶، كتاب الزكاة، باب ذي المرة السوي الفقير هل يحل له الصدقة أم لا؟، ت: محمد زهري النجار، محمد سيد جاد الحق، و د. يوسف عبد الرحمن المرعشلي، ط: عالم الكتب)

(ولا) يحل أن (يسأل) من القوت (من له قوت يومه) بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم. (الدر المختار)ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: ولا يحل أن يسأل إلخ) قيد بالسؤال؛ لأن الأخذ بدونه لا يحرم، بحر، وقيد بقوله شيئا من القوت؛ لأن له سؤال ما هو محتاج إليه غير القوت كثوب شرنبلالية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۴-۳۵۵، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، =

ضرورت مند کو کم از کم اتنا دینا چاہیے کہ اس کی ایک دن کی ہر قسم کی ضرورت پوری ہو جائے، صرف دو چار روپے دینا مناسب نہیں ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۰] صدقہ کے مال کا مصرف اور لقطہ کا حکم، مدیون کو لقطہ دینا

۱۴۳۷- سوال: صدقہ کے مال کے حق دار کون لوگ ہیں؟

راستہ میں گری پڑی چیز کو ایک شخص نے اٹھالیا، مالک کو بہت تلاش کیا؛ لیکن نہیں ملا، تو اب اس چیز کا کیا کرے؟

ایک کسان کے پاس پانچ سے دس ایکڑ زمین ہے؛ لیکن مسلسل چار پانچ سالوں سے زمین کی فصلیں برباد ہوگئی ہیں؛ جس کی وجہ سے اس کے ذمہ تقریباً پانچ سات ہزار روپیوں کا قرض ہوگیا ہے، مزدوری کر کے وہ اپنے اہل وعیال کا خرچ پورا کرتا ہے، تو کیا ایسے آدمی کو صدقہ کا مال اور راستہ سے ملی ہوئی چیز دے سکتے ہیں؟

حاجی ابراہیم حاجی محمد

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقات واجبہ کے مستحقین غرباء، مساکین اور فقراء ہیں۔[۱]

= قبیل: فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت☆الفتاوى التاتارخانية: ۱۹۸/۳، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا - ديوبند☆البحر الرائق: ۴۲۷/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) يندب دفع ما يغنيه يومه عن السؤال، واعتبار حاله من حاجة وعيال. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۵۵/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (۹- التوبة: ۶۰)

زياد بن الحارث الصدائي، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعته، فذكر حديثا طويلا، قال: فأتاه رجل، فقال: أعطني من الصدقة، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تعالى لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات، حتى حكم فيها هو، فجزأها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك. (سنن أبي داود: ۲۳۰/۱، رقم الحديث: ۱۶۳۰، كتاب الزكاة، باب من يعطي من الصدقة، وحد الغنى، ط: ديوبند)

قوله [تعالى]: إنما الصدقات للفقراء الآية تدل على أنه لا حق في الصدقات لأحد إلا لهذه الأصناف الثمانية، =

جو شخص مقروض ہو، اس کو صدقہ کا مال دینا جائز ہے۔ [۲] بل کہ ایسے شخص کی مدد کرنا زیادہ بہتر ہے۔ [۳] اگر یہ مقروض شخص رشتہ دار ہوگا، تو صلہ رحمی کا بھی ثواب ملے گا۔ [۴]

راستہ میں سے مال ملا ہو، تو اولاً اس کے مالک کو تلاش کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے، اگر اس کا مالک مل جاتا ہو، تو اس کی چیز اس کو واپس کر دی جائے؛ لیکن اگر تلاش بسیار کے باوجود بھی مالک نہ ملے، تو پھر پانے والا شخص اگر غریب ہے، تو وہ اپنے استعمال میں لا سکتا ہے اور اگر وہ خود غریب نہ ہو، تو کسی غریب اور مستحق شخص کو دے دے۔

سوال میں مذکور کسان کو بھی - جب کہ وہ واقعۃً ضرورت مند ہو - دے سکتے ہیں۔

البتہ لقطہ (راستے میں گری ہوئی شئے) کو خرچ کر لینے کے بعد اگر اس کا اصل مالک مل جائے، تو اس کو

=وذلك مجمع عليه، وأيضا فلفظة (إنما) تفيد الحصر ويدل عليه وجوه. (مفاتيح الغيب = التفسير الكبير - أبو عبد الله محمد بن عمر، التيمي الرازي الملقب بـ'فخر الدين الرازي' خطيب الري (م:۶۰۶هـ):۱۶/ ۸۰، سورة التوبة:۹، آية:۶۰، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۲) قوله تعالى: (والغارمين) هم الذين ركبهم الدين ولا وفاء عندهم به. (الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي - أبو عبد الله محمد بن أحمد، شمس الدين القرطبي (م:۶۷۱هـ):۸/ ۱۸۳، التوبة:۶۰، ت: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، ط: دار الكتب المصرية - القاهرة)

وَالْغَارِمِينَ وهم المديونون بالاتفاق. (التفسير المظهري - محمد ثناء الله المظهري (م:۱۲۲۵هـ): ۴/ ۲۳۳، التوبة:۶۰، ت: غلام نبي التونسي، ط: مكتبة الرشدية - الباكستان)

ومديون لا يملك نصابا فاضلا عن دينه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۳) وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولى منه للفقير. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: أولى منه للفقير) أي أولى من الدفع للفقير الغير المديون لزيادة احتياجه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۷۱۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۱۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۴) عن سلمان بن عامر، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: إن الصدقة على المسكين صدقة، وعلى ذي الرحم اثنتان صدقة وصلة. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م:۳۰۳هـ): ۵/ ۹۲، رقم الحديث: ۲۵۸۲، كتاب الزكاة، الصدقة على الأقارب، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

اختیار ہے یا تو خرچ کردہ مال کی اجازت دے دے، اگر وہ اجازت دے دیتا ہے، تو ٹھیک ہے اور اگر اجازت نہ دے اور خرچ کرنے والے کو ضامن بنانا چاہے، تو ضامن بنا سکتا ہے۔[۵] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۱] دو سو روپیہ ماہوار اور بھینس پالنے والے امام کو زکوۃ دینا

۱۴۳۸- سوال: ایک مسجد کے امام اپنی امامت کے عوض دو سو سے سوا دو سو تک تنخواہ لیتے ہیں اور اپنے گھر پر بھینس وغیرہ بھی پالتے ہیں، تو کیا ان کو زکوۃ دے سکتے ہیں یا نہیں اور وہ پیش امام زکوۃ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداو مصليا:

زکوۃ کے حق دار غریب اور فقیر مسلمان ہیں۔[۱] جس امام کے ذمہ قرض ہو اور بھینس وغیرہ پالنے کے

(۵) هي مال يوجد في الطريق و لا يعرف له مالك بعينه . . . و إذا رفع اللقطة يعرفها . . . و يعرف الملتقط اللقطة في الأسواق و الشوارع مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك هو الصحيح ، كذا في مجمع البحرين . . . ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخير بين أن يحفظها حسبة و بين أن يتصدق بها ، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة يكون له ثوابها ، و إن لم يمضها ضمن الملتقط أو المسكين إن شاء لو هلكت في يده فإن ضمن الملتقط لا يرجع على الفقير و إن ضمن الفقير لا يرجع على الملتقط و إن كانت اللقطة في يد الملتقط أو المسكين قائمة أخذها منه ، كذا في شرح مجمع البحرين . (الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۹۰-۲۸۹ ، أول كتاب اللقطة ، ط: زكريا - ديوبند ☆ بدائع الصنائع: ۸/ ۳۳۵ ، كتاب اللقطة ، فصل في بيان ما يصنع باللقطة ، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(فينتفع) الرافع (بها لو فقيرا و إلا تصدق بها على فقير . (الدر المختار) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: فينتفع الرافع) أي من رفعها من الأرض: أي التقطها و أتى بالفاء ، فدل على أنه إنما ينتفع بها بعد الإشهاد و التعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها ، و المراد جواز الانتفاع بها و التصدق ، و له إمساكها لصاحبها . و في الخلاصة له بيعها أيضا و إمساك ثمنها . (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۲۷۹ ، كتاب اللقطة ، ط: دار الفكر)

(۱) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (۹-التوبة: ۶۰)

زياد بن الحارث الصدائي ، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه و سلم فبايعته ، فذكر حديثا طويلا ، قال: فأتاه رجل ، فقال: أعطني من الصدقة ، فقال له رسول الله صلى الله عليه و سلم: إن الله تعالى لم يرض بحكم نبي و لا غيره في الصدقات ، حتى حكم فيها هو ، فجزأها ثمانية أجزاء ، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك . (سنن أبي داود: ۱/ ۲۳۰ ، رقم الحديث: ۱۶۳۰ ، كتاب الزكاة ، باب من يعطي من الصدقة ، و حد الغنى ، ط: ديوبند)

باوجود بھی ان کا اوران کے اہل وعیال کا خرچ پورا نہ ہو پاتا ہو، تو اس کے لیے زکوۃ لینا جائز ہے۔[۲] بل کہ غریب جاہل کو زکوۃ کی رقم دینے کے بجائے کسی غریب عالم کو زکوۃ دینا زیادہ ثواب کا کام ہے۔[۳]

کیوں کہ غریب عالم کی زکوۃ کی رقم سے جب ضرورت کی تکمیل ہو جائے گی، تو قوم کے بچوں کی تعلیم

---

(۲) مستحق زکاۃ ہونے کے لیے مقروض ہونا شرط نہیں ہے؛ بل کہ اتنا ضروری ہے کہ حاجت اصلیہ کے علاوہ کسی بھی طرح کے مال سے نصاب کا مالک نہ ہو، لہٰذا امام صاحب اگر ایسے ہیں، تو ان کے لیے زکاۃ لینا جائز ہے:

فإن كان له فضل عن ذلك تبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۷، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر)

مصرف الزكاة... (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۵۸، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي - بيروت☆ اللباب في شرح الكتاب: ۱/ ۱۵۳، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، ط: المكتبة العلمية - بيروت☆ تبيين الحقائق: ۱/ ۲۹۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق - القاهرة)

(ومنها الغارم)، وهو من لزمه دين، ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

البتہ مقروض کو زکوۃ دینا اولیٰ ہے:

وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولى منه للفقير. (الدر المختار)ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أولى منه للفقير) أي أولى من الدفع للفقير الغير المديون لزيادة احتياجه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۱۲۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۴۵، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۳) وفي المعراج التصدق على العالم الفقير أفضل. (الدر المختار)ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أفضل) أي من الجاهل الفقير قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، باب دفع الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي - بيروت☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۲۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

وتربیت کی طرف زیادہ سکون کے ساتھ توجہ دے سکے گا اور بچوں کی تعلیم کے لیے زیادہ وقت فارغ کر سکے گا، نیز لوگوں کے درمیان تبلیغی کام میں بھی توجہ دے سکے گا؛ اس لیے جو عالم غریب ہو اور اپنے بال بچوں کے ساتھ بہ آسانی گذر بسر نہ کر پاتا ہو، اس کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۲] بینک کی سودی رقم اور زکوۃ سے چلنے والے ہسپتال سے امیروں کا فائدہ اٹھانا

۱۴۳۹- سوال: ایسے ہسپتال سے غریبوں کے علاوہ اصحاب مال وثروت بھی فائدہ اٹھانا چاہیں، تو اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

مال دار مسلمانوں کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۳] زکوۃ کی رقم کا مصرف کیا ہے؟

۱۴۴۰- سوال: ہم کس کو زکوۃ کی رقم دے سکتے ہیں؟

---

(۱) صدقة الفطر (تجب على حر مسلم)... (له نصاب الزكاة، فاضلا عن حاجته الأصلية وإن لم ينم)... (وبه) أي بهذا النصاب (تحرم الصدقة) (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۱/ ۱۹۳، كتاب الزكاة، باب على من تجب زكاة الفطر، ط: دار إحياء الكتب العربية)

ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا من أي مال كان، لأن الغنى الشرعي مقدر به الشرط أن يكون فاضلا من الحاجة الأصلية. (الهداية) ـــــــ قال العيني (م: ۸۵۵ھ): م: (ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا من أي مال كان) ش: يعني سواء كان من النقدين أو من العروض أو من السوائم م: (لأن الغنى الشرعي مقدر به) ش: أي بالنصاب م: (والشرط أن يكون فاضلا عن الحاجة الأصلية) ش: أي شرط عدم جواز دفع الزكاة إليه أن يكون النصاب فاضلا عن الحاجة الأصلية، لأنه إذا كان غير فاضل عن حاجته الأصلية يجوز الدفع إليه، والحاجة الأصلية في حق الدراهم والدنانير أن يكون الدين مشغولا بها، وفي غيرها احتياجه إليه في الاستعمال وأحوال المعاش. (البناية شرح الهداية: ۳/ ۴۷۶-۴۷۷، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، الحكم لو دفع الزكاة لغير مستحقيها وهو لا يعلم، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(و) لا إلى (غني) يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۷، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

مصرف الزكاة... (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی غریب کو دے دیجیے، [1] زکاۃ ادا ہو جائے گی، بہ شرطے کہ وہ اصول (باپ، دادا، اوپر تک) اور فروع (بیٹا، پوتا، نیچے تک) میں سے نہ ہو، نیز اپنی بیوی کو بھی زکاۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (درمختار) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۴] مصارفِ زکوٰۃ فقراء ومساکین ہیں

۱۳۴۱- سوال: زکوۃ کے پیسوں کا مستحق کون ہے؟ کیا غریب، محتاج، مسلم بھائی، یا مدرسوں کو

---

(۱) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (۹- التوبۃ: ۶۰)

زياد بن الحارث الصدائي، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعته، فذكر حديثا طويلا، قال: فأتاه رجل، فقال: أعطني من الصدقة، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تعالى لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات، حتى حكم فيها هو، فجزأها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۳۰، رقم الحديث: ۱۶۳۰، كتاب الزكاة، باب من يعطي من الصدقة، وحد الغنى، ط: ديوبند)

مصرف الزكاة... (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) (ولا) إلى (من بينهما ولاد) ولو مملوكا لفقير (أو) بينهما (زوجية) ولو مبانة. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: وإلى من بينهما ولاد) أي بينه وبين المدفوع إليه؛ لأن منافع الأملاك بينهم متصلة فلا يتحقق التمليك على الكمال، هداية، والولاد بالكسر مصدر ولدت المرأة ولادة وولادا، مغرب، أي أصله وإن علا كأبويه وأجداده وجداته من قبلهما، وفرعه وإن سفل بفتح الفاء من باب طلب... كأولاد الأولاد وشمل الولاد بالنكاح والسفاح فلا يدفع إلى ولده من الزنا ولا من نفاه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۶، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/ ۴۲۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا - ديوبند)

(قال): ولا يعطي زكاته وعشره ولده وولد ولده وأبويه وأجداده وكل من ينسب إلى المؤدي بالولادة، أو ينسب إليه بالولادة، ولا يجوز صرف الزكاة إليه؛ لأن تمام الإيتاء بانقطاع منفعة المؤدي عما أدى والمنافع بين الآباء والأبناء متصلة. قال الله تعالى: [آباؤكم وأبناؤكم لا تدرون أيهم أقرب لكم نفعا فريضة] [النساء: ۱۱] فلم يتم الإيتاء بالصرف إليهم. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۳/ ۱۱، كتاب الزكاة، باب عشر الأرضين، ط: دار المعرفة - بيروت)

زکوۃ دے سکتے ہیں؟ اسی طرح کسی کا قرض چکانے میں اس رقم سے مدد کر سکتے ہیں؟ نیز زکوۃ کے پیسے کہاں استعمال نہیں کر سکتے اور کہاں استعمال کر سکتے ہیں، برائے کرم اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامدا ومصليا:

غریب (یعنی جو شخص کسی بھی قسم کے نصاب کا مالک نہ ہو) کو زکوۃ دینا جائز ہے۔[۱] اصول (ماں، باپ) وفروع (لڑکا، لڑکی، پوتے نواسے) کے علاوہ،[۲] محتاج بھائی بہن، چچا، خالہ پھوپھی وغیرہ کو زکاۃ دینا جائز ہے۔[۳]

---

(۱) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۖ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (۹-التوبۃ:۶۰)

زياد بن الحارث الصدائي، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعته، فذكر حديثا طويلا، قال: فأتاه رجل، فقال: أعطني من الصدقة، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تعالى لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات، حتى حكم فيها هو، فجزأها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۳۰، رقم الحديث: ۱۶۳۰، كتاب الزكاة، باب من يعطي من الصدقة، وحد الغنى، ط: ديوبند)

مصرف الزكاة... (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) (ولا) إلى (من بينهما ولاد) ولو مملوكا للفقير (أو) بينهما (زوجية) ولو مبانة. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله: وإلى من بينهما ولاد) أي بينه وبين المدفوع إليه؛ لأن منافع الأملاك بينهم متصلة فلا يتحقق التمليك على الكمال، هداية، والولاد بالكسر مصدر ولدت المرأة ولادة وولادا، مغرب، أي أصله وإن علا كأبويه وأجداده وجداته من قبلهما، وفرعه وإن سفل بفتح الفاء من باب طلب... كأولاد الأولاد وشمل الولاد بالنكاح والسفاح فلا يدفع إلى ولده من الزنا ولا من نفاه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۶، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/ ۴۲۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا - ديوبند)

(قال): ولا يعطي زكاته وعشره ولده وولد ولده وأبويه وأجداده وكل من ينسب إلى المؤدي بالولادة، أو ينسب إليه بالولادة، ولا يجوز صرف الزكاة إليه؛ لأن تمام الإيتاء بانقطاع منفعة المؤدي عما أدى والمنافع بين الآباء والأبناء متصلة. قال الله تعالى: {آباؤكم وأبناؤكم لا تدرون أيهم أقرب لكم نفعا فريضة} [النساء: ۱۱] فلم يتم الإيتاء بالصرف إليهم. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۳/ ۱۱، كتاب الزكاة، باب عشر الأرضين، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۳) والأفضل في الزكاة والفطر والنذر، الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأعمام =

مدارس کے نادار طلبہ واساتذہ کو زکوۃ دینا زیادتی ثواب کا باعث ہے۔[۴]

مال دار اور سادات کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی۔[۵] ـــــ کافر کو بھی زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔[۶]

مدیون کے دین کی ادائیگی میں بھی اس رقم سے مدد کی جاسکتی ہے، بل کہ عام فقراء کے مقابلے میں مدیون کو دینا زیادہ بہتر ہے۔[۷] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=والعمات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأخوال والخالات، ثم إلى أولادهم ثم إلى ذوي الأرحام ثم إلى الجيران، ثم إلى أهل حرفته، ثم إلى أهل مصره أو قريته كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر ☆حاشية الطحطاوي على الدر: ۱/ ۴۳۰، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: رشيديه - پاكستان ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۳۳۳، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، ط: فقيه الأمة - ديوبند)

(۴) وفي المعراج التصدق على العالم الفقير أفضل. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: أفضل) أي من الجاهل الفقير قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۵) (و) لا إلى (غني) يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۷، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت)

ولا يدفع إلى بني هاشم... هذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة. (الهندية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر)

(۶) ومنها أن يكون مسلما، فلا يجوز صرف الزكاة إلى الكافر بلا خلاف؛ لحديث معاذ - رضي الله عنه - "خذها من أغنيائهم وردها في فقرائهم". أمر بوضع الزكاة في فقراء من يؤخذ من أغنيائهم، وهم المسلمون، فلا يجوز وضعها في غيرهم. (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۹، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، ط: دار الكتب العلمية)

(۷) (ومنها الغارم) وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر ☆الهداية مع فتح القدير: ۲/ ۱۸- ۱۱۷، كتاب الزكاة، ط: رشيديه - پاكستان)

وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولى منه للفقير. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: أولى منه للفقير) أي أولى من الدفع للفقير الغير المديون لزيادة احتياجه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر ☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆تبيين الحقائق: ۲/ ۱۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۵۵] غیر مسلم کو زکوۃ دینا

۱۴۴۲- سوال: کیا زکوۃ کی رقم غیر مسلم کو دی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں، جائز نہیں ہے۔ اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۶] اسلام کی دعوت پہنچانے میں زکوۃ کی رقم صرف کرنا

۱۴۴۳- سوال: کیا زکوۃ کی رقم کو اسلام کا پیغام پہنچانے میں یا دعوت کے کام میں خرچ کر سکتے ہیں؟ خواہ مسلمانوں کو نیک اعمال کی طرف بلانا ہو، یا غیر مسلموں کو اسلام کی جانب؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۷] زکوۃ کی رقم سے غریب علاقوں میں مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا

۱۴۴۴- سوال: کیا کوئی شخص زکوۃ کی رقم سے غریب علاقوں میں مدارس یا مساجد کی تعمیر کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ومنها أن يكون مسلما، فلايجوز صرف الزكاة إلى الكافر بلاخلاف؛ لحديث معاذ - رضي الله عنه - "خذها من أغنيائهم وردها في فقرائهم". أمر بوضع الزكاة في فقراء من يؤخذ من أغنيائهم، وهم المسلمون، فلايجوز وضعها في غيرهم. (بدائع الصنائع: ۲/۴۹، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) إذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع ما لم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه نحو الأب والوصي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند☆المحيط البرهاني: ۳/ ۲۱۴، كتاب الزكاة، الفصل الثامن)

(۳) (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه). (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه زيلعي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۵۸] زکوۃ کی رقم دور کے ممالک میں بھیجنا

۱۴۴۵- سوال: کیا کوئی زکوۃ کی رقم کو دور کے کسی ملک میں بھیج سکتا ہے؟ جب کہ قریب میں اس کے ملک میں ہی بہت سارے مسلمان محتاج ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسرے ملک میں زیادہ ضرورت مند ہوں، یا دینی ضرورت متقاضی ہو، تو بھیجنا جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۹] زکوۃ کا زیادہ حق دار کون ہے؟

۱۴۴۶- سوال: زکوۃ کے اولین مستحقین کون ہیں؟ محتاج علماء زیادہ حق دار ہیں یا رشتہ دار اور پڑوسی؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شہر یا بستی کی زکوۃ ہو، اسی شہر اور بستی کے ضرورت منداُس کے اولین مستحق ہیں، اگر رشتہ دار محتاج ہوں، تو اُنہیں دینے کا ثواب زیادہ ہے، نیز قرب وجوار کے محتاج علماء وطلبہ کو دینا بھی افضل ہے، اگر قرب وجوار کے محتاج لوگوں کی ضروریات پوری ہو جائیں اور دور کے کسی مدرسہ میں ضرورت زیادہ ہو، تو وہاں خرچ کرنا بہتر ہے۔ (عالم گیری)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قال: "ویکرہ نقل الزکاۃ من بلد إلی بلد" . . . "إلا أن ینقلها الإنسان إلی قرابته أو إلی قوم هم أحوج من أهل بلده" لما فیه من الصلة أو زیادة دفع الحاجة ولو نقل إلی غیرهم أجزأه وإن کان مکروها لأن المصرف مطلق الفقراء بالنص. (الهدایة: ۱/ ۲۰۸، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لا یجوز، ط: یاسر ندیم- دیوبند)

[۲] ویکره نقل الزکاة من بلد إلی بلد، إلا أن ینقلها الإنسان إلی قرابته، أو إلی قوم هم أحوج إلیها من أهل بلده، ولو نقل إلی غیرهم أجزأه، وإن کان مکروها. وإنما یکره نقل الزکاة إذا کان الإخراج في حینها، بأن أخرجها بعد الحول أما إذا کان الإخراج قبل حینها، فلا بأس بالنقل.

والأفضل في الزکاة والفطر والنذر، الصرف أولا إلی الإخوة والأخوات، ثم إلی أولادهم، ثم إلی الأعمام والعمات ثم إلی أولادهم ثم إلی الأخوال والخالات، ثم إلی أولادهم ثم إلی ذوي الأرحام ثم إلی الجیران، ثم إلی أهل حرفته، ثم إلی أهل مصره أو قریته کذا في السراج الوهاج. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۹۰، کتاب الزکاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفکر ☆ حاشیة الطحطاوي علی الدر: ۱/ ۴۳۰، کتاب الزکاة، باب المصرف، ط:=

[۶۰] زکوۃ کی رقم سے اساتذہ کو تنخواہ دینا

۱۴۴۷- سوال: زکوۃ کی رقم سے مدرسے کے اساتذہ کو تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زکوۃ کی رقم سے مدرسے کے اساتذہ کو تنخواہ دینا جائز نہیں ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۱] زکوٰۃ کی رقم سے مدرّس کی تنخواہ ادا کرنا

۱۴۴۸- سوال: ہمارے گاؤں ''دھورکا'' میں ''سنی باوا پیر'' نامی مکتب چلتا ہے، جس میں تقریباً ۱۴۰ رلڑکے اور لڑکیاں تعلیم حاصل کرتے ہیں، آج تک اُس میں صرف ایک ہی مدرّس طلبہ کو پڑھاتے ہیں، جو اُن سب کے لیے ناکافی ہیں، ابھی آٹھ دس دن سے دوسرے مدرّس کو رکھا گیا ہے، لیکن مکتب کی مالی حالت کمزور ہے، تو مکتب کے لیے زکوٰۃ کی رقم کا چندہ کر کے حیلہ کر کے مدرّس کی تنخواہ میں دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلّیاً:

زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے۔[۲]

لیکن اگر ہر لڑکے کی فیس مقرر کریں، غریب بچوں کو یا اُن کے اولیاء کو زکوٰۃ کی رقم دے کر اُن کو مالک بنایا جائے، اور وہ لوگ مدرسہ میں فیس ادا کریں، تو [بہ طور فیس جمع کی گئی] اُس [رقم] سے تنخواہ دینا جائز ہے۔[۳]

=رشیدیه - پاکستان ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م:۱۰۷۸هـ): ۱/ ۳۳۳، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، ط: فقيه الأمة - ديوبند)

وفي المعراج التصدق على العالم الفقير أفضل. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أفضل) أي من الجاهل الفقير قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۱) ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة، ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه، وإلا فلا، وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة كذا في معراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) سوال سابق کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: كان في بريرة ثلاث سنن: عتقت فخيرت، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الولاء لمن أعتق، ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبرمة على النار، فقرب إليه خبز وأدم من أدم البيت، فقال: ألم أر البرمة، فقيل: لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: هو عليها صدقة، ولنا هدية. =

آپ کس طرح حیلہ کرتے ہیں، لکھ بھیجیں، پھر اُس کا جواب دیا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۲] علماء کو صدقہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

۱۴۴۹- سوال: کیا صدقہ - خواہ واجب ہو یا نفل - غریب ضرورت مند علماء کو دے سکتے ہیں، جب کہ وہ سید نہ ہوں؟

یہاں صدقہ سے مراد دو چیزیں ہیں: (۱) جس نے واجب قربانی، ایام اضحیہ میں نہ کی ہو، اس جانور کی رقم کا صدقہ۔ (۲) دیگر صدقات۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحق علماء کو زکوۃ دینا افضل ہے، (۱) اور دیتے وقت زکوۃ کی صراحت کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ (۲) کسی بھی قسم کا صدقہ ضرورت مند علماء کو دے سکتے ہیں۔

= (صحيح البخاري: ۲/ ۷۶۳، رقم الحديث: ۵۰۹۷، كتاب النكاح، باب الحرة تحت العبد، ط: ديوبند، و انظر رقم: ۱۴۹۳، كتاب الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم ☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۴۹۴، رقم الحديث: ۸-۱۱ (۱۵۰۴)، كتاب العتق، باب إنما الولاء لمن أعتق، ط: ديوبند)

(فقال - صلى الله عليه وسلم -: "ألم أر برمة فيها لحم") الاستفهام للتقرير (قالوا: بلى، ولكن ذلك لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: "هو") أي اللحم "عليها" أي على بريرة (صدقة ولنا هدية) قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۴/ ۱۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر - بيروت)

. . . أن تبدل الملك كتبدل العين. (البحر الرائق: ۲/ ۲۶۴، كتاب الزكاة، باب دفع الزكاة إلى الأب و الجد أو الولد، ط: دار الكتاب الإسلامي - بيروت)

(۱) وفي المعراج التصدق على العالم الفقير أفضل. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أفضل) أي من الجاهل الفقير قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۲) ولم يشترط المصنف - رحمه الله - علم الآخذ بما يأخذه أنه زكاة؛ للإشارة إلى أنه ليس بشرط، وفيه اختلاف والأصح كما في المبتغى والقنية: أن من أعطى مسكينا دراهم، وسماها هبة، أو قرضا، ونوى الزكاة، فإنها تجزئه. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۲۲۸، كتاب الزكاة، شروط أداء الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

قربانی کا جانور- جسے قربانی کے ایام میں ذبح نہ کیا گیا ہو- بھی صدقہ کے طور پر علماء کو دینا جائز ہے، قربانی کا جانور نہ لیا ہو، تو اس کی رقم بھی بہ طور صدقہ دے سکتے ہیں، غرضے کہ کسی بھی قسم کا صدقہ، ضرورت مند علماء کو دینا جائز ہے۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۳] زکوۃ اور صدقہ واجب کا مصرف ایک ہی ہے

۱۴۵۰- سوال: کیا زکوۃ اور صدقہ کا مصرف ایک ہی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس کو زکوۃ دینا جائز ہے، اس کو صدقاتِ واجبہ دے سکتے ہیں، دونوں کا مصرف ایک ہی ہے۔ [۱] لیکن جس کو نفلی صدقہ دینا جائز ہے، ضروری نہیں ہے کہ اس کو زکاۃ دینا بھی جائز ہو۔ مثلاً سید، مزکی کے والدین اور اولاد وغیرہ، کہ ان کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہے؛ لیکن نفلی صدقہ دے سکتے ہیں۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۳) سوائے عاملین اور مؤلفۃ القلوب کے مذکورہ تمام مستحقین اپنے فقر کی وجہ سے مستحق زکوۃ ہوتے ہیں، لہٰذا جن کے پاس ضرورت سے زائد ساز وسامان، نصاب نامی یا غیر نامی کے برابر نہیں ہے، وہ مستحق زکوۃ ہیں، اور ان کو زکوۃ وصدقات دینا جائز ہے:

وجميع من يأخذ الصدقة من هذه الأصناف فإنما يأخذ صدقة بالفقر والمؤلفة قلوبهم والعاملون عليها لايأخذونها صدقة وإنما تحصل الصدقة في يد الإمام للفقراء ثم يعطي الإمام المؤلفة منها لدفع أذيتهم عن الفقراء وسائر المسلمين ويعطيها العاملين عوضا من أعمالهم لا على أنها صدقة عليهم... ولما كان الغني هو الذي ملك مائتي درهم ومادونها لم يكن مالكها غنيا وجب أن يكون داخلا في الفقراء، فيجوز له أخذها. (أحكام القرآن-أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م:۳۷۰ھ): ۳/۱۶۵-۱۶۶، مطلب: في أن تعلم العلم أفضل من الجهاد، ت: عبدالسلام محمدعلي شاهين، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

قال ابن عابدين: (قوله: أي مصرف الزكاة والعشر)... وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كمافي القهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) باب المصرف أي مصرف الزكاة والعشر، وأما خمس المعدن فمصرفه كالغنائم (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: أي مصرف الزكاة والعشر)... وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كمافي القهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۲) وكما لا يجوز صرف الزكاة إلى الغني، لا يجوز صرف جميع الصدقات المفروضة والواجبة إليه كالعشور=

[۶۴] قبرستان کی چہار دیواری میں زکوٰۃ کی رقم کا استعمال

۱۴۵۱- سوال: ہمارے گاؤں میں ہمارے خاندان کا ایک قبرستان ہے، جس میں ہمارے آباء واجداد مدفون ہیں، اُس قبرستان کے گرد پکی چہار دیواری نہیں ہے، اور قرب وجوار میں غیر مسلمین کی آبادی زیادہ ہے، یہ لوگ اپنے جانور وغیرہ قبرستان میں چرنے کے لیے چھوڑتے ہیں، اور اس وجہ سے وہاں کافی گندگی ہوجاتی ہے، نیز وہاں بدعات وخرافات بھی بہت ہوتی ہیں، اور مستقبل میں اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ اگر اُس کی پکی چہار دیواری نہ ہوئی، تو غیر مسلمین مندر بنا کر قبضہ کرلیں۔

ہماری اقتصادی حالت اتنی مضبوط نہیں ہے کہ ہم خود اُس کی چہار دیواری کا خرچ برداشت کرسکیں، ہم نے اپنی وسعت کے مطابق، کوشش کر کے کانٹے وغیرہ ڈال کر چہار دیواری قائم کی تھی، لیکن اس کو اُن غیر مسلمین نے کاٹ کر ہٹادیا، تو کیا ہم اس قبرستان کی پکی چہار دیواری کے لیے زکوٰۃ اور للہ رقم لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بستی کے مسلمان اس چہار دیواری کی تعمیر کے لیے زکوٰۃ کی رقم دیں، تو اُن کی زکوٰۃ ادا ہوگی؟ اور کیا اُن کو اس طرح زکوٰۃ دینے پر کوئی اجر ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان کی چہار دیواری، اُس کی حفاظت کے لیے ضروری ہے، اور محررہ بالا حالات کے پیش نظر از

= والكفارات والنذور وصدقة الفطر لعموم قوله تعالى {إنما الصدقات للفقراء} [التوبة:٦٠] وقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: لا تحل الصدقة لغني"؛ ولأن الصدقة مال تمكن فيه الخبث لكونه غسالة الناس لحصول الطهارة لهم به من الذنوب، ولا يجوز الانتفاع بالخبيث إلا عند الحاجة والحاجة للفقير لا للغني.———— وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني؛ لأنها تجري مجرى الهبة. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م:٥٨٧هـ): ٢/ ٤٧، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، ط: دار الكتب العلمية)

وعلى هذا يخرج الدفع إلى الوالدين وإن علوا والمولودين وإن سفلوا؛ لأن أحدهما ينتفع بمال الآخر ولا يجوز أن يدفع الرجل الزكاة إلى زوجته بالإجماع، وفي دفع المرأة إلى زوجها اختلاف بين أبي حنيفة وصاحبيه ذكرناه فيما تقدم. . . . وأما صدقة التطوع فيجوز دفعها إلى هؤلاء والدفع إليهم أولى؛ لأن فيه أجرين أجر الصدقة وأجر الصلة وكونه دفعا إلى نفسه من وجه لا يمنع صدقة التطوع. (حوالہ سابق)

ولا يدفع إلى بني هاشم. . . هذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة، فأما التطوع فيجوز الصرف إليهم. (الهندية: ١/ ١٨٩، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر)

حد ضروری ہے، جس کے لیے للہ اور سود کی رقم کا استعمال بھی جائز ہے۔ [1] قبرستان جس خاندان کا ہے، اگر اُس خاندان کے لوگ محتاج اور مستحقین زکوٰۃ ہوں، تو اُن کے لیے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم لے کر قبرستان کی چہار دیواری کے لیے خرچ کر دیں، اور اس طرح خرچ کرنے والے مساکین کو وہی اجر ملے گا، جو اپنی رقم کے خرچ کرنے پر ملتا ہے، اس لیے کہ وہ مستحقین زکوٰۃ ہونے کی وجہ سے اُس زکوٰۃ کی رقم کے مالک ہیں۔ (درمختار) [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۵] قبرستان کا احاطہ کرنے میں زکوٰۃ اور صدقۂ واجبہ کی رقم صرف کرنا

۱۴۵۲- سوال: ہمارے گاؤں میں مسلمانوں کے متعدد قبرستان ہیں، ان میں سے ایک قبرستان تقریباً ۹/۱ ایکڑ کا ہے، اس کا کئی سال پہلے تار کے ذریعہ احاطہ کیا گیا تھا، جو مرورِ ایام کی نذر ہو چکا ہے، اب چاروں طرف سے کسی قسم کی باؤنڈری نہیں ہے، جس کی وجہ سے مرحومین کی قبروں کی بے حرمتی ہو رہی ہے، فی الحال قبرستان میں جانور چرتے رہتے ہیں، جب کہ بازو میں غیر مسلمین کی آبادی ہے، وہ لوگ قبرستان میں استنجاء کرتے ہیں، جوا کھیلتے ہیں، شراب پیتے ہیں، آج کے اس پر آشوب دور میں اگر کوئی منع کرے، تو اختلاف

---

(۱) وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني، لأنها تجري مجرى الهبة. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۲/ ۴۷، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، ط: دار الكتب العلمية)

سود کی رقم رفاہی کاموں میں استعمال ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اکابرامت کا اختلاف ہے، ایک بڑی جماعت جواز کی طرف گئی ہے، جن میں مفتی کفایت اللہ دہلوی، مفتی سید عبد الرحیم لاج پوریؒ، مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا محمد تقی عثمانی، استاذ گرامی مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم شامل ہیں، جیسا کہ ان کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس سلسلے میں بڑی مفصل ومحقق بحث فرمائی ہے، دیکھیے: فتاویٰ عثمانی: ۳/ ۱۲۹۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے اس فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ رفاہی کام میں سود کی رقم استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

[۲] لأن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب بحر (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح- علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۴/ ۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر- بيروت)

وانتشار کی فضاء بن جائے گی اور مسلمانوں کا ناقابل تلافی نقصان ہوگا؛ ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے قبرستان کے اردگرد "تار" کے ذریعہ احاطہ (کمپاؤنڈ) کرنا ناگزیر ہے، تاکہ کسی قسم کے مائل پیدا نہ ہوں۔

قبرستان کے احاطہ کافی بڑا ہے؛ اس لیے صرفہ بھی کافی ہوگا، ہمارے گاؤں کے مسلمانوں کی معاشی حالت ایسی نہیں ہے کہ تمام مل کر تار کی چہار دیواری قائم کرلیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں قبرستان کے چہار دیواری کے لیے دوسرے گاؤں کے مسلمانوں سے چندہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس چندہ میں مسلمان زکوۃ، صدقہ، للہ اور سود کی رقم دیں، تو ان کا استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

موجودہ حالات میں قبرستان کا احاطہ جلد از جلد کرنا بہت ضروری ہے، دیر نہیں کرنی چاہیے، زکوۃ کی رقم استعمال نہیں کر سکتے، [1] ہاں للہ اور سود کی رقم کا استعمال جائز ہے۔ [2] قبرستان کی ضرورت کی تکمیل کے لیے لوگوں سے تعاون کی اپیل کرنا (چندہ کرنا) جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] زکوۃ کے پیسے قبرستان میں استعمال کرنا جائز نہیں

۱۴۵۳- سوال: قبرستان کی چہار دیواری کی تعمیر کے لیے زکوۃ کے پیسے دینا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس سے زکوۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامدا ومصلیا:

زکوۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کے لیے محتاج وفقیر کو مالک بنانا ضروری ہے، مسجد اور قبرستان کی تعمیر کے لیے دینے میں تملیک نہیں پائی جاتی؛ اس لیے زکوۃ کے پیسے مسجد، اور قبرستان وغیرہ کی تعمیر کرنے میں دینا جائز نہیں ہے۔ [3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولا يجوز أن يبني بالزكاة المسجد، وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه زيلعي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند)

(۲) تفصیل کے لیے سوال سابق بہ عنوان "قبرستان کی چہار دیواری میں زکوۃ کی رقم کا استعمال" ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) قد تقدم تخريجه عن: الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)
تفصیل کے لیے عنوان "قبرستان کی چہار دیواری میں زکوۃ کی رقم کا استعمال" اور "قبرستان کا احاطہ کرنے میں زکوۃ اور صدقۂ واجبہ کی رقم صرف کرنا" ملاحظہ فرمائیں۔

[۶۷] مدرسے کے پیسے بہ طور قرض، قبرستان میں استعمال کرنا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۴۵۴- سوال: فی الحال قبرستان کے کام کے لیے پیسوں کی سخت ضرورت ہے، تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ مدرسے کے پیسے بہ طور قرض اس میں استعمال کر لیے جائیں، پھر بعد میں قبرستان کے چندے کے پیسے مدرسہ کے حساب میں جمع کر دیے جائیں؟ اگر اس کی گنجائش نہ ہو، تو کسی حیلہ کی رہنمائی فرمائیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مدرسہ و مسجد کے متولیان جب مدرسہ و مسجد کا حساب الگ رکھتے ہوں، تو ایک کے مد سے بہ طور قرض پیسے لے کر دوسرے مد میں استعمال کرنا جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۸] زکوۃ کی رقم کا حیلہ کر کے مسجد کی تعمیر میں استعمال کرنا بہتر نہیں

۱۴۵۵- سوال: ہماری مسجد کا تعمیری کام جاری ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ ہمارے پاس للہ رقم نہیں ہے، جس کی بناء پر ہم نے زکوۃ کے پیسے وصول کر کے اس کا شرعی طریقہ سے حیلہ کر لیا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے، تو ہم نے تو کچھ رقم مسجد میں استعمال کر لی ہے۔ اس کا صحیح حل بیان کیجئے؟

پیسے کی قلت کی بناء پر تعمیری کام بہت دھیرے چل رہا ہے۔

---

(۱) حضرت تھانویؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

باذن معطین [قرض دینا] درست ہے، کیوں کہ اموال مذکورہ ہنوز ان کی ملک سے خارج نہیں ہوئے، رہی یہ بات کہ صورت مسئولہ میں اذن معطین دلالۃً ہے یا نہیں؟ یہ ایک واقعہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ہے، کیوں کہ چندہ دینے والے جب چندہ دیتے ہیں، تو عادت یہی ہے کہ وہ اس سے اپنا تعلق تصرف منقطع کر دیتے ہیں، اور متولی کو ہر مناسب تصرف کا اختیار دیتے ہیں، اس لیے صورت مسئولہ میں تصرف مذکور جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/ ۱۶-۱۷، کتاب الزکاۃ والصدقات، مد زکوۃ سے مدرسے کی دیگر مد میں قرض لینے یا صرف کرنے کا حکم، ط: زکریا- دیوبند)

اور فیض الباری میں ہے:

ولذا أفتيت لأصحاب المدارس أن يصرفوا مال الزكاة الذي عندهم في غير مصارفها دَيْنًا عليهم، فإذا جاء عندهم مال في ذلك المصرف يؤدُّوه عما صرفوه من مال الزكاة. (فيض الباري: ۳/ ۲۱۰، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى: {وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله}، ط: دار إحياء التراث العربي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی حیلہ کے بغیر زکوۃ کی رقم مسجد کے تعمیری کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ [۱] حیلہ کرنے کے بعد جائز ہے۔ [۲] لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ مسجد مدرسہ وغیرہ کے تعمیری کام میں زکوۃ کے پیسے حیلہ کرنے کے بعد بھی استعمال نہ کریں؛ کیوں کہ اس میں غرباء کا حق تلف ہوتا ہے۔ [۳]

مذکورہ صورت میں مجبوری کی بناء پر جو پیسے حیلہ کر کے استعمال کیے گئے ہیں، وہ جائز ہے، زکوۃ ادا ہوگئی ہے، اگر مستقبل میں اللہ رقم میسر نہ ہو، تو زکوۃ کے پیسے حیلہ کر کے استعمال کرنا جائز ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۹] مستحق زکوۃ کا زکوۃ کی رقم سے جیپ [گاڑی] خریدنا

۱۴۵۶- سوال: [۱] مجھے ایک پارٹی زکوۃ کی رقم دینا چاہتی ہے، تو کیا اس رقم سے میں جیپ گاڑی خرید سکتا ہوں؟

---

(۱) قد تقدم تخريجه مرارا عن الدر المختار وتبيين الحقائق وغيرهما من كتب الفقه.

(۲) وحيلة التكفين بها [الزكاة] التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

لأن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء [أي إلى بناء نحو مسجد وإلى كفن ميت وقضاء دينه] مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۳) وإذا فعله حيلة لدفع الوجوب كأن استبدل نصاب السائمة بآخر أو أخرجه عن ملكه ثم أدخله فيه، قال أبو يوسف لا يكره؛ لأنه امتناع عن الوجوب لا إبطال حق الغير. ـــــ وفي المحيط: أنه الأصح. ـــــ وقال محمد: يكره، واختاره الشيخ حميد الدين الضرير؛ لأن فيه إضرارا بالفقراء وإبطال حقهم مالا، وكذا الخلاف في حيلة دفع الشفعة قبل وجوبها. ـــــ وقيل الفتوى في الشفعة على قول أبي يوسف، وفي الزكاة على قول محمد، وهذا تفصيل حسن شرح درر البحار. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۸۴، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، ط: دار الفكر-بيروت)

استاذ گرامی، آفتاب فقہ، دار العلوم دیوبند کے عظیم مفتی، اور فتاویٰ دار العلوم کے اولین مرتب و محشی حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی-رحمہ اللہ-اس سلسلے میں رقم طراز ہیں: "حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ زکوۃ کے مصارف متعین ہیں، حیلہ کے بعد جو اصل مستحق ہیں، وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔" (فتاویٰ دار العلوم: ۶/۱۹۹، حاشیہ نمبر: ۲، مسائل مصارف زکاۃ، حیلہ کے ذریعے زکاۃ کی رقم تبلیغ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ ط: زکریا-دیوبند) [مرتب]

[۲] میں خود ڈرائیور ہوں اور زکوۃ کا مستحق ہوں، میری کوئی انکم نہیں ہے، میں نے ایک پارٹی سے پیسے مانگے، تو اس نے کہا کہ ہمارے پاس زکوۃ کے پیسے ہیں، اگر ان پیسوں کے تم شرعاً مستحق ہو، تو ہم تمہیں پیسے دینے کے لیے تیار ہیں، میں ان پیسوں سے جیپ گاڑی خریدنا چاہتا ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

[۱] اگر آپ زکوۃ کے مستحق ہیں، تو رقم لے کر جیپ گاڑی خرید سکتے ہیں۔[۱] لیکن ایک ہی آدمی کو زکوۃ کی اتنی بڑی رقم دینا کہ جس سے وہ صاحب نصاب ہو جائے، مکروہ ہے، البتہ اگر دے دی، تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ (درمختار)[۲]

[۲] جائز ہے۔[۳] اور اگر پارٹی زکوۃ کی رقم سے جیپ گاڑی خرید کر آپ کو دے دے تو بھی جائز ہے اور مذکورہ کراہت بھی باقی نہیں رہے گی؛ کیوں کہ جیپ گاڑی دینے کی وجہ سے آپ صاحب نصاب نہیں ہوں گے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۳/ ۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر-بيروت)

[۲] (وكره إعطاء فقير نصابا) أو أكثر (إلا إذا كان) المدفوع إليه (مديونا أو) كان (صاحب عيال) بحيث (لو فرقه عليهم لا يخص كلا) أو لا يفضل بعد دينه (نصاب) فلا يكره فتح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۵۳، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۲۱، كتاب الزكاة، الفصل الثامن المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا ديوبند)

ويكره أن يدفع إلى رجل مائتي درهم فصاعدا، وإن دفعه جاز كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)

(۳) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (۹-التوبة: ۶۰) ــــــــ وانظر رقم الحاشية: ۱.

(۴) کیوں کہ جیپ اس شخص کے لیے حاجت اصلیہ میں شمار کی جائے گی، لہٰذا اس پر وجوب زکاۃ کے سلسلے میں اس کو شمار نہیں کیا جائے گا، درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

مصرف الزكاة... (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: مستغرق في الحاجة) كدار السكنى وعبيد الخدمة وثياب البذلة وآلات الحرفة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر-بيروت)

[۷۰] زکوۃ کی رقم لینے کے بعد زکوۃ دینے والے کو واپس دینا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۴۵۷- سوال: زکوۃ کے وہ پیسے، جس سے میں گاڑی خرید چکا ہوں، پارٹی کو واپس دینا چاہوں، تو اس سلسلے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب آپ مستحق زکوۃ تھے، اس وقت زکوۃ کی رقم لی، اور گاڑی لے آئے، تو زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا ہوگئی اور آپ کے اوپر کوئی قرض واجب نہیں ہوا؛ لہٰذا اس رقم کے واپس کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

ہاں! اگر آپ نے یہ دل میں نیت کی ہے کہ ابھی تو میں زکوۃ کی رقم لے رہا ہوں؛ لیکن اللہ میری حالت اچھی کردے گا، تو میں اتنی رقم کسی دوسرے محتاج کو صدقہ کردوں گا یا دین کے کسی کام میں خرچ کروں گا، تو یہ بہت اچھا ارادہ ہے، اور نیت میں اخلاص ہے، بہر صورت رقم واپس کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ (مرقاۃ)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۱] زکوۃ لینے کے لیے حیلہ کرنا

۱۴۵۸- سوال: زکوۃ کی رقم وہ پارٹی حیلہ کرکے دے، تو کیا میں اس کو لے سکتا ہوں؟ اور بعد میں وہ پیسے پارٹی کو واپس کرنا چاہوں تو کیا کروں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ ان پیسوں کا حیلہ کس طرح کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر آپ مستحق ہیں، تو زکوۃ کی رقم لینے کے لیے حیلہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔(۱) اور مستحق نہیں

---

[۱] قال الطیبي: إذا تصدق علی المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۴/ ۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (۹-التوبۃ: ۶۰)

مصرف الزكاة... (هو فقير، وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر-بيروت)

ہیں، تو وہ رقم کسی غریب کے ہاتھ میں دیکر کہیں کہ اگر یہ رقم آپ فلاں کے کام میں دیں گے، تو آپ کو پوری رقم دینے کا ثواب مل جائے گا، جس غریب کے ہاتھ میں زکاۃ کی رقم حیلہ کے لیے دی جائے، اس کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے جو رقم دی گئی ہے، میں اس کا مالک ہوں، اور خوش دلی سے وہ آپ کو دے دے۔ کسی قسم کے دباؤ کی وجہ سے نہ ہو، ورنہ یہ شرعی حیلہ نہیں ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۲] شوہر کے لیے زکوۃ لینا جائز ہے، اگر چہ اس کی بیوی صاحب نصاب ہو

۱۴۵۹- سوال: ایک آدمی کی بیوی کے پاس سونا ہے، اس آدمی کی کوئی آمدنی نہیں ہے، اس کی بیوی سونے کی زکوۃ اپنے پاس موجود رقم سے دیتی ہے، اگر کوئی دوسرا آدمی زکوۃ کی رقم اس آدمی کو دے، تو کیا وہ زکوۃ کی رقم لے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاہے بیوی پر زکوۃ واجب ہو، لیکن شوہر غریب ہو، اور کوئی دوسرا آدمی اسے زکوۃ کی رقم دے، تو اس کے لیے لینا جائز ہے۔ (عالم گیری)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۳] جو خاتون زکوۃ کی مستحق نہ ہو، اس کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں

۱۴۶۰- سوال: ایک بیوہ عورت کو اس کے کسی رشتہ دار نے زکوۃ کی رقم بھیجی ہے اور صورت حال یہ ہے کہ عورت کے پاس سونا ہے، جس کی زکوۃ وہ عورت اپنی طرف سے ادا کرتی ہے، تو کیا اس عورت کے لیے زکوۃ کی رقم لینا جائز ہے؟ عورت کی دوسری کوئی آمدنی نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عورت پر زکوۃ یا قربانی واجب ہو، (نامی یا غیر نامی نصاب کے بہ قدر مال کی مالک ہو)

---

(۱) لأن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء [أي إلى بناء نحو مسجد و إلى كفن ميت وقضاء دينه] مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۴۵/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

[۲] ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب، وإن كان صحيحا مكتسبا كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية: ۱۸۹/۱، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

اس کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۴۷] زکوۃ کی رقم ادارہ چلانے میں اور ملازمین کی تنخواہوں میں صرف کرنا

۱۴۶۱- سوال: زکوۃ، صدقات کی رقم ادارہ کے نظم ونسق میں اور ملازمین کی تنخواہوں میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سے زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ادارہ کے ملازمین کی تنخواہ کا کسی صورت میں نظم نہ ہوسکے، تو کیا اس سلسلے میں زکوۃ کی رقم استعمال کرنے کی کوئی سبیل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی رقم ادارے کے نظم ونسق میں اور ملازمین کی تنخواہوں میں استعمال کرنا جائز نہیں، نظم ونسق میں تملیک نہیں پائی جاتی، حالاں کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے، نیز تنخواہ تو محنت کے عوض میں دی جاتی ہے، جب کہ زکوۃ، غریب ومسکین کا بلامحنت حق ہے۔ (درمختار)[2]

---

(۱) ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا من أي مال كان، لأن الغنى الشرعي مقدر به الشرط أن يكون فاضلا من الحاجة الأصلية. (الهداية)ـــــ قال العيني (م: ۸۵۵هـ): م: (ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا من أي مال كان) ش: يعني سواء كان من النقدين أو من العروض أو من السوائم م: (لأن الغنى الشرعي مقدر به) ش: أي بالنصاب م: (والشرط أن يكون فاضلا عن الحاجة الأصلية) ش: أي شرط عدم جواز دفع الزكاة إليه أن يكون النصاب فاضلا عن الحاجة الأصلية. (البناية شرح الهداية: ۳/ ۴۷۶-۴۷۷، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، الحكم لو دفع الزكاة لغير مستحقيها وهو لا يعلم، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

تجب [صدقة الفطر]... (على كل) حر (مسلم)... (ذی نصاب فاضل عن حاجته الأصلية) كدينه وحوائج عياله (وإن لم ينم)... وبه، أى بهذا النصاب (تحرم الصدقة)... وتجب الأضحية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۵۸-۳۶۰، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: دار الفكر☆البحر الرائق: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: دار الكتاب الإسلامي☆درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۱/ ۱۹۳، كتاب الزكاة، باب على من تجب زكاة الفطر، ط: دار إحياء الكتب العربية)

[۲] ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لو لم يعطه وإلا لا. (الدر المختار)ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: وإلا لا) أي؛ لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۶، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر)

سخت مجبوری کی حالت میں حیلہ کر کے تنخواہ میں دینا جائز ہے۔ (عالم گیری ☆ درمختار)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۵] گاؤں کی رضا کارانہ تنظیموں میں زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ اور سود کی رقم دینا

۱۴۶۲- سوال: ہمارے گاؤں میں مسلمانوں کی تین رضا کارانہ تنظیمیں کام کر رہی ہیں:

(۱) حکمت کتاب گھر، یہ تنظیم مفت میں دینی کتابیں مطالعہ کے لیے فراہم کرتی ہے۔

(۲) اتحاد ایجوکیشن کمیٹی، یہ تنظیم بچوں کی دنیوی تعلیم وترقی کے لیے کام کرتی ہے۔

(۳) مسجد کمیٹی، جو مسجد میں اگربتی، موم بتی، رومال اور جھاڑو جیسی دیگر اشیا فراہم کرتی ہے۔

مذکورہ بالا تینوں تنظیموں کے تعاون کے لیے سود، زکوٰۃ، صدقہ اور فطرہ کی رقم لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ تنظیموں میں زکوٰۃ، صدقہ یا فطرہ کی رقم دینے سے ادا نہ ہوگی،[۱] البتہ اگر تنظیم کے ذمہ دار حیلہ

---

[۲] مذهب علمائنا - رحمهم الله تعالى - أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة، والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى {وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث} [ص:۴۴] وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي - عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام - عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۶/ ۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل، ط: دار الفكر)

استاذ گرامی، آفتاب فقہ، دارالعلوم دیوبند کے عظیم مفتی، حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی- رحمہ اللہ- اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں، حیلہ کے بعد جو اصل مستحق ہیں، وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۶/ ۱۹۹، حاشیہ نمبر: ۲، مسائل مصارف زکاۃ، حیلہ کے ذریعے زکاۃ کی رقم تبلیغ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ ط: زکریا- دیوبند) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

... الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

(۱) کیوں کہ ان تنظیموں کو دینے میں شرط تملیک نہیں پائی جاتی: ـــــــ لأن الزكاة يجب فيها تمليك المال. اهـ... قال في الكشف الكبير في بحث القدرة الميسرة: الزكاة لا تتأدى إلا بتمليك عين متقومة حتى لو أسكن الفقير داره سنة=

کی صورت اختیار کریں تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، لیکن اس جیسی تنظیموں میں حیلہ کر کے تعاون حاصل کرنے والا گنہگار ہوگا، زکوۃ کی رقم ایسی تنظیموں میں بذریعہ حیلہ وصول کرنے سے فقراء کی حق تلفی ہوتی ہے، لہٰذا ان تنظیموں کے لیے دوسرا کوئی مدقائم کرنا چاہیے۔"[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۶] زکوۃ کی رقم سے مدرسہ میں پانی کی موٹر خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز صاحبِ نصاب شخص اُس موٹر کے پانی کو استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

۱۴۶۳-سوال: کسی شخص نے مدرسہ میں اپنی زکوۃ ادا کی، تو اُن پیسوں کے ذریعہ مدرسہ میں

=بنية الزكاة لا يجزئه، لأن المنفعة ليست بعين متقومة. اهـ. (البحر الرائق: ۲/ ۲۵۲-۲۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: زكريا-ديوبند ☆ المحيط البرهاني: ۳/ ۲۱۳، كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية☆الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۲۹۱، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا- ديوبند ☆تبيين الحقائق: ۲/ ۱۱، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) مذهب علمائنا - رحمهم الله تعالى - أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة، والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى {وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث} [ص: ۴۴] وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي - عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام - عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۶/ ۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل، ط: دار الفكر)

استاذ گرامی، آفتاب فقہ، دارالعلوم دیوبند کے عظیم مفتی، حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی-رحمہ اللہ- اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ زکوۃ کے مصارف متعین ہیں، حیلہ کے بعد جو اصل مستحق ہیں، وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۶/ ۱۹۹، حاشیہ نمبر: ۲، مسائل مصارف زکاۃ، حیلہ کے ذریعے زکاۃ کی رقم تبلیغ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ ط: زکریا-دیوبند) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

والحيلة لمن أراد ذلك أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة، ولذلك الفقير ثواب هذه القُرَب. (المحيط البرهاني -أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۸۳-۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع الزكاة فيه، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر)

پانی کی موٹر خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر موٹر خریدی جائے، تو اُس پانی کا استعمال کوئی صاحب نصاب شخص کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کے لیے زکوٰۃ کی رقم کے ذریعہ موٹر خریدنا جائز نہیں ہے، اگر خریدی گئی، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔[1] کسی غریب کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنانا ضروری ہے۔[2] اسی لیے مدارس میں زکوٰۃ دیتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ ایسے بڑے مدارس میں زکوٰۃ دی جائے، جہاں دور و دراز علاقے کے محتاج طلبہ بہ غرض تعلیم داخل ہوں، اور مدرسہ اُن کے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کی کفالت کرتا ہو، تاکہ اُن کو مالک بنایا جائے اور زکوٰۃ صحیح طرح ادا ہو سکے، چھوٹے مدارس، جہاں محتاج بچوں کی اقامت نہ ہو، وہاں تملیک نہیں ہوتی؛ اس لیے اُن میں زکوٰۃ کے علاوہ دوسری للہ رقم دی جائے، اگر للہ رقم کا انتظام کسی بھی طرح نہ ہوتا ہو تو زکوٰۃ کی رقم لے کر اولاً کسی غریب کو اُس کا مالک بنادیا جائے، پھر وہ اپنی رضامندی سے اگر مدرسہ میں دے دے، تو مدرسہ کے لیے اُس کا استعمال صحیح ہے، جس کو حیلہ کہا جاتا ہے۔[3] اگر اس طرح کا حیلہ کرکے پانی کی

---

(۱) ولا يصرف في بناء مسجد، وقنطرة، ولا يقضي بها دين ميت، ولا يعتق عبداً، ولا يكفن ميتا. (المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۲/ ۲۸۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن يوضع فيه الزكاة، ت: عبدالكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: زكريا- ديوبند☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۲۰۸، رقم المسئلة: ۴۱۴۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

(۲) . . . الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالى {وآتوا الزكاة} [البقرة: ۴۳] يقتضي التمليك، ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة، ولو كساه تجزيه لوجود التمليك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۱/ ۲۵۱-۵۲، أول كتاب الزكاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة☆الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: دار الفكر- بيروت☆البحر الرائق: ۲/ ۳۵۳، أول كتاب الزكاة، ط: دار الكتاب- ديوبند)

(۳) وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

والحيلة لمن أراد ذلك أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة، ولذلك الفقير ثواب هذه القرب. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني- أبو المعالي=

موٹر خریدی گئی ہو تو اُس پانی کا استعمال غریب و امیر؛ ہر شخص کر سکتا ہے، لیکن اس طرح کے حیلہ کی گنجائش صرف بہ حالتِ مجبوری ہے، لہٰذا اُس سے بچنا چاہیے، کیوں کہ اگر اس طرح حیلہ کے ذریعہ مدارس کے ہر قسم کے مد میں زکوٰۃ استعمال ہونے لگے گی، تو غرباء اور مساکین کی حق تلفی ہوگی، اور زکوٰۃ کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۷] متعین کام کے لیے بھیجے گئے پیسے دوسرے مصرف میں استعمال کرنا درست نہیں

۱۴۶۴- سوال: میرے ایک متعلق نے ایک متعین کام کے لیے کچھ رقم بھیجے ہیں، دریافتیہ کرنا ہے کہ کیا جس کام کے لیے پیسے بھیجے گئے ہوں، اسی کام میں استعمال کرنا ضروری ہے یا اس کو چھوڑ کر دوسرے کام میں پیسے لگا سکتے ہیں؟ مثلاً شادی کے لیے پیسے بھیجے گئے ہوں، تو اس کو چھوڑ کر کھیتی باڑی میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کو پیسوں کا مالک بنا دیا ہے، تو پھر آپ کو اس میں اختیار ہے، جس مصرف میں خرچ کرنا

=برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مازۃ البخاري الحنفي (م:٦١٦ھ):٢/ ٢٨٣، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع الزكاة فيه، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية ☆ الفتاوى التاتارخانية: ٢/ ٢٠٨، كتاب الزكاة، الفصل الثامن بمن توضع فيه الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

(۴) مذهب علمائنا - رحمهم الله تعالى - أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة، والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى {وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث} [ص: ۴۴] وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي - عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام - عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ٦/ ٣٩٠، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى التاتارخانية: ١٠/ ٣١١، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل وعدمها، ط: زكريا- ديوبند)

استاذِ گرامی، آفتابِ فقہ، دارالعلوم دیوبند کے عظیم مفتی، حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی- رحمہ اللہ- اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں، حیلہ کے بعد جو اصل مستحق ہیں، وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۶/ ۱۹۹، حاشیہ نمبر: ۲، مسائل مصارف زکاۃ، حیلہ کے ذریعے زکاۃ کی رقم تبلیغ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ ط: زکریا- دیوبند) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

چاہیں، کر سکتے ہیں۔[1] ہاں اگر آپ نے شادی کے لیے مانگا ہو، اور انہوں نے شادی کے نام سے ہی دیے ہو، تو پھر دوسرے مصرف میں استعمال کرنا، سامنے والے کو دھوکہ دینا ہے؛ اس لیے وعدہ خلافی ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۸] زکاۃ کی رقم پر قبضہ کے بعد مستحق کو ہر طرح کا تصرف حاصل ہوتا ہے

۱۴٦۵- سوال: عمر نے زید کو صدقہ اور سود کی رقم دی، اب زید اس سے کسی محتاج طالب علم کو کتابیں خرید کر دینا چاہتا ہے، یا فیس ادا کرنا چاہتا ہے، تو جائز ہے یا نہیں؟ باتفصیل جواب مرحمت فرمیں۔

الجواب حامداومصليا:

اگر زید غریب ہے، مستحق زکاۃ ہے، اور اس کو عمر نے زکاۃ وصدقہ یا سود کی رقم دی ہے، تو وہ [زید] اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کے لیے اس میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار رہے گا۔[3]

البتہ حیلہ کے طور پر زید پر کسی قسم کی زبردستی یا زور ڈالنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا زید طلبہ کو کتابیں یا فیس یا دوا وغیرہ اپنی مرضی سے دینا چاہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت بریرہؓ کے پاس صدقہ کا گوشت

---

(۱) قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه فله أن يهدي به إلى غيره اهـ وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۴/ ۱۳۰۳، رقم: ۱۸۲۵، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، ط: دار الفكر)

... أن تبدل الملك كتبدل العين. (البحر الرائق: ۲/ ۲٦۳، كتاب الزكاة، باب دفع الزكاة إلى الأب والجد أو الولد وولد، ط: دار الكتاب الإسلامي-بيروت)

(۲) عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۳۳، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، وانظر: ۲٦۸۲، كتاب الشهادات، باب من أمر بانجاز الوعد☆الصحيح لمسلم، رقم: ۱۰۷-۵۹، كتاب الإيمان، باب بيان خصال المنافق)

... الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲٦۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر- بيروت☆ المبسوط: ۲/ ۲۰۳، كتاب الزكاة، باب العشر، ط: دار المعرفة- بيروت☆البحر الرائق: ۲/ ۴۲٦، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا- ديوبند)

(۳) سوال سابق کا حاشیہ نمبر ا دیکھیں۔

آیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے صدقہ ہے اور ہمیں کھلاؤ گی، تو ہدیہ ہوگا۔ (حدیث)[۲]

معلوم ہوا کہ تبدیل ملک سے احکام بدل جاتے ہیں، عمر نے زید کو صدقے یا سود کے پیسے دیے اور مالک بنادیا، اب زید اس کو مسجد، مدرسہ میں دینا چاہے یا کتابیں خرید کر طلباء کو دے، تو جائز ہے۔

---

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح البخاري: ۲/ ۷۶۳، رقم الحدیث: ۵۰۹۷، کتاب النکاح، باب الحرة تحت العبد، ط: دیوبند، و انظر رقم: ۱۴۹۳، کتاب الزکاة، باب الصدقة علی موالي أزواج النبي صلی اللہ علیہ وسلم ☆ الصحیح لمسلم: ۲/ ۴۹۴، رقم الحدیث: ۸-۱۱ (۱۵۰۴)، کتاب العتق، باب إنما الولاء لمن أعتق، ط: دیوبند.

وهي [صدقة الفطر] واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية كذا في الاختيار شرح المختار، ولا يعتبر فيه وصف النماء ويتعلق بهذا النصاب وجوب الأضحية، ووجوب نفقة الأقارب هكذا في فتاوى قاضي خان.

(عالمگیری: ۱/۱۹۱، کتاب الزکاۃ، الباب الثامن فی صدقۃ الفطر، ط: دار الفکر)

باب صدقة الفطر

[صدقۃ الفطر کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب صدقة الفطر

[صدقۃ الفطر کا بیان]

[۱] یتیم پر صدقۃ الفطر کا حکم

۱۴۶۶-سوال: جس یتیم پر زکوۃ نکالنا فرض نہیں ہے، تو کیا اس پر صدقۃ الفطر بھی نکالنا واجب نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ اور صدقۃ الفطر کے وجوب میں نصاب نامی اور غیر نامی کا فرق ہے، پس اگر اس یتیم کے پاس ضرورت سے زائد کپڑے، برتن، بستر، وغیرہ ہوں اور ان سب کی قیمت نصاب (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی) کو پہنچ جائے، تو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہوگا، مگر زکوۃ واجب نہ ہوگی؛ کیوں کہ زکوۃ میں مال نامی (نقد رقم، تجارتی مال، سونا اور چاندی) کو شمار کیا جاتا ہے۔ (شامی)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] تجب... (على كل) حر (مسلم) ولو صغيرا مجنونا، (ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية) كدينه وحوائج عياله (وإن لم ينم). [الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۶۰- ۳۵۸، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: دار الفكر ☆الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۴۵۳، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في صدقة الفطر، ط: مكتبة زكريا- ديوبند ☆مجمع الانهر: ۱/ ۳۳۴، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: مكتبة فقيه الأمة- ديوبند]

وهي واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية كذا في الاختيار شرح المختار، ولا يعتبر فيه وصف النماء ويتعلق بهذا النصاب وجوب الأضحية، ووجوب نفقة الأقارب هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۱، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر، ط: دار الفكر)

ومنها كون النصاب ناميا. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۴، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

[۲] زائد کپڑے یا برتن ہوں، تو صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

۱۴۶۷- سوال: ایک شخص کے پاس تین جوڑے سے زائد کپڑے ہیں، نیز ضرورت سے زائد برتن بھی ہیں، جو سال میں صرف دو یا تین مرتبہ کام آتے ہیں، تو اُن پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

تین جوڑے کپڑے، جن میں سے ایک روزانہ گھر میں پہننے کے لیے، ایک گھر سے باہر پہننے کے لیے اور ایک جمعہ یا عیدین وغیرہ کے لیے اور سردی وغیرہ موسم کے کپڑوں کے علاوہ جو زائد کپڑے اور برتن ہوں، جن کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو، تو قربانی واجب ہوگی، اگر مہمانوں کی آمد زیادہ رہتی ہو؛ جس کی وجہ سے برتنوں کا استعمال کئی بار ہوتا ہو، تو برتن حاجتِ اصلیہ شمار ہوں گے، اور اس صورت میں وہ نصاب میں شمار نہیں کیے جائیں گے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] بڑے مکان کا ضرورت سے زائد آدھا حصہ نصابِ صدقۃ الفطر میں داخل ہوگا یا نہیں؟

۱۴۶۸- سوال: ایک شخص کے پاس بہت بڑا مکان ہے، جس کے اگر دو حصے کیے جائیں، تو ایک حصہ رہائش کے لیے کافی ہو جائے گا، ایسی صورت میں دوسرا حصہ، جو زائد ہے، اُس کی وجہ سے صدقۃ الفطر

---

(۱) وهي [صدقة الفطر] واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية كذا في الاختيار شرح المختار، ولا يعتبر فيه وصف النماء ويتعلق بهذا النصاب وجوب الأضحية، ووجوب نفقة الأقارب هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۱، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر، ط: دار الفكر)

حوائج اصلیہ کی تشریح یوں کی گئی ہے:

(و) فارغ (عن حاجته الأصلية) لأن المشغول بها كالمعدوم. وفسره ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك تحقيقا كثيابه أو تقديرا كدينه. (الدر المختار)ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله وفسره ابن ملك) أي فسر المشغول بالحاجة الأصلية والأولى فسرها، وذلك حيث قال: وهي ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد أو تقديرا كالدين، فإن المديون محتاج إلى قضائه بما في يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذي هو كالهلاك وكآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها فإن الجهل عندهم كالهلاك، فإذا كان له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج صارت كالمعدومة، كما أن الماء المستحق بصرفه إلى العطش كان كالمعدوم وجاز عنده التيمم. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۲، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر - بيروت)

اور قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

مکان اگر رہائش ہی کے لیے استعمال ہو رہا ہے، تو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، نصاب میں داخل نہیں ہوگا، اگر چہ دو حصوں میں سے اُس کا ایک حصہ خالی رہتا ہو، ہاں اگر تعمیر کے وقت ہی سے دو مکان علاحدہ طور پر تعمیر کیے گئے ہوں، جن میں سے ایک رہائش کے طور پر استعمال ہوتا ہو اور دوسرا خالی پڑا رہتا ہو، تو خالی رہنے والا مکان، قربانی وصدقۂ فطر کے نصاب میں شمار کیا جائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] زکوۃ قربانی اور صدقۂ فطر کی قضا

۱۴۶۹- سوال: میں ۱۴؍سال سے تنگ دست ہوں، جس کی وجہ سے زکاۃ، صدقۂ فطر اور قربانی وغیرہ کچھ بھی ادا نہیں کر سکا، حالاں کہ میں زمین وجائداد کا مالک تھا؛ البتہ زمین سے کچھ آمدنی نہیں ہوتی تھی، اب اگر میں گزشتہ سالوں کی زکاۃ، صدقہ فطر اور قربانی ادا کرنا چاہوں، تو اس کی کیا صورت ہوگی، اور وہ ادا ہوں گی یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

وجوب زکوۃ کے لیے لازم ہے کہ ضرورت سے زائد نصاب [ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی] کے بہ قدر مال نامی ہو اور اس پر حولان حول ہو گیا ہو۔[2]

---

(۱) ویعتبر ما زاد علی الدار الواحدة في الغنی. (الفتاوی التاتارخانية: ۲/۲۱۵، کتاب الزکاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزکاة، ط: زکریا - دیوبند)

وإذا كانت له دار يسكنها تحل له الصدقة، وإن لم تكن الدار جميعا مستحقة بحاجته بأن كان لا يسكن الكل وهو الصحيح. (حوالہ سابق)

مزید تفصیل کے لیے "زائد کپڑے یا برتن ہوں، تو صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟" کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) "الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول". (الهداية: ۱/۱۸۵، کتاب الزکاة، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(وسببه) أي سبب افتراضها (ملك نصاب حولي) نسبة للحول لحولانه عليه (تام) ... (فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد) ... (و) فارغ (عن حاجته الأصلية) لأن المشغول بها كالمعدوم ... (نام ولو تقديرا) [الدر المختار على رد المحتار: ۲/۲۵۹ - ۲۶۳، أول کتاب الزکاة، ط: دار الفكر] =

اور وجوب اضحیہ وصدقۂ فطر کے لیے ضروری ہے کہ نصاب کے بہ قدر ضرورت سے زائد کسی بھی قسم کا مال ہو، یعنی اس کا نامی ہونا شرط نہیں ہے۔ (۲)

آپ نے اپنے آپ کو" تنگ دست" لکھا ہے، اگر آپ صاحب حیثیت [نصاب] نہیں تھے، فقیر وغریب تھے، تو آپ پر زکاۃ فرض نہیں ہوئی اور صدقۂ فطر اور قربانی کے لیے بھی مطلوبہ رقم [مالیت] نہیں تھی، تو یہ بھی لازم نہیں ہوئی، اور جب سرے سے زکاۃ وصدقۂ فطر اور قربانی لازم نہیں ہوئی، تو گزشتہ سالوں کی قضا کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

زمین حاجت اصلیہ میں داخل ہے، کسی کے پاس صرف زمین ہو، اور نصاب کے بہ قدر مال نہ ہو، تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔ (۳)

البتہ اگر آپ کے پاس اتنی رقم تھی کہ آپ پر قربانی یا صدقۂ فطر واجب تھا، اس کے باوجود آپ نے واجب ادا نہیں کیا، تو آپ پر اپنی طرف سے اور آپ کی نابالغ اولاد کی طرف سے ۱۴ رسال کا صدقۂ فطر ادا کرنا ضروری ہوگا، اسی طرح آپ پر ۱۴ رسال کی قربانی کی قضا لازم ہوگی۔

جس کا طریقہ یہ ہے کہ ۱۴ ربکروں کی قیمت (جو قربانی کے قابل ہوں) صدقہ کردیں،

= ومنها [شرائط وجوب الزكاة] كون النصاب ناميا. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۴، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

الزكاة واجبة في الذهب والفضة. . . إذا بلغت الفضة مائتي درهم، والذهب عشرين مثقالا. . . ويضم الذهب إلى الفضة، والفضة إلى الذهب، ويكمل إحدى النصابين بالآخر عند علمائنا. . . يريد به أن يقوم الذهب بالدراهم، وينظر إن بلغ نصابا بالدراهم، تجب فيها الزكاة، وإلا فلا. (الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۱۵۸- ۱۵۴، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في زكاة المال، ط: زكريا- ديوبند)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۹، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، ط: دار الفكر)

(۲) وهي واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية كذا في الاختيار شرح المختار، ولا يعتبر فيه وصف النماء، ويتعلق بهذا النصاب وجوب الأضحية، ووجوب نفقة الأقارب هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۱، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر، ط: دار الفكر)

(۳) وليس في اليواقيت- وفي المضمرات: وإن كان حليا- والرقيق، والعقار، والثياب زكاة، إلا أن تكون للتجارة. (الفتاوى التاتارخانية- فريد الدين عالم بن العلاء (م: ۷۸٦هـ): ۳/ ۱۷۳، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في بيان زكاة عروض التجارة، والمسائل المتعلقة بها، ط: زكريا- ديوبند)

بکروں کی قربانی قضاءً جائز نہیں ہے، قربانی کی قضا بکرے کی قیمت صدقہ کرنے سے ہوتی ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] صدقۂ فطر کی مقدار

۱۴۷۰-سوال: صدقۂ فطر کی صحیح مقدار کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقۂ فطر کی مقدار تقریباً پونے دو کلو گیہوں یا گیہوں کا آٹا ہے اور اس کے علاوہ اگر کسی دوسرے اناج سے دیں، تو اس کی دگنی مقدار دینا ہوگا؛ مثلاً: جو یا اس کا آٹا، کھجور و کشمش ایک صاع ادا کرنا ضروری ہوگا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱)(و) تصدق (بقيمتها غني شراها أو لا) لتعلقها بذمته بشرائها أو لا، فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزي فيها. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله وتصدق بقيمتها غني شراها أو لا) كذا في الهداية وغيرها كالدرر. وتعقبه الشيخ شاهين بأن وجوب التصدق بالقيمة مقيد بما إذا لم يشتر، أما إذا اشترى فهو مخير بين التصدق بالقيمة أو التصدق بها حية كما في الزيلعي أبو السعود.

وأقول: ذكر في البدائع أن الصحيح أن الشاة المشتراة للأضحية إذا لم يضح بها حتى مضى الوقت يتصدق الموسر بعينها حية كالفقير بلا خلاف بين أصحابنا، فإن محمدا قال: وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف وقولنا اهـ وتمامه فيه، وهو الموافق لما قدمناه آنفا عن غاية البيان، وعلى كل فالظاهر أنه لا يحل له الأكل منها إذا ذبحها، كما لا يجوز له حبس شيء من قيمتها، تأمل. (قوله فالمراد بالقيمة إلخ) بيان لما أجمله المصنف؛ لأن قوله تصدق بقيمتها ظاهر فيما إذا اشتراها لأن قيمتها تعلم، أما إذا لم يشترها فما معنى أنه يتصدق بقيمتها فإنها غير معينة؛ فبين أن المراد إذا لم يشترها قيمة شاة تجزئ في الأضحية كما في الخلاصة وغيرها. قال القهستاني، أو قيمة شاة وسط كما في الزاهدي والنظم وغيرهما. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۱/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) عن الحسن، أن ابن عباس خطب بالبصرة فقال: أدوا زكاة صومكم، فجعل الناس ينظر بعضهم إلى بعض، فقال: من ههنا من أهل المدينة، قوموا إلى إخوانكم فعلموهم فإنهم لا يعلمون، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فرض صدقة الفطر على الصغير والكبير، والحر والعبد، والذكر والأنثى، نصف صاع من بر، أو صاعا من تمر أو شعير. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي-أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۱۹۰/۳، رقم الحديث: ۱۵۸۰، كتاب صلاة العيدين، حث الإمام على الصدقة في الخطبة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية-حلب) =

[۶] درہم و دینار کا وزن

۱۴۷۱- سوال: دینار، درہم اور اشرفی کا وزن آج کے زمانہ کے اعتبار سے کتنا ہے؟ کس طرح لگایا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایک درہم کا وزن، تین ماشہ ایک رتی اور ایک بٹا پانچ رتی کے برابر ہوتا ہے۔[۱] اور مثقال یعنی ایک دینار کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے۔[۲] اشرفی بعد کی ایجاد ہے؛ اس لیے اس سلسلے میں فقہاء سے بہت کچھ منقول نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] صدقۂ فطر میں مکئی کا دینا اور اس کی مقدار

۱۴۷۲- سوال: ہم اپنے ملک زامبیا میں صدقۂ فطر میں مکئی دے سکتے ہیں یا نہیں؛ کیوں کہ

= (نصف صاع) فاعل یجب (من بر أو دقیقه أو سویقه أو زبیب)... (أو صاع تمر أو شعیر) ولو ردیئا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۶۴، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، ط: دار الفکر-بیروت)

ایک صاع = ۳،۱۴۹،۲۸۰ (تین کلو ایک سو انچاس گرام، دو سو اسی ملی گرام) ہوتا ہے، تو نصف صاع ۱۵۷۴،۶۴۰ (ایک کلو پانچ سو چہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام) ہوگا۔ دیکھیے: الاوزان المحمودۃ، ص: ۱۰۵، ط: دار الکتاب-دیوبند☆ امداد الاوزان، ص: ۱۹، ط: ہرسولی-مظفرنگر۔

(۱) اور درہم کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ ایک درہم چودہ قیراط کا، اور ایک قیراط پانچ جو کا، تو ایک شرعی درہم ستر جو کا، اور ستر جو تین ماشہ ایک رتی اور ایک رتی کے پانچواں حصے کا [ہوگا]۔

رائج اوزان کے اعتبار سے ایک درہم = تین گرام، اکسٹھ ملی گرام اور آٹھ میکرو ملی گرام (۳،۰۶۱،۸) کا ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: الاوزان المحمودۃ، ص: ۶۸-۶۹، الدرھم، ط: دار الکتاب-دیوبند☆ امداد الاوزان، ص: ۱۸، نقشہ بعض فقہی اوزان، ط: حیات الاسلام، ہرسولی، مظفرنگر☆ اوزان شرعیہ، مندرجہ، جواہر الفقہ: ۳/ ۴۱۹، ط: زکریا-دیوبند، نیا نسخہ)

(۲) حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جو خلاصہ دینار کے سلسلے میں بتایا ہے، وہ یہ ہے کہ: ایک دینار [مثقال] بیس قیراط کا ہوتا ہے، اور ایک قیراط پانچ جو کا، لہٰذا ایک دینار سو جو کا ہوا، اور سو جو ساڑھے چار ماشہ کا ہے، ایک ماشہ نو سو بہتر ملی گرام کا ہوتا ہے، تو چار ماشہ تین گرام، آٹھ سو اٹھاسی ملی گرام کا ہوا، اور آدھا ماشہ چار سو چھیاسی ملی گرام، تو مجموعہ ساڑھے چار ماشہ کا چار گرام، تین سو چہتر ملی گرام ہوا۔ (الاوزان المحمودۃ، ص: ۷۰، الدینار☆ امداد الاوزان، ص: ۱۷، ☆ اوزان شرعیہ، مندرجہ: جواہر الفقہ: ۳/ ۴۱۹، زکریا-دیوبند، نیا نسخہ)

ہمارے یہاں لوگ زیادہ تر مکئی ہی کھاتے ہیں، تو مکئی کا نصاب کیا ہے؟ ہمارے یہاں گیہوں بھی ملتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دے سکتے ہیں، اور اس کی مقدار ایک صاع یعنی تقریباً ساڑھے تین کیلو مکئی ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) اگر اشیائے غیر منصوصہ سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے، تو قیمت کا اعتبار ہوگا، مقدار کا نہیں:

وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة.(الدر المختار)ـــــ قال ابن عابدين:(قوله: وخبز) عدم جواز دفعه إلا باعتبار القيمة هو الصحيح لعدم ورود النص به فكان كالذرة وغيرها من الحبوب التي لم يرد بها نص وكالأقط بحر.(رد المحتار على الدر المختار:۲/ ۳۶۵، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، قبيل: مطلب في تحرير الصاع والمد والمن والرطل، ط: دار الفكر-بيروت)

لأن الصحيح في الخبز أنه لا يجوز إلا باعتبار القيمة لعدم ورود النص به فكان كالزكاة وكالذرة وغيرها من الحبوب التي لم يرد بها النص، وكالأقط.(البحر الرائق:۲/ ۲۷۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: دار الكتاب الإسلامي)

وأما الأقط فتعتبر فيه القيمة لا يجزئ إلا باعتبار القيمة... لأنه غير منصوص عليه من وجه يوثق به، وجواز ما ليس بمنصوص عليه لا يكون إلا باعتبار القيمة، كسائر الأعيان التي لم يقع التنصيص عليها من النبي -صلى الله عليه وسلم.(بدائع الصنائع:۲/ ۷۲، ۷۳، كتاب الزكاة، فصل بيان جنس الواجب وقدره وصفة في صدقة الفطر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

عن أبي هريرة، أنه قال: يا رسول الله، أي الصدقة أفضل؟ قال: جهد المقل، وابدأ بمن تعول.
(سنن ابي داود: ۱/ ۲۳۶، رقم الحديث: ۱۶۷۷، كتاب الزكاة، ط: فيصل پبلی کیشنز - دیوبند)

باب الصدقات النافلة

[صدقات نافلہ کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الصدقات النافلة

[صدقات نافلہ کا بیان]

[۱] نفلی صدقہ سید کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

۱۴۷۳-سوال: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف فضائل اعمال میں صدقہ کے فضائل کے تحت لکھا ہے کہ: ایک حدیث پاک میں ہے کہ، صدقہ قبر کی گرمی کو دور کرتا ہے، بلاؤں کو ٹالتا ہے، برائی کے ستر دروازوں کو بند کرتا ہے، اللہ جل شانہ کے غصہ کو دور کرتا ہے اور بری موت سے حفاظت کرتا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ ذکر کردہ صدقہ سے کون سا صدقہ مراد ہے؟

(۱) صدقہ نفل یا واجب، یعنی زکوۃ مراد ہے؟

(۲) یہ (مذکورہ فضائل والا) صدقہ سید کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) اسی طرح مسجد میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

مذکورہ فضائل حاصل کرنے کے لیے مذکورہ بالا مصارف میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) واجبی صدقہ (خواہ جس نوعیت کا ہو، نذر کا ہو، زکاۃ ہو، کفارہ کا ہو، یا کسی اور قسم کا) سید کو دینا جائز

نہیں ہے۔[1]

مذکورہ فضائل نفل صدقہ کے ہیں، البتہ صدقات واجبہ میں یہ فائدہ بہ درجہ اولیٰ حاصل ہوگا۔

(۲) سید کو نفلی صدقہ دے سکتے ہیں۔[2]

(۳) مسجد میں صدقہ واجبہ دینے سے صدقہ ادا نہیں ہوگا، مسجد میں بہ طور وقف تعاون کیا جائے، اس میں بھی بہت فائدے ہیں۔[3]

ہاں اگر کوئی مسجد میں رہنے والے فقیروں پر صدقہ کرے، تو جائز ہے۔ (شامی: ۳۵۱/۲)[4] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] عین جانور کا صدقہ افضل ہے یا اس کی قیمت کا؟

۱۴۷۴- سوال: ایک شخص جانور کا صدقہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس کے لیے جانور خرید کر ذبح کر کے مستحقین کو دینا افضل ہے، یا اس کی رقم دینا افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقہ کی فضیلت بہت زیادہ ہے، اگر جانور کی قیمت کا صدقہ کردے، تب بھی مقصد حاصل ہوجاتا

(۱ و ۲) (وجازت التطوعات من الصدقات و) غلة (الأوقاف لهم) أي لبني هاشم، سواء سماهم الواقف أو لا على ما هو الحق كما حققه في الفتح، لكن في السراج وغيره إن سماهم جاز، وإلا لا.

قلت: وجعله محشي الأشباه محمل القولين. (الدر المختار)ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: وجازت التطوعات إلخ) قيد بها ليخرج بقية الواجبات كالنذر والعشر والكفارات وجزاء الصيد إلا خمس الركاز فإنه يجوز صرفه إليهم كما في النهر عن السراج (قوله: كما حققه في الفتح) أقول: نقل في البحر عن عدة كتب أن النفل جائز لهم إجماعا وذكر أنه المذهب وأنه لا فرق بين التطوع والوقف كما في المحيط وكافي النسفي، وأن الزيلعي أثبت الخلاف على وجه يشعر بحرمة التطوع عليهم، وقواه في الفتح من جهة الدليل. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۵۱/۲، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر - بيروت☆البحر الرائق: ۴۳۰/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) لأن الصدقة للفقراء. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۵۰/۴، كتاب الوقف، مطلب في وقف المرتد والكافر، ط: دار الفكر - بيروت)

[۴] حاشیہ نمبر (۱ و ۳) کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

ہے، اور صدقہ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے اور صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دور کرتا ہے، مگر جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے اس کا گوشت غریبوں کو دینے میں زیادہ فضیلت ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کا ثواب بھی ملے گا، چناں چہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی بھی مہینے میں اللہ کے نام پر جانور ذبح کرو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور لوگوں کو کھلاؤ۔ (ابوداؤد شریف: ۱/۳۹۱)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] کیا صدقۂ نافلہ ضروری ہے اور اس کی مقدار کیا ہے؟

۱۴۷۵- سوال: ایک شخص اسکول میں ماسٹر ہیں، جن کی تنخواہ ماہانہ نو ہزار روپیہ ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ وہ اپنی اس تنخواہ سے کتنا صدقہ نکالے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

زکوۃ فرض ہے، صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے، اس کے علاوہ شریعت نے کسی صدقہ کو واجب نہیں کیا ہے، آپ جو صدقہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے دیتے ہیں، اسے صدقۂ نافلہ کہا جاتا ہے، اور صدقۂ نافلہ کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، آپ اپنی وسعت کے مطابق، جتنا راہ خدا میں دینا چاہیں، دے سکتے ہیں، ثواب کا کام ہے، البتہ بعض حالات میں صدقۂ نافلہ کی حیثیت بڑھ جاتی ہے اور اس کا نکالنا ضروری ہو جاتا ہے، جیسے کوئی بیمار ہے، علاج کی فوراً ضرورت ہے، اگر فوری طور پر علاج نہیں کروایا گیا، تو اس کے مرجانے کا قوی اندیشہ ہے، اور مریض کی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ علاج کروا سکے، تو ایسی صورت میں ایسے مریض کی مدد کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] عن أبي قلابة، عن أبي المليح، قال: قال نبيشة: نادى رجل رسول الله صلى الله عليه وسلم إنا كنا نعتر عتيرة في الجاهلية في رجب فما تأمرنا؟ قال: اذبحوا لله في أي شهر كان، وبروا الله عز وجل، وأطعموا. (سنن أبي داود ،ص: ۳۹۱، كتاب الضحايا، باب في العتيرة، ط: فيصل -ديوبند)

(۲) عن زيد بن أسلم، عن أبيه، قال: سمعت عمر بن الخطاب- رضي الله عنه - يقول: "أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما أن نتصدق، فوافق ذلك مالا عندي، فقلت: اليوم أسبق أبا بكر إن سبقته يوما، فجئت بنصف مالي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أبقيت لأهلك؟، قلت: مثله، قال: وأتى أبو بكر رضي الله عنه بكل ما عنده، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أبقيت لأهلك؟، قال: أبقيت لهم الله ورسوله، قلت: لا أسابقك إلى شيء أبدا. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۳۶، رقم الحديث: ۱۶۷۸، باب في الرخصة في ذلك، بعد: باب الرجل يخرج من ماله، ط: ديوبند☆ سنن الترمذي: ۲/ ۲۰۸، رقم الحديث: ۳۶۷۵، أبواب المناقب، باب بلا ترجمة، بعد عدة أبواب: باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه واسمه عبد الله بن عثمان ولقبه عتيق، ط: ديوبند) =

[۴] دین دار محتاج مسلمان کا تعاون افضل ہے یا نفلی حج؟

۱۴۷۶- سوال: میں اور میری بیوی بحمدہ تعالیٰ حج فرض ادا کر چکے ہیں، میرے پاس فی الحال تقریباً ساٹھ ہزار روپے ہیں، میرا ارادہ تھا کہ اُن روپیوں کے ذریعہ نفل حج کرلوں، لیکن معاً مجھے یہ خیال بھی آیا کہ میرے گاؤں میں پانچ چھ دین دار مسلمان ایسے ہیں، جو دین کی فکر میں لگے رہتے ہیں، اور وہ محتاج بھی ہیں، اُن پر قرض بھی ہے، اُن کے مکانات تک گروی رکھے ہوئے ہیں، لہٰذا میں اُن کی مدد میں یہ پیسہ خرچ کروں یا حج نفل کرلوں؟ دونوں میں سے کون سا عمل افضل شمار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفلی حج کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے، اور صدقۂ نافلہ سے افضل ہے، لیکن اگر کوئی دین دار مسلمان اچانک بے سہارا ہوجائے، اُس پر کوئی مصیبت آجائے، جس سے اُس کا کوئی ضروری کام رُک گیا ہو، جیسا کہ موجودہ زمانے میں قومی فسادات، سیلاب اور آتش زنی کے حادثات کے دوران اکثر یہ صورت رونما ہوتی

= صدقة التطوع مستحبة في جميع الأوقات، وسنة، بدليل الكتاب والسنة. أما الكتاب: فقوله تعالى: {من ذا الذي يقرض الله قرضا حسنا فيضاعفه له أضعافا كثيرة} [۲-البقرة:۲۴۵] وأمر الله سبحانه بالصدقة في آيات كثيرة.

وأما السنة: فأحاديث عديدة منها قوله صلى الله عليه وسلم: من أطعم جائعا أطعمه الله من ثمار الجنة، ومن سقى مؤمنا على ظمأ، سقاه الله عز وجل يوم القيامة من الرحيق المختوم، ومن كسا مؤمنا عاريا، كساه الله من خضر الجنة.

ومنها قوله عليه السلام: إن العبد إذا تصدق من طيب، تقبلها الله منه، وأخذها بيمينه، فرباها كما يربي مهره أو فصيله، وإن الرجل ليتصدق باللقمة فتربو في يد الله، أو في كف الله، حتى تكون مثل الجبل، فتصدقوا. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۲/ ۹۱۵، كتاب الزكاة، الفصل الثالث: صدقة التطوع، ط: دار الفكر - بيروت)

وقد تصبح الصدقة حراما: كأن يعلم أن آخذها يصرفها في معصية. وقد تجب الصدقة: كأن وجد مضطرا، ومعه ما يطعمه فاضلا عن حاجته. (حوالۂ سابق: ۲/ ۹۱۶)

اعلم أن الصدقة تستحب بفاضل عن كفايته وكفاية من يمونه، وإن تصدق بما ينقص مؤنة من يمونه أثم، ومن أراد التصدق بماله كله وهو يعلم من نفسه حسن التوكل والصبر عن المسألة فله ذلك وإلا فلا يجوز، ويكره لمن لا صبر له على الضيق أن ينقص نفقة نفسه عن الكفاية التامة كذا في شرح درر البحار. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۷، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، مطلب: الأفضل على أن ينوي بالصدقة جميع المؤمنين والمؤمنات، ط: دار الفكر - بيروت)

ہے، تو ایسے مواقع میں حج نفل کے بجائے ایسے دین دار مسلمانوں پر خرچ کرنا افضل ہوگا۔ (شامی: ۲/۶۲۱)[1]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] واختلف في الصدقة ورجح في البزازية أفضلية الحج لمشقته في المال والبدن جميعا، قال: وبه أفتى أبو حنيفة حين حج وعرف المشقة. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ورجح في البزازية أفضلية الحج) حيث قال الصدقة أفضل من الحج تطوعا، كذا روي عن الإمام؛ لكنه لما حج وعرف المشقة، أفتى بأن الحج أفضل، ومراده أنه لو حج نفلا وأنفق ألفا فلو تصدق بهذه الألف على المحاويج فهو أفضل لا أن يكون صدقة فليس أفضل من إنفاق ألف في سبيل الله تعالى، والمشقة في الحج لما كانت عائدة إلى المال والبدن جميعا فضل في المختار على الصدقة. اهـ. قال الرحمتي: والحق التفصيل، فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل فهو الأفضل كما ورد "حجة أفضل من عشر غزوات" وورد عكسه فيحمل على ما كان أنفع، فإذا كان أشجع وأنفع في الحرب فجهاده أفضل من حجه، أو بالعكس فحجه أفضل، وكذا بناء الرباط إن كان محتاجا إليه كان أفضل من الصدقة وحج النفل وإذا كان الفقير مضطرا أو من أهل الصلاح أو من آل بيت النبي - صلى الله عليه وسلم - فقد يكون إكرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط. ـــــــ كما حكى في المسامرات عن رجل أراد الحج فحمل ألف دينار يتأهب بها فجاءته امرأة في الطريق وقالت له إني من آل بيت النبي - صلى الله عليه وسلم - وبي ضرورة، فأفرغ لها ما معه، فلما رجع حجاج بلده صار كلما لقي رجلا منهم يقول له تقبل الله منك، فتعجب من قولهم، فرأى النبي - صلى الله عليه وسلم - في نومه وقال له: تعجبت من قولهم تقبل الله منك؟ قال نعم يا رسول الله؛ قال: إن الله خلق ملكا على صورتك حج عنك؛ وهو يحج عنك إلى يوم القيامة بإكرامك لامرأة مضطرة من آل بيتي؛ فانظر إلى هذا الإكرام الذي ناله لم ينله بحجات ولا ببناء ربط. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۶۲۱، كتاب الحج، باب الهدي، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة، ط: دار الفكر - بيروت)

فقالوا حج النفل أفضل من الصدقة. (البحر الرائق) ـــــــ قال الشامي: (قوله: فقالوا حج النفل أفضل من الصدقة) قال الرملي قال المرحوم الشيخ عبد الرحمن العمادي مفتي الشام في مناسكه وإذا حج حجة الإسلام فصدقة التطوع بعد ذلك أفضل من حج التطوع عند محمد والحج أفضل عند أبي يوسف وكان أبو حنيفة - رحمه الله - يقول بقول محمد فلما حج ورأى ما فيه من أنواع المشقات الموجبة لتضاعف الحسنات رجع إلى قول أبي يوسف اهـ. ـــــــ قلت قد يقال إن صدقة التطوع في زماننا أفضل لما يلزم الحاج غالبا من ارتكاب المحظورات ومشاهدته لفواحش المنكرات وشح عامة الناس بالصدقات وتركهم الفقراء والأيتام في حسرات ولا سيما في أيام الغلاء وضيق الأوقات وبتعدي النفع تتضاعف الحسنات ثم رأيت في متفرقات اللباب الجزم بأن الصدقة أفضل منه وقال شارحه القاري أي على ما هو المختار كما في التجنيس ومنية المفتي وغيرهما ولعل تلك الصدقة محمولة على إعطاء الفقير الموصوف بغاية الفاقة أو في حال المجاعة وإلا فالحج مشتمل على النفقة بل وزاد إن الدرهم الذي ينفق في الحج بسبعمائة الخ قلت قد يقال ما ورد محمول على الحج الفرض على أنه لا مانع من =

[۵] مقروض کا اپنی حیثیت سے بڑھ کر صدقہ کر کے رجوع کرنا

۱۴۷۷- سوال: میرے ماموں کا لڑکا ''وانسدا'' میں مقیم ہے، وہاں بستی والوں نے مل کر اپنی حیثیت کے مطابق رقم جمع کر کے مسجد بنانے کا ارادہ کیا، جس وقت مسجد کے لیے چندہ جمع کیا جا رہا تھا، تو اُس میں میرے ماموں کے لڑکے نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر تقریباً بیس یا تیس ہزار روپے کی اینٹ کے خرچ کی ذمہ داری اپنے سر لے لی، حالاں کہ اس کی معاشی حالت انتہائی دگرگوں ہے، اُس کے والد یعنی میرے ماموں چار سال سے مسلسل بیمار ہیں، ہر ماہ اُن کے علاج میں کافی خرچ ہوتا ہے، اور اس وجہ سے تجارت کے سرمایہ میں بھی کافی تنگی کا سامنا ہے، یہاں تک کہ تجارت کے لیے سودی رقم لینی پڑ رہی ہے، تو کیا اس طرح احتیاج کی حالت میں جب کہ سودی رقم لے کر تجارت کرنی پڑ رہی ہو، مسجد کی تعمیر کے لیے اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرنا از روئے شرع صحیح ہے؟ اور اب تک مسجد کی تعمیر کے لیے صرف دو یا تین ہزار روپیوں کی اینٹ لائی گئی ہے، تو کیا بقیہ رقم میں رجوع کا حق رہے گا یا نہیں؟ بیس یا تیس ہزار کی اینٹ کی ذمہ داری۔ جو اُس نے اپنے سر لے رکھی ہے، اُس میں کمی کر کے دس ہزار کی اینٹ دے، تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مقروض ہو، اُسے صدقۂ نافلہ میں خرچ کرنے سے پہلے خوب سوچ لینا چاہیے کہ قرض بندے کا حق ہے، جس کا ادا کرنا واجب ہے، اور صدقۂ نافلہ واجب نہیں؛ بل کہ ایک زائد شئے ہے، لہٰذا واجب کی ادائیگی مقدم رہے گی۔[1]

= كون الصدقة للمحتاج أعظم أجرا من سبعمائة. (منحة الخالق مع البحر الرائق: ۲/ ۳۳۴، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۱) عن حكيم بن حزام رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اليد العليا خير من اليد السفلى، وابدأ بمن تعول، وخير الصدقة عن ظهر غنى، ومن يستعفف يعفه الله، ومن يستغن يغنه الله. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۹۲، رقم الحديث: ۱۴۲۷، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۳۲، رقم الحديث: ۹۵-۱۰۳۴، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، وأن اليد العليا هي المنفقة وأن السفلى هي الآخذة، ط: ديوبند)

قال الإمام البخاري: ومن تصدق وهو محتاج، أو أهله محتاج، أو عليه دين، فالدين أحق أن يقضى من الصدقة، والعتق والهبة، وهو رد عليه ليس له أن يتلف أموال الناس. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۹۲، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ط: ديوبند) =

اگر کوئی شخص ایسی حالت میں انتقال کرے کہ اُس کے ذمہ قرض کی ادائیگی باقی ہو اور اُس نے اپنی

= قال العيني: ومن تصدق وهو محتاج، أو أهله محتاج، أو عليه دين، فالدين أحق أن يقضى من الصدقة والعتق والهبة، وهو رد عليه، ليس له أن يتلف أموال الناس. ــــــــــ هذا كله من الترجمة وقع تفسيرا لقوله: (لا صدقة إلا عن ظهر غنى)، والمعنى أن شرط التصدق أن لا يكون محتاجا ولا أهله محتاجا ولا يكون عليه دين فإذا كان عليه دين فالواجب أن يقضي دينه، وقضاء الدين أحق من الصدقة، والعتق، والهبة، لأن الابتداء بالفرائض قبل النوافل، وليس لأحد إتلاف نفسه وإتلاف أهله وإحياء غيره، وإنما عليه إحياء غيره بعد إحياء نفسه وأهله، إذ هما أوجب عليه من حق سائر الناس.... ومقتضى قوله: (وهو رد عليه) أن يكون الدين المستغرق مانعا من صحة التبرع، لكن هذا ليس على الإطلاق، وإنما يكون مانعا إذا حجر عليه الحاكم، وأما قبل الحجر فلا يمنع، كما تقرر ذلك في موضعه في الفقه، فعلى هذا إما يحمل إطلاق البخاري عليه، أو يكون مذهبه أن الدين المستغرق يمنع مطلقا، ولكن هذا خلاف ما قاله العلماء، حتى إن ابن قدامة وغيره نقلوا الإجماع على أن المنع إنما يكون بعد الحجر. (عمدة القاري- بدر الدين العيني(م: ۸۵۵هـ): ۸/ ۲۹۳، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

عن أبي هريرة، أنه قال: يا رسول الله، أي الصدقة أفضل؟ قال: جهد المقل، وابدأ بمن تعول. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۳۶، رقم الحديث: ۱۶۷۷، كتاب الزكاة، باب في الرخصة في ذلك، بعد: باب الرجل يخرج من ماله، ط: فيصل پبلی کیشنز - دیوبند)

(عن أبي هريرة قال: يا رسول الله أي الصدقة أفضل؟ قال: " جهد المقل ") بضم الجيم ويفتح، قال الطيبي: الجهد بالضم الوسع والطاقة وبالفتح المشقة، وقيل: هما لغتان، أي أفضل الصدقة ما يحتمله حال القليل المال، والجمع بينه وبين ما تقدم أن الفضيلة تتفاوت بحسب الأشخاص، وقوة التوكل، وضعف اليقين اهـ، وقيل: المراد بالمقل الغني القلب ليوافق قوله " أفضل الصدقة ما كان عن ظهر غنى "، وقال ابن الملك: أي أفضل الصدقة ما قدر عليه الفقير الصابر على الجوع أن يعطيه، والمراد بالغنى في قوله " أفضل الصدقة ما كان عن ظهر غنى " من لا يصبر على الجوع والشدة، توفيقا بينهما، فمن يصبر فالإعطاء في حقه أفضل، ومن لا يصبر فالأفضل في حقه أن يمسك قوته ثم يتصدق بما فضل اهـ وحاصل ما ذكروه أن تصدق الفقير الغني القلب ولو كان قليلا أفضل من تصدق الغني بكثرة المال ولو كان كثيرا، فهو من أدلة أفضلية الفقير الصابر على الغني الشاكر. (مرقاة المفاتيح: ۴/ ۱۳۵۳، رقم الحديث: ۱۹۳۸، كتاب الزكاة، باب أفضل الصدقة، الفصل الثاني، ط: دار الفكر - بيروت)

اعلم أن الصدقة تستحب بفاضل عن كفايته وكفاية من يمونه، وإن تصدق بما ينقص مؤنة من يمونه أثم، ومن أراد التصدق بماله كله وهو يعلم من نفسه حسن التوكل والصبر عن المسألة فله ذلك وإلا فلا يجوز، ويكره لمن لا صبر له على الضيق أن ينقص نفقة نفسه عن الكفاية التامة كذا في شرح درر البحار. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۷، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، مطلب: الأفضل على أن ينوي بالصدقة جميع المؤمنين والمؤمنات، ط: دار الفكر - بيروت)

موت سے پہلے اُس قرض کی ادائیگی کے لیے کوئی انتظام بھی نہ کیا ہو، تو اُس کے بارے میں احادیث مبارکہ میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ مؤمن کی روح اُس کے قرض کے بدلے میں روک لی جاتی ہے، یعنی مؤمن ایسا نیک ہو، جو جنت کا مستحق بھی ہو، تو اُسے اُس وقت تک جنت میں داخلہ نصیب نہیں ہوتا، جب تک کہ اُس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے۔ (۲)

ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی جنازہ حاضر کیا جاتا، تو آپ ﷺ پہلے یہ معلوم کرتے تھے کہ میت کے ذمہ کسی قسم کا قرض تو باقی نہیں ہے؟ اگر قرض باقی ہوتا، تو آپ ﷺ صحابۂ کرامؓ سے فرماتے کہ اس میت کی نمازِ جنازہ تم پڑھ لو، پھر کوئی صحابیؓ اُس میت کی جانب سے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرتے، تو آپ ﷺ نماز پڑھاتے۔ (۳)

حاصل کلام یہ کہ تجارت کے لیے سودی قرض لینا حرام ہے، (۴) اب اُس حرام میں مبتلا ہو کر صدقۂ نافلہ میں خرچ کرنا درست نہیں۔

اس شخص کی حالت سوال میں تحریر کردہ تفصیل کے مطابق انتہائی اضطرار کی ہے، تو وہ اس رقم کے دینے سے رجوع کر سکتا ہے۔ (۵)

---

(۲) عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه. (سنن الترمذي: ۱/ ۲۰۶، رقم الحديث: ۱۰۷۸- ۱۰۷۹، أبواب الجنائز، باب ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه، ط: ديوبند☆سنن ابن ماجه، ص: ۱۷۴، رقم الحديث: ۲۴۱۳، كتاب الصدقات، باب التشديد في الدين، ط: ديوبند)

(۳) عن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم أتي بجنازة ليصلي عليها، فقال: هل عليه من دين؟، قالوا: لا، فصلى عليه، ثم أتي بجنازة أخرى، فقال: هل عليه من دين؟، قالوا: نعم، قال: صلوا على صاحبكم، قال: أبو قتادة علي دينه يا رسول الله، فصلى عليه. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۰۶، رقم الحديث: ۲۲۹۵، كتاب الكفالة، باب من تكفل عن ميت دينا، فليس له أن يرجع، ط: ديوبند)

(۴) وفي الأشباه: كل قرض جر نفعا حرام. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/ ۱۶۶، كتاب البيوع، فصل في القرض، ط: دار الفكر - بيروت)

(۵) قاعدة الضرورات تبيح المحظورات. (ش) [قواعد الفقه- محمد عميم الإحسان المجددي البركتي، ص: ۸۹، رقم القاعدة: ۱۷۰، ط: الصدف پبلشرز - كراتشي]

اُس کی انفاق فی سبیل اللہ کی نیت پر بھی اُسے ثواب ضرور ملے گا۔(۶) تاہم مستحب یہی ہے کہ جب انفاق فی سبیل اللہ جیسا ایک نیک عمل ہو چکا ہے، تو اب توکلا علی اللہ اُس میں رجوع نہ کرے، ہاں، آئندہ اِس بات کا خوب خیال رکھے کہ احتیاج کی حالت میں صدقۂ نافلہ میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ نہ ہو۔(۷)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۲] مال دار طالبِ علم کا ایصالِ ثواب کی رقم سے خریدی گئی کتاب لینا

۱۴۷۸- سوال: کسی نے بطورِ ایصالِ ثواب کتاب خریدنے کے لیے رقم دی، اُس سے خریدی گئی کتاب مال دار لڑکے کے لیے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقۂ نافلہ کا لینا مال داروں کے لیے بھی جائز ہے، زکوۃ لینا یا اُس سے خریدی ہوئی چیز لینا مال داروں کے لیے جائز نہیں ہے۔(۱)

---

(۶) علقمة بن وقاص الليثي، يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه. (صحيح البخاري: ۱/ ۲، رقم الحديث: ۱، كتاب الايمان، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، ط: ديوبند)

(۷) وقوله تعالى- ولا تبطلوا أعمالكم- يحتج به في أن كل من دخل في قربة لا يجوز له الخروج منها قبل إتمامها لما فيه من إبطال عمله نحو الصلاة والصوم والحج وغيره. (أحكام القرآن- أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰هـ): ۵/ ۲۷۴، آخر سورة محمد صلى الله عليه وسلم، ت: محمد صادق القمحاوي، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

(۱) " ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا من أي مال كان "؛ لأن الغني الشرعي مقدر به، والشرط أن يكون فاضلا عن الحاجة الأصلية، وإنما النماء شرط الوجوب، " ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من ذلك، وإن كان صحيحا مكتسبا "؛ لأنه فقير، والفقراء هم المصارف، ولأن حقيقة الحاجة لا يوقف عليها، فأدير الحكم على دليلها وهو فقد النصاب. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۱۱۲، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

ایصال ثواب کے لیے دی گئی رقم للہ ہوتی ہے، اس لیے اس سے خریدی گئی کتابوں کا مال دار لڑکوں کے لیے لینا جائز ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۷] گھر کے افتتاح کے وقت قریبی رشتہ داروں کو بلانا ضروری نہیں

۱۴۷۹- سوال: اکثر بڑے لوگوں سے یہ بات سنی ہے کہ ''پہلے خویش پھر درویش'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کوئی ہدیہ، صدقہ، زکوۃ کی رقم یا دعوت دینا یا کوئی چیز بھیجنا چاہتے ہو، تو اولاً خویش (ماں، باپ، بھائی، بہن، پھوپھا، پھوپھی اور چچا وغیرہ) کو دو، اس کے بعد غریب کو دو، (خواہ وہ غریب ولی ہو یا کوئی اور) قرآن میں بھی قربیٰ کے نام سے ان کا تذکرہ ہے۔

ایک مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ زید خود اپنے والدین اور بھائی سے علاحدہ رہتا ہے، اس نے اپنا مکان تعمیر کیا ہے اور نیت یہ کی ہے کہ مجھے پانچ دس غرباء وفقراء کو کھلا کر اس مکان کا افتتاح کرنا ہے، تو کیا ایسی دعوت میں سب سے پہلے خویش (قریبی رشتہ دار) والدین، بھائی بہن کو بلانا ضروری ہے؟ واضح رہے کہ اس نے فقراء کو کھلانے کی نیت دل سے کی تھی، زبان سے اس کو ادا نہیں کیا ہے۔

الجواب حامدا ومصلیا:

''پہلے خویش پھر درویش'' کا شرعی مطلب یہ ہے کہ صدقہ واجبہ مستحق رشتہ داروں کو دینا مستحب

(۲) فأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني وتحل له وتكون بمنزلة الهبة له. ــــــــ ثم الغني أنواع ثلاثة، أحدها: الغني الذي يتعلق به وجوب الزكاة، وهو أن يملك نصابا من المال الفاضل عن الحاجة، الموصوف بالنماء والزيادة، إما بالأسامة، أو التجارة. ــــــــ والثاني: الغني الذي يتعلق به حرمان الصدقة، ويتعلق به وجوب صدقة الفطر، والأضحية دون وجوب الزكاة، وهو أن يملك من الأموال الفاضلة عن حوائجه ماتبلغ قيمته مائتي درهم بأن كان له ثياب وفرش ودور وحوانيت ودواب زيادة على ما يحتاج إليه للابتذال لا للتجارة والأسامة. . . . ــــــــ والثالث: الغني الذي يحرم به السؤال ولا يحرم الأخذ ولا الدفع من غير سؤال. قال بعضهم: خمسون درهما، وقال عامة العلماء: إذا ملك قوت يومه وما يستر به عورته، فلا يحل له السؤال، فأما إذا لم يكن فلا بأس به، وأما الفقير إذا كان قويا مكتسبا فيحل به أخذ الصدقة، ولا يحل له السؤال. (تحفة الفقهاء-المؤلف: محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۱/ ۳۰۰، ۳۰۱، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ہے؛[1] لیکن والدین، دادا، دادی، اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کو نہیں دے سکتے۔[2]

نفلی صدقات اگر رشتہ دار، زیادہ حاجت مند ہوں، تو ان کو دینا افضل ہے، دوسروں کو دینا بھی جائز ہے، گھر کے افتتاح کے وقت نفل صدقہ کے اعتبار سے فقیروں کو کھلانا ہو، تو والدین اور رشتہ داروں کو دعوت دینا ضروری نہیں ہے؛ لیکن ایسے موقع پر ان کو دعوت دینا چاہیے، کہ یہ ان کا حق ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(١) والأفضل في الزكاة والفطر والنذر، الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأعمام والعمات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأخوال والخالات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى ذوي الأرحام ثم إلى الجيران، ثم إلى أهل حرفته، ثم إلى أهل مصره أو قريته كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ١/ ١٩٠، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر ☆ حاشية الطحطاوي على الدر: ١/ ٤٣٠، كتاب الزكاة، باب المصرف، ط: رشيديه - پاكستان ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ١٠٧٨هـ): ١/ ٣٣٣، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، ط: فقيه الأمة - ديوبند)

وقيد بأصله وفرعه؛ لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم، وهو أولى لما فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء، ولهذا قال في الفتاوى الظهيرية: يبدأ في الصدقات بالأقارب ثم الموالي ثم الجيران. (البحر الرائق: ٢/ ٢٦٢، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(٢) لا يجوز الدفع إلى أبيه وجده، وإن علا، ولا إلى ولده وولد ولده، وإن سفل؛ لأن المنفعة لم تنقطع عن المملك من كل وجه. (البحر الرائق: ٢/ ٢٦٢، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(٣) وقيد بالصدقة الواجبة؛ لأن صدقة التطوع الأولى دفعها إلى الأصول والفروع كذا في البدائع. (حوالہ سابق)

عن حکیم بن حزام رضی الله عنه. عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: الید العلیا خیر من الید السفلی، وابدأ بمن تعول، وخیر الصدقة عن ظهر غنی، ومن یستعفف یعفه الله، ومن یستغن یغنه الله.

(صحیح البخاري: ۱/ ۱۹۲، رقم الحدیث: ۱۴۲۷، کتاب الزکاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنی، ط: دیوبند ☆ الصحیح لمسلم: ۱/ ۳۳۲، رقم الحدیث: ۹۵- ۱۰۳۴، کتاب الزکاة، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی، وأن الید العلیا هي المنفقة وأن السفلی هي الآخذة، ط: دیوبند)

متفرقات الزکاة

[زکاۃ کے متفرق مسائل]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

متفرقات الزکاۃ

[زکاۃ کے متفرق مسائل]

[۱] زکوۃ نہ دینے والے کی دنیوی اور اُخروی سزا

۱۴۸۰- سوال: زکوۃ نہ دینے والے شخص کو آخرت میں تو عذاب ہوگا ہی ؛البتہ دنیا میں وہ کن دشواریوں کا سامنا کرے گا؟

ایم رحمن پٹیل لاج پوری

الجواب حامداومصلیا:

قحط سالی کے عذاب میں مبتلا ہو کر غربت کا شکار ہوگا۔ (حدیث پاک)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

[۲] زکوۃ واجب نہ ہونے کے باوجود احتیاطاً زکوۃ نکالنا

۱۴۸۱- سوال: کسی آدمی پر زکوۃ واجب نہ ہو، اس کے باوجود وہ احتیاطاً زکوۃ کی نیت سے کچھ رقم نکال کر اس کے مصرف میں ادا کرتا ہے، تو اس کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

عبدالرحمن بلیشوری

---

[۱] عن عبد اللہ بن بريدة، عن أبيه، قال: قال رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم: ما منع قوم الزكاة إلا ابتلاهم اللہ. (المعجم الأوسط: ۲۶/۵، باب العين، من اسمه عبدان، ط: دار الحرمين - القاهرة)

الجواب حامدا و مصلیا:

اس کو ثواب ملے گا، کہ اللہ تعالیٰ نیکوکار کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] تبلیغی اجتماع کے لیے جمع کی گئی رقم سے بچی ہوئی رقم کا حکم

۱۴۸۲- سوال: ہمارے یہاں تبلیغی اجتماع تھا، جس میں اہل قریہ نے اناج اور نقد رقم سے امداد کی تھی اور دوسرے گاؤں کے باعزت لوگوں نے بھی امداد کی تھی؛ لیکن زیادہ تر چندہ گاؤں کے افراد ہی کا تھا، اجتماع میں خرچ کے بعد تھوڑی سی رقم بچ گئی ہے، تو اس کا کیا کرنا چاہیے؟

اس بچی ہوئی زائد رقم سے ہم لوگ گاؤں میں وقتاً فوقتاً آنے والی تبلیغی جماعت کے کھانا کھانے کے لیے برتن خریدنا چاہتے ہیں، تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ برتن خریدنے کے بعد جو رقم بچتی ہے، اس کو کسی مدرسہ یا مسجد میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر دے سکتے ہیں، تو دونوں میں کون سا مصرف زیادہ بہتر ہے؟ اور اگر بچی ہوئی رقم سے نہ برتن خریدنے کی اجازت ہو اور نہ ہی مسجد و مدرسہ میں دینے کی، تو اس رقم کا کیا کرنا چاہیے؟

مولوی ولی فلاحی خانپوری

الجواب حامدا و مصلیا:

چندہ دینے والے خواہ آپ کے گاؤں کے ہوں یا دوسرے گاؤں کے، انھوں نے تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں کو اس رقم کے خرچ کرنے کے لیے وکیل بنایا ہے؛ اس لیے وہ [ذمے دار] حضرات جس صورت کو بہتر سمجھیں، اسے اپنا سکتے ہیں، اس کی ان کو اجازت حاصل ہے۔

تبلیغی جماعت کے لیے برتن خرید لینا زیادہ بہتر ہے، تاکہ جب بھی جماعت گاؤں میں آئے، ان برتنوں میں ان کو کھلایا پلایا جا سکے۔

اس کے علاوہ دوسری ضرورت کی چیزیں بھی خرید سکتے ہیں؛ تاکہ تبلیغی اجتماعات کے موقع پر بھی وہ کام میں آسکیں اور یہی مصرف اچھا ہے؛ کیوں کہ امداد کرنے والوں نے تبلیغی اجتماع ہی کی وجہ سے امداد کی ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝. (۹-التوبة: ۱۲۰-۱۲۱)

(۲) ويجوز التوكيل بالبياعات والأشربة والإجارات والنكاح والطلاق والعتاق والخلع والصلح والإعارة =

[۴] خریدے ہوئے گھر میں مدفون سونا ملا، تو وہ کس کا ہوگا؟

۱۴۸۳- سوال: ہمارے ایک ساتھی نے چند سال قبل ایک غیر مسلم سے پرانا مکان خریدا تھا، کچھ لوگوں نے کہا کہ اس گھر میں زمین کے اندر سونا مدفون ہے، جب کھدائی کی گئی، تو واقعۃً سونا ملا، دریافت یہ کرنا ہے کہ وہ سونا کس کا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مدفون سونا زمین سے ملا ہے اور اس کا مالک معلوم ہے، یا کسی نے اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا ہے اور وہ گواہی سے ثابت کر دیتا ہے، تو سونا اسی مالک کا ہے، اگر کوئی مالک معلوم نہ ہوا، تو جس نے نکالا ہے، اس کا ہوگا، فقط، (شامی جلد ۲، صفحہ ۳۲۲، ہندیہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۷)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=والاستعارة والهبة والصدقة والإيداع وقبض الحقوق والخصومات وتقاضي الديون والرهن والارتهان كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۳/ ۵۶۴، كتاب الوكالة، الباب الأول في معنى الوكالة وركنها وشرطها وألفاظها وحكمها وصفتها، ط: دار الفكر)

وللوكيل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه إلا إذا قال: ربها ضعها حيث شئت. (الدر المختار)

و في الشامية: ... الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، ط: دار الفكر - بيروت)

والأوجه أن ينظر إلى ما يقتضيه الحال في كل فقير من عيال وحاجة أخرى كدهن وثوب وكراء منزل وغير ذلك كما في الفتح اهـ. (رد المحتار: ۲/ ۳۵۵، كتاب الزكاة، فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر)

[۱] أما لو انتقل إليه ببيع أو هبة ووجد فيه ركازا، فقد اختلف الفقهاء في من يكون له الركاز، فذهب جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية وأبو حنيفة ومحمد وهي رواية عن أحمد) إلى أنه للمالك الأول أو لوارثه لو كان حيا، لأنه كانت يده على الدار فكانت على ما فيها. قال ابن عابدين نقلا عن البحر: إن الكنز مودع في الأرض فلما ملكها الأول ملك ما فيها، ولا يخرج ما فيها عن ملكه ببيعها كالسمكة في جوفها درة. وذهب أبو حنيفة ومحمد إلى أنه إذا لم يعرف المالك الأول ولا ورثته فيوضع الركاز في بيت المال على الأوجه. ... وقال ابن عابدين: قال أبو يوسف: الباقي للواجد كما في أرض غير مملوكة، وعليه الفتوى، وبه قال أبو ثور. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۳/ ۱۰۶، مادة: ركاز، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت، ط، دار السلاسل - الكويت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۲۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الركاز، ط: دار الفكر)

(قوله: وباقيه للمختط له) أي الأخماس الأربعة للذي ملكه الإمام البقعة أول الفتح، وإن كان ميتا فلورثته إن =

[۵] مقروض آدمی کا نفلی صدقہ دینا

۱۴۸۴- سوال: فضائل صدقات کے صفحہ نمبر ۲۰ پر صدقہ دینے پر بے شمار فائدے ذکر کیے گئے ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر کسی تنگ دست کے ذمے میں قرض ہو، اس کے باوجود صدقے کے فضائل کو حاصل کرنے کے لیے خرچ کرے، تو کیا شرعی اعتبار سے اس کی اجازت ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

پہلے قرض کی ادائیگی فرض ہے، فرض کو چھوڑ کر نفل صدقہ دینا جائز نہیں ہے، قرض کی ادائیگی پر قدرت کے باوجود حق دار کے حق کو روکے رکھنا ظلم ہے۔

عرفوا، وإلا فهو لأقصى مالك للأرض أو لورثته كذا في البدائع وقيل يوضع في بيت المال، ورجحه في فتح القدير، وفي التحفة جعله لبيت المال إن لم يعرف الأقصى وورثته، وهذا كله عندهما، وقال أبو يوسف: إن الباقي للواجد كالمعدن. . . ومحل الخلاف فيما إذا لم يدعه مالك الأرض فإن ادعى أنه ملكه فالقول قوله اتفاقا كذا في المعراج. (البحر الرائق: ۲/ ۲۵۳، كتاب الزكاة، باب الركاز، ط: دار الكتاب الإسلامي)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر رکاز کا مالک معلوم نہ ہو تو وہ واجد (پانے والے) کا ہوگا۔ لیکن فقہ احناف کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر رکاز کا مالک معلوم نہ ہو، تو اسے بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، عالم گیری میں بھی محیط سرخسی کے حوالے سے ایسا ہی لکھا ہوا ہے، لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے فتویٰ میں پہلے قول کو اختیار فرمایا ہے، جس کی دو وجہ ہو سکتی ہے: (۱) علامہ شامی السراج الوہاج کے حوالے سے اس قول کے بارے میں فرمایا ہے: وعلیہ الفتویٰ، (۲) ہندوستان میں بیت المال کا تصور نہیں ہے: اس لیے واجد کی ہی ملکیت ہوگی:

(قوله: وهذا إن ملكت أرضه) الإشارة إلى قوله وباقيه للمالك، وهذا قولهما وظاهر الهداية وغيرها ترجيحه لكن في السراج وقال أبو يوسف: والباقي للواجد كما في أرض غير مملوكة وعليه الفتوى. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۲۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الركاز، ط: دار الفكر)

وإن وجد في أرض مملوكة اتفقوا جميعا على وجوب الخمس فيه واختلفوا في أربعة أخماسه قال أبو حنيفة - رحمه الله تعالى - هي لصاحب الخطة كذا في شرح الطحاوي. وفي الفتاوى العتابية إذا كان صاحب الخطة ذميا فلا شيء له فإن لم يعرف المختط له، ولا ورثته يصرف إلى أقصى مالك في الإسلام يعرف له كذا في التتارخانية أو لورثته كذا في البحر الرائق ناقلا عن البدائع وشرح الطحاوي وإلا يكون لبيت المال كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزكاة، الباب الخامس في المعادن والركاز، ط: دار الفكر - بيروت)

اس لیے اولاً واجبی حق کا ادا کرنا ضروری ہے، نفلی صدقہ جائز نہیں ہے۔[1]

البتہ قرض اس قدر قلیل ہو کہ اس کو ادا کرنے کی قدرت ہے، تھوڑا کچھ صدقہ کرنے سے قرض کی ادائیگی پر کوئی اثر پڑنے کا اندیشہ نہ ہو، تو صدقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ثواب ملے گا۔

یا قرض ایسا ہو کہ فوراً ادا کرنا ضروری نہ ہو، اور صاحبِ حق کی جانب سے فی الحال تقاضہ کا

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: مطل الغني ظلم، فإذا أتبع أحدكم على ملي فليتبع. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۰۵، رقم الحديث: ۲۲۸۷، ۲۲۸۸، كتاب الحوالات، باب الحوالة، وهل يرجع في الحوالة؟ ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۸، رقم الحديث: ۳۳-۱۵۶۴، كتاب المساقاة، باب تحريم مطل الغني، وصحة الحوالة، واستحباب قبولها إذا أحيل على ملي، ط: ديوبند)

عن حكيم بن حزام رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اليد العليا خير من اليد السفلى، وابدأ بمن تعول، وخير الصدقة عن ظهر غنى، ومن يستعفف يعفه الله، ومن يستغن يغنه الله. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۹۲، رقم الحديث: ۱۴۲۷، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۳۲، رقم الحديث: ۹۵-۱۰۳۴، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، وأن اليد العليا هي المنفقة وأن السفلى هي الآخذة، ط: ديوبند)

قال الإمام البخاري: ومن تصدق وهو محتاج، أو أهله محتاج، أو عليه دين، فالدين أحق أن يقضى من الصدقة، والعتق والهبة، وهو رد عليه ليس له أن يتلف أموال الناس. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۹۲، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ط: ديوبند)

قال العيني: ومن تصدق وهو محتاج، أو أهله محتاج، أو عليه دين، فالدين أحق أن يقضى من الصدقة والعتق والهبة، وهو رد عليه، ليس له أن يتلف أموال الناس. ———— هذا كله من الترجمة وقع تفسيرا لقوله: (لا صدقة إلا عن ظهر غنى)، والمعنى أن شرط التصدق أن لا يكون محتاجا ولا أهله محتاجا ولا يكون عليه دين فإذا كان عليه دين فالواجب أن يقضي دينه، وقضاء الدين أحق من الصدقة، والعتق، والهبة؛ لأن الابتداء بالفرائض قبل النوافل، وليس لأحد إتلاف نفسه وإتلاف أهله وإحياء غيره، وإنما عليه إحياء غيره بعد إحياء نفسه وأهله، إذهما أوجب عليه من حق سائر الناس.... ومقتضى قوله: (وهو رد عليه) أن يكون الدين المستغرق مانعا من صحة التبرع؛ لكن هذا ليس على الإطلاق، وإنما يكون مانعا إذا حجر عليه الحاكم، وأما قبل الحجر فلا يمنع، كما تقرر ذلك في موضعه في الفقه، فعلى هذا إما يحمل إطلاق البخاري عليه، أو يكون مذهبه أن الدين المستغرق يمنع مطلقا، ولكن هذا خلاف ما قاله العلماء، حتى إن ابن قدامة وغيره نقلوا الإجماع على أن المنع إنما يكون بعد الحجر. (عمدة القاري- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۸/ ۲۹۳، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

اندیشہ بھی نہ ہو، تو اپنی حیثیت کے مطابق صدقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

[۲] مرحوم کے نام سے صدقہ دیتے ہوئے کس کی جانب سے نیت کی جائے؟

۱۴۸۵- سوال: نفل یا واجب صدقہ مرحوم کے نام سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مدارس کے سفراء حضرات چندہ کے لیے تشریف لاتے ہیں، ان کے پاس رسیدیں ہوتی ہیں، تو چندہ دیتے ہوئے مرحوم کے نام سے صدقہ لکھوا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

نیت کا اعتبار ہوگا، خواہ جس کا نام لکھا یا جائے؛ اس لیے جس کی جانب سے واجب صدقہ ادا کیا

(۲) عن أبي هريرة، أنه قال: يا رسول الله، أي الصدقة أفضل؟ قال: جهد المقل، وابدأ بمن تعول. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۳۶، رقم الحديث: ۱۶۷۷، كتاب الزكاة، باب في الرخصة في ذلك، بعد: باب الرجل يخرج من ماله، ط: فيصل پبلی کیشنز - دیوبند)

(عن أبي هريرة قال: يا رسول الله أي الصدقة أفضل؟ قال: "جهد المقل") بضم الجيم ويفتح، قال الطيبي: الجهد بالضم الوسع والطاقة وبالفتح المشقة، وقيل: هما لغتان، أي أفضل الصدقة ما يحتمله حال القليل المال، والجمع بينه وبين ما تقدم أن الفضيلة تتفاوت بحسب الأشخاص، وقوة التوكل، وضعف اليقين اهـ، وقيل: المراد بالمقل الغني القلب ليوافق قوله "أفضل الصدقة ما كان عن ظهر غنى"، وقال ابن الملك: أي أفضل الصدقة ما قدر عليه الفقير الصابر على الجوع أن يعطيه، والمراد بالغنى في قوله "أفضل الصدقة ما كان عن ظهر غنى" من لا يصبر على الجوع والشدة، توفيقا بينهما، فمن يصبر فالإعطاء في حقه أفضل، ومن لا يصبر فالأفضل في حقه أن يمسك قوته ثم يتصدق بما فضل اهـ وحاصل ما ذكروه أن تصدق الفقير الغني القلب ولو كان قليلا أفضل من تصدق الغني بكثرة المال ولو كان كثيرا، فهو من أدلة أفضلية الفقير الصابر على الغني الشاكر. (مرقاة المفاتيح: ۴/ ۱۳۵۳، رقم الحديث: ۱۹۳۸، كتاب الزكاة، باب أفضل الصدقة، الفصل الثاني، ط: دار الفكر - بيروت)

اعلم أن الصدقة تستحب بفاضل عن كفايته وكفاية من يمونه، وإن تصدق بما ينقص مؤنة من يمونه أثم، ومن أراد التصدق بماله كله وهو يعلم من نفسه حسن التوكل والصبر عن المسألة فله ذلك وإلا فلا يجوز، ويكره لمن لا صبر له على الضيق أن ينقص نفقة نفسه عن الكفاية التامة كذا في شرح درر البحار. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۷، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، مطلب: الأفضل على أن ينوي بالصدقة جميع المؤمنين والمؤمنات، ط: دار الفكر - بيروت)

جارہا ہے، بہتر ہے کہ اس کا نام رسید میں لکھوائیں، مرحوم کی جانب سے ایصال ثوب کے لیے دیا جارہا ہو، تو اس طرح لکھوائیں کہ فلاں مرحوم کے ثواب کے لیے، نفل صدقہ میں مرحوم کا نام لکھنا بھی درست ہے، لیکن اس مطلب دراصل مرحوم کو ثواب پہنچانا ہی ہوگا۔ [1] الغرض دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا، رسید بک میں نام کسی کا بھی لکھا ہوا ہو، جس کی جانب سے دینے کی نیت کی ہو، اسی کی جانب سے صدقہ ادا ہوگا۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] بہ قدرِ ضرورت مال رکھ کر باقی کو صدقہ کرنے کی اجازت ہے

۱۴۸۶- سوال: شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ صاحب کی فضائل صدقات کے صفحہ ۸ پر قرآن کی آیت لکھی ہے کہ اللہ تعالی بندے سے قرض مانگتا ہے، اس آیت کو سن کر ایک صحابی نے اپنا باغ- جس میں ۶۰۰ر کھجور کے درخت تھے- حضور ﷺ کے سامنے وقف کردیا اور بال بچوں کو، جو اس باغ ہی میں رہتے تھے، باہر سے آواز دی کہ یہ باغ اللہ تعالی کو قرض دے دیا ہے۔ تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا صحابی کے پاس رہنے اور ذریعۂ معاش کا دوسرا کوئی انتظام تھا یا نہیں؟ کیا آج کے دور میں آدمی کے اوپر اپنے بال بچوں کے لیے ذریعۂ معاش اختیار کرنا واجب ہے؟ تو کیا دوسرا کوئی سبب صحابی کے پاس تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر پر اس کی بیوی اور بچوں کا نان ونفقہ واجب ہے، حق واجب کی ادائیگی کے بعد شوہر کو اختیار

---

(۱) وفي التتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء اهـ والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۷، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، مطلب: الأفضل على أن ينوي بالصدقة جميع المؤمنين والمؤمنات، ط: دار الفكر)

(۲) اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ مرحوم کے نام نفلی صدقہ دینا، خواہ کسی فقیر کو ہو، یا مدرسے میں، بلاشبہ درست اور باعث اجر وثواب ہے، تاہم وہ صدقات جو دینے والے پر واجب ہیں، جیسے زکوۃ وغیرہ، تو ان میں دوسرے کی نیت کرنا درست نہیں، اس کی وجہ سے فراغ ذمہ حاصل نہیں ہوگا، البتہ اپنی جانب سے ادا کرنے کے بعد اس کا اجر وثواب دوسروں کو ایصال کرسکتے ہیں:

وظاهر إطلاقهم يقتضي أنه لا فرق بين الفرض والنفل فإذا صلى فريضة وجعل ثوابها لغيره فإنه يصح. (البحر الرائق: ۳/ ۶۴، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(قوله: ومن أهل بحج عن أبويه فعين صح)؛ لأنه جعل الثواب للغير، وهو لا يحصل إلا بعد الأداء فالنية قبله لهما لغو فإذا فرغ وجعله لأحدهما أو لهما فإنه يجوز. (حوالہ سابق: ۳/ ۷۴)

ہے کہ وہ اپنا سارا مال خرچ کردے۔[۱]

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ضرورت کے بہ قدر مال اپنے پاس رکھ کر باقی کو صدقہ کرنے کی اجازت ہے؛ لیکن اس طرح صدقہ کرنا کہ خود محتاج ہوجائے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے، بہتر نہیں ہے۔[۲]

مذکورہ قصے میں صحابی کے پاس مال تھا یا نہیں، اس سے بحث نہیں ہے، دوسرے بہت سے صحابہؓ کے کے واقعات میں ہے کہ انہوں نے اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ کردیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جو کچھ تھا، غزوہ تبوک کے موقع پر سب لے آئے، نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ گھر میں کیا چھوڑا ہے؟ تو جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے،[۳] الغرض یہ تو صحابۂ کرام کی شان تھی، وہ حضرات یک مشت

[۱] (ومنها) أي من أسباب وجوب النفقة (النسب فتجب على الأب خاصة) لا يشركه أحد فيها (كنفقة أبويه وزوجته) أي كما لا يشركه أحد في نفقتهم (ولو كان) الأب (فقيرا) لقوله تعالى ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ﴾ [البقرة:۲۳۳] والمولود له هو الأب (لولده) متعلق بقوله تجب (الفقير) حال كونه (صغيرا) حتى لو كان الصغير غنيا فهي في ماله. (درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى- خسرو (م:۸۸۵هـ): ۱/ ۴۱۸، كتاب الطلاق، باب النفقة، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۲) عن أبي هريرة- رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى، وابدأ بمن تعول. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۰۶، رقم الحديث: ۵۳۵۵، كتاب النفقات، باب وجوب النفقة على الأهل والعيال، ط: البدر- ديوبند)

أبو صالح، قال: حدثني أبو هريرة رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "أفضل الصدقة ما ترك غنى، واليد العليا خير من اليد السفلى، وابدأ بمن تعول". تقول المرأة: إما أن تطعمني، وإما أن تطلقني، ويقول العبد: أطعمني واستعملني، ويقول الابن: أطعمني، إلى من تدعني"، فقالوا: يا أبا هريرة، سمعت هذا من رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: لا، هذا من كيس أبي هريرة. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۵۳۵۴)

(۳) عن زيد بن أسلم، عن أبيه، قال: سمعت عمر بن الخطاب، رضي الله عنه يقول: "أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما أن نتصدق، فوافق ذلك مالا عندي، فقلت: اليوم أسبق أبا بكر إن سبقته يوما، فجئت بنصف مالي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أبقيت لأهلك؟، قلت: مثله، قال: وأتى أبو بكر رضي الله عنه بكل ما عنده، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أبقيت لأهلك؟، قال: أبقيت لهم الله ورسوله، قلت: لا أسابقك إلى شيء أبدا. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۳۶، رقم الحديث: ۱۶۷۸، باب في الرخصة في ذلك، بعد: باب الرجل يخرج من ماله، ط: ديوبند☆ سنن الترمذي: ۲/ ۲۰۸، رقم الحديث: ۳۶۷۵، أبواب المناقب، باب بلا ترجمة، بعد عدة أبواب: باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه واسمه عبد الله بن عثمان ولقبه عتيق، ط: ديوبند)

ایک سال کا مکمل نفقہ اپنی بیویوں کو دے دیتے تھے، تو واجب حق ادا ہو جاتا تھا، پھر پورا مال خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا، اسی طرح ان کے گھر والوں کی بھی یہی شان تھی کہ وہ لوگ خوشی سے اپنے حق سے دست بردار ہونے، ہر طرح کی قربانی دینے، پورا مال اللہ کی راہ اور ضرورت مندوں کی مدد میں خرچ کرنے اور ہر حال میں رضاء بالقضاء کے لیے تیار تھے، ان تمام اوصاف میں پیارے نبی ﷺ ان عملی رہنمائی فرماتے تھے، اور آپ کی ازواج مطہرات کندھے سے کندھا ملا کر آپ ﷺ کا ساتھ دیتی تھیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تین دن کا چاند ہم دیکھ لیتے، پھر بھی ہمارے گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا، دو ہی چیزوں پر گذارا ہوتا تھا، کھجور اور پانی۔[۴]

دوسری روایت میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی، اس وقت آپ ﷺ کی زرہ ایک تاجر کے پاس گروی تھی۔[۵]

متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ جب فتوحات ہوئیں اور مال غنیمت حاصل ہوا، تو آپ ﷺ نے کچھ زمینیں ازواج مطہرات کے خرچ کے لیے رکھی تھیں، اس سے تمام ازواج مطہرات کو، پیداوار کے موقع پر پورے سال کا خرچہ، دے دیتے تھے، تو حق ادا کر دیا جاتا تھا؛ لیکن امہات المؤمنین عمدہ شان والی

---

(۴) عن عائشة رضي الله عنها، أنها قالت لعروة: ابن أختي، إن كنا لننظر إلى الهلال، ثم الهلال، ثلاثة أهلة في شهرين، وما أوقدت في أبيات رسول الله صلى الله عليه وسلم نار، فقلت يا خالة: ما كان يعيشكم؟ قالت: "الأسودان: التمر والماء، إلا أنه قد كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم جيران من الأنصار، كانت لهم منائح، وكانوا يمنحون رسول الله صلى الله عليه وسلم من ألبانهم، فيسقينا". (صحيح البخاري: ۱/۳۴۹، رقم الحديث: ۲۵۶۷، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، ط: البدر - ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۲/۴۱۰، رقم الحديث: ۲۸ - ۲۹۷۲، كتاب الزهد والرقائق، ط: ديوبند)

اس سلسلے کی روایات کے لیے دیکھیں: صحيح البخاري: ۲/۹۵۵، رقم الحديث: ۶۴۵۲ تا ۶۴۶۰، كتاب الرقاق، باب: كيف كان عيش النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه، وتخليهم من الدنيا، ط: البدر - ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۲/۴۰۹، أوائل الزهد والرقائق، رقم الحديث: ۲۹۶۶ تا ۲۹۷۶، ط: ديوبند.

(۵) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم ودرعه مرهونة عند يهودي، بثلاثين صاعا من شعير. (صحيح البخاري: ۱/۴۰۹، رقم الحديث: ۲۹۱۶، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في درع النبي صلى الله عليه وسلم، والقميص في الحرب، ط: ديوبند)

اور بڑی حوصلہ مند تھیں، وہ سال بھر بچا کر نہیں رکھتی تھیں، پورا اللہ ہی کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں۔ [۶]

تو صحابہ کی شان اور ان کے احوال کو دیکھتے ہوئے ان کے لیے اس طرح کرنے کی اجازت تھی، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بے صبری اور تکلیف سے گھبرا جانے کی کوئی عادت نہ تھی، لہٰذا انہیں اس کی اجازت تھی، آج ایسی ہمتیں نہیں ہیں اور بال بچوں کا حق تو واجب ہے ہی؛ اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔ [۷] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] کنز کا اطلاق کس مال پر ہوتا ہے؟

۱۴۸۷- سوال: فضائل صدقات صفحہ ۱۳۹ پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: حضرت ابوذر غفاریؓ بھی انہیں حضرات میں سے ہیں، جن کا مسلک یہ ہے کہ روپیہ پیسہ بالکل رکھنے کی چیز نہیں ہے، ایک درہم جہنم کا ایندھن ہے۔

تو پوچھنا یہ ہے کہ اگر ایک درہم جمع کرنا ایندھن ہے، تو زکوۃ اور حج تو مال کے جمع ہونے پر واجب ہے اور اسلام دولت کا مخالف بھی نہیں ہے، پھر حضرت ابوذر غفاریؓ کے اس جملہ کا کیا مطلب؟

الجواب حامداومصلیا:

کنز: صرف وہ مال کہلاتا ہے، جس کی زکوۃ ادا نہ کی گئی ہو، ایسا مال عذاب الٰہی کا باعث ہے۔ [۱]

---

(۶) عن عمر -رضي الله عنه- قال: كانت أموال بني النضير مما أفاء الله على رسوله، مما لم يوجف عليه المسلمون بخيل ولا ركاب، فكانت للنبي صلى الله عليه وسلم خاصة، فكان ينفق على أهله نفقة سنة، وما بقي يجعله في الكراع والسلاح، عدة في سبيل الله. (الصحيح لمسلم: ۲/۸۹، رقم الحديث: ۴۸-۱۷۵۷، كتاب الجهاد، باب حكم الفيء، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

(۷) اعلم أن الصدقة تستحب بفاضل عن كفايته وكفاية من يمونه، وإن تصدق بما ينقص مؤنة من يمونه أثم، ومن أراد التصدق بماله كله وهو يعلم من نفسه حسن التوكل والصبر عن المسألة فله ذلك وإلا فلا يجوز، ويكره لمن لا صبر له على الضيق أن ينقص نفقة نفسه عن الكفاية التامة كذا في شرح درر البحار. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۵۷، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، مطلب: الأفضل على أن ينوي بالصدقة جميع المؤمنين والمؤمنات، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ. (۹- التوبۃ: ۳۴)

قال العيني: نزلت هذه الآية في عامة أهل الكتاب والمسلمين، وقيل: بل خاصة بأهل الكتاب، وقيل: بل هو =

حضرت ابوذر غفاریؓ کی خاص حالت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تعلیم دی تھی کہ دنیا اور اس کے مال سے بالکل دور رہنا، ان کا عمل اس پر تھا اور وہ کسی بھی قسم کے مال کو جمع کرنے کے مخالف تھے؛ لیکن عام حالات میں یہ کوئی واجب اور ضروری عمل نہ تھا، پھر بھی حضرت ابوذرؓ سب کے لیے اس کو ضروری سمجھتے تھے، یہ ان کا اپنا نظریہ تھا، جس میں وہ منفرد تھے، دوسرے صحابہ کرامؓ کا یہ مسلک نہیں تھا۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= كلام مستأنف في حق من لا يزكي من هذه الأمة، قاله ابن عباس والسدي، وأكثر المفسرين، وسيجيء في تفسير هذه عن البخاري: حدثنا قتيبة حدثنا جرير عن حصين عن زيد بن وهب، قال: مررت على أبي ذر بالربذة فقلت: ما أنزلك هذه الأرض؟ فقال: كنا بالشام فقرأت: {والذين يكنزون الذهب والفضة} . الآية، فقال معاوية: ما هذا فينا، ما هذا إلا في أهل الكتاب. قال: قلت: إنها لفينا وفيهم، ورواه ابن جرير، وزاد، فارتفع في ذلك القول بيني وبينه، فكتب إلى عثمان - رضي الله تعالى عنه - يشكوني، فكتب إلي عثمان: أن أقبل إليه. قال: فأقبلت، فلما قدمت المدينة ركبني الناس كأنهم لم يروني يومئذ، فشكوت ذلك إلى عثمان، فقال لي: تنح قريبا. فقلت: والله لن أدع ما كنت أقول. وكان من مذهب أبي ذر تحريم إدخار ما زاد على نفقة العيال، وكان يفتي الناس بذلك ويحثهم عليه ويأمرهم به ويغلظ في خلافه، فنهاه معاوية، رضي الله تعالى عنه، فلم ينته فخشي أن يضره الناس في هذا، فكتب يشكوه إلى أمير المؤمنين عثمان، وأن يأخذه إليه، فاستقدمه عثمان - رضي الله تعالى عنه - إلى المدينة وأنزله بالربذة وحده، وبها مات في خلافة عثمان، رضي الله تعالى عنه. . . . واعلم أن الكنز المستحق عليه الوعيد كل مال لم تؤد زكاته، وكل مال أديت زكاته فليس بكنز، وإن كان تحت سبع أرضين رواه نافع عن ابن عمر، وروى نحوه عن ابن عباس وجابر وأبي هريرة موقوفا ومرفوعا، وعن عمر بن الخطاب، رضي الله تعالى عنه، أي مال أديت زكاته فليس بكنز، وإن كان مدفونا في الأرض، وأي مال لم تؤد زكاته فهو كنز يكوي به صاحبه وإن كان على وجه الأرض. (عمدة القاري-بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۸/۲۴۹-۲۴۸، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ط: دار إحياء التراث الإسلامي)

عن ابن عباس - رضي الله عنهما - قال: لما نزلت هذه الآية: {والذين يكنزون الذهب والفضة} [التوبة: ۳۴]، قال: كبر ذلك على المسلمين، فقال عمر رضي الله عنه: أنا أفرج عنكم، فانطلق، فقال: يا نبي الله، إنه كبر على أصحابك هذه الآية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله لم يفرض الزكاة، إلا ليطيب ما بقي من أموالكم، وإنما فرض المواريث لتكون لمن بعدكم، فكبر عمر، ثم قال له: ألا أخبرك بخير ما يكنز المرء؟ المرأة الصالحة، إذا نظر إليها سرته، وإذا أمرها أطاعته، وإذا غاب عنها حفظته. (سنن أبي داود: ۱/۲۳۵، رقم الحديث: ۱۶۶۴، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ط: فيصل - ديوبند)

(۲) عن الأحنف بن قيس، قال: جلست إلى ملإ من قريش، فجاء رجل خشن الشعر والثياب والهيئة، حتى قام عليهم فسلم، ثم قال: بشر الكانزين برضف يحمى عليه في نار جهنم، ثم يوضع على حلمة ثدي أحدهم حتى يخرج من =

=نغض كتفه، ويوضع على نغض كتفه حتى يخرج من حلمة ثديه، يتزلزل، ثم ولى، فجلس إلى سارية، وتبعته وجلست إليه وأنا لا أدري من هو؟ فقلت له: لا أرى القوم إلا قد كرهوا الذي قلت، قال: إنهم لا يعقلون شيئا، ــــــــ قال لي خليلي، قال: قلت: من خليلك؟ قال النبي صلى الله عليه وسلم: "يا أبا ذر أتبصر أحدا؟" قال: فنظرت إلى الشمس ما بقي من النهار، وأنا أرى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم يرسلني في حاجة له، قلت: نعم، قال: ما أحب أن لي مثل أحد ذهبا، أنفقه كله، إلا ثلاثة دنانير، وإن هؤلاء لا يعقلون، إنما يجمعون الدنيا، لا والله، لا أسألهم دنيا، ولا أستفتيهم عن دين، حتى ألقى الله. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۸۹، رقم الحديث: ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، كتاب الزكاة، باب: ما أدي زكاته فليس بكنز، ط: البدر-ديوبند)

قال ابن حجر: والجمع بين كلام ابن عمر، وحديث أبي ذر أن يحمل حديث أبي ذر على مال تحت يد الشخص لغيره، فلا يجب أن يحبسه عنه أو يكون له لكنه ممن يرجى فضله وتطلب عائدته كالإمام الأعظم فلا يجب أن يدخر عن المحتاجين من رعيته شيئا، ويحمل حديث بن عمر على مال يملكه قد أدى زكاته فهو يحب أن يكون عنده ليصل به قرابته ويستغني به عن مسألة الناس، وكان أبو ذر يحمل الحديث على إطلاقه فلا يرى بادخار شيء أصلا، قال بن عبد البر: وردت عن أبي ذر آثار كثير تدل على أنه كان يذهب إلى أن كل مال مجموع يفضل عن القوت وسداد العيش فهو كنز يذم فاعله وأن آية الوعيد نزلت في ذلك، وخالفه جمهور الصحابة ومن بعدهم، وحملوا الوعيد على مانعي الزكاة... وفي المسند من طريق يعلى بن شداد بن أوس عن أبيه قال: كان أبو ذر يسمع الحديث من رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه الشدة ثم يخرج إلى قومه ثم يرخص فيه النبي صلى الله عليه وسلم فلا يسمع الرخصة ويتعلق بالأمر الأول. (فتح الباري شرح صحيح البخاري- أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م: ۸۵۲ھ): ۳/ ۲۷۳، كتاب الزكاة، باب ما أدي زكاته فليس بكنز لقول النبي صلى الله عليه وسلم ليس فيما دون خمس أواق صدقة، ط: دار المعرفة- بيروت)